فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

خیر الفتاوی

جلد سوم

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

مُرتّبہ

مفتی محمد انور

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ
مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان
پاکستان

نام کتاب		خیر الفتاوی جلد سوم
مرتب		مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
باہتمام		حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری مدظلہ
ضخامت		۶۰۸ صفحات
تعداد	:	ایک ہزار
طباعت	:	صفر المظفر ۱۴۱۴ھ اگست ۱۹۹۳ء
سرورق	:	سید الخطاطین حضرت سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم
کتابت	:	قاری سیف اللہ خالد قادری لاہور ، محمد یوسف جاوید ، محمد اقبال یوسفی
مطبع	:	

ملنے کے پتے :

مکتبہ الخیر	:	جامعہ خیر المدارس ملتان
مکتبہ البلاغ	:	نزد خیر المدارس ملتان
مکتبہ امدادیہ	:	مقبول روڈ، چونگی نمبر ۱۴ ملتان
مکتبہ حقانیہ	:	مقبول روڈ چونگی نمبر ۱۴ ملتان
مکتبہ مجیدیہ	:	بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
مکتبہ شرکت علمیہ	:	بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
مکتبہ مدنیہ		الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ	:	باب العمرہ، مکۃ مکرمہ، سعودی عرب
مکتبہ سید احمد شہیدؒ	:	الکریم مارکیٹ اُردو بازار ، لاہور
مکتبہ اسحاقیہ	:	جونا مارکیٹ ـــــــ کراچی
مکتبہ بُرہان	:	اُردو بازار ـــــــ کراچی

پیشِ لفظ

از حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم
مہتمم ، جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان شہر

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ـــــ اما بعد :

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہونے کے لحاظ سے دُنیا کے تمام مذاہب سے ممتاز ہے اسکی تعلیمات ، قرآن حکیم ، حدیثِ رسُول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فقہاءِ کرام کی اجتہادی کاوشوں کی شکل میں ان شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گی ۔ اِس دعویٰ کی صداقت کے لئے ایک دو نہیں چودہ صدیوں کی شہادت موجود ہے ۔ اِس عرصہ میں دین کی سَرحدوں پر عُلماءِ کرام نے ایک وفادار اور چوکس غلام کی طرح پہرہ دیا ہے ۔ قرآن کریم کو (العوذ باللہ) غیر محفوظ کہنے والے ہوں ، یا حدیثِ رسولؐ کو بے وقعت ٹھہرانے والے ، فقہ اسلام کو دَورِ ملوکیت کی پیداوار قرار دینے والے ہوں یا احسان وسلوک کو افیون کا نام دینے والے ، ان تمام گروہوں کی ستم کیشیوں اور چیرہ دستیوں کا بے جگری سے مقابلہ کرنے اور سرچشمۂ اسلام کا مردانہ وار دِفاع کرنے کا شرف واعزاز اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ انہی عُلماءِ ربانیین کی جماعت ہے ۔ جس نے اپنی بے بضاعتی اور ابنائے زمانہ کی ناقدر شناسی کے باوجود اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف نبھایا بلکہ آنیوالی نسلوں کے لئے ایسی بُنیادیں فراہم کر دیں کہ اسلام کی عمارت مخالفت کے تُند وتیز تھپیڑوں اور طوفانوں میں بھی پُوری قوت واستقامت سے بَرقرار رہے ۔

عصرِ حاضر کے جدید تہذیب وتمدن سے جو نئے نئے مسائل اور اِشکالات سر اُٹھاتے ہیں اسلام کی روشنی میں اُنکے حل اور قوم کی رہنمائی کے فریضہ سے عُلماءِ کرام نے کبھی کوتاہی اور غفلت نہیں کی ۔ مغربی تعلیم پانیوالے حلقوں کا یہ الزام کہ عُلماءِ عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہیں صرف اِس لئے ہے کہ علماءِ حق نے شریعت کو بازیچۂ اطفال بنانے کی اجازت

کسی دَور میں نہیں دی اور نہ ہی دورِ جدید کے "مجتہدین" کے فکر و ذکاوت سے مرعوب ہو کر اسلام کے ابدی اصولوں کو متزلزل اور محلِ ترمیم ٹھہرایا ہے۔ باقی انسانی زندگی کی بے شمار جزئیات میں پیش آنیوالے ہزاروں مسائل ایسے ہیں کہ عامۃ المسلمین نے اُن کے حل کے لئے ملک کے معتمد دینی اداروں سے رجوع کیا اور ایسا کبھی نہیں ہُوا کہ انہیں جواب نہ دیا گیا ہو یا ان کی تشفی نہ کرائی گئی ہو۔ جامعات کے "دار الافتاء" کے ریکارڈ سے یہ شہادت لی جا سکتی ہے کہ اب تک ہزاروں اشکالات و استفسارات کے شافی و مُدلل جوابات لاکھوں قلوب کو سکون و طمانیت عطا کر چکے ہیں۔

علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی انہی علمی و دینی کاوشوں کا ایک حسین ثمر "خیر الفتاویٰ" کی شکل میں آپکے سامنے ہے۔ جو ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس کے بانی و مہتمم عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور دیگر مفتیانِ خیر المدارس کی چالیس سالہ محنتوں کا نچوڑ ہے۔ اس سے قبل اس سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جنہیں اہلِ علم سے خراجِ تحسین کے علاوہ ملک و بیرونِ ملک وسیع تعارفی حلقہ میسّر آیا، ہمارے لئے باعثِ صد تشکر تھے۔ اب اسکی تیسری جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اہلِ نظر حسبِ سابق اِس کا استقبال اور قدر افزائی شایانِ شان کریں گے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح جلد ثالث کی ترتیب و مراجعت بھی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب مدظلہم صدر مفتی جامعہ ہذا کی نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے مفتی و اُستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب دامت برکاتہم نے فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں انشاء اللہ العزیز کچھ وقفہ کے بعد جلد رابع بھی منظرِ عام پر آ جائے گی۔ تمام ناظرین سے التماس ہے کہ وہ جامعہ، اس کے کارکنان، اساتذہ کرام اور فتاویٰ کی ترتیب و تالیف کرنیوالوں کو اپنی دُعاؤں میں یاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلہ کو جملہ اہلِ اسلام کے لئے نافع اور ذریعہ ہدایت فرمائیں۔ آمین!

والسلام،

محمد حنیف جالندھری،

مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ۝ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝

اجمالی فہرست خیر الفتاویٰ (جلد سوم) (۳)

فہرست مضامین (خیر الفتاویٰ) جلد سوم

بَابُ العِیدین



قال الله تعالی یاایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ٥

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

(سورہ جمعہ پ ۲۸) (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خیر الفتاویٰ

(جلد سوم)

مرتب: محمد انور

باب الجمعة

جمعہ کیلئے دو خطبوں کا ثبوت

۱: کیا خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا؟

۲: خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانہ میں اجماع صحابہؓ سے دو حصّوں میں شروع ہوا:

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذانِ جمعہ ایک دلوائی یا دو، اور پھر یہ دو اذانیں کب سے شروع ہوئیں؟

الجواب

۱، ۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراه المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب۔ (ابوداؤد، ج۱، ص ۱۵۶)۔

۳: اذانِ ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماع صحابہؓ سے شروع ہوئی۔

فلما کان خلافة عثمان رض کثر الناس امر عثمان یوم الجمعة

بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذالک

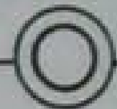
(ابوداؤد ، ج ۱ ،ص ۱۵۶) - فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیرالمدارس ملتان ۱۵/۱۰/۹۲ھ

اذانِ ثالث کہنا بوجہ تکبیر کے ہے ورنہ یہ عملاً اذانِ اوّل ہے - والجواب صحیح -

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان -



خطبہ جمعہ سے پہلے نعتیں وغیرہ پڑھنا

نمازِ جمعہ ادا کرنے سے پہلے سنتیں پڑھنے کا وقت ہوتا ہے - کیا مسجد میں نعت یا مدح صحابہ رض وغیرہ اس طرح گا کر پڑھنا کہ جس سے سنتیں پڑھنے والے کو خلل پڑجائے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب نمازِ جمعہ میں جب تک کہ لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوں نعت خوانی شروع کرنا جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل آئے مکروہ ہے -

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۱/۱/۱۷ھ	خادم الافتاء خیرالمدارس ملتان

خطبہ سنتے وقت کیسے بیٹھا جائے

جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہئے ؟ بینوا توجروا -

محمد اقبال عفا اللہ عنہ ، گلشن آباد ، گوجرانوالہ

الجواب (جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں - البتہ مستحب یہ ہے کہ بحالتِ تشہد دوزانو بیٹھا جائے - مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر رکھنا محض عامیانہ فعل ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ، ایسا نہ کیا جائے -)

اذا شھد الرجل عند الخطبة ان شاء جلس محتبیاً او

متربعا او کما تیسر لانہ لیس بصلوة عملا وحقیقة کذا فی المضمرات ویستحب ان یقعد فیہا کما یقعد فی الصلوة کما فی معراج الدرایة (عالمگیری ، ج ۱ ص ۷۶)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، مفتی خیرالمدارس ملتان



جمعہ کی نماز تین بجے درست ہے یا نہیں

اگر مؤرخہ تین دسمبر کو شہر لائل پور میں نمازِ جمعہ تین بجے پڑھائی جائے تو مذہب احناف کے مطابق نمازِ جمعہ کی ادائیگی وقت کے اعتبار سے صحیح ہے یا باطل ؟ اگر صحیح ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ ؟ کراہت کی صورت میں مکروہِ تحریمی ہے یا تنزیہی ؟

محمد طفیل قیوم عفا اللہ عنہ ، طارق آباد ، لائلپور

الجواب (جمعہ کے بارے میں تعجیل (یعنی اوّل وقت میں پڑھنا) مستحب ہے - سردی ہو یا گرمی) - کما فی الشامیة ، ج ۱ ،ص ۳۴۰ -

لکن جزم فی الاشباہ من فن الاحکام انہ لا یسن لہا الابراد فی جامع الفتاوی لقارئ الھدایة قیل انہ مشروع لانہا تؤدی فی وقت الظھر وتقوم مقامہ وقال الجمھور لیس بمشروع لانہا تقام بجمع عظیم فتأخیرھا مفض الی الحرج ولا کذالک الظھر وموافقة الخلف لاصلہ من کل وجہ لیس بشرط - اھ - شامی ص ۳۴۰ ج ۱ -

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا تو ہوگئی - البتہ وقتِ مکروہ میں پڑھنے کی وجہ سے مکروہِ تحریمی ہوگی - کما فی الطحطاوی ، ص ۹۸ -

وفی الخزانة الوقت المکروہ فی الظھر ان یدخل فی حد الاختلاف و اذا اخرہ حتی صار ظل کل شیٔ مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف حموی -

فقط واللہ اعلم : بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ

(ظہر کا وقت مفتی بہ مذہب کے مطابق ایک مثل تک ہے اگر جمعہ ایک مثل کے اندر ہے تو صحیح ہے ورنہ باطل ہے۔)

خیر محمد عفا اللہ عنہ ، مہتمم خیر المدارس ملتان

جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیئے

ایک خطیب کا گلا خراب ہے۔ اس نے ایک اور خطیب کو دعوت دی۔ اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لئے سابق کو آگے کر دیا۔ بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ درست ہے ؟ اور وہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہیں ؟

الجواب جمعہ میں امام و خطیب ایک ہی شخص ہونا چاہیئے۔ مذکورہ جمعہ ہو گیا۔ آئندہ ایسا نہ کیا جاوے۔ جو جمعہ ادا کر چکا ہے وہ بہ نیت نفل شریک جماعت ہو سکتا ہے امامت نہیں کرا سکتا۔

لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانہما کشیء واحد فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز اھ

(درمختار علی الشامیۃ ، ج ۱ ، ص ۵۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳/۱۰/۹۹ھ

عورتوں کا جمعہ کے لئے مسجد میں آنا مکروہ ہے

زید کہتا ہے کہ عورتوں کے لئے نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ پڑھتی تھیں مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے منع فرما دیا تھا۔ تو عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا سے جا کر شکوہ کیا تو

انہوں نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو وہ بھی منع فرما دیتے۔ اگر یہ درست ہے تو عبارت مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

۲ : اب عورتیں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئیں یا نہ آئیں ؟

الجواب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کا یہ ارشاد " ابوداؤد شریف : ج ۱ ص ۸۴ " پر منقول ہے۔

" ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن ۔ اھ ۔ الحدیث.

۲ : اس وقت بھی عورتوں کا آنا مکروہ ہے۔

ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ و عید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان اھ

(درمختار علی الشامیۃ : ج ۱ : ص ۵۲۹)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعاء مانگنے کا حکم

جمعہ کی دوسری اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں ؟

محمد اقبال سمیع سنز حرم گیٹ ملتان

الجواب ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا درست نہیں ہے ، دل میں مانگ سکتے ہیں۔ واللہ علیم بذات الصدور ۔ اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام الی تمامہا ای للخطبۃ اھ۔

(درمختار علی الشامی ، ج ۱ ، ص ۷۶۸)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱ / ۱۴۰۰ھ

اجتماعِ عید و جمعہ مُسقطِ جمعہ نہیں

زید کہتا ہے کہ اگر عید اور جمعہ ایک دن جمع ہوجائیں اور مسلمان عید کی نماز پڑھ لیں تو ان پر جمعہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی یعنی نہیں ظہر ادا کرنی چاہیئے نہ کہ جمعہ۔ اگر جمعہ ادا کریں گے تو ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی اور نہ پڑھنے پر ترکِ فرض کے مجرم ہوں گے۔

بکر کہتا ہے کہ ایسا نہیں، بلکہ جب مسلمان عید پڑھ چکیں گے تو اس دن جمعہ پڑھنے نہ پڑھنے میں ان کو اختیار ہوگا۔ یعنی اگر جمعہ نہ پڑھیں بلکہ ظہر باجماعت پڑھ لیں تو ترکِ فرض جمعہ کے مجرم نہ ہوں گے۔ اور اگر جمعہ پڑھیں گے تو اس دن کی ظہر سے بریٔ الذمہ ہوجائیں گے جمعہ فرض بن کر ظہر کے قائم مقام ہوجائے گا جیساکہ نابینا وغیرہ معذورین پر جمعہ فرض نہیں اور اگر جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہوجاتی ہے۔ دونوں کا منشاءِ اختلاف جامع الرموز کی یہ عبارت ہے

" فلو اجتمعا لم یلزم الاصلوة احدهما قیل الاولی صلوة العید وقیل صلوة الجمعة کما فی التمرتاشی بناء علیہ ":

عرض ہے کہ زید اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط۔ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب زید اور بکر دونوں کا قول خلافِ تحقیق اور غیر صحیح ہے۔ محقق یہ ہے کہ عید اور جمعہ اگر ایک ہی دن میں جمع ہوجائیں تو عید پڑھ لینے سے وجوبِ جمعہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ جمعہ بدستور فرض و واجب رہتا ہے۔ جمعہ چھوڑنے کی ایسی صورت میں اجازت نہیں۔ "جامع الرموز" کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے بلکہ حضرت عطاءؒ کا قول ہے۔ درمختار میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

قلت قد راجعت التمرتاشی فرأیتہ حکاہ عن مذهب الغیر و بصیغة التمریض فتنبہ اھ وفی الشامیة ای مذهب غیرنا اما مذهبنا فلزوم کل منهما قال فی الهدایة ناقلا عن الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنة و الثانی فریضة ولا یترک واحد منهما اھ قال فی المعراج احترزبہ عن قول عطاء تجزی صلوة العید عن الجمعة اھ (شامیة، ج ۱: ص ۷۷۴)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۱/۹/۸۶ھ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اڑھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے

چک نمبر ۲۵۱ گ ب، اگی۔ ضلع فیصل آباد برلب سڑک پختہ ہے آبادی اڑھائی ہزار ہے۔ چک میں بجلی، ڈاک خانہ، مڈل سکول، گرلز سکول، پرائمری سکول مردانہ، دو کارخانے جس میں آٹا پیسنے کی مشین اور لکڑی چیرنے کی مشین، روئی پینجنے والی مشین، تیل والی مشین، بسوں کا اڈہ، گیارہ دکانیں، برف کا کارخانہ اور چک میں نو دکانیں ہیں۔ بسوں کا اڈہ چک مذکور سے دو فرلانگ پر ہے۔ چوتھے مربع پر ہائی سکول اور کالج ہے۔ تین مسجدیں ہیں۔ نیز مدرسہ تعلیم القرآن و تعلیم البنات بھی ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے؟

حکیم عبد الحمید نورنگ پوری

الجواب مذکورہ بستی کے بارے میں تقریباً بیالیس ۴۲ سال پہلے بھی استفتاء کیا گیا تھا جس کے جواب میں جوازِ جمعہ کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ اب تک بستی کی آبادی و مرکزیت میں مزید اضافہ ہوا ہے جیساکہ زیرِ جواب استفتاء میں مذکور ہے۔ لہٰذا یہاں صحتِ جمعہ میں تردد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

۲ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم

ایک گاؤں جس کی آبادی ساڑھے تین سو خانہ کی ہے اور رقبہ آبادی کا ایک مربع نو ایکڑ ہے اور چھبیس ۲۶ دکانات ہیں جن سے جملہ اشیاءِ ضرورت مل سکتی ہیں۔ اور ایک کارخانہ آٹا پیسنے کا اور مدرسہ تعلیم القرآن، ۶ کنوئیں اور ۸ نلکے، ایک پنچائتی عدالت جس کو مجسٹریٹی اختیارات حاصل ہیں

باشندگان کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے۔ مٹی کے برتن کی دوکان اور زرگر اور موچی وغیرہ بھی موجود ہے۔ کیا یہاں جمعہ جائز ہے۔ ؟

الجواب: بستی مذکورہ اپنی آبادی اور تجارتی دوکانوں کے اعتبار سے نظرِ ناظر میں قریۂ کبیرہ کی حد میں داخل ہے۔ احقر راقم الحروف نے خود بھی معائنہ کیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بستی میں فرضِ جمعہ ادا ہوجاتا ہے۔ شامی ؛ ج ۱ : ص ۵۳۷ میں ہے۔

وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیھا اسواق اھ فقط واللہ اعلم۔

العبد خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان : ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

دورانِ خطبہ ہاتھ میں عصا لینا

۱ : دورانِ خطبۂ جمعہ ہاتھ میں عصا لینے کی تفصیل فرمائیں۔ ۲ : عام حالات میں ہاتھ میں عصا لینا کیسا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے ؟

الجواب: ۱ : اس باب میں احادیثِ مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔ ابوداؤد شریف کے یہ الفاظ ہیں۔ فقام متوکئاً علی عصا او قوس اھ مگر اس سے مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ مسلم کی حدیث میں یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ ثم قام متوکئاً علی بلال اھ خلاصہ یہ ہے کہ عصا بوقتِ خطبہ ہاتھ میں لینا سنتِ غیر مؤکدہ ہے۔

من فعل فقد احسن و من لا فلا حرج علیہ۔ (امداد المفتیین ج ۱ - ص ۱۱۲)

۲ : امر مستحسن ہے اور دائیں ہاتھ میں لینا چاہئے۔ وینبغی ان یأخذ السیف او العصا او غیرھما بیدہ الیمنی اذ انھا سنۃ لان تناول الطھارۃ انما یکون بالیمین والمستقذرات بالشمال۔ (المدخل ج ۲، ص۴۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۶/۳ھ

قریۂ صغیرہ میں جمعہ پڑھا گیا تو ظہر ادا کرنی لازم ہے

ایک بستی جس کی آبادی سات سو ہے دوکان صرف ایک ہے۔ ضروریاتِ زندگی نہیں ملتیں کیا اس جگہ جمعہ جائز ہے۔ ؟ اگر پڑھا گیا تو دوبارہ ظہر پڑھی جائے یا نہیں ؟

محمد قاسم ربانی، مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی۔

الجواب: مذکورہ بستی قریۂ صغیرہ ہے اس میں عند الاحناف جمعہ جائز نہیں۔ جن لوگوں نے جمعہ پڑھا ہے ان کے ذمہ اس دن کی ظہر باقی ہے۔

فی الجواھر لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر اھ

(شامی، ج ۱، ص۷۴۸)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۳۹۷/۱۱/۳ھ

جواثی شہر تھا یا قریہ

پہلا جمعہ بحرین کے مقام جواثی میں ادا کیا گیا۔ یہ مقام شہر تھا یا گاؤں ؟ اگر شہر تھا تو اس کا شہر ہونا، اور کس سال میں جمعہ پڑھا گیا ؟ بیان فرمائیں۔

۲ : خطبہ قوم کو سنانا فرض ہے یا سنت ؟

الجواب: متعدد اہلِ لغت اور تاریخ سے منقول ہے کہ "جواثی" شہر تھا۔ علامہ عینی رح عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ اس میں چار ہزار سے زیادہ آدمی رہتے تھے۔ کان یسکنھا فوق اربعۃ آلاف نفس اھ۔ علامہ ابن اثیر رح نہایہ میں لکھتے ہیں جواثی ھو اسم حصن بالبحرین (اور قلعے شہروں میں ہوتے ہیں) علامہ جوہری کی صحاح، علامہ زمخشری رح کی بلدان اور سیوطی سے بھی ایسے ہی منقول ہے۔ ابو عبید بکری سے منقول ہے۔

انما مدینۃ بالبحرین۔ (اعلاء السنن، ص۱۲)۔

لفظِ قریہ سے شبہ نہ کیا جائے کیوں کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی قرآن و حدیث اور لغت سے ثابت ہے۔ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم الآیۃ

" جوانی " میں جمعہ وفد عبد القیس آنے کے بعد پڑھا گیا۔ اس پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وفد عبد القیس فرضیتِ حج کے بعد آیا ہے البتہ سن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واقدی نے ۸ھ قبل فتح نقل کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ۹ھ کہا ہے۔ (اعلاء السنن ۸ ص ۱۴)۔

۲ (نفس خطبہ شرائطِ جمعہ سے ہے بایں معنی کہ خطبہ کا ہونا ضروری ہے کسی کو سنے یا نہ سنے۔)

ویشترط لصحتها سبعة اشياء الى قوله والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلى فيه لم تصح اھ (درمختار على الشامى ج ۱ ص ۵۴۷)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۱۲ / ۶ / ۱۳۹۹ھ

شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جوازِ خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب

آپ نے اپنے فتوے میں جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کو مکروہِ تحریمی لکھا ہے اس دلیل سے کہ صحابۂ کرام رضنے روم و فارس میں صرف عربی میں خطبہ دیا حالانکہ وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔

احقر نے آپ کے فتوے کی بناء پر پیش امام صاحب کو عرض کیا کہ آپ اردو تقریر درمیان میں نہ کیا کریں۔ خطیب صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ ہیں۔ انہوں نے کتب میں مسئلہ کو تلاش کیا۔ بہت کوشش کی اور فرمایا کہ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ مذہب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان عن العلامۃ سید محمد امین المعروف بابن عابدین کے الجزء الاول کے حسبِ ذیل اقتباسات سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کا جواز ہی نہیں ملتا بلکہ تاکید مترشح ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے فتوے سے پورا اتفاق ہے۔ آپ ایسی عبارات نقل فرمادیں جن سے اردو خطبہ کا مکروہِ تحریمی ہونا معلوم ہوتا ہو۔

ص ۵۹۷ : لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو مع

القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاه الا عند العجز كالخلاف فى الشروع فى الصلوة ـــــ

ص ۵۹۸ : قوله ويبدأ اى قبل الخطبة الاولى بالتعوذ سرا ثم بحمد الله تعالى والثناء والشهادتين والصلوة على النبى عليه السلام والعظة والتذكير والقرأة قال فى التجنيس والثانية كالاولى الا انه يدعو للمسلمين مكان الوعظ ـــــ

ص ۶۱۸ : فى خطبة العيدين حيث قال ويستفاد من كلامهم ان الخطيب اذا رأى حاجة الى معرفة بعض الاحكام فانه يعلمهم اياها فى خطبة الجمعة خصوصا فى زماننا لكثرة الجهل وقلة العلم فينبغى ان يعلمهم فيها احكام الصلوة كمالا يخفى۔

الجواب افسوس کہ فاضل موصوف نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ ابن عابدین ص ۵۹۷ میں جس باب صفۃ الصلوۃ کا حوالہ دے رہے ہیں اسے کھول کر دیکھ لیتے۔ اس میں صراحۃً موجود ہے۔

وصح شروعه ايضا مع الكراهة التحريمية بتسبيح وتهليل الى قوله كما صح لو شرع بغير عربية۔

اس صحت کے ساتھ بھی کراہتِ تحریمی پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے وقت اللہ اکبر کی بجائے " خدائے بزرگ است " کہہ دے تو نماز میں شروع ہونا تو صحیح ہو جائے گا لیکن "مع الکراہۃ التحریمیۃ"۔ اور آگے فرماتے ہیں۔ "شرطا عجزہ" صاحبین نے فارسی میں تکبیر کی صحت کے لئے " عجز عن العربیۃ " کی شرط لگائی ہے۔ یعنی بغیر عجز عن العربیۃ کے شروع بالفارسی صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ " وعلی ھذا الخلاف الخطبة " یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا بغیر عجز بھی مگر مع الکراہۃ التحریمیۃ اور صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہوگا الا عند العجز۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو جب

سابق تحقیق کے ساتھ ملایا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے۔ لہذا جواز خطبہ مع الکراہت التحریمیہ عند العجز متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔ صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہو سکتی؟ اگر آپ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں۔ نہ یہ کہ علماء خلافِ حکمِ شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں۔ پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہیئے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہیئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ	الجواب صحیح
۸ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ	خیر محمد عفا اللہ عنہ

تحدیدِ فناءِ مصر بفرسخ راجح نیست

چہ فرمایند علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین دریں صورتہائے مسئولہ۔

۱: فناءِ شہر از سور البلد شمار کردہ مے باید یا از زیادتی گرد و نواح بیرون سورِ بلد شروع مے شود۔

۲: حدودِ مسافتِ فناء چہ مقدار میدارد و فراسخ در کتبِ فقہ چہ مراد میدارد۔

۳: مقدار فناءِ شہر مسلمانان چند بیوت پانزدہ و شانزدہ پختہ و خام بنا کردہ مقیم اند۔ یا محض مسجد شریف مع چند حجرہ برائے رہائش طلبا است اگرچہ مسلمانانِ آنجا و گرد و نواح او جمع آیند نمازِ جمعہ ادا نمایند ادا خواہد شد یا نہ؟

الجواب وفی الدر المختار علی الشامی ویشترط لصحتها للمصر او فنائه وهو ما حوله اتصل به اولا كما حرره ابن كمال وغيره لاجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل اھ۔ وفی الشامية التعريف احسن من التحديد لانه لا يوجد ذالك في كل مصر

وانما هو بحسب كبر المصر وصغره الى ان قال فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بانه المعد لمصالح المصر فقد نص الائمة على ان الفناء ما اعد لدفن الموتى وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمى وغير ذالك (ج ۱۔ ص ۵۳۷)۔

حاصل عبارتِ مذکورہ بالا این است کہ تحدید کردنِ فناء بفرسخ یا بفرسخین یا میل و میلین درست نیست زیرا کہ فناء بلحاظ خوردنی و کلانیٔ شہر مختلف میشود۔ پس تعریف راجح است از تحدید بفراسخ وغیرہ و تعریفِ فناء متفق علیہ این است۔ ہر آں مقام کہ مستقل آبادی نیست بلکہ از توابع مصر است و بناءِ او برائے حوائج اہل بلد است۔ مثلاً مردمان در آنجا برائے تیراندازی جمع مے شوند یا مقابر مسلمین در آنجا پیوستہ اند یا عساکرِ مسلمین در آنجا بود و باش میدارند آن فناءِ مصر است۔ بعد ازیں تفصیل حاصل جواب این است کہ فناءِ شہر از سورِ البلد و محلات و مکانات بلد شروع شدہ تا آں مقام منتہی شود کہ برائے حوائج اہل بلد از اقسام مذکورہ بالا تیار کردہ شدہ است۔ اگرچہ از چند فراسخ متجاوز ہم گردد۔ اعتداد مصالح است نہ کہ مسافت۔ اما این سوال کہ مکانات پانزدہ یا شانزدہ پختہ و خام کہ بنا شدہ است اگر در حدودِ فناء واقع ہستند و تعریفِ فناء بر آنہا صادق آید در آن اقامتِ جمعہ جائز باشد ورنہ نے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ: ۲۰/۱/۱۳۷۰ھ

الجواب صواب وحق والحق احق ان یتبع، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

خطبہ جمعہ میں کفار کیلئے بددعاء کرنا کیسا ہے

خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا اور کفار کے لئے بددعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب (خطبۂ ثانیہ میں مسلمانوں کے لئے دعائیہ کلمات کہنا مستحب ہے۔) قال فی التجنیس والثانیة کالاولی الا انه یدعو للمسلمین مکان الوعظ اھ (شامی ج ۱- ص ۷۵۹)۔

(فی نفسہٖ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے چنانچہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ لیکن جزءِ خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں۔ لہٰذا عام حالات میں ترک انسب ہے۔) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۵ / ۲ / ۱۳۹۶ھ

عورتوں کا جمعہ کیلئے آنا درست نہیں

مسجد کے ساتھ ملحقہ جگہ میں عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ نیز ان کی جمعہ میں شرکت کا کیا حکم ہے؟

الجواب (ملحقاتِ مسجد میں نماز کے لئے جگہ بنانا درست ہے لیکن عورتوں کا جمعہ کے لئے آنا پسندیدہ نہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں مفاسد کا بہت اندیشہ ہے۔) ویکرہ حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعید و وعظ مطلقا۔ اھ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۵۲۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۵ / ۷ / ۹۷ھ

بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے

سوال: بیع و شراء جمعہ کی کونسی اذان کے بعد حرام ہے؟

الجواب (پہلی اذان کے بعد بیع و شراء حرام ہے۔) و وجب السعی الیها و ترك البیع بالاذان الاول فی الاصح اھ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۷۷۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۵ / ۱۳۹۶ھ

جمعہ کی اذانِ ثانی کہاں دی جائے

جمعہ میں جو اذان خطبہ کے وقت دی جاتی ہے اس اذان کی جگہ کون سی ہونی چاہئے۔ دوسری یا تیسری یا آخری صف میں کھڑے ہو کر دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب (مؤذن کو صفِ اوّل میں خطیب کے آگے اذان کہنا سنت ہے۔) درمختار میں ہے۔ ویؤذن ثانیا بین یدیه ای الخطیب اھ ای علی سبیل السنیة اھ۔ (شامی ج ۱ ص ۵۷۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰/۵/۱۴ھ

جمعہ میں کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے

ریڈیو میں بتلایا گیا ہے کہ جمعۃ المبارک میں تیس آدمی ہوں تو جمعہ ادا ہوگا اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب آپ کو سننے میں اشتباہ ہو گیا ہے (جمعہ ادا کرنے کے لئے امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔) والسادس الجماعة واقلها ثلاثة رجال سوی الامام۔ اھ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۷۶۰) فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس، ۲۳ شوال ۱۴۰۲ھ

جمعہ کیلئے مسجد کا ہونا ضروری نہیں

ہم فائر بریگیڈ میں ملازم ہیں وہ جگہ ہے تو شہر میں مگر وہاں مسجد نہیں ہے ڈیوٹی کے دوران تو جو نمازیں آتی ہیں وہ تو جماعت کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں مگر دوسری رہ جاتی ہیں۔ ایسے ہی جمعہ کے لئے بھی دقت ہوتی ہے کہ اس وقت ڈیوٹی ہوتی ہے اور حاضر رہنا پڑتا ہے اس صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب کوشش تو یہی کریں کہ جمعہ مسجد میں آ کر پڑھیں۔ اذانِ جمعہ کے بعد وضو وغیرہ کر کے سنتیں پڑھ کے تیار بیٹھے رہا کریں اور وہاں سے ایسے وقت چلیں کہ خطبہ شروع ہونے والا ہو۔ خطبہ اور فرض میں شرکت کے بعد واپس آ جائیں اور سنتیں اپنی جگہ پر پہنچ کر پڑھ لیں اگر اس میں بھی دشواری ہو تو دیگر نمازوں کی طرح جمعہ کا بھی وہیں بندوبست کر لیں جمعہ درست ہو جائے گا۔

کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذهب وعلیه الفتوی۔ اھ (درمختار علی الشامیة۔ ج۱، ص۵۶۵)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

عدمِ جوازِ جمعہ فی القریٰ کے بارے میں مُجوِّزین کے شبہات اور انکے مسکت جواب

سوال ۱ : بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جمعہ کی فرضیت " فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ " الآیة سے ثابت ہو رہی ہے اور اس آیت کے حکم سے جب نمازِ جمعہ ہر جگہ فرض ہے تو اب چھوٹے گاؤں والے فقہاء کے قول سے اپنی بستی میں اگر جمعہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور بموجب حکم احادیث ان کے قلوب پر مہر لگائی جائے گی۔ اب عرض یہ ہے کہ واقعی اس آیت سے ہر جگہ جمعہ پڑھنے کا جواز نکلتا ہے یا نہ ؟ اور آیت کریمہ کے حکم کے موجب چھوٹے گاؤں والے جمعہ کے چھوڑنے پر حنفی مذہب کے مطابق گنہگار اور آیت کے مخالف ہوں گے یا نہ ؟ یا اس آیت کا مصداق ہر فردی شہری اور گاؤں والے ہیں۔ حنفی مذہب کی اس بارہ میں کیا تحقیق ہے ؟

الجواب : آیت مذکورہ بالاجماع عام مخصوص منہ البعض ہے۔ کیونکہ جنگلات اور ایسی آبادیوں میں جن کے باشندے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اتفاقاً جمعہ جائز نہیں۔ تو آیت شریفہ میں عموم امکنہ کا مراد ہونا منتفی ہوگیا۔ پس وجوب جمعہ مخصوص مقامات پر ہوگا۔ جس کی تعیین حنفیہ نے " حدیث علی رض " سے کی ہے جو کہ مرفوع حکمی ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ہر مقام پر فرضیتِ جمعہ ثابت نہ ہوگی۔ لہٰذا احناف ترکِ جمعہ فی القریٰ کی وجہ سے گنہگار نہیں۔ آیت کا خطاب صرف اہلِ مصر کو ہے۔ نیز آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں پر اذان جمعہ ہو اذان سنتے ہی ذکر اللہ کی طرف سعی کرو۔ لیکن محل اذانِ جمعہ کی تعیین سے آیت ساکت ہے کہ کس مقام

پر دیجائے اور کس مقام پر نہیں۔ پس آیتِ مذکورہ سے جمیع امکنہ میں وجوبِ جمعہ پر استدلال کرنا غلط ہے۔

سوال ۲ : بخاری شریف کی اس حدیث شریف سے (ج ۱، ص ۵۵۹، ۵۶۰) معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعد از ہجرت قباء میں جملہ چودہ دن مع رات سکونت فرمائی تھی پھر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ

عن انس بن مالك قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة نزل فی علو المدينة فی حی يقال له بنو عمرو بن عوف فاقام فيهم اربع عشرة ليلة ۔ الحديث

اور اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ کا قیام وہاں صرف چار دن (دوشنبہ سے پنج شنبہ تک) رہا۔ اور بروز جمعہ وہاں سے آپ ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور قبیلہ بنو سالم میں پہنچے نماز جمعہ کا وقت ہوا۔ اور وہاں چار آدمیوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی۔ اور اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ : ج ۱، ص ۵۶۶ ۔ میں جناب مولانا عبدالحق رح راقم ہیں۔

" گرچہ اوّل جمعہ کہ گزاردہ بعداز قدوم بمدینہ بود۔ "

ہکذا کتاب مبسوط ج ۱۱ ص ۱۷ ۔ پر یوں ہے۔

ولهذا جهر فی الجمعة والعيدين الی قوله بها قوة الاذی۔

اب عرض یہ ہے کہ مبسوط و اشعة اللمعات دونوں معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جمعہ اول بعد از ہجرت مدینہ میں پڑھا اور اس سے پہلے کہیں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور اہلِ سیر کی روایت اس کے خلاف ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اوّل جمعہ قباء میں پڑھا۔ اب عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا روایات و عبارات میں سے کون سی مستند اور قابل و فائق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کہاں جمعہ پڑھا۔ قباء میں یا بنو سالم میں یا مدینہ میں جاکر جمعہ پڑھا۔ اور مذکورہ عبارات سے کون سی عبارت حق ہے ؟ اور حضرات علماء کرام دیوبندی مذکورہ بالا روایت بخاری میں سے ثابت کرکے اپنی تصنیفات میں یوں راقم ہیں۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب " اوثق العریٰ " اور حضرت شیخ الہندؒ " احسن القریٰ " میں لکھ گئے ہیں کہ جناب حضور اکرم ﷺ نے قباء میں دو ہفتہ سکونت فرمائی اور وہاں آپ کو دو جمعہ پیش آئے تھے مگر آپ نے وہاں دونوں جمعہ نہیں پڑھے ۔ ان کا یہ لکھنا اور

فرمانا مذکورہ بالا حدیث بخاری سے استدلال لینا صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ فرمانا صحیح ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ انہوں نے مذکورہ حدیث سے یہ مضمون کیسے لیا ہے ؟ اور مذکورہ بالا روایت کے کون سے الفاظ اس مضمون پر دال ہیں کیونکہ اس روایت میں تو صرف عدد ایام کا ذکر ہے باقی مضمون زیادہ روایت سے معلوم نہیں ہوتا ہے ۔

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ بنو سالم میں ادا فرمایا ہے ۔ بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے (بستی نہیں) اس پر محدثین اور اہل سیر کا اتفاق ہے جب بنو سالم مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہی ہے تو اشعۃ اللمعات ، مبسوط ، اہل سیر کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہ رہا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ (ومن ادعی فعلیہ البیان) اکابر دیوبند نے بخاری شریف کی حدیث (فاقام فیھم اربع عشرۃ لیلۃ) سے بھی استدلال کیا ہے ۔ کہ جمعہ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہو چکی تھی اور بوقت ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ روز قیام کیا جس میں ایک جمعہ یقیناً آیا ہوگا لیکن قبا میں جمعہ پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں ۔ بلکہ اس کے برخلاف اہل سیر کا اتفاق اس امر پر موجود ہے کہ پہلا جمعہ مدینہ منورہ (اس کے محلہ بنی سالم) میں پڑھا گیا ہے ۔ پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ قبا جیسی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ۔ بلکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ قبا میں ترک جمعہ کی نوبت نہ آتی ۔

سوال ۳ : غیر مقلدین نے اس حدیث (لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث) پر تبصرہ کیا ہے اور اس کے انہوں نے پندرہ جواب دیئے ہیں ۔ اول جواب یہ ہے " کہ یہ حدیث ان الفاظ سے عند المتقدمین ثابت نہیں ۔ اور اس کی سند ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے ۔ البتہ موقوفاً اس کو بعض لوگ صحیح کہتے ہیں " ۔ اب عرض یہ ہے کہ ان کا یہ جواب صحیح ہے یا نہ ؟ اگر ان کا یہ جواب صحیح ہے تو پھر ان کے جواب کا کون سا جواب ہے ۔ !

الجواب روایت بالا موقوفاً قطعاً صحیح ہے اور غیر مدرک بالرائی ہے ۔ لہذا حکماً مرفوع ہوئی ۔ پس بلا شبہ قابل احتجاج ہوگی ۔

وفی عمدۃ القاری ، ج ۳ ، ص ۲۶۴ : فان قلت قال النووی حدیث علیؓ متفق علی ضعفہ و ھو موقوف علیہ بسند ضعیف منقطع قلت کانہ لم یطلع الا علی الاثر الذی فیہ الحجاج

بن ارطاۃ ولم یطلع علی طریق جریر عن منصور فانہ سند صحیح ولو اطلع لم یقل بما قالہ و اما قولہ متفق علی ضعفہ فزیادۃ من عندہ ولا یدری من سلفہ من ذالک (بحوالہ اعلاء السنن) ۔

علاوہ ازیں امام ابوزید دبوسی نے " اسرار " میں نقل کیا ہے کہ ۔ ان محمد بن الحسن قال رواہ مرفوعاً معاذ و سراقۃ بن مالک رضی اللہ عنھما ۔

تو امام محمد رح مجتہد ہیں ان کا قول رفع حدیث کے بارے میں حجت بن سکتا ہے ۔ نیز امام خواہر زادہ نے مبسوط میں فرمایا کہ امام ابویوسف رح نے امالی میں حدیث ہذا کو مرفوعاً مسنداً بیان کیا ہے پس بہر تقدیر حدیث علی رض قابل احتجاج ہے اور غیر مقلدین کا اسے ضعیف قرار دینا جہالت ہے ۔

سوال ۴ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا ثانی جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث طبقہ ثالثہ سے ہے جو قرآن اور دیگر احادیث کے معارض نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ وہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ کی حدیثیں ہیں ۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح نے " عجالۂ نافعہ " میں لکھا ہے کہ

" وکتب آنہا در شہرت و قبول در طبقۂ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ "

یعنی طبقۂ ثالثہ کی کتب مشہوری اور قبولیت میں طبقہ اولیٰ و ثانیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں نیز یہ لکھا ہے کہ

" اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع بخلاف آں منعقد گشتہ "

(ترجمہ ظاہر ہے) ۔ یہ قول ہمارے دلائل قطعیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ اس کا جواب فرمایئے ۔

الجواب روایت بالا (حدیث علیؓ) قرآن یا دیگر احادیث کے خلاف ہی نہیں کہ معارضہ کا سوال پیدا ہو ۔ شاہ صاحبؒ کی عبارت کا مطلب اور صاف ترجمہ یہ ہے کہ طبقۂ ثالثہ کی کتب شہرت اور قبولیت میں طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ کو نہیں پہنچتیں تو اس سے اور اسی طرح حضرت شاہ صاحب رح کی دوسری عبارت سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان کتب کی تمام احادیث مردود ہیں ۔ اور ان کتب کی کسی حدیث سے احتجاج کرنا جائز نہیں ہے ۔ خواہ اس

کی سند صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ خوب سمجھئے کہ احتجاج کا مدار، صحتِ سند اور دیگر شرائطِ معتبرہ عند المحدثین پر ہے۔ خواہ کسی کتاب میں ہو۔ لہٰذا حدیثِ علی رضؓ کو صحتِ سند کے باوجود صرف اس وجہ سے ناقابلِ اعتبار اور ساقط قرار دینا محض جہل اور ناانصافی ہے۔

سوال ۵ : غیر مقلدین کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایک جریر راوی وارد ہے جس کو آخر وقت میں وہم ہو گیا تھا۔ اب یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ روایت انہوں نے کس حالت میں بیان کی ہے۔ احتمال ہے کہ بعد از وہم بیان کی ہو۔ تو پھر یہ درست نہیں۔ نیز اس سند میں طلحہ راوی ہے جس کی تصریح نہیں کہ کون ہے۔ کیونکہ بعض ثقہ اور صدوق ہیں اور بعض وہمی اور مجہول ہیں۔ جواب فرمائیے!

الجواب : حدیثِ علی رضؓ موقوفاً بلاشبہ صحیح اور قابلِ استناد ہے جیسا کہ محققین و اہلِ فن نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی رحؒ کی تصحیح عمدۃ القاری سے ہم جواب نمبر ۳ میں نقل کر چکے ہیں کہ طریق جریر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "فانہ سند صحیح" اور حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی رحؒ نے "درایہ" میں فرمایا ہے کہ "اسنادہ صحیح" یہ حدیثِ مذکور کی دوسری سند کے بارے میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ عن الثوری عن زبید الایامی عن سعید بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی قال لاجمعۃ الخ

لیجئے اس سند میں جریر اور طلحہ بھی نہیں جن کے بارے میں معترض کو تشویش ہے اور حافظ الدنیا اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ نیز علامہ ابن حزم رحؒ نے بھی "محلی، ج ۵، ص ۵۳" میں حدیثِ ہذا کو صحیح تسلیم کیا۔

ھذا نصہ فقد صح عن علی رضؓ لاجمعۃ ولا تشریق الخ

پس محققین کا حدیثِ مذکورہ کو صحیح تسلیم کرنا ہمارے لئے حجت ہے۔ اب اگر معترض کو طلحہ کی تعیین کے بارے میں خلجان ہو رہا ہے تو محض تعصب کی بنا پر ہے۔ ان اعلام نے رواۃ کی معرفت اور پوری تحقیق و تفتیش کے بعد تصحیح فرمائی ہے۔

سوال ۶ : حدیثِ بالا کا چوتھا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ قول آیت اور احادیثِ مرفوعہ

کے خلاف ہے۔ جب قولِ صحابی حدیث کے خلاف ہو تو متروک ہوتا ہے۔ "فتح القدیر" میں ہے کہ قولِ صحابی اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب خلافِ حدیث نہ ہو۔

الجواب : یہ حدیثِ علی رضؓ آیت اور احادیثِ مرفوعہ کے ہرگز خلاف نہیں ہے کما بیّنّا۔ ومن ادعٰی فعلیہ البیان بخط کشیدہ احادیثِ مرفوعہ کا مطالبہ غیر مقلدین سے ہونا چاہئے نہ کہ ہم سے۔

سوال ۷ : حدیثِ مذکورہ کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ قول متروک الظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں نفی جمعہ کی ہے حالانکہ مراد نماز ہے۔

الجواب : جب حدیثِ علی رضؓ میں بالاجماع قطعی طور پر نمازِ جمعہ ہی مراد ہے۔ اور یومِ جمعہ کی نفی کا تصور ممکن نہیں تو اس حدیث کے متروک الظاہر ہونے سے مسئلے پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

سوال ۸ : غیر مقلدین اس مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۶ یہ دیتے ہیں کہ جمعہ فرضِ عین ہے جس کا ثبوت قطعی ہے۔ اور شہر کی شرط اس قول سے ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ ظنی ہے اور دلیلِ ظنی سے فرض کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شرط الفرض لا یکون الا فرضاً اصولِ مسلمہ ہے۔ آہ براہِ کرم اس کا مسکت جواب لکھیں۔

الجواب : آیتِ شریفہ اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الخ بالاجماع مخصوص عنہ البعض ہے۔ پس اس اعتبار سے اس میں ظنیت آگئی۔ اب خبرِ واحد (حدیثِ علی رضؓ لاجمعۃ الخ) سے اس کی تخصیص درست ہوئی۔ جیسا کہ پہلے استفتاء کے جواب میں قدرے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

سوال ۹ : غیر مقلدین مذکورہ بالا حدیث کا جواب نمبر ۷ یہ دیتے ہیں کہ "قولِ علی رضؓ لاجمعۃ" جو وارد ہے اس کی تائید میں نبی علیہ السلام کی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ جمعہ کی فرضیت تمام مسلمانوں کے لئے احادیثِ نبویہ میں بکثرت وارد ہے اھ۔ جواب محقق لکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کے قول کی مؤیدات میں جو روایات ہوں وہ بھی لکھیں۔

الجواب حدیث " لاجمعۃ الخ " خود مرفوع حکمی ہے۔ گویا کہ خود فرمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس تائید کی کیا حاجت ہے ؟ کیا ایک حدیث کا قابلِ عمل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ کوئی دوسری حدیث بھی اس کی مؤید ہو۔ اگر نہیں تو اس حدیث "لاجمعۃ الخ" میں خصوصیت کیا ہے ؟ علاوہ ازیں چند احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جن سے حدیثِ مذکور کی تائید بھی ہوتی ہے۔

۱ ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں جمعہ ادا نہیں فرمایا۔ حالانکہ آپ نے وہاں چودہ روز قیام فرمایا۔ (کما مر عن صحیح البخاری) اور مدینہ منورہ میں تشریف لاکر جمعہ ادا فرمایا۔

۲ ، باوجودیکہ مدینہ منورہ کے اردگرد دور دور تک اسلام پھیل چکا تھا لیکن کسی جگہ مدینہ کے علاوہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک مدت کے بعد " جواثیٰ " میں جمعہ قائم کیا گیا۔

۳ ، جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ممالک کو فتح کیا تو صرف شہروں ہی میں جمعہ کی ادائیگی کا انتظام کیا گیا۔ کما صرح بہ غیر واحد۔

سوال نمبر ۱۰ : غیر مقلدین مذکورہ حدیث کا جواب نمبر ۸ یہ دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ حکم سیاسی تھا شرعی نہ تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بغاوت اور فسادات شروع تھے انہوں نے جمعہ اور عید کا حکم شہروں میں کردیا تاکہ خطبوں میں کوئی باغیانہ تقریر نہ کرسکے۔ اھ

اس کا جواب مفصل لکھنے کے علاوہ یہ بھی بتایا جائے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں یہ حکم شہروں کے لئے کیا تھا یا اپنی خلافت سے پہلے فرمایا تھا۔ عبارات سے مدلل کریں۔

الجواب بقول غیر مقلدین اگر دیہات میں جمعہ فرض تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک خلیفہ راشد سیاسی مصالح کی بناء پر ایک فرضِ قطعی کی ادائیگی کو ممنوع قرار دے دے حاشا و کلا یہ تو ایک فاسق و فاجر حاکم اور بادشاہ بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور کیا خیر القرون میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس کثرت کے باوجود اس امرِ شنیع کے وقوع کا امکان بھی ہے ؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان کے اس کمزور درجے تک پہنچ چکے تھے کہ نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرائض میں قطع و برید کریں اور کوئی

نکیر نہ کرے۔ الحاصل یہ قطعی غلط ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فرمان سیاسی مصلحت پر مبنی تھا۔

سوال نمبر ۱۱ : غیر مقلدین اس حدیث کے متعلق جواب نمبر ۹ یہ دیتے ہیں۔ کہ پھر یہ قول حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے۔ بایں طور کہ " ردالمحتار ، ج ۲ ، ص ۵۲۷ " میں ہے کہ۔ جب امام کے حکم سے گاؤں میں مسجد بنائی جائے تو تمام فقہاء کے نزدیک وہاں جمعہ درست ہے۔ اب یہ دلیل بے کار ہوئی اور شہر کی شرط نہ رہی اھ اس کا محقق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب جزئیہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ امام اگر کسی بستی کو مصر قرار دے دے تو یہ بستی حکماً مصر بن جائے گی اور اس میں ادائیگی جمعہ درست ہوگی۔ تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ مصر کی شرط باطل ہے۔ عجیب فہم ہے خدا ہدایت فرمائے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اختلافی مسائل میں حاکم کا فیصلہ قطع اختلاف کا موجب ہے۔ تو حاکم نے جب بستی میں جمعہ پڑھنے کا حکم کیا تو یہ واجب العمل ہوگا۔ کما فی الشامیۃ ، ج ۲ ، ص ۶۲۸ ۔

سوال نمبر ۱۲ : غیر مقلدین جواب نمبر ۱۰ یہ دیتے ہیں کہ عینی شرح بخاری ، ص ۴۶۸ ۔ میں ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کسی گاؤں میں اپنا نائب بھیج دے کہ وہ حدود و قصاص جاری کرے تو وہ گاؤں شہر ہوجائے گا۔ جس میں جمعہ جائز ہوگا۔ جب نائب کو معزول کردے گا تو وہ گاؤں بن جائے گا۔ پس اصل امام اور اس کے نائب ہونے کے سبب سے جمعہ ہوتا ہے شہر کی شرط لغو ہے۔ اھ ان کے اس جواب کا جواب الجواب بالتحقیق اور مسکت عنایت فرمائیں۔

الجواب بشرطِ صحت نقل جزئیہ ہذا کا بھی وہی جواب ہے جو اس سے پہلے میں مذکور ہوچکا ہے کہ خلیفہ کا کسی گاؤں میں حدود و قصاص کے اجراء کے لئے اپنے نائب کو بھیجنا حکماً اسے مصر قرار دے دینا ہے۔ پس اس گاؤں میں جمعہ بلاشبہ جائز ہوگا۔ کیوں کہ صحتِ جمعہ کی شرط (یعنی محل اقامت جمعہ کا مصر ہونا) یہاں متحقق ہے اگرچہ حکماً ہے۔

سوال نمبر ۱۳ : غیر مقلدین حدیثِ مذکور کے متعلق جواب نمبر ۱۱ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں مصر جامع کی شرط ہے۔ مصر جامع کی تعریف مشتبہ ہے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ شاید ہی کسی مسئلہ میں ہوگا۔ قریب تیس اقوال کے درج ہیں جو سب متضاد ہیں۔ بعض تعریف ایسی ہیں کہ ان کی رو سے کلکتہ ، بمبئی ، دیوبند ، سہارنپور ، کراچی ، لاہور ، حیدر آباد ، ملتان وغیرہ میں بھی

جمعہ جائز نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ مصر وہ ہے جہاں امام اور والیٔ ملک ہو جو احکام شرعیہ نافذ کرے۔ اور حدود قائم کرے۔ کیا خوب شرط ہے۔ گویا اس دن جامع مسجد میں مجرم گو جمع ہوں گے جن پر مقدمات چلائے جائیں گے اور خطبہ میں فیصلے سنائے جائیں گے۔ بہر حال یہ شرط مفقود ہے۔ تو ہدایہ والے کے نزدیک جمعہ ہند و پاک میں ناجائز ہے۔ اور کم درجہ کی یہ تعریف ہے کہ جہاں تیس گھر آباد ہوں۔ دیکھو ہدایہ مع الکفایہ، فتح القدیر، عمدۃ الرعایہ، کبیری شرح منیۃ المصلی، ان میں سب تعریفیں درج ہیں۔ اس آخری تعریف کی رو سے ہر بستی میں جمعہ جائز ہو جائے گا کیونکہ اکثر دیہات کی آبادی تیس گھر یا اس سے زائد ہے۔ "الاقلیل والقلیل کالمعدوم" اس تعریف کو حنفی تو حقیر تصور کرتے ہیں۔ اور اس پر تمام ائمہ مذاہب متفق ہو سکتے ہیں ورنہ اختلاف رفع نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس فرض الٰہی پر لوگ لڑتے جھگڑتے رہیں گے جن کا فیصلہ کوئی نہ کر سکے گا تو پھر یہ پیشین گوئی بھی سچی ہو جائے گی جو حدیث میں ہے کہ تظهر الفتن حتى يختلف اثنان فی فریضة لا یجد ان احدا یفصل بینهما ۔ تو یہ اختلاف ایسا ہے: جمعہ فرض عین بالاجماع ہے مگر یہ کہاں ادا کیا جائے گا، اس کا فیصلہ کرنے والا کوئی ثالث نہیں خواہ عرب ہو یا عجم، منصف نایاب۔ کیونکہ اختلاف ہر ملک میں قائم ہے۔ اگر شارع کا مقصد شہر میں جمعہ کا حصر کرنا ہوتا تو شرعی طور پر اس کی تعریف کی جاتی مگر کسی حدیث یا قول میں اس کی تعریف وارد نہیں۔ لہٰذا یہ شرط بے کار ہے۔ میرے جناب عالی مہربانی فرما کر غیر مقلدین کی اس مذکورہ بالا بحث کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب مصر کے معنی لغت اور عرف عام میں شہر کے ہیں۔ اور شہر، گاؤں کا فرق اور ان کے مصداق کا باہمی تفاوت ایک ایسی بدیہی چیز ہے جسے عوام و خواص عالم، جاہل، بچے، بوڑھے سب جانتے ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

المصر الجامع ما یعدہ الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقة کبخارا و سمرقند الخ (عمدۃ الرعایہ ج ۱۔ ص ۲۴۰ شرح وقایہ)۔

تو ایسی بدیہی چیز کے بارے میں معترض مذکور کا یہ کہنا کہ اس کی تعیین اور اس کا فیصلہ کرنے والا نہ عرب میں مل سکتا ہے نہ عجم میں محض بیہودہ اور لغو ہے۔ رہ گیا مصر کی تعریفات

کا تعدد اور اختلافات۔ سو ہمیں یہ کچھ مضر نہیں۔ اولاً اس وجہ سے کہ صاحب مذہب ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے صرف ایک ہی تعریف منقول ہے اگرچہ بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ وہ تعریف یہ ہے۔

انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح الخ نقله الشامی عن التحفة ج ۱۔ ص ۷۴۸

یہی ظاہر مذہب ہے۔

وبه اخذ ابو یوسف واختاره الکرخی و القدوری وعلیه اکثر الفقهاء الخ هکذا فی الطحطاوی، ص ۲۷۹ :

صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسی تعریف کو مختصراً نقل کیا ہے۔ باقی تعریفات مصر اقوال مشائخ ہیں۔ اگر تعریف مذکور کی طرف راجع نہ ہو سکیں تو بمقابلہ قول صاحب مذہب مرجوح قرار پائیں گی پس تعدد و اختلاف مضر نہیں۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ اکثر تعریفات کے اختلاف کی حیثیت محض عنوان اور تعبیر کے اختلاف کی سی ہے۔ در حقیقت معنون میں کوئی اختلاف نہیں پس تعدد مضر نہیں۔ صاحب ہدایہ کی تعریف پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کا منشا جہالت اور تعصب ہے۔ کیونکہ تنفیذ احکام سے مراد بالفعل تنفیذ نہیں بلکہ قدرت علی التنفیذ ہے۔ کما فی الطحطاوی والشامی وغیر ذالک۔ پس یہ اعتراض ساقط ہے۔ اور جو تعریف ہم نے نقل کی ہے اس میں "یقدر" کی تصریح ہے۔ پس تعریف مصر میں کوئی اشکال نہیں۔ معترض کا اعتراض محض تعصب اور جہالت پر مبنی ہے۔

سوال ۱۳ : غیر مقلدین حدیث مذکور کا جواب نمبر ۱۲ یہ دیتے ہیں کہ اس قول میں نماز عید پڑھنے کی بھی نفی ہے۔ حالانکہ وہ شعار اسلام ہے جو دیہات کے مسلمانوں کے لئے بھی قائم ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ ج ۱ ص ۱۳۴

ومن كان فی البيوت والقرى لقول النبی صلى الله عليه وسلم هذا عيدنا يا اهل الاسلام ۔

اور ایک باب یوں منعقد کیا ہے :" باب العید لاھل الاسلام " اسی کے ماتحت یہ حدیث مذکور ہے :" یا ابابکر ان لکل قوم عیداً و ھذا عیدنا "، پھر لکھا ہے " باب اذا فاتت العید " میں کہ انس بن مالکؓ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو حکم دیا کہ زاویہ میں کہ سب گھر والوں کو اور ان کی اولاد کو جمع کرے۔ اس نے جمع کیا تو حضرت انس رضؓ نے شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھی اور اسی طرح تکبیریں کہیں۔ حضرت عکرمہ رضؓ نے کہا دیہات والے عید کے دن جمع ہوں اور شہر والوں کی طرح نمازِ عید پڑھیں جیسے امام پڑھائے حضرت عطار نے کہا کہ اگر عید فوت ہوجائے تو دو رکعت پڑھ لیں۔ یہ فتوائے حنفیہ کا کہ جو شرط اور حکم جمعہ کا ہے وہی عید کا ہے یہ غلط ہے۔ جمعہ کی قضا نہیں اور وہ بغیر جماعت کے جائز نہیں۔ لیکن عید کی نماز صحرا میں جائز ہے اور اس کی قضا ہے اور وہ اکیلے بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ فتدبر!

جناب عالی! مہربانی فرماکر اس جواب نمبر ۱۲ پر بھی غور فرماکر اس کے ہر ایک فقرہ کا بھی محقق اور مسکت جواب دیں۔

الجواب احناف عید اور جمعہ کے تماثل کلی اور تمام شرائط کے اتحاد کے قائل نہیں۔ مثلاً عید اور جمعہ ہر دو کا وقت الگ الگ ہے۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے۔ نہ کہ عید کے لئے۔ ہاں مصر جامع کا ہونا عید وجمعہ ہر دو کے لئے شرط ہے)۔ دلیل اس کی وہی حدیثِ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی قبل ازیں تحقیق ہوچکی اور مطلوب اس میں مصرح ہے سابقہ جوابات میں یہ بتلایا گیا کہ " حدیث لاجمعة " مرفوع حکمی ہے۔ تو اس کے منطوق اور عبارت النص کے مقابلہ میں ھذا عیدنا یا اھل الاسلام یا نیز یا ابابکر ان لکل قوم عیداً الخ سے وجوب عید فی القریٰ کا استنباط اور اجتہاد قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ یہ اجتہاد نہایت کمزور ہے۔ عید کی اضافت قوم کی طرف ہے اس سے عید کا وجوب قوم پر مجموعی حیثیت سے تو کسی درجہ میں مفہوم ہوسکتا ہے۔ لیکن ہر ہر فرد پر وجوبِ عید یہ اس سے ہرگز نہیں نکلتا۔ نیز حضرت عکرمہ رضؓ کے قول کو بھی حدیثِ صریح مرفوع حکمی کے مقابلہ میں قابلِ استناد نہیں گردانا جائے گا۔ لظھور ترجیح المرفوع علی الاثر المقطوع اور حضرت عطاء کا فرمانا مانحن فیہ سے خارج ہے۔ کما ہو الظاہر۔ رہا حضرت

انس رضی اللہ عنہ کا زاویہ میں عید پڑھنا۔ سو اولاً تو یہ مفیدِ وجوب نہیں۔ ممکن ہے بطور نفل عید کے طریقہ پر ویسے دو رکعت ادا کی ہوں۔ جیسا کہ بعض سلف فائت العید یا عاجز کے لئے دو رکعت یا چار رکعت کے استحباب کے قائل ہیں۔ جیسا حضرت عطار رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو ابھی گزرا ہے۔

ثانیاً : یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فعل موافق قیاس اور مدرک بالرائی سے تو یہ موقوف ہے۔ اور حدیثِ علی رضی اللہ عنہ مدرک بالرائی نہیں وہ حکماً مرفوع ہے۔ پس بوقتِ تعارض ترجیح مرفوع حکمی ہی کو ہوگی۔ پس اس پوری تفصیل سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ عید کے لئے بھی مصر جامع کا ہونا ضروری ہے۔

سوال ۱۵ : غیر مقلدین حدیثِ مذکور کا جواب نمبر ۱۳ یہ دیتے ہیں کہ اس قول " لاجمعة " میں جیسے جمعہ کی نفی ہے ایسے ہی قربانی کی بھی نفی ہے حالانکہ قربانی سب دیہاتی حنفی کر رہے ہیں۔ قربانی کی نفی دو طرح سے ہے ایک یہ کہ تشریق کا معنی دھوپ میں گوشت سکھانا۔ چونکہ مسلمان چند دنوں میں قربانی کے جانوروں کا گوشت دھوپ میں خشک کرتے ہیں۔ اس لئے عید کو بھی تشریق کہتے ہیں اور قربانی کو بھی تشریق کہتے ہیں۔ اور تشریق میں دونوں کی نفی ہے۔ اگر تشریق سے مراد نمازِ عید ہے تب بھی قربانی کی نفی ہے۔ کیونکہ قربانی نمازِ عید کے تابع ہے۔ نماز پڑھے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

ان اوّل ما نبدأ من یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا۔ (بخاری)

دوسری حدیث بخاری کتاب العید میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ذبح قبل الصلوة فلیعد۔

اس سے ظاہر ہے کہ قربانی نماز کے تابع ہے بلکہ نماز عید پڑھے بغیر کھانا بھی نہ کھائے۔ حدیث میں ہے ولا یأکل یوم النحر حتی یصلی جب نماز ہی نہ پڑھی گئی تو قربانی کا ہے کی کرنی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ کوثر میں ہے فصل لربک وانحر پس جو لوگ بغیر عید کی نماز کے قربانی کرتے ہیں ان کی قربانیاں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ تیرہ جوابات حنفیہ کی اس بڑی دلیل کے ہیں لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں۔ اہل مسلمانوں کو چاہیئے کہ شخصیت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار

کریں۔ اور جمعہ و عید جیسے شعارِ اسلام کو ضائع کرکے اپنے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں۔

جنابِ عالی! حضراتِ غیر مقلدین، جناب حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قول لاجمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة کے یہ تیرہ جوابات گویا تیرہ سوالات کرکے اکڑ رہے ہیں۔ ہمارے پاس چونکہ اتنی کتب نہیں۔ جن سے ان کے جوابات دیکھ کر لکھ دیتے۔ اس لئے آپ کی طرف روانہ کرتے ہیں۔ آپ ہر فقرہ کو جزءً، جزءً کرکے صحیح جواب تحریر فرمائیں نہایت مہربانی ہوگی۔

الجواب

حدیث "لاجمعة الخ" میں نفی تشریق سے مراد تکبیرِ تشریق کی نفی ہے نہ کہ قربانی یا نمازِ عید کی نفی۔ کیونکہ عید الاضحیٰ کی نفی بعد میں مصرح ہے (ولا اضحیٰ) پس اس حدیث سے نفی قربانی کا الزام محض جہالت اور تعصب ہے۔ حدیث "ان اول ما نبدأ من یومنا هذا الخ" اور حدیث "من ذبح قبل الصلوٰة" الخ وغیرہ احادیث سے یہ استدلال کرنا جن پر نمازِ عید واجب ہے ان کے ذمہ قربانی بھی واجب ہے بالکل بے محل اور غلط ہے احادیث کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں پر عید و قربانی ہر دو واجب ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو مرتباً ادا کریں یعنی پہلے نمازِ عید بعد میں قربانی کریں۔ اس ترتیب کے خلاف کرنے پر ان لوگوں کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ پس معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور کی تائید میں احادیث بالا سے تشبث کرنا بھی درست نہیں پس متعصب معترض کا حنفیہ پر الزام مذکور دینا مردود ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ خواہش پرستی سے نکال کر، تقلیدِ شریعت کی توفیق بخشیں۔ فقط واللہ اعلم

الاجوبة صحیحة عبد اللہ عفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ١٨/٤/١٣٨٠ھ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ١٧/٤/١٣٨٠ھ

حجۃ الوداع میں عرفات میں جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مندرجہ ذیل سوالات میں۔

١: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا وہ کون سا دن تھا۔ جمعہ کا دن تھا

یا کوئی دوسرا دن؟ اگر جمعہ کا دن تھا تو پھر آپؐ نے اس دن جمعہ کی نماز پڑھی تھی یا ظہر کی نماز باجماعت ادا فرمائی تھی؟

الجواب

یہ دن جمعہ کا تھا لیکن جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ نمازِ ظہر ادا کی گئی تھی۔ امرِ اول کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو بخاری شریف (ج ١ ص ١١) میں مذکور ہے۔ اور امرِ دوم کی دلیل مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے (ج ١ ص ٢٢٥)۔

سوال ٢: اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع والے موقعہ میں جمعہ کے دن جمعہ نہ پڑھا تھا اور فرض ظہر باجماعت پڑھی تھی تو اس کا کیا باعث تھا اور کس وجہ سے آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمعہ چھوڑ کر ظہر کے فرض پڑھے مہربانی فرماکر جواب مدلل لکھیں۔ یعنی یا تو آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی وجہ سے جمعہ چھوڑا تھا یا اس وجہ سے اس کو چھوڑا تھا کہ عرفات محل اقامتِ جمعہ کے لئے نہ تھا۔ نیز حجۃ الوداع والے واقعہ میں حُجاج کی کتنی مردم شماری تھی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حنفیہ اسی کے قائل ہیں کہ عرفات محل اقامتِ جمعہ نہیں، اسی لئے جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ ترکِ جمعہ کا سبب مسافر ہونا نہ تھا۔ کیونکہ حجاج میں سے بہت سے مکی بھی ہوں گے تو ان پر جمعہ کا وجوب یقینی ہوگا۔ لیکن کسی سے بھی پڑھنا ثابت نہیں نہ مسافرین سے اور نہ مقیمین سے۔ ومن ادعی فعلیه البیان۔ نیز اہلِ ظاہر تو مسافر پر بھی وجوبِ جمعہ کے قائل ہیں۔ (کبیری) تو ان کے نزدیک ترکِ جمعہ بوجہ سفر کا قول کرنا بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ یہی تھی کہ عرفات محلِ اقامتِ جمعہ نہیں۔ نہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے۔ حُجاج کی تعداد چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک مروی ہے روایات مختلف ہیں۔

سوال ٣: بعض علماءِ کرام کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حجۃ الوداع میں جمعہ چھوڑا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسافر تھے نہ اس وجہ سے کہ عرفات محلِ اقامتِ جمعہ نہ تھا۔ یہ وجہ ہرگز نہ تھی۔ بلکہ وہ محلِ اقامتِ جمعہ تھا۔ اب مطلوب امر یہ ہے کہ ان علماء کا مذکورہ بالا کہنا بالکل صحیح ہے یا وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں؟ -

الجواب

اس کا جواب سوال نمبر ٢ کے جواب میں گزر چکا ہے۔

سوال ۴ : اوپر والے بعض علماء میں بعض جو اعتراض کرتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جمعہ مسافر آدمی پر فرض نہیں ہے لیکن اگر مسافر آدمی جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے ۔ پھر جب ایسا بھی ہے کہ مسافر اگر جمعہ پڑھے گا تو اس کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے ۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جمعہ پڑھنے میں ثواب بھی بہت ملتا ہے ۔ اور یہ بھی سب کے ہاں مسلّم ہے کہ جیسے سفر کی وجہ سے ظہر کو دو رکعت کر کے پڑھنا واجب ہے تو جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کو صرف سفر کی وجہ سے چھوڑا جب کہ سفر میں بھی جمعہ پڑھنے سے ادا ہو جاتا ہے) تو پھر حضور کریمؐ نے سفر کی وجہ سے جمعہ کو کیوں چھوڑا ۔ وجہ بیان کیجئے (تو اس سے صاف صاف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم صلے اس دن جمعہ کو سفر کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑا تھا ۔ بلکہ اس کے چھوڑنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں ۔ اب عرض یہ ہے کہ اوّل بعض علماء احناف کا یہ اعتراض غیر مقلدین پر کرنا صحیح ہے یا نہ ؟

الجواب : حنفیہ کے نزدیک ترک جمعہ کی وجہ یہ ہے کہ عرفات محل اقامت جمعہ نہیں ۔ اور یہی صحیح ہے ۔

سوال ۵ : اگر کسی مسئلہ میں اہلِ سیر اور بخاری شریف کا اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں عمل کس پر کرنا واجب ہے ۔ اگر کوئی آدمی بخاری شریف پر عمل نہیں کرتا اور بخاری شریف کی روایت کو عملاً چھوڑ کر اہلِ سیر کی روایت پر عمل کرتا ہے تو کیا اس کے لئے جائز ہے ؟ اور بخاری شریف کی روایت چھوڑنے پر گنہگار ہوگا یا نہ ؟

الجواب : جب تک روایاتِ مسئولہ اور ان کے اختلاف کی نوعیت سامنے نہ آجائے حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ۔ لیکن عام حالات میں قابلِ اعتماد بخاری کی روایات ہوں گی ۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے بارے میں کہ آپ نے کتنے دن قبا میں قیام فرمایا ؟ بخاری شریف اور سیر کی بعض روایات کا اختلاف ہے ۔ بخاری شریف کی روایت سے مدتِ قیام کا دس دن سے زیادہ ہونا ثابت ہے اور محمد بن اسحاق کی روایت سے تین روز قیام فرمانا ظاہر ہوتا ہے تو اس میں یقیناً بخاری کی روایت زیادہ صحیح متصور ہوگی ۔ اور سیر کی روایت ناقابلِ اعتبار ۔

سوال ۶ : جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے گئے ۔ تو آپ کو مدینہ عالیہ پہنچنے تک کتنے جمعہ پیش آئے اور آپ وہ جمعہ پڑھتے گئے یا جمعہ کو چھوڑ کر ظہر پڑھتے گئے ۔ اگر راستہ میں جمعہ قائم کیا ہے تو وہ کون کون سی جگہ ہیں جہاں جمعہ قائم کیا اور وہ محل اقامت تھے یا نہ ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب : سفرِ ہجرت میں کسی مقام پر جمعہ پڑھنا ثابت نہیں ۔ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم ایک جمعہ راستہ میں ضرور آیا ہوگا ۔

سفرِ ہجرت میں مدینہ منورہ کے محلہ بنو سالم میں جمعہ پڑھنے کی تحقیق

۷ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بنی سالم قریہ مستقل تھا یا وہ محلہ مدینہ عالیہ کا تھا یا میدان جنگل تھا ؟ اگر قریہ مستقل تھا تو وہ قریہ صغیرہ تھا یا کبیرہ ، اور اس وقت اس کی مردم شماری کتنی تھی ؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا ۔ کذا فی اعلاء السنن ناقلاً من خلاصۃ الفتاویٰ ۔

سوال ۸ : بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ بنی سالم قریہ صغیرہ تھا ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ پڑھا تھا ۔ اس سے معلوم ہوا جمعہ چھوٹے قریوں میں بھی صحیح ہو جاتا ہے ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سالم میں جو کہ قریہ صغیرہ تھا جمعہ کیوں پڑھا ۔ جب آپؐ نے قریہ صغیرہ میں جمعہ قائم کیا تو یہ قوی دلیل ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ ادا ہو جاتا ہے اب عرض یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے یا وہ اس دعوے میں جھوٹے ہیں ؟

الجواب : بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ سے غیر مقلدین کا استدلال کرنا درست نہیں غلط ہے ۔

سوال ۹ : اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی بنی سالم میں جمعہ تین آدمیوں کے ساتھ قائم کیا ہے ۔ پھر میری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہ جمعہ مبارک جمعہ کی فرضیت ہونے سے قبل پڑھا تھا یا جمعہ فرض ہو چکا تھا ۔ اگر جمعہ کی فرضیت آجانے کے بعد پڑھا تھا تو پھر یہ عرض ہے کہ وہ مدینہ عالیہ پہنچ کر اور بنی سالم اگر جمعہ پڑھا تھا یا مدینہ پہنچنے سے پہلے پڑھا تھا اگر مدینہ پہنچ کر بعدہٗ

بنی سالم میں جمعہ پڑھا۔ تو پھر عرض یہ ہے کہ آپ نے جو مدینہ عالیہ کو چھوڑ کر بنی سالم میں جمعہ قائم کیا تو اس کی کیا وجہ تھی اور کس وجہ سے بنی سالم میں آئے تھے ؟

الجواب جب بنی سالم مدینہ منورہ کا محلہ تھا تو جب بھی وہاں پر جمعہ ادا کیا گیا ہو مخالفین کے لئے مفید نہیں ـــــ جمعہ کی فرضیت بنا بر قولِ محقق ہجرت سے پہلے ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ جمعہ فرضیت کے بعد پڑھا گیا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : عبداللہ عفا اللہ لہٗ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۱۱/۹۷ھ	معین مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار

جمعہ یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے یا واجب ؟ اور کتنی دیر بیٹھا جائے ؟ المستفتی محمد حسین ، منڈی واربرٹن ، شیخوپورہ

الجواب دونوں خطبوں کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آجائے سنت ہے۔ " عالمگیری " میں سننِ خطبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والخامس عشر الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات في ظاهر الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلا عن الفتاوى قال شمس الائمة السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين انه اذا تمكن في موضع جلوسه واستقر كل عضو منه في موضعه قام من غير لبث و مكث كذا في التتارخانية والمختار ما قاله شمس الائمة السرخسي كذا في الغياثية ۔ اھ (ج ۱ ۔ ص ۱۴۷) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶/۹/۱۴۰۵ھ

عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو ایک ہی غسل کافی ہے

مشہور ہے کہ عید کی نماز کے لئے نہانا سنت ہے اور ایسے ہی جمعہ کے لئے نہانا بھی سنت ہے۔ اگر دونوں ایک ہی دن جمع ہو جائیں تو ہر ایک نماز کے لئے الگ غسل کیا جائے یا ایک ہی غسل کافی ہے ؟

الجواب ایک ہی غسل کافی ہے ہر دو کے لئے الگ الگ غسل کا تکلف نہ کریں۔ ویکفی غسل واحد لعید وجمعة اجتمعا ۔ اھ (درمختار علی الشامیة ۔ ج ۱ ۔ ص ۱۵۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

غسلِ جمعہ یومِ جمعہ کیلئے ہے یا نمازِ جمعہ کیلئے

(غسلِ جمعہ کے بارے میں احادیث مختلف ہیں۔ کیا جمعہ کے دن غسل کرنا یہ صلوٰۃ جمعہ کے لئے سنت ہے ۔ یا مطلقاً یوم جمعہ کے لئے سنت ہے۔) ائمہ کا کیا اختلاف ہے۔

الجواب (صحیح یہ ہے کہ یہ غسل جمعہ کے لئے ہے۔) قال في السعاية وهو الصحيح عند الجمهور وهو قول ابي يوسف كما في الهداية وغيرها انه للصلوة لا لليوم اھ قال الزرقاني قول جماعة ان الغسل ليوم الجمعة ومذهب مالك والشافعي وابي حنيفة وغيرهم انه للجمعة لا لليوم انتهى ۔

(علامہ شامی رحمہ نے نقل کیا ہے کہ اگر غسل کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کی تو یقیناً سنت حاصل ہو گئی۔ اور اگر وضوء ٹوٹ گیا جدید وضوء کرکے نماز ادا کی تو بھی یہ غسل کافی سمجھا جائے گا۔ فالاولى عندى الاجزاء وان تخلل الحدث ۔ (ج ۱ ص ۱۵۶) ۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اُردو یا پنجابی میں مسائل بتلانا

ہماری مسجد کے خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دورانِ خطبہ پنجابی یا اردو میں طہارت وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے؟

الجواب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک کے زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبۂ عربی میں کسی دوسری چیز کو خلط نہیں کیا گیا لہذا بوقتِ خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ اور مسائل پہلے بیان کرلیں۔ البتہ اگر عین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو مسئلہ بتلانے میں حرج نہیں۔

ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امرا بمعروف اھ۔ (عالمگیری ج ۱۔ ص ۷۶)۔

فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفر اللہ لہٗ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

امام صاحب نے گھر میں ظہر ادا کی اور مسجد میں آکر جمعہ پڑھایا تو جمعہ صحیح ہوا یا نہیں؟

ایک امام مسجد شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ فرض ہے جمعہ کے دن ظہر کی نماز گھر میں پڑھ لیتا ہے اور ظہر پڑھنے کے بعد مسجد میں جاکر لوگوں کو دو رکعت جمعہ پڑھاتا ہے کیا سعی الی الجمعہ سے اس کی ظہر باطل ہوجائے گی جیسا کہ کتب فقہ میں مرقوم ہے یعنی امام بھی اسی ذیل میں آتا ہے یا نہ؟ یا اس کی ظہر باقی رہے گی اور جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ جونسی صورت ہو تحریر فرمائیں۔

(علامہ) غلام رسول، مدرس جامعہ رشیدیہ منٹگمری

الجواب باوجود تتبع و تلاش کے اس کے متعلق کوئی خاص جزئیہ تو نہیں ملا۔ لیکن فقہاء کے طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بھی اسی ذیل میں آجاتا ہے

کیونکہ فقہاء نے اس مسئلہ کو عمومی حیثیت سے بیان فرمایا ہے اور کسی خاص جزی کا استثناء بھی نہیں فرمایا۔ نیز بطلانِ ظہر کی علت یعنی سعی مع امکان الادراک لگتے ہیں تو یہ بھی امام میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ مقتدی سے بڑھ کر۔ لہذا خیال یہی ہے کہ اس صورت میں امام کی ظہر سعی الی الجمعۃ سے باطل ہوجائے گی۔ اور جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی عفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۵/۱۳۷۹ھ

اگر احیاناً ایسا فعل امام سے سرزد ہو تو حرج نہیں۔ اور امید رکھنی چاہئے کہ ظہر باطل ہو گئی اور جمعہ صحیح ہوگیا۔ والجواب صحیح

محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹/۵/۷۹ھ

ضرورت ہو تو جمعہ کی نماز میں بھی "قنوتِ نازلہ" پڑھ سکتے ہیں

"قنوتِ نازلہ" کا پڑھنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صبح کے علاوہ کسی دوسری نماز میں بھی جائز ہے یا نہیں۔ جمعہ کی نماز میں پڑھے یا نہ۔ اور پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانا اور آمین بالجہر کہنا کیسا ہے؟

الجواب (" قنوتِ نازلہ " صبح کے علاوہ دوسری جہری نمازوں میں حتی کہ جمعہ میں بھی پڑھنا جائز ہے)۔ کما فی الدر المختار ولا یقنت فی غیرہ الا النازلۃ فیقنت الامام فی الجہریۃ وقیل فی الکل (ج ۱۔ ص ۳۷۱)۔

(البتہ امام کا ہاتھ اٹھانا اور لوگوں سے اٹھوانا اور زور سے آمین کہلوانا ٹھیک نہیں۔ امام جہر سے پڑھے اور مقتدی آہستہ آمین کہیں)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفرلہٗ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان، ۳/۱/۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

خطبہ شروع ہوجائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں

مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں خطبہ سنا جائے۔ درمختار میں ہے۔

اذا خرج الامام من الحجرۃ ان کان والا فقیامہ للصعود فلا صلوۃ ولا کلام الی تمامہا اھ۔ قولہ فلا صلوۃ شمل السنۃ وتحیۃ المسجد بحر اھ (شامی ج ۲: ص ۷۶۷)۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

مصر کی مفتیٰ بہ تعریف

صحت جمعہ کی شرط "شہر" کا ہونا ہے۔ البتہ "شہر" کی تعریف میں اقوال ائمۂ دین کے مختلف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱: جہاں پر حد جاری ہو اور بادشاہ اور قاضی موجود ہوں۔

۲: کہ وہاں کے نمازی وغیر نمازی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔

ان دونوں میں کون سی تعریف مفتیٰ بہ ہے؟ پہلی تعریف کے لحاظ سے تو لاہور وغیرہ میں بھی جمعہ درست نہیں ہے۔ اور دوسری کے لحاظ سے جس چک (گاؤں) کے آدمی ۲۵ گز کی مسجد میں نہ سما سکیں اس جگہ جمعہ درست ہوگا اور اسی قول پر اکثر فقہاء کا فتویٰ ہے۔ (شرح وقایہ)۔ نیز اسی قول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے چک مذکور میں جمعہ قائم کر رکھا ہے۔ تسلی کے لئے جواب سے نوازیں۔

الجواب شامی جلد اول میں ہے۔

وظاہر المذہب الخ قال فی شرح المنیۃ والحد الصحیح ما اختارہ صاحب الہدایۃ انہ الذی لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وقال فیہ لیس المراد تنفیذ جمیع الاحکام ...... بل المراد واللہ اعلم اقتدارہ علی ذالک وقال فیہ عن ابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ

فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث وہذا ہو الاصح اھ الا ان صاحب الہدایۃ ترک ذکر السکک والرساتیق لان الغالب ان الامیر والقاضی الذی شانہ القدرۃ علی تنفیذ الاحکام واقامۃ الحدود لا یکون الا فی بلد کذالک اھ (شامی، ج ۱، ص ۵۳۸)۔

اسی قول کو ظاہر مذہب کہا گیا ہے۔ شارح وقایہ کے قول کی تضعیف کی ہے۔ بڑے قصبات اور شہروں میں امیر وغیرہ حکومت کی طرف سے مقرر ہیں اس لئے جو شہر بیان کئے ہیں اس میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہر جگہ بادشاہ کا ہونا ضروری نہیں۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس میں اکبر مساجد کا ذکر ہے جس میں کثرت مساجد کی طرف اشارہ ہے۔ چک (گاؤں) میں یہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ ورنہ ہر گاؤں اور ہر بستی پر یہ تعریف صادق ہے حنفیہ میں سے یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے۔

دوسرے شارح وقایہ وغیرہ کا قول مجمل ہے جس کی تفصیل ان سے منقول نہیں۔ صاحب مذہب کے قول کی موجودگی میں دوسرے قول کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہمارے اس زمانہ تک تواتر معنوی سے جس کو انہوں نے تلقی معنوی سے تعبیر کیا ہے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کے واسطے ایک قسم کا تمدن ہونا ضروری ہے۔ جس جگہ تمدن نہیں جمعہ نہ ہوگا۔ ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ موجود ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبا تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور اس کے مابعد کبھی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ نہ ان کو مدینہ بلایا گیا۔ لہٰذا ایسے چکوں (گاؤں) میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق جمعہ فرض نہیں بلکہ ادائے ظہر ضروری ہے۔

جن لوگوں نے احتیاط ظہر نہیں پڑھی ان پر قضائے ظہر ضروری ہے۔ اور جو صاحبان احتیاط الظہر پڑھتے رہے ہوں ان کی ظہر ادا ہو گئی۔

فاروق احمد مفتی قاسم العلوم، فقیر والی: وصدر مدرس، (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ہند)

الجواب صحیح: بندہ فضل محمد عفا اللہ عنہ، ۲۴/ذی قعدہ ۱۳۷۰ھ

الجواب

بڑے گاؤں اور قصبات جن میں گلی، کوچے، بازار ہوں اور ضروریات زندگی عمومی طور پر مل جاتی ہوں اور عرف میں انہیں قصبہ کا لقب دیا جاتا ہو۔ تو وہاں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ بذا ہو المفتی بہ۔ اور شہر کی تعریف جن حضرات نے یہ کی ہے کہ اس کی بڑی مسجد میں لوگوں کی سمائی نہ ہو تعریف جامع مانع نہیں اور رجوع اس تعریف کا بھی اسی طرف ہے۔ والجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ ۱۲/۱۶/ ۱۳۷۰ھ

فوجی معمول کی مشقوں کیلئے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں!

فوج کی چند یونٹیں ہر سال مشق کے لئے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً پانچسو یا اس سے زائد ہوتی ہے۔ مشق کے لئے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں۔ مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے۔ جہاں پر یونٹ کا کمانڈر اور دوسرے افسران رہتے ہیں جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لئے کچھ مزید فاصلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور مشق کے لئے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ اور مشق کے لئے مدت پندرہ دن سے زائد ایک یا دو ماہ ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں۔ جب کہ ضروریاتِ زندگی فوجی نقطہ نگاہ سے مل جاتی ہیں اور افسرانِ اور عدالت بھی ہوتی ہے۔ مصلحت کی بناء پر اذن عام نہیں ہوتا ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے؟

الجواب مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر با جماعت ادا کی جائے۔ کیوں کہ جمعہ کے لئے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے۔ عارضی رہائش کی جگہ شہر

یا بستی کے حکم میں نہیں۔

ویشترط لصحتها سبعة اشياء الاول المصر الخ اوفناءه بكسر الفاء وهو ماحوله اتصل به اولا لاجل مصالحه كدفن الموتى وركض الخيل۔ (درمختار على الشامية ج ۱ ص ۵۴۹)

قال شمس الائمة الحلوانى عسكر المسلمين اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبيتهم وخيامهم وفساطيطهم فنزلوا مفازة فى الطريق ونصبوا الاخبية والفساطيط وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر يوما لم يصيروا مقيمين لانها حمولة وليست بمساكن كذا فى المحيط۔ (عالمگیریہ ج ۱، ص ۱۴۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳/ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ

خطبہ مسنون کی مقدار

ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ خطبہ یہ ہے۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى خصوصا على افضل الرسل وخاتم الانبياء۔ اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم وما ارسلناك الا رحمة للعالمين انه جواد كريم ملك برٌّ رحيم۔ دوسرا خطبہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ اما بعد ان الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى

يعظكم لعلكم تذكرون اذكروا الله يذكركم ولذكر الله تعالى اعلى واولى و اتم و اكبر "

کیا ، خطبہ سے نماز جمعہ ہو جاتی ہے ؟ حالانکہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے

الجواب خطبہ جمعہ میں مقدار مسنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے ۔ مراقی میں ہے

يسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل كذا فى معراج الدراية ولكن يراعى الحال بما هو دون ذالك فانه اذا جاء بذكر وان قل يكون خطبة (ص ۲۸۱) ۔

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی ۔

" واقله قدر التشهد الى قوله عبده ورسوله ۔ (مراقی" ص ۲۸۰)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے ۔ آئندہ مقدار مسنون کی رعایت رکھی جائے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۳/۱۴۰۸ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔

خطبہ جمعہ سننا واجب ہے

کیا جمعۃ المبارک ، عیدین اور نکاح کا خطبہ پڑھنا واجب ہے یا سنت یا فرض ۔ نیز ان خطبوں کو سننا کیسا ہے ؟

الجواب جمعہ کا خطبہ ادائے جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے ۔ عیدین اور نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے مگر سننا ان سب کا واجب ہے) در مختار میں عیدین کے باب میں ہے

" سوى الخطبة فانها سنة بعدها اھ وفى الشامية قوله فانها سنة بعدها بيان للفرق وهو انها فيها سنة لا شرط وانها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعة اھ (ج ۱ ص ۷۷۵) .

وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وعيد اھ (درمختار على الشامية ، ج ۱ ص ۷۶۹) ۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۷/۱۴۰۱ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔

شہر سے ڈیڑھ میل دور رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں

ہماری جماعت کے مکمل ساتھی گیارہ ہیں ۔ ایک امیر صاحب اور دس مامور ہیں ۔ بستی سے شہر جہاں جمعہ ہوتا ہے ۱½ میل ہے لیکن امیر صاحب نے اجازت نہیں فرمائی ۔ ایسی صورت میں کیا کریں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں آپ حضرات مذکورہ بستی کے رہنے والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے ۔

" ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع ببخارا لا جمعة على اهل ذالك الموضع وان كان النداء يبلغهم ۔ (هنديه ، ج ۱ ص ۱۴۷) فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۴/۱۴۰۸ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۔

(جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہئیں)

سوال ۔ جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے ؟

الجواب مراقی میں ہے ۔ ويسن تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ۔ (ص ۲۸۱) ۔ اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری مفہوم ہوتی ہے کمی بیشی بھی جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی ۲/۱۴/۶/۱۴۰۶ھ

جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے

سوال: جو شخص نمازِ جمعہ میں " التحیات " میں شامل ہو جائے تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص پھر دو رکعت ادا کرے یا چار؟

الجواب: تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ کی دو رکعت ادا کرے۔
" ومن ادرکھا ای الجمعۃ فی التشہد او فی سجود السہو او تشہدہ اتم جمعۃ ۔ (مراقی، ص ۲۸۴)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی: ۱۴/ ۶/ ۱۴۰۶ھ

خطبۂ جمعہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر

سوال: خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکرِ خیر کس سنہ اور تاریخ میں شامل ہوا ہے۔

الجواب: (حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے۔)
مراقی " میں ہے وذکر الخلفاء الراشدین والعمین مستحسن بذالک جری التوارث ۔ (مراقی، ص ۲۸۱)۔ (ضروری ہی تصور کیا جاتے۔ حضرات خلفاءِ راشدین اور حضرات صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے تذکرے کی ابتداء حضرت عمر بن عبد العزیز رح (المتوفیٰ احدی ومائۃ، الاکمال، ص ۷۱۰) نے کی تھی۔ علامہ ابن الحاج تذکرہ خلفاء فی الخطبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

بدأ عمر بن عبد العزیز لامر کان وقع قبلہ وقال مالک فی حقہ ھو امام الھدیٰ وانا اقتدی بہ ۔ (کتاب المدخل، ج ۲ ص ۴۵)۔

فقط واللہ اعلم

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/ ۶/ ۱۴۰۶ھ

قائلین جمعہ فی القریٰ کے دو مغالطوں کا جواب

کیا فرماتے ہیں آپ کہ " قائلین جمعہ فی القریٰ " کے اعتراض ہذا کے جواب میں کہ صحت جمعہ کے لئے چند شرائط ہیں۔ جو کہ فقہائے کرام رح نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو وہاں جمعہ ادا کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ اور ان میں سے اگر ایک یا دو شرطیں نہیں پائی جاتی ہیں تو بھی بلا چوں و چرا جائز ہے۔ کیوں کہ ایک یا دو شرائط کے فقدان سے جمعہ کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس کی امثلہ بہت مل سکتی ہیں۔ مثلاً قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اگر کسی نے تحری کر کے نماز ادا کر لی تو نماز ہو جائے گی۔ حالانکہ فقدانِ شرط ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ نماز ادا کرے قضاء نہ کرے اور اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذ حدود شرط ہے۔ اور دورِ حاضرہ میں کہیں ایسا نظر نہیں آ رہا ہے کہ حدود شرعیہ جاری ہوں۔ باوجود اس کے عدم قائلین جمعہ فی القریٰ بھی فتوے دیتے ہیں کہ مصر میں جمعہ پڑھو اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرط کے فقدان سے فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے اذ فات الشرط فات المشروط کا قانون عام نہیں ہے۔

۲: بیہقی شریف میں ایک حدیث آتی ہے الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم الخ مرفوع ہے۔ اور لا جمعۃ ولا تشریق الخ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حدیثِ مرفوع اور قولِ صحابی کا اگر تعارض ہو تو حدیثِ مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابی حجۃ فیجب تقلیدہ عندنا اذا لم ینفہ شیئ من السنۃ الخ

الجواب: افسوس اس بات پر ہے کہ ہر صاحب مدعی اجتہاد ہو کر اپنے قیاس کے ساتھ محکم احکامِ شریعت کو رد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جمعہ کے شرائط دو قسم ہیں۔ بعض شرائطِ وجوب ہیں اور بعض شرائطِ صحت۔ شرائطِ وجوب فوت ہو جائیں تو جمعہ واجب نہ ہوگا۔ مگر ادا کرنے سے جمعہ ادا ہو کر اس کا ذمہ فارغ ہو جائے

گا۔ مثلاً اعمیٰ، اعرج، مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ لیکن اگر یہ حضرات جمعہ ادا کر لیں تو جائز ہو جائے گا۔ دوسرے شرائطِ صحت ہیں۔ ان کے فوت ہونے پر یہ حکم ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط۔ اسی طرح یہ حکم " فات الشرط " عام ہے۔ پہلی قسم میں بھی کہہ سکتے ہیں اذا فات شرط الوجوب فات الوجوب دون الصحۃ بہرحال مصر ہونا شرائطِ صحت میں سے ہے۔ اگر مصریت نہ ہوگی تو جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ اور جواب نے فرمایا کہ جمعہ کی صحت کے لئے تنفیذِ حدود بھی شرط ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تنفیذ حدود بالفعل ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے تو یہ لکھا ہے کہ

للمصر عند ابی حنیفۃ کل موضع لہ مفتی و امیر و قاضی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔ یہ مصر کی تعریف ہے (نور الایضاح)

وفی الشروح المراد بہ القدرۃ علی ذالک کما صرح بہ فی التحفۃ۔

"اقامۃ الحدود" سے مراد اقامۃ بالقوۃ ہے نہ بالفعل۔ پس مصر کو قیاس کرنا اقامت حدود پر صحیح نہیں۔

۲: یہ روایت الجمعۃ حق علی کل مسلم الخ مخالف روایت لاجمعۃ ولا تشریق والی کے نہیں ہے کہ ہم اس کو مرفوع اور اس کو موقوف سمجھ کر ترجیح دیں۔ اول آپ دونوں حدیثوں میں تعارض ثابت کریں تب ترجیح کا سوال پیدا ہوگا۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ الجمعۃ حق علی کل مسلم میں مسلمانوں پر جمعہ کا فرض ہونا بتلایا گیا ہے۔ حدیث لاجمعۃ ولا تشریق میں ایک شرطِ صحتِ جمعہ بیان کی گئی ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث کا مفہوم جدا ہے۔ کیا الجمعۃ حق علی کل مسلم سے کوئی یہ نکال سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ "علی کل مسلم" میں کہیں جماعت اور خطبہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔ تو کیا اس حدیث کی بناء پر کوئی صاحب یہ کہنے لگیں کہ ہر مسلمان سفر و حضر میں تنہا جمعہ قائم کر سکتا ہے۔ خطبہ و جماعت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوگا ؟

تعجب یہ ہے کہ آپ نے دونوں روایتوں میں تعارض بھی قائم کر لیا اور پھر اپنی رائے سے ترجیح بھی دے دی۔ حالانکہ یہاں تعارض کا سوال ہی نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافتاء خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷۱ھ

جواب صحیح ہے:-

استفتاء میں جوازِ جمعہ فی القریٰ کی تائید میں چند امثلہ ذکر کرنا سراسر جہالت پر مبنی ہے۔ دیکھئے نماز میں علم قبلہ کی صورت میں توجہ الی القبلہ شرط ہے اور عدم قبلہ کی صورت میں اس کے نائب یعنی جہت تحری پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جوازِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ اور اس کے فقدان کی صورت میں ظہر کی طرف رجوع فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو فہم سلیم عطاء فرمائے اور وہ موقوف ہے فنا دعویٰ پر۔ فقط

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان ۲۴/۱/۱۳۷۱ھ

دیہات کے ایسے بازاروں میں جہاں مستقل سکونتی آبادی نہ ہو وہاں جمعہ جائز نہیں

بعض دیہاتی علاقوں میں باقاعدہ بازار ہیں۔ مگر یہاں سکونت کسی کی نہیں۔ چند دیہاتوں کے درمیان بازار ہے۔ دن کو کھلا رہتا ہے اور رات کو سب لوگ دیہات میں چلے جاتے ہیں اس مقام پر جمعہ صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر بازار والی جگہ میں لوگوں کی سکونت ضروری ہو تو کتنے افراد کی ؟

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ دار الافتاء والارشاد

ناظم آباد —— کراچی

الجواب صورتِ مسئولہ میں اس مقام پر جمعہ صحیح نہیں۔ البتہ اگر یہاں پر بازار کے علاوہ اتنے لوگ مستقل طور پر رہائش پذیر ہوں جن کی آبادی و مکانات کو عرفاً بستی و قریہ کہا جا سکے۔ اور ان کی تعداد اتنی ہو کہ جتنی اہل منیٰ کی تھی تو جمعہ جائز ہوگا۔ مصر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ شرنبلالی رحؒ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ وبلغت ابنیتہ قدر ابنیۃ منی اھ معلوم ہوا کہ دیگر شرائط کے باوجود اتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے حضرات شیخینؒ منیٰ میں ایام حج کے اندر جمعہ کو صحیح کہتے ہے۔ اسی طرح اس مقام میں بھی بوجہ

بازار و مستقل آبادی جائز کہا جائے گا۔ جب کہ اتنی آبادی پائی جائے۔ مستقل آبادی نہ ہونے کی صورت میں اس مقام کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسا کہ بعض سرحدی علاقوں میں کئی دیہاتوں کے درمیان چشمہ ہوتا ہے۔ اردگرد کے لوگ پانی بھرنے آتے ہیں اور دن بھر خوب بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ رات کو سب چلے جاتے ہیں۔ اور چشموں پر جمعہ بالاجماع جائز نہیں۔ احکام القرآن میں ہے

انهم مجمعون على ان الجمعة لا تجوز فى البوادى ومناهل الاعراب اهـ۔

نیز صحتِ جمعہ کے لئے استیطانِ اقامت باتفاقِ ائمہ اربعہ شرط ہے۔ "کما فی الاوجز"۔ اور اس مقام پر ایسی اقامت مفقود ہے۔ کیونکہ اقامت شب باشی سے متحقق ہوتی ہے۔ کمافی حاشیۃ المراقی۔

ان موضع الاقامة حيث يبيت فيه الا ترى انك اذا قلت لشخص اين تسكن فيقول فى محلة كذا وهو بالنهار يكون بالسوق نقله السيد عن العلامة مسكين اهـ۔

مسئلہ زیر بحث میں شاید جزئیہ ذیل سے بھی تمسک ہو سکے۔

عسكر المسلمين اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبيتهم وفساطيطهم فنزلوا مفازة فى الطريق ونصبوا الاخبية وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر يوما لم يصيروا مقيمين لانها حمولة وليست بمساكن كذا فى المحيط۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۲)

کیونکہ محل اقامت جمعہ خاص ہے اور محل توطن عام ہے۔ ایسے مقامات کے بارے میں جب عام منتفی ہے تو خاص بھی منتفی ہوگا۔ اور لیست بمساکن کی علت مقام زیر بحث کو بھی شامل ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۳۹۹/۲/۲ھ بروز منگل۔

○

تتمہ بندہ کے خیال میں ما فیہ اسواق وسکک مدعی پر واضح دلیل ہے۔ لان السكك تكون بين المنازل المسكونة۔

سکک بلفظ جمع سے تثلیث پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ تقدیر با بنیۂ منی بھی شاید اس لئے ہو کہ منی میں تین گلیاں تھیں قیل فیها ثلث سكك (فتح، ج ۱، ص ۴۱۱)۔ آپ کی تحریر میں "اوجز" کے حوالہ سے استدلال واضح ہے۔ تقدیر با بنیہ منی سے استدلال میں یہ اشکال ہے کہ ابنیہ مختص بالبیوت نہیں بمطلق تعمیر کے معنی میں ہے۔ اور مطلق ابنیہ محل سوال میں موجود ہیں وان لم تكن بيوتا مناهل الاعراب میں بھی اشکال ہے کہ وہاں ابنیہ نہیں اور یہاں ابنیہ موجود ہیں۔ اسی طرح ومعهم اخبيتهم وخيامهم میں بھی ابنیہ موجود نہیں ہے۔ لیست بمساکن قدرے مفید ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہاں یہ لفظ اخبیہ وخیام کے مقابلہ میں آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں "مساکن" سے ابنیہ مراد ہیں منازل و بیوت مراد نہیں سکونت و بیتوتت تو خیام میں بھی ہو رہی ہے۔

دستخط (حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ)

الجواب اوجز المسالک، ج ۱، ص ۳۵۱۔ میں ہے۔

ففى قصو الذرى عن الميزان ومن ذالك اتفاق الائمة الثلثة على انها لا تصح الا فى محل استيطانهم اهـ قال ابن القيم رح ان فيه صلوة الجمعة التى خصت من بين سائر الصلوات المفروضة بخصائص لا يوجد فى غيرها من الاجتماع والعدد المخصوص واشتراط الاقامة والاستيطان اهـ ..... قال الجصاص فى احكام القرآن .... فقال اصحابنا هى مخصوصة بالامصار ..... وقال مالك تصح فى كل قرية فيها بيوت متصلة واسواق متصلة .... وقال الامام الشافعى رح اذا كانت قرية مجتمعة البناء والمنازل وكان اهلها لا يظعنون عنها الا ظعن حاجة فقد وجبت عليهم الجمعة وفى نيل المآرب لفقه الحنابلة لصحة الجمعة اربعة شروط احدها الوقت والثانى ان يكون بقرية مبنية ..... يستوطنها اربعون رجلا استيطان اقامة

لا یظعنون عنہا .... وفی الاقناع لفقہ الشافعیۃ شرائط فعلہا ثلاثۃ الاول. البلد مصرا کانت او قریۃ ...... وفی مختصر الخلیل للمالکیۃ شرط الجمعۃ وقوع کلہا بالخطبۃ وقت الظہر باستیطان بلد او اخصاص اھ

عباراتِ بالا سے ظاہر ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ کا قریہ متصلۃ البیوت والمنازل ہونا ضروری ہے اور استیطان اقامت بھی لازم ہے۔ پس احناف کے نزدیک بطریقِ اولیٰ یہ ضروری ہوگا۔ کیونکہ عندالاحناف محل جمعہ اخص ہے۔ بلاشبہ احناف کے نزدیک صحتِ جمعہ کے لئے مصر یا کم ازکم قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ اور مصر یا قریہ، شہر یا گاؤں پنڈ کو کہتے ہیں اور زیرِ بحث جگہ کو بازار تو کہہ سکتے ہیں شہر، گاؤں، پنڈ ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ "مجمع البحار" میں ہے۔ القریۃ المساکن والابنیۃ ایضا ۔ اور مصر کی تعریف میں "سکک" کا لفظ بھی اس کی واضح دلیل ہے۔ مصر کی تعریف میں ابنیہ منٰی سے مراد بھی بیوت ومساکن ہی ہیں محض تعمیرات نہیں۔ کما تدل علیہ تعریف الفقہاء۔

بہرحال انتفاءِ اقامت واستیطان اور انتفاءِ بیوت ومنازل و"سکک" کی بنا پر یہ جگہ لغۃً، شرعًا، عرفًا نہ قریہ ہے نہ مصر۔ پس اس میں جمعہ جائز نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان

جمعہ کے بعد سنتِ مؤکدہ کتنی ہیں

جمعہ کے فرضوں کے بعد سنتِ مؤکدہ کتنی ہیں دو یا چار یا چھ؟ حدیث وفقہ سے مفصل ثبوت دیں۔ ہمارے ہاں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ جمعہ کے بعد سنتِ مؤکدہ دو ہیں؟

الجواب: امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جمعہ کے بعد سنتِ مؤکدہ چار ہیں۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چھ ہیں۔ پہلے چار پڑھے اور پھر دو۔

۱ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا اھ (مسلم، ج ۱، ص ۲۸۸)۔

۲ : عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا یجعل التسلیم فی اٰخرھن رکعۃ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)۔

۳ : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعۃ اربعا وبعدھا اربعا۔ اھ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)۔

۴ : عن ابی عبد الرحمن عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال من کان مصلیا بعد الجمعۃ فلیصل ستّا اخرجہ الطحاوی وفی اٰثار السنن اسنادہ صحیح۔ (اعلاء السنن: ج ۷، ص ۵-۸)

۵ : وعند ابی یوسف السنۃ بعد الجمعۃ ست رکعات وھو مروی عن علی رضی اللہ عنہ والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف۔ (کبیری، ص ۳۴۳)۔

۶ : وعلی استنان الاربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا .... وذکر فی البدائع انہ ظاھر الروایۃ وعن ابی یوسف انہ ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین وفی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشائخنا علی قول ابی یوسف اھ (بحر الرائق، ج ۲، ص ۵۳)۔

روایاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ بلا عذر صرف دو پڑھنے والا تارکِ سنت ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس ملتان ۲۳/۲/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیرالمدارس ملتان۔

جمعہ ہر موسم میں اوّل وقت میں ادا کیا جائے

نمازِ جمعہ کا اوّل ترین وقت کون سا ہے ۔ نمازِ جمعہ ظہر کے وقت یا نمازِ ظہر سے قبل کس طرح پڑھا جائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب: جمعہ ہر موسم میں اوّل وقت میں ادا کرنا مستحب ہے ۔ احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ ہر موسم میں ایک بجے جمعہ ادا کر لیا جائے ۔

وجمعة كظهر اصلا و استحبابا فى الزمانين لانها خلفه (درمختار) وفى الشامية تحت قوله واستحبابا فى الزمانين اى الشتاء والصيف لكن جزم فى الاشباه من فن الاحكام انه لا يسن لها الابراد فى جامع الفتاوى لقارئ الهداية قيل انه مشروع لانها تؤدى فى وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لانها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض الى الحرج ولا كذالك الظهر و موافقة الخلف لا صله من كل وجه ليس بشرط اھ (ج ۱ : ص ۳۴۰) ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۹/۵/۲ ۱۴۰ھ

مصر وہی ہے جو مصر سمجھا جاتا ہو

ایک گاؤں کی آبادی تین سو گھر ہیں اور اہلِ سنت کی دو مسجدیں ہیں ۔ آبادی مرد و زن مردم شماری کے حساب سے دو ہزار کے قریب ہے ۔ ایک مسجد میں عرصہ دراز سے جمعہ جاری ہے ۔ چار ، پانچ دوکانیں بھی ہیں ۔ روز مرہ کی اشیاءِ خوردنی میسر ہیں ۔ گاؤں میں دو حکیم صاحبان بھی ہیں ۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ محلے کی مسجد میں قریب ہی جمعہ پڑھنا چاہئے ۔ کیا جائز ہو سکتا ہے ؟

الجواب: مفتی بہ تعریف کے مطابق مذکورہ گاؤں قریہ صغیرہ ہے اس میں جمعہ جائز نہیں ۔ سوال میں جو مصر کی تعریف کی گئی ہے ۔ اس کے بارے میں علامہ سبکی رح لکھتے ہیں کہ یہ منقوض ہے ۔ لہٰذا اس کی رو سے تو پھر مکہ اور مدینہ بھی مصر نہیں بنتے کیونکہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ میں وہاں کے باشندوں سے زیادہ افراد کی گنجائش ہے حالانکہ وہاں عہد نبوی ﷺ سے جمعہ ہو رہا ہے ۔ نیز اس کی رو سے بعض وہ چھوٹی بستیاں جو بالاتفاق قریہ صغیرہ ہیں وہ مصر بن جائیں گی ۔ لہٰذا مصر کی ہر تعریف میں یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ تعریف کے صادق آنے کے ساتھ ساتھ وہ جگہ عرفاً بھی مصر یا قریہ کبیرہ کہلاتی ہو ۔

والفصل فى ذالك ان مكة والمدينة مصران تقام بها الجمعة من زمنه عليه السلام الى اليوم و كل موضع كان مثل احدهما فهو مصر الخ .... حتى التعريف الذى اختاره جماعة من المتأخرين كصاحب المختار والوقاية و هو ما اجتمع فى اكبر مساجده لا يسعهم فانه منقوض بها اذ كل مسجد منها يسع اهله و زيادة اھ (غنية ص ۵۵۱) ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء	مفتی خیر المدارس ملتان

دورانِ خطبہ پنکھا کرنا: دورانِ خطبہ گرمی کی وجہ سے پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے ۔ یہ استماعِ خطبہ کے خلاف ہے ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کی نیت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا

ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا وہ کثرتِ مجمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا

جارہا ہے جمعہ کی نیت کرکے امام کے ساتھ شریک ہوگیا بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا یا ظہر ؟

الجواب اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے نہ جمعہ، یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔

وان نوی عند التکبیر انہ یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا کان الامام یصلی الظهر لا یجوز ظهرہ مع الامام ..... (الی قولہ) لانہ نوی ان یصلی الجمعۃ مع الامام فاذا تبین ان الامام کان یصلی الظهر انہ لم یصح اقتداءہ لمکان المغایرۃ

(قاضی خاں ص ۸۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن دکان کھولنے پر حکومت کا چالان کرنا

اگر گورنمنٹ کا آدمی جمعہ کے دن دکان کھولنے پر چالان کرے تو کیا چالان کرنا جائز ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب امورِ مباحہ میں حکام و اولی الامر کی اطاعت واجب ہے، شامیہ میں ہے

ان صاحب البحر ذکر ناقلا عن ائمتنا ان طاعۃ الامام فی غیر معصیۃ واجبۃ فلو امر بصوم یوم وجب۔ (ص ۳۴۴ ج ۴)

اس لئے حکومت کے کہنے پر ترکِ تجارت ضروری ہے، مالی جرمانہ طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، صرف امام ابو یوسف رح جواز کے اس حد تک قائل ہیں کہ حصولِ زجر کے بعد مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ حاکم بیت المال یا اپنی جیب میں رکھنے کا مجاز نہیں (کذا فی الہندیۃ ص ۳۳۶ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۱۰ - ۷ - ۱۴۰۹ھ

زبانی خطبہ بہتر ہے یا دیکھ کر :

بعض خطیب حضرات جمعہ و عیدین کا خطبہ زبانی پڑھتے ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے؟

الجواب دونوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا نہ حکم دیا گیا ہے نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۳ / ۷ / ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

دیہاتی جمعہ کے دن شہر آجائے تو اس کے لئے جمعہ کا حکم

دیہاتی آدمی شہر میں آیا۔ اشیاءِ ضرورت خریدنے کے لئے اور جمعہ کا وقت ہوگیا، کیا اس پر بھی جمعہ فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر تو پورا دن شہر ٹھہرنے کی نیت تھی تو وہ شہری کے حکم میں ہوگیا، اور اس پر جمعہ فرض ہوگیا لیکن اگر ذہن میں ہو کہ کام ہوتے ہی شہر سے چلا جاؤں گا۔ جمعہ سے پہلے ہوگیا یا بعد میں تو جمعہ واجب تو نہیں ہوا مگر پھر بھی پڑھ لے تو بہت ثواب ملے گا۔

القروی اذا دخل المصر و نوی ان یمکث یوم الجمعۃ لزمتہ الجمعۃ لانہ صار فی اهل المصر فی حق هذا الیوم وان نوی ان یخرج فی یومہ ذلک قبل دخول الوقت او بعد الدخول لا جمعۃ علیہ ولو صلی مع ذلک کان ماجوراً اھ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۴۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

ناخن وغیرہ کاٹنے کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے

ناخن کاٹنا، ایسے ہی جسم کے دیگر غیر ضروری بال صاف کرنے کے لئے کونسا دن افضل ہے؟

الجواب یہ تمام امور ہفتہ میں کسی ایک دن مستحب ہیں البتہ ان کے لئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ کچھ تاخیر کی بھی گنجائش ہے لیکن چالیس دن سے تجاوز کرنا

گناہ ہے۔ وفی استحسان القہستانی عن الزاھدی یستحب أن یقلم أظفارہ ولیقص شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ فی کل اسبوع مرۃ یوم الجمعۃ أفضل ثم فی خمسۃ عشر یوماً والزائد علی الأربعین آثم اھ (طحطاوی ص۲۸۶)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور عفا اللہ عنہ،

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کا فائدہ

اکثر لوگوں کا معمول ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کا اہتمام کرتے ہیں، کیا شریعت میں اسکا ثبوت ہے؟

الجواب: حدیث پاک میں ہے جو جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے گا تو دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لئے نور چمکتا رہے گا، علامہ طیبی نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ یہ چمک دل میں ہوگی یا قبر میں یا حشر میں) عن أبی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ سورۃ الکھف فی یوم الجمعۃ اضاء لہ النور مابین الجمعتین رواہ البیہقی قولہ اضاء لہ فی قلبہ او فی قبرہ او یوم حشرہ اھ۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۸۹ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

۱۸ / ۳ / ۱۴۰۲ھ محمد انور عفا اللہ عنہ،

جمعہ کے دن کافر کو عذاب قبر ہوتا ہے یا نہیں

کیا جیسے مسلمانوں کو جمعہ کے دن اور رات قبر کا عذاب نہیں ہوتا۔ کیا ایسے ہی کافر کو بھی جمعہ کے دن قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔؟

الجواب: کافر کو باقی ایام میں عذاب قبر ہوگا، البتہ جمعہ کے دن اور رمضان میں اس سے عذاب قبر اٹھا لیا جاتا ہے:

قال اھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسوال منکر ونکیر وضغطۃ القبر حق لکن ان کان کافراً فعذابہ یدوم الی یوم

القیامۃ ویرفع عنہ یوم الجمعۃ وشھر رمضان۔ (شامی ص۲۲۳ ج۱)

۶ / ۲ / ۱۴۰۶ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ،

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا

ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کا پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر ۷ یا ۸ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونیوالوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہوکر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی، وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب: خطبہ کے درمیان وعظ ونصیحت کو فقہاء کرام نے بدعت وخلاف سنت لکھا ہے۔ کما فی فتاویٰ دار العلوم ص۶۲ ج۴ کیونکہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزء ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ شامی میں ہے (قولہ بل کشطرھا) فی الثواب ھذا تاویل لما ورد بہ الاثر من ان الخطبۃ کشطر الصلوٰۃ فان مقتضاہ انھا قامت مقام الظھر کما قامت الجمعۃ مقام الرکعتین۔ اس لئے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا۔ مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ، محمد اسحاق عفا اللہ عنہ،

دوران خطبہ کسی کو اشارہ سے خاموش کرانا

جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اس دوران بچے شور کریں یا کوئی سنتیں پڑھے تو ان کو روکنا کیسا ہے؟

الجواب: اشارہ سے منع کر سکتے ہیں) وکذا الواشار برأسہ اوعینہ اویدہ عند رؤیۃ المنکر ولم یتکلم بلسانہ الصحیح انہ لا یکرہ (کبیری ص۵۱۶)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ،

تیمار دار مریض کے پاس رہے یا جمعہ کے لئے چلا جائے

زید اچانک ہیضہ کا مریض ہو گیا ڈاکٹر نے اُس کو بوتل لگا دی اور دوائیں تجویز کر دیں لنے میں جمعہ کی نماز کا وقت قریب ہو گیا جو اُس کی تیمار داری کر رہا ہے وہ اُس کے پاس رہے یا جمعہ پڑھنے چلا جائے ؟

الجواب: اگر مریض کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اس کے پاس رہے اور ظہر پڑھ لے. والحق بالمريض الممرض إن لقي المريض ضياعًا بخروجه على الأصح ۔ (طحطاوی ص ۲۷۵) ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ،

پہلے سلام کے بعد شرکت کرنیوالے کا حکم

ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا ۔ وہ شریک ہو گیا ۔ کیا جمعہ ادا ہو گیا یا نہیں ؟

الجواب: امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتداء صحیح نہیں یہ شخص اب جمعہ نہ پڑھے ۔ وتنقضی قدوة بالاول قبل عليكم على المشهور عندنا خلافاً للتكملة اھ فلا يصح الاقتداء به بعدها لانقضاء حكم الصلوة ۔ اھ

(شامی ص ۲۹۰ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ،

جو جمعہ کا خطبہ نہ سُن سکا اس کے جمعہ کا حکم

جمعۃ المبارک کا خطبہ فرض ہے ۔ ایک آدمی نہ سُن سکا ۔ نمازِ جمعہ ادا ہو گئی یا نہیں ؟

الجواب: خطبہ سُننا بھی بہت اہم اور موجبِ ثواب ہے ۔ مع ھٰذا نہ سُننے کے باوجود نماز ادا ہو گئی ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ، نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

خطبۂ جمعہ کے شروع میں دو دفعہ الحمد للہ کہنا

جمعہ وعیدین کے خطبہ میں جو طریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمد للہ کہتے ہیں پھر دوبارہ الحمد للہ علی الذات کہہ کر شروع کر دیتے ہیں ، اس طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے ؟ اور خطبہ کو اس طرح شروع کرنا سُنّت ہے یا مستحب ؟

الجواب: یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۱۳/۷/ ۹۲ ھ

دونوں خطبوں کے درمیان دُعاء کیسے کریں ؟

جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب: ایسے وقت ہاتھ اُٹھا کر دُعاء نہ مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں ، دل سے مانگیں ۔ وسئل عليه الصلوٰة والسلام عن ساعة الاجابة فقال ما بين جلوس الامام الى ان يتم الصلوٰة وهو الصحيح قوله وسئل عليه السلام ثبت فى الصحيحين وغيرهما عنه صلى الله عليه وسلم فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلى يسئال الله تعالى شيئاً إلّا اعطاه اياه الى قوله فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه لانه مامور بالسكوت ۔ اھ

(شامی ص ۱۶۲ ج ۱) احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ، فقط واللہ اعلم ،

جُمعہ کی بعدیہ سُنتوں کے بعد اجتماعی دُعاء

عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سُنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں امام صاحب فارغ ہو کر اُونچی اُونچی آواز میں دُعاء مانگتے ہیں

اور مقتدی آمین کہتے ہیں ۔ کیا یہ دُرست ہے ؟

الجواب سُنن و نوافل کے بعد اجتماعی دُعا قرآن وحدیث اور خیر القرون سے کہیں ثابت نہیں اس کا اہتمام والتزام بدعت ہے، سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی دُعا مانگ کر فارغ ہوجائے ۔ (کذا فی فتاویٰ دار العلوم صفحہ ۱۸۲ ج ۵)

۱۲۰۷/۲/۶ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جمعہ کے خطبہ میں "مُنکرینِ ختم نبوّت" کی تردید کرنا

اِس موجودہ پُرفتن دَور میں عام طور پر مُسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی ختم نبوت کی اہمیت جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا اِس وقت خُطباء اپنے خُطبات میں جُمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا سکتے ہیں ۔تاکہ مذہب اہل السُنّت والجماعت کی پُوری ترجمانی ہوسکے ۔ جو درحقیقت اسلام اور دین حق ہے ۔ خُطبہ معروفہ کے اولیٰ خُطبہ میں ونشہد ان من ادعی النبوۃ بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان تشریعیا او غیر تشریعی کمسلیمۃ الکذاب وغلام احمد القادیانی کذاب دجال کافر مرتد خارج عن الاسلام لا نبی بعد سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا اور دُوسرے خُطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ اضافہ ہیں ۔

اللھم اشدد وطأتک علی المرزائیین ومن یتولھم من المنافقین والکافرین اعدائک اعداء الدین اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم ۔

الجواب خطبۂ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجۂ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو ۔ اور دیگر مُدعیان نبوّت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے بلکہ جس ملک یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہو رہی ہوں وہاں اِس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں ۔ اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے ۔ ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضُعف کا خطرہ ہے ۔ جمعوں، خطبوں اور دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دَور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے ۔ اور عبادات

سے روکنا کسی مسلمان کے لئے لائق نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبداللہ خادم الافتاء ، خیر المدارس ۔ ملتان

نیّتِ جمعہ میں اسقاطِ ظہر کو ضروری قرار دینا ،

ایک عالم فاضل جو فنِ حدیث و دین کا ماہر ہے وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیّتِ جمعہ تم کرتے رہے ہو نہایت غلط ہے جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہوئے ۔ اصلی نیّت جمعہ کی یہ ہے کہ :۔

نویت ان اصلی رکعتی الجمعۃ للہ تعالیٰ لاُسقط عن ذمتی الظہر متوجھاً الی الکعبۃ الشریفۃ اقتدیت بھذا الامام ۔ دُوسرا فریق کہتا ہے کہ :۔

نویت ان اصلی رکعتی الجمعۃ فرضاً للہ تعالیٰ اقتدیت بھذا الامام متوجھاً الی الکعبۃ الشریفۃ ـــ آیا فریق اوّل کی نیّت صحیح ہے یا ثانی کی ـــ

الجواب جس جگہ جمعہ واجب ہے وہاں صرف اصلی رکعتی الجمعۃ فرضاً الخ کہنا کافی ہے لاسقط عن ذمتی الظہر کی کوئی ضرورت نہیں جس جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاط ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی ۔

فقط واللہ اعلم : بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۱۱/۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح : بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸/۱۱/۱۴۰۲ھ

دورانِ خُطبہ کوئی اعتراض کرے تو اس کو جواب دینا ،

ایک خطیب نے خطبہ کی ابتداء میں خطبہ پڑھتے ہوئے یہ کہا :

الحمد للہ الذی فضّل نبینا علی سائر الانبیاء والمرسلین و انزل علیہ الکتاب تبیانا لکل شیءٍ وھدًی وّبشرٰی للمؤمنین ۔

تو ایک نابینا حافظ بولا تم نے خطبہ غلط پڑھا ہے ۔ مولوی صاحب خطیب نے کہا میں نے تو ابھی خطبہ جمعہ پڑھنا شروع کیا ہے یہ آیت قرآن پاک پڑھی ہے ۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا خطبہ پڑھنا غلط ہے یا صحیح یا ناجائز یا گناہ ۔۔ ؟

الجواب خطبہ میں کوئی غلطی نہیں ہے بالکل درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ :۔ انما بنیت الخطبۃ لذکر اللہ ــــــ لہٰذا اگر خطیب اس کے بعد آیات قرآنیہ وغیرہ تلاوت نہ کرے تب بھی خطبہ صحیح ہوگا ۔ نابینا کا اعتراض غلط ہے ۔

سید مسعود علی عفر اللہ لہٗ مُفتی انوار العلوم ۳/۶ ۱۴۰۶ ھ

جواب صحیح ہے لیکن خطیب صاحب کو دورانِ خطبہ نابینا کو جواب دہی کرنا غیر مناسب تھا بعد از فراغ سمجھانا چاہیئے تھا ۔ بہرحال ان کا اعتراض غلط ہے اگر واقعہ یہی ہو ۔

فقط واللہ اعلم ؛ بندہ عبدُ اللہ غفر اللہ لہٗ خادم الافتاء خیر المدارس

—— ○ ——

بوقتِ خطبہ فوت شُدہ نماز یاد آگئی تو کیسے کرے ؟

جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لئے منبر پر آگیا اس وقت سامعین میں کسی کو یاد آیا کہ اس کے ذمّہ فوت شدہ نماز ہے کیا اس وقت فوت شدہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے جبکہ یہ آدمی صاحب ترتیب بھی ہو ــــ

الجواب شخص مذکور پہلے فوت شُدہ نماز ادا کرے پھر جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھ لے ورنہ ظہر ادا کرے ۔ واذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام (مراقی)

(قولہ فلا صلاۃ) سواء کانت قضاء فائتۃ او صلوٰۃ جنازۃ او سجدۃ تلاوۃ او منذورۃ نفلاً الّا اذا تذکر فائتۃ ولو وترا وھو صاحب ترتیب فلا یکرہ الشروع فیھا بل یجب لضرورۃ صحۃ الجمعۃ اھ (طحطاوی ص۲۸۳)

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

—— ○ ——

(مسجد میں تکرارِ جمعہ کا حکم)

پندرہ بیس آدمی ایک مسجد میں جمعہ کے روز اس وقت پہنچے جبکہ جمعہ ہو چکا تھا ۔ کیا یہ لوگ اس مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا باجماعت ظہر ادا کریں ۔ ؟

الجواب چونکہ تعدد جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں اس لئے ان لوگوں کو چاہیئے کہ جمعہ باجماعت مع خطبہ ادا کریں اگر اسی مسجد میں ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو ــــ (فتاویٰ عبدالحیؒ ص۲۱۰)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۱۰/۱۴۱۰ ھ

—— ○ ——

کیا جمعہ کے دن قبرستان جانا درست ہے ۔؟

بعض لوگوں کا معمول یہ ہے کہ جمعہ کے دن قبرستان جانے کا اہتمام کرتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے ــــ ؟

الجواب (بہ نیتِ عبرت جمعہ کے دن قبرستان جانا مندوب ہے ۔)

ای لا باس بھا بل تندب کما فی البحر عن المجتبی فکان ینبغی التصریح بہ لِلْامر بھا فی الحدیث المذکور کما فی الامداد و تزار فی کل اسبوع کما فی مختارات النوازل قال فی شرح لباب المناسک الّا انّ الافضل یوم الجمعۃ والسبت والاثنین والخمیس فقد قال محمد بن واسع الموتٰی یعلمون بزوّارھم یوم الجمعۃ ویومًا قبلہٗ ویومًا بعدہٗ فتحصل ان یوم الجمعۃ افضل اھ (شامی ص۸۴۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۱/۳/۱۴۰۹ ھ

—— ○ ——

بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم

کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے یا نہیں ۔ ؟

الجواب (خطبہ جمعہ کی شرائط ہے ۔ اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا ــــ)

ومنھا الخطبۃ قبلھا حتی لو صلوا بلا خطبۃ او خطب قبل الوقت لم یجز اھ (عالمگیری ص۱۴۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

—— ○ ——

اللّٰھم اغفر للعباس و ولدہؓ کی تحقیق !

جمعہ کے دوسرے خطبے میں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَ وَلَدِہٖ مغفرۃً ظاھرۃً وباطنۃً پڑھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ۔ اس لئے ان کیلئے دعاء مغفرت کی جاتی ہے جبکہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جا رہا ہے ــــــ

۱ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں نعوذ باللہ

۲ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابیؓ کا نام لے کر دعا نہیں کی جاتی بلکہ رضی اللہ الخ پڑھا جاتا ہے۔ صرف حضرت عباس کے لئے دعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہری و باطنی گناہ کا اقرار کیا جاتا ہے تو روافضیوں کا کہنا یہ درست ہے کہ حضرت عباسؓ گناہ گار تھے اور گناہ کرتے رہے۔ اس لئے قیامت کے روز اندھے اٹھائے جائیں گے نعوذ باللہ۔

الجواب حضرت عباسؓ کی بابت بالا الفاظ کے ساتھ دعائیہ کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ملاحظہ فرمادیں مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۰ ج ۲:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للعباس اذا کان غداۃ الاثنین فأتنی انت وولدک حتی ادعو لکم بدعوۃ ینفعک اللہ بھا وولدک فغدا وغدونا معہ والبسنا کساءہ ثم قال اللھم اغفر للعباسؓ وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لاتغادر ذنبا الخ ــــــ

جس کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہری و باطنی گناہ میں مبتلا تھے یا وہ صحابہؓ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم ــــ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

ــــ○ــــ

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا

جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے۔ گھر میں پڑھنا افضل ہے یا مسجد میں ؟ بینوا توجروا

الجواب سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو وہاں پڑھی جائیں لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو قبلیہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی بلکہ بعض تو سرے سے منکر ہیں اس لئے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلیہ و بعدیہ مسجد میں ادا کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۹/۱۴۱۲ھ

ــــ○ــــ

شدید بارش ہو رہی ہو تو جمعہ کے لئے جانے کا حکم

جمعہ کے دن شروع ہی سے جمعہ کے وقت تک موسلا دھار بارش ہو رہی تھی تو کیا ایسے حالات میں بھی جمعہ کے لئے جانا ضروری تھا۔

الجواب ایسی صورت میں نہ جانے کی گنجائش ہے ــــ

اذا اصاب الناس مطر شدید یوم الجمعۃ فھم فی سعۃ من التخلف اھ (عالمگیری ص ۱۴۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

ــــ○ــــ

خطیب کو وضو کی حاجت پیش آجائے تو کیا کرے ؟

بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد خروج ریح کا احساس ہوا۔ بنا بر احتیاط وضو کر لیا گیا۔ کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ دینا چاہیئے تھا ــ؟

الجواب وہی خطبہ کافی ہے۔ اس فصل کی وجہ سے خطبہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے،

فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل بامر الدنیا اھ (درمختار)

(قولہ بامر الدنیا) اما بنھی عن منکر او امر بمعروف فلا وکذا بوضوء او غسل لو ظھر انہ محدث او جنب کما مر بخلاف اکل او شرب حتی لو طال الفصل استأنف الخطبۃ کما مر فافھم۔ (شامی ص ۷۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

ــــ○ــــ

جمعہ کی نماز کے بعد سوال کرنے کا حکم

بعض سائلین جمعہ کی نماز کے فوراً بعد سوال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا ان سائلین کو کچھ دینا جائز ہے یا ان کو سوال سے روکا جائے —؟

الجواب (سائل اگر واقعی ضرورت مند ہو پیشہ ور نہ ہو اور کسی مجبوری کے تحت سوال کر رہا ہو اور نمازیوں کو پریشان نہ کرے نہ مانگنے میں حد سے تجاوز کرے تو سوال کی گنجائش ہے اور دینا بھی درست ہے)

المختار ان السائل اذا کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی رقاب الناس ولا یسأل الناس الحافا ویسأل ما لا بد منہ لا بأس بالسؤال والاعطاء اھ

(مجموعۃ الفتاوی ص۲۱) فقط واللہ اعلم —

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۴/۱۴۰۹ھ

نابینا پر جمعہ فرض ہے یا نہیں۔؟

ایک آدمی نابینا ہے شہر میں رہتا ہے کیا اس پر ضروری ہے کہ جمعہ مسجد میں جا کر ادا کرے۔؟

الجواب امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی نابینا کو مسجد میں لے جانے والا مل جائے تو اس پر جمعہ لازم ہے ——

وقال محمد الاعمی اذا وجد قائدا یلزمہ والفرق لمحمد ان الاعمی قادر علی السعی الا انہ لا یہتدی فاذا وجد قائدا یلزمہ کالصحیح اذا ضل الطریق اھ (قاضی خان ص۸۳ ج۱)

وفی الشامیۃ بل یظہر لی وجوبہا علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلا قائد ولا کلفۃ ویعرف ای مسجد ارادہ بلا سؤال احد لانہ حینئذ کالمریض القادر علی الخروج بنفسہ بل ربما تلحقہ مشقۃ اکثر من ہذا تأمل اھ (شامی ص۶۴۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۰۹ھ

جمعہ کے لئے سواری پر آنا بہتر ہے یا پیدل

جمعہ پڑھنے کے لئے موٹر سائیکل، کار، یا کسی دوسری سواری پر سوار ہو کر آنا شرعاً درست ہے یا نہیں —؟

الجواب اگر فاصلہ قریب ہو اور ہمت ہو تو پیدل چل کر آنا افضل ہے:۔

ولا بأس بالرکوب للجمعۃ والعیدین والمشی افضل اھ

(خلاصۃ الفتاوی ص۲۱۱ ج۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے

خطبہ میں آواز کس قدر بلند ہونی چاہیے؟

الجواب مستحب یہ ہے کہ معتاد آواز کی نسبت اونچی آواز سے خطبہ دیا جائے۔ ومن المستحب ان یرفع الخطیب صوتہ وان یکون الجہر فی الثانیۃ دون الاولی اھ

(عالمگیری ص۱۴۶ ج۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۴/۱۴۱۲ھ

کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں یا وعظ سنیں

جب کوئی شخص تلاوت کر رہا ہو اور جمعہ کا بیان شروع ہو جائے آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے یا تلاوت بند کر کے بیان سنے —؟

الجواب تلاوت کو مؤخر کر کے وعظ سنے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ و نصیحت ہو۔ شامی میں (قولہ فاستماع العظۃ اولی) کے تحت لکھا ہے:۔

الظاہر ان ہذا خاص بمن لا قدرۃ لہ علی فہم الآیات القرآنیۃ والتدبر فی معانیہا الشرعیۃ والاتعاظ بمواعظہا الحکمیۃ اذ لا شک ان من لہ قدرۃ علی ذلک یکون استماعہ اولی بل اوجب بخلاف الجاہل فانہ یفہم من المعلم والمواعظ ما لا یفہمہ من القاری فکان ذلک انفع لہ اھ (شامیہ ص۶۲۰ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱/۴/۱۴۰۹ھ

خُطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے؟

بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں. کبھی اس طرف رُخ کرلیا کبھی اس طرف کیا یہ درست ہے یا سیدھا ہی رُخ رکھنا چاہیئے ——

الجواب سُنت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں۔ اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہوں ۔

ما یفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جہۃ الیمین وجہۃ الیسار عند الصّلوٰۃ علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام فی الخطبۃ الثانیۃ لم اَرَ من ذکرہ والظاہر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوہم انہ سنۃ ثم رأیت فی منہاج النووی قال ولا یلتفت یمیناً وشمالاً فی شئی منہا قال ابن حجرؒ فی شرحہ لان ذالک بدعۃ اھ (شامی ص۵۹۰ ج۱)

فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۱۱/۱۴۱۲ھ

—— ○ ——

تقریر جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں

جمعہ کی نماز سے پہلے یعنی خطبے سے پہلے تقریر کرنا اور نمازِ جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سُنت کے مطابق ہے ——

الجواب یہ تقریر نمازِ جمعہ کے آداب و سُنن میں سے نہیں مستقل چیز ہے. جس وقت میں سامعین کے لئے انفع ہو. اُس وقت کا تعین کرلیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مُفتی خیر المدارس ملتان

۶/۳/۱۴۰۲ھ

—— ○ ——

مُسافر جُمعہ کی اذان سُننے کے بعد سفر نہ کرے

مسافر جمعہ کے روز شہر سے اذان سُننے کے باوجود سفر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب نہیں۔ ویجب ترک البیع وکذا ترک کل شئی یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیہا ومنہ انشاء السفر عندہ (کذا فی المراقی مع حاشیۃ الطحطاوی فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان
۲/۳/۱۴۰۲ھ

مُقتدی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حُکم ،

اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں ——؟

الجواب جب ایک یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہیئے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیئے۔ اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو. امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا. لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا ——

وتحصل فضیلۃ الجماعۃ بصلوتہ مع واحد (ای من الصبیان) الا فی الجمعۃ فلا تصح بثلاثۃ منہم اھ (الاشباہ والنظائر ص۲۸۰) . فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح	محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مُفتی خیر المدارس ملتان
مُفتی خیر المدارس ملتان	۲۲/۱۱/۹۸ھ

—— ○ ——

خطبۂ جمعہ سے قبل حاضرین کو السّلام علیکم کہنا

بعض خطباء کا معمول ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السّلام علیکم کہتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے ۔

الجواب (خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السّلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں. اس لئے یہ مکروہ ہے)

ولا یسلم الخطیب علی القوم اذا استوی علی المنبر لانہ یلجئہم الی ما نُہوا عنہ والمروی من سلامہ عندنا غیر مقبول وفی الکبیری قال لیس بالقوی وقال عبدالحق فی الاحکام الکبری ہو مرسل قال واسندہ ابو احمد من حدیث ابن لہیعۃ وہو معروف فی الضعفاء ولا یحتج بہ (کبیری ص۵۱۰)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

—— ——

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم

ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے جس میں دن کا اکثر حصّہ جہاز میں گذرے گا. جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں یا ظہر کی نماز ادا کریں — ؟

الجواب جمعہ کے لئے مصر یا فناء مصر شرط ہے. فضاء نہ مصر میں داخل ہے. نہ فناء مصر میں لہذا وہاں ظہر ادا کریں۔ (فتاویٰ خلیلیہ ج ۱ ص ۱۱۸)

الجواب صحیح — فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۲/۱۴۰۹ھ

— ○ —

جمعہ کے دن بال نماز جمعہ سے پہلے ترشوائیں یا بعد میں

شامی میں ہے :۔

ویکرہ تعلیم الاظفار وقص الشارب فی یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ

کیا مفتی بہ قول یہی ہے کہ نماز جمعہ سے قبل ناخن تراشنا اور حجامت بنوانا مکروہ ہے — ؟ مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب شامی ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے. ناخن وغیرہ اور بال ترشوانا جمعہ سے پہلے ہو (قولہ وکونہ بعد الصلوٰۃ افضل اھ) ای لتنالہ برکۃ الصلوٰۃ وھو مخالف لما نذکرہٗ قریباً فی الحدیث اھ ص ۲۶۸)

(طحطاوی میں تصریح ہے کہ بال کٹوانا اور ناخن کاٹنا جمعہ سے پہلے سنّت ہے۔)

وظاہر الاحادیث یدل علی ان القلم قبل الصلوٰۃ فما فی بعض الکتب انہٗ بعدھا یشھد لہٗ بالصلوٰۃ لا یعول علیہ لانہٗ تعلیل فی مقابلۃ النص اھ (طحطاوی ص ۲۸۶)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

— ○ —

جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حکم

ایک آدمی جمعہ کی پہلی یا بعد والی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ لیتا ہے. کیا اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے ورنہ سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا ولو صلی ناسیاً فعلیہ السھو وقیل لا شمنی (درمختار)

(قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاہر الاول لما فی المنح و من ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل اھ (شامی ج ۱ ص ۶۳۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۳/۱۴۱۰ھ

جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت

جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی قرأت مسنون ہے ۔ ؟

الجواب جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت مسنون ہے جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سورۃ جمعہ ، منافقون ، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے. مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے تاکہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں —

وفی التحفۃ وغیرھا یقرأ فیھما قدر ما یقرأ فی الظہر لانھا بدل منہ وان قرأ بسورۃ الجمعۃ واذا جاءک المنافقون او بسبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتٰک حدیث الغاشیۃ ، تبرکاً بالماثورۃ عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی ما مر فی صفۃ الصلوٰۃ کان حسناً لکن یترکہ احیاناً لئلا یتوھم العامۃ وجوبہٗ (کبیری ص ۵۱۶)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
۷/۴/۱۴۱۰ھ

تبلیغی جماعتوں کا زوال سے پہلے شہر سے جانا —

تبلیغی جماعت والے جمعۃ المبارک کے دن شہر سے بستیوں میں جاتے ہیں۔ تین دن کے لیے تبلیغ کی غرض سے اور بارہ بجے کے قریب مسجد سے چلے جاتے ہیں جبکہ جمعہ کی اذان ہونے والی ہوتی ہے۔ جمعہ پڑھے بغیر چلے جاتے ہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے۔ جمعہ پڑھ کر جائیں یا پہلے چلے جائیں۔؟ شرعاً کیا حکم ہے۔

فقط والسلام۔ مولانا حاجی نور محمد صاحب خطیب مکّی مسجد منجن آباد۔ ضلع بہاولنگر

الجواب بہتر یہی ہے کہ جمعہ پڑھ کر جائیں ویسے اگر پہلے بھی چلے جائیں تو گنجائش ہے:

ولا یکرہ الخروج للسفر یوم الجمعۃ قبل الزوال وبعدہٗ وان کان یعلم انہ لا یخرج من مصرہ الا بعد مضی الوقت یلزمہ ان یشہد الجمعۃ ویکرہ لہ الخروج قبل ادائہا اھ — (عالمگیری ص۱۴۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰/۷/۱۴۱۰ھ

جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کرنا

ہمارے علاقہ میں یہ معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کیا جاتا ہے کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب اگر جامع مسجد میں گنجائش ہو تو جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے کیونکہ عیدگاہ میں جا کر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جمعہ بہرحال ادا ہوگیا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح — فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس — نائب مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو یا لمبی

بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ مطول دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیے یا لمبی۔ شرعاً کیا حکم ہے۔؟

الجواب (جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں امام مختصر دعا مانگے) (کذا فی الشامیۃ ص۴۹۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن کثرت درود کی مقدار

حدیث میں جو آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی صلوٰۃ۔

کیا اس کثرت کی کوئی مقدار متعین ہے۔ اس کثرت سے کیا مراد ہے۔؟

الجواب یوں تو درود پاک ایسی بابرکت چیز ہے کہ جتنا بھی پڑھا جائے کم ہے۔ لیکن علامہ سخاویؒ نے قوت القلوب سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم از کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔

(فضائل درود ص۶۹) فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۷/۱۴۱۱ھ

امام کے لئے نمازِ جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم

کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے جس میں سجدہ تلاوت ہو۔؟

الجواب جمعہ میں نہ پڑھے۔

ویکرہ للامام ان یقرأھا فی مخافتۃ ونحو جمعۃ وعید اھ (درمختار) (قولہ ویکرہ للامام) لانہ ان ترک السجود لھا فقد ترک واجباً وان سجد یشتبہ علی المقتدین شرح المنیہ اھ (شامی ص۱۰۴ ج۱)

فقط واللہ اعلم — محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۱/۱۲/۱۴۰۹ھ

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم

خطبہ کے لئے کوئی آدمی نہیں مل رہا اگر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے خطبہ پڑھوایا گیا کیا خطبہ ادا ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب چونکہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے جیسے کہ صدائے بازگشت لہٰذا اس پر پڑھا ہوا خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ ظہر کا وقت ختم ہوگیا تو جمعہ کا حکم،

بعض لوگ جمعہ کی نماز میں اتنی لمبی تقریر کرتے ہیں کہ اس دوران جمعہ سے فراغت سے پہلے عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے تو کیا ان کا جمعہ ادا ہوگیا۔؟

الجواب ان کا جمعہ ادا نہیں ہوا۔ نئے سرے سے ظہر ادا کریں —— وان خرج وقت الظہر قبل الفراغ عن الجمعۃ فسدت الجمعۃ وعلیہم استقبال الظہر اھ (قاضی خان ص۸۵ ج۱) فقط واللہ اعلم

(محمد انور خیر المدارس ملتان)

شب جمعہ، جمعہ اور رمضان میں مرنے والے کو عذاب قبر نہیں ہوگا،

کیا جو آدمی رمضان یا محرم یا جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس سے حساب و کتاب و عذاب قبر معاف ہوتا ہے۔ اگر ہے تو کیا حدیث آخری جملہ کی وضاحت یعنی ماہ رمضان اور محرم ان دونوں میں مرنے والے سے عذاب قبر اگر موقوف ہے تو آیا اس کے بارے میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اگر ہے تو کیا اس کے لئے حقوق العباد سے سبکدوش ہونا بھی شرط ہے۔ یا یہ کہ دنیا میں جس قدر جی چاہے حقوق غصب کرتا ہے اور نہ خود دے اور نہ وارث دیں۔ مگر متذکرہ بالا دنوں اور مہینوں میں مرجائے تو اسے عذاب قبر نہ ہوگا؟

الجواب عذاب قبر کے معاف ہونے کی بشارت جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والے کے لئے آئی ہے اور ایسے ہی رمضان میں مرنے والے کے لئے بھی ہے۔ مگر عشرۂ محرم میں مرنے والے کے لئے بشارت نہیں لیکن حقوق العباد وغیرہ اس سے معاف نہیں ہوں گے۔ ان کی ادائیگی بہرحال ضروری ہے۔ یا صاحب حق سے معاف کرایا جائے ——

ما من مسلم یموت یوم الجمعۃ او لیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر۔ قال القاری فی شرح المشکوٰۃ فتنۃ القبرای سوالہ وعذابہ وھو یحتمل الاطلاق والتقیید والاول ھو الاولی بالنسبۃ الی فضل المولی اھ (مشکوٰۃ ج۱ ص۱۲۱ حاشیہ ۵) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

جمعہ میں شرکت سے معذور جمعہ کے بعد ظہر ادا کرے

معذور اور قیدی یا مسافر جن کے لئے جمعہ میں شرکت کسی بناء پر ممکن ہی نہیں۔ وہ ظہر کی نماز جمعہ ہوچکنے کے بعد پڑھیں یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں —— ؟

الجواب مذکورہ لوگ جمعہ ہوچکنے کے بعد ظہر ادا کریں۔ ویستحب للمریض والمسافر واھل السجن تاخیر الظہر الی فراغ الامام من الجمعۃ وان لم یؤخر یکرہ فی الصحیح (ھندیہ ص۱۴۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور

مختلف بستیاں مل کر جمعہ ادا نہیں کرسکتیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۳ بستیاں مل کر ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔ ہر ایک بستی کے گھر ۴۰، ۵۰ ہوں گے اور جملہ گھر ۱۵۰ تا ۱۶۰ ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کی مسجد الگ الگ ہے۔ نماز جمعہ کے دن ۳۰/۴۰ آدمی بھی ہوجاتے ہیں۔ ان بستیوں کا آپس میں ایک یا دو فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ان میں ایک ایک دکان کریانہ کی بھی ہے۔ اور ایک ایک دکان کپڑے کی بھی ہے۔ کیا ان بستیوں میں جمعہ ہوجائے گا یا نہیں ——

الجواب صورت مسئلہ میں بوجہ نہ پائے جانے شرائط جمعہ کے یہاں اقامت جمعہ جائز نہیں۔ ہر بستی والے ظہر کی نماز ادا کریں۔ جمعہ پڑھنے کی صورت میں ظہر ان پر باقی رہے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

فقط واللہ اعلم، العبد الفقیر
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

خطبہ میں حاضرین کا دُرود پڑھنا

خطبۂ جمعہ میں جب خطیب ان اللہ وملٰئکتہٗ پڑھتا ہے۔ اس وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔؟

الجواب اس وقت دل میں درود پاک پڑھے زبان سے نہ پڑھے۔ والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ اھ (الدر المختار)

(قولہ فی نفسہ) ای بان یسمع نفسہ او یصحح الحروف فانہم فسروہ بہ وعن ابی یوسف قلبا ائتمارا لامری الانصات والصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکرمانی قہستانی قبیل باب الامامۃ واقتصر فی الجوھرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانہا تدرک فی غیر ھذا الحال والسماع یفوت اھ (شامی)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

نابالغ اگر خُطبہ دیدے تو کیا خُطبۂ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

اگر کسی جگہ کوئی بالغ خطبہ دینے والا نہ ہو اور نابالغ نماز جمعہ دیکھ کر خطبہ پڑھ دے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا!

الجواب سمجھ دار بچہ خطبہ پڑھے تو خطبہ صحیح ہو جائے گا۔

وفی الظہیریۃ لو خطب صبی اختلف المشائخ فیہ والخلاف فی صبی یعقل والاکثر علی الجواز اھ (شامی ج ۱ ص ۷۵۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

حضرت نانوتوی قدس سرّہٗ اور دیہات میں جمعہ

حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ جمعہ کے مسئلہ میں نرمی فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جہاں جمعہ جاری ہو وہاں نزاع نہ کیا جائے۔ کیا یہ درست ہے؟ —

الجواب جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حنفیہ کا محقق مذہب وہی ہے جو کتب فتاویٰ میں مصرح ہے اور تفصیل سے مذکور ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے منع کا مصداق وہ جگہیں ہیں جن کا قریہ صغیرہ یا کبیرہ ہونا مختلف فیہ ہو اور وہاں جمعہ قائم ہو تو حضرت وہاں نزاع سے منع فرماتے تھے۔ بایں وجہ کہ کسی درجہ میں گنجائش ہے۔

(کذا فی فتاوی دار العلوم جلد ۵)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جُمعہ فی القریٰ کے بارے میں مذہب غیر پر عمل کرنا۔

جمعہ فی القریٰ کے بارہ میں مالکیہ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مفقود الخبر کی زوجہ کے بارہ میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے۔

الجواب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ امام مالکؒ کے مذہب کی بنا پر جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جو زوجہ مفقود الخبر میں ہے۔ لہٰذا اس کو زوجہ مفقود الخبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ

۱۶/۹/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

اذانِ اوّل کے بعد درس و تدریس

جمعہ کی اذان اوّل کے بعد نماز کی تیاری کر کے مسجد سے باہر ایسی جگہ پر جو کہ مسجد کے بالکل قریب ہے صرف ایک دیوار مسجد اور اس کے مابین حائل ہے وہیں بیٹھ کر درس و تدریس اکل و شرب میں مشغول ہونا کیسا ہے۔ جبکہ پُورا اطمینان ہے کہ اذانِ ثانی و خطبہ سے قبل مسجد میں پہنچ جائے گا۔

مولانا احسان الحق، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ

الجواب گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ صورت مسئولہ میں یہ درس و تدریس مخل سعی نہیں۔ نیز ایسا مدرسہ فنائے مسجد میں داخل ہے۔ تو سعی متحقق ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ ۱۹/۷/۱۴۰۲ھ

جمعہ کے بعد بھی تکبیر تشریق پڑھی جائیں،

(ایام تشریق میں جمعہ کی نماز کے بعد بھی تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے یا نہیں۔؟

الجواب (جمعہ کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق پڑھی جائیں۔

ویکبّرون عقیب الجمعۃ اھ (خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۶)

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ

جمعہ کے لئے "اوّل آنے" سے کونسا وقت مُراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے سب سے پہلے آئے گا۔ گویا اس نے اُونٹ کی قربانی دی اور دوم آنے والے نے گائے کی۔ اس اوّل اور دوم آنے سے کون سا وقت مُراد ہے ۔۔؟

الجواب جمہور کے نزدیک صبح کی نماز کے بعد سے لے کر امام کے خُطبہ دینے کے لئے کھڑے ہونے تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصّوں پر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ مثلاً صبح کی نماز کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبۃ تک پانچ گھنٹے ہوں تو ایک ایک گھنٹہ ہو جائے گا فالذاھب فی الاولیٰ کالمھدی بُدنۃ الخ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر ساعات سے مُراد یہ ہو جو آپ فرماتے ہیں تو کوئی بھی بدنہ حاصل نہ کر سکے گا اسلئے کہ ہم نے نہیں سُنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبح سے مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے ہوں اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب کے باوجود چھوڑ دیتے۔ اور حضرت عثمانؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اذان کے وقت جبکہ خطبہ ہو گیا اس وقت آئے تو مہاجرین اوّلین کا اگر یہ حال تھا تو پھر اوروں کا کیا حال پوچھنا۔ اس لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ ساعات بعد الزوال شروع ہونگی اور زوال کے بعد سے لے کر نہوض الامام للخطبۃ تک جتنا وقت ہوگا اس کو پانچ حصّوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک گھنٹہ ہو تو بارہ "بارہ" منٹ کی ساعات ہو جائیں گی ــــــ

جمہور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زوال کے ہوتے ہی خطبہ کی اذان ہو جایا کرتی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت اذان اوّل تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں زیادہ کی گئی پھر ساعات کہاں ملیں گی۔ لہٰذا ساری ترغیب بیکار ہو جائے گی اور یہ کہنا کہ صحابہؓ سے منقول نہیں ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے اور یہاں جمہور اور مالکیہ کے خلاف جیؔ کا پاٹ ہے اوجز میں اس کے موافق روایات تلاش کر کے لکھی گئی ہیں وہاں دیکھو۔ اجمال یہ ہے کہ ذھاب الی الجمعۃ کے بارے میں مختلف روایات ہیں بعض میں "من غدا الی الجمعۃ" ہے۔ غدوہ کے معنی ہیں صبح کو جانا اور بعض میں راح ہے اور رواح کے معنی ہیں زوال کے بعد جانا اور بعض میں ہجّر ہے اور تبکیر و غدوہ ایک ہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ تبکیر میں کچھ مبالغہ ہے اور بعض میں ہجّر کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک ہجر والی روایت راجح ہے۔ کیونکہ تہجیر کے معنی ہیں دھوپ میں جانا اور اس کے مُراد لینے میں ہر روایت میں جمع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تبکیر و غدوہ کی روایات مجازاً قرب کی وجہ سے تہجیر والی روایات پر محمول ہو جائیں گی۔ اس طرح راح والی بھی مجازاً اس پر محمول ہو جائے تو اب نہ مالکیہ کا اشکال رہتا ہے اور نہ جمہور کا ــــــ (از تقریر بخاری حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم

زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ۔۔؟ ــــ بینوا توجروا

الجواب اگر تو وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائیگا تو پھر جمعہ ہی پڑھ لے ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ پڑھ لے پھر فوراً فجر ادا کر لے۔

لو ذکر فی الجمعۃ ان علیہ الفجر فان کان لا یخاف فوت الجمعۃ یقطعھا و یبدأ بالفجر ولو فات الوقت یتم الجمعۃ لسقوط الترتیب بضیق الوقت اما لو خاف فوت الجمعۃ لا الوقت فعندھما یبدأ بالفجر و عند محمدؒ یتم الجمعۃ اھ (عالمگیری ج۱ ص۱۴۸)

فقط واللہ اعلم ؛ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

—○—

جمعہ کی رات کو مرنے والے کی تدفین کو جمعہ تک مؤخر کرنا

کوئی شخص جمعہ کی رات کو فوت ہو گیا تو نماز جنازہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے بعد تک تاخیر کرنا شرعاً کیسا ہے ــــ ؟

الجواب سُنّت یہ ہے کہ تدفین میں جلدی کی جائے۔ اتنی دیر تک تدفین کو روکے رکھنا خلاف سُنّت ہے۔ لہٰذا جتنے حاضرین جمع ہوں مل کر جنازہ پڑھ لیں۔ ہاں اگر تدفین میں مشغولیت کی وجہ سے جمعہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو پھر جمعہ کے بعد جنازہ پڑھ لیں ــــ

وکرہ تاخیر صلوٰتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوٰۃ الجمعۃ الّا اذا خیف فوتھا بسبب دفنہ اھ (درمختار) ــــ

(قولہ الا اذا خیف الخ) فیؤخر الدفن و تقدم صلوٰۃ العید علی صلوٰۃ الجنازۃ والجنازۃ علی الخطبۃ اھ (شامی ج۱ ص۸۳۳)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہٗ
۱۳۹۸/۹/۱۰ھ

—○—

جمعہ کے خطبہ میں حاکمِ وقت کے لئے عدل و انصاف کی دُعا

کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکمِ وقت کے لئے عدل اور رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک کی توفیق کی دعا کرنا درست ہے ۔؟

الجواب درست ہے مگر تعریف و القاب میں مبالغہ نہ کریں۔ دُعا تک ہی محدُود رکھیں: ویجاز الدعاء للسلطان بالعدل والاحسان اھ

(الطحاوی صہ ۲۸۱) فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

بوقتِ خطبہ سر پر عمامہ باندھنا

جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر عمامہ باندھنا کیسا ہے ۔؟

الجواب استماعِ خطبہ کے دَوران درست نہیں۔

ویحرم فی الخطبۃ مایحرم فی الصلوٰۃ حتی لاینبغی ان یأکل ویشرب۔ والامام فی الخطبۃ اھ (عالمگیری ص۱۴۶ ج۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

مالک مزدور کو جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟

مزدور یا مستری کو مالک مکان جمعہ سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں روک سکتا تو جتنا وقت جمعہ و نماز میں لگے گا اس کی وجہ سے مزدور کی تنخواہ میں کمی کی جائے گی ۔؟ بینوا توجروا

الجواب جمعہ کے لئے جانے سے روک تو نہیں سکتا۔ اگر مسجد دُور ہو اور وقت کافی صرف ہو تو اتنی اُجرت کاٹ سکتا ہے۔

وللمستاجر ان یمنع الاجیر عن حضور الجمعۃ وھذا قول الامام ابی حفص ؒ قال ابوعلی الدقاق لیس لہ ان یمنعہ فی المصر ولکن یسقط عنہ الاجر بقدر اشتغالہ بذلک ان کان بعیداً وان کان قریباً لایحط عنہ شیٔ اھ

(عالمگیری ص۴۱۳ ج۴) فقط واللہ اعلم : محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۹ / ۱۴۱۲ ھ

شہر قریہ صغیرہ بن جائے تو وہاں جمعہ کا حکم

ایک شہر بہت بڑا دریا کے کنارے موجود تھا مگر دریا کی کٹائی کی وجہ سے اب چند گھر باقی بچ گئے۔ کیا اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ۔؟

الجواب صحتِ جمعہ کے لئے اقامتِ جمعہ کے وقت اس جگہ کا مصر یا قریۂ کبیرہ ہونا شرط ہے۔ ماضی میں شہر رہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اب مذکورہ جگہ ظہر با جماعت ادا کریں۔

وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق ۔ (شامی ص۵۳۸ ج۱)

فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ (۱۰/۷/۱۳۹۶ ھ)

—— ○ ——

جہاں جمعہ درست نہیں وہاں ظہر باجماعت پڑھیں

جہاں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط بالاتفاق نہیں پائی جاتیں اور وہاں لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں وہ جمعہ ترک کر دیں یا پڑھتے رہیں اگر جمعہ ترک کریں تو سابقہ ظہر کی نمازوں کی قضا کریں یا نہ کریں ۔؟

الجواب جمعہ ترک کر دیں اور ظہر با جماعت کا اہتمام کریں اور سابقہ ظہر کی نمازوں کا حساب کر کے ان کی بھی قضا کریں:

فی الجواہر لو صلوا فی القری لزمہم اداء الظہر اھ (شامیہ ص۵۳۸ ج۱)

فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

جُمعہ کی ابتدائی سُنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں۔

اگر جمعہ کی ابتدائی چار سُنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں یا قضا کی نیت سے پڑھیں ۔؟

الجواب ادا کی نیت کی جائے کیونکہ ظہر کا وقت باقی ہے۔ صرف ترتیب بدلی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص۴۲۵ ج۱)

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ | فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

—— ○ ——

کیا خُطبہ کے لئے منبر ضروری ہے -؟

کیا خطبہ دینے کے لیے منبر کا ہونا ضروری ہے یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے — ؟ ——

الجواب سُنّت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے :

ومن السُّنّۃ ان یکون الخطیب علی منبر اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ (عالمگیری ص۱۴۶ ج۱) فقط واللہ اعلم

—— —— مُحمد انور عفا اللہ عنہٗ

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب اگر نمازی زیادہ ہوں اور جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ؟ ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ اھ (عالمگیری ص۳۲۲ ج۵) فقط والسلام

مُحمد انور عفا اللہ عنہٗ

—— ○ ——

خطبہ کے لئے قیام فرض ہے یا سُنّت

اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً خطبہ اَدا ہو گیا یا نہیں۔؟ بینوا توجروا

الجواب سُنّت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے، گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی اَدا ہو جائے گا

واما سننها فخمسۃ عشر ...... الی قولہ وثانیها القیام ولو خطب قاعداً او مضطجعاً جاز اھ (عالمگیری ص۱۴۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

مُحمد انور عفا اللہ عنہٗ

۷/۱۲/۱۴۰۱ھ

—— ○ ——

بوقتِ خطبہ سامعین قبلہ رُخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں

جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین با اَدب قبلہ رُخ ہو کر بیٹھیں یا خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں —— ؟

الجواب جو امام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہوں ان کے لئے مستحب ہے کہ امام کی طرف رُخ کر کے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں ——

یستحب للرجل ان یستقبل الخطیب بوجهہ هذا اذا کان امام الامام فان کان عن یمین الامام —— —— —— او عن یسارہ قریبا من الامام ینحرف الی الامام مستعدا للسماع (عالمگیری ص۱۴۷ ج۱) فقط واللہ اعلم

مُحمد انور عفا اللہ عنہٗ

—— ○ ——

جہاں کثرتِ اژدہام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے ......

رائے ونڈ میں اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نمازی بے ترتیبی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی ایسی صورت میں کیا کیا جائے -؟

الجواب ایسا شخص انتظار کرے جب لوگ سجدہ کر کے اُٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے تو پھر سجدہ کرے۔ اگر کسی کی پُشت پر سجدہ کر لیا۔ پھر بھی اَدا ہو جائیگا۔

رجل لم یستطع یوم الجمعۃ ان یسجد علی الارض من الزحام فانہ ینتظر حتی یقوم الناس فاذا رأی فرجۃ یسجد وان سجد علی ظهر الرجل اجزاہ۔ (قاضی خان ص۸۵ ج۔۱) فقط واللہ اعلم

مُحمد انور عفا اللہ عنہٗ

—— ○ ——

خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا

بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بلند آواز سے پکار پکار کر کہتے ہیں صفیں سیدھی کر لیں۔ بچوں کو پیچھے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں —؟

الجواب درست ہے : (ویصف ای یصفهم الامام بأن یامرهم

بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم (درمختار علی الشامیۃ ص۵۳۱ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

صرف جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا

کیا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا افضل ہے۔ خدام الدین میں مندرجہ ذیل احادیث درج ہیں جن کی رو سے جمعہ کا روزہ رکھنا منع معلوم ہوتا ہے احادیث :۔

(۱) —— عن ابی هریرةؓ قال سمعت رسول اللہ یقول لا یصومن احدکم یوم الجمعة الا یوما قبله او بعده (۲) —— وعن محمد بن عباد قال سألت جابرا انهی النبی صلی اللہ علیه وسلم عن صوم الجمعة قال نعم (بخاری ومسلم)

مولانا مفتی کفایت اللہ نے رسالہ تعلیم الاسلام میں جمعہ کے دن کو افضل قرار دیا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو اگر جمعہ آجاوے تو کیا مندرجہ بالا احادیث کی رو سے یہ روزہ رکھنا بھی ممنوع ہوگا —— ؟

الجواب صرف ایک روزہ جمعہ کے دن کا رکھنا جائز ہے اور مذکورہ بالا حدیث میں نہی عن افراد صوم یوم الجمعة تنزیہی ہے۔ (کما فی فتح الملہم ص۱۵۵ ج۳) وذهب الجمهور الی ان النهی فیه للتنزیه وعن مالک وابی حنیفة لا یکره —— البتہ احتیاط اس میں ہے کہ دو روزے رکھے جائیں : کما فی التجنیس عن ابی یوسف فکان الاحتیاط ان یضم الیه یوما آخر (فتح الملہم ص۱۵۵ ج۳) یوم جمعہ اگر اتفاقاً یوم عرفہ بھی ہو تو ان احادیث کی رو سے اس کو غیر حاجی کے لئے ممنوع یا مکروہ کہنا صحیح نہیں بلکہ اس دن بلا کراہت تنزیہہ روزہ رکھنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ | بندہ محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ
—— ۲۷ / ۲ / ۱۳۸۶ ھ

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا

چند ساتھی ایک گاؤں میں گئے جن میں کوئی باقاعدہ عالم نہیں تھا۔ کہ خطبہ پڑھ سکتا۔ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے۔ ایک رکوع اگر پڑھ دیا جائے۔ جمعہ ادا ہوجائے گا یا نہیں —— ؟

الجواب قرآن حکیم کا بہ نیت خطبہ پڑھنے سے خطبہ تو ادا ہوجائے گا مگر خطبہ میں جو چیزیں سنت ہیں وہ رہ جائیں گی ——

الخطبة تشتمل علی فرض وسنة الی قوله واما سننها فخمسة عشر الی قوله وسادسها البداية بحمد الله وسابعها الثناء علیه بما هو اهله وثامنها الشهادتان وتاسعها الصلوة علی النبی علیه الصلوة والسلام والحادی عشر قرأة القرآن (عالمگیری ص۱۴۷ ج۱)

فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

جمعہ کے دن مقبولیت کی گھڑی کا صحیح وقت کون سا ہے —— ؟

جمعہ کے دن وہ گھڑی جس میں دعاء قبول ہوتی ہے کیا شریعت میں اس کی کوئی تعیین کی گئی ہے یا نہیں ؟

الجواب اس سلسلہ میں تقریباً پالیس قول منقول ہیں جن میں سے راجح یہ دو قول ہیں۔ ۱۔ وہ گھڑی بین الخطبتین ہے جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت ہوتی ہے۔ ۲۔ عصر سے لے کر مغرب کے وقفہ میں وہ گھڑی آتی ہے۔ اکثر نے اسی کو پسند کیا ہے مگر بین الخطبتین دعاء دل سے کریں۔ وسئل علیه السلام عن ساعة الاجابة فقال ما بین جلوس الامام الی ان تتم الصلوة وهو الصحیح وقیل وقت العصر والیه ذهب المشائخ (قوله وسئل علیه السلام) ثبت فی الصحیحین وغیرهما عنه صلی اللہ علیه وسلم فیه ساعة لا یوافقها عبد مسلم وهو قائم یصلی یسأل اللہ تعالی شیأ الا اعطاه ایاه وفی هذه الساعة اقوال اصحها اومن اصحها انها فیما بین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان یقضی الصلاة کما هو ثابت فی صحیح مسلم عنه صلی اللہ علیه وسلم ایضا حلیة قال فی المعراج فیسن الدعاء بقلبه لا بلسانه لانه مامور بالسکوت اه وفی حدیث آخر انها آخر ساعة فی یوم الجمعة وصححه الحاکم وغیره وقال علی شرط الشیخین ولعل هذا هو مراد المشائخ ونقل ط عن الزرقانی ان هذین القولین مصححان من اثنین واربعین قولا فیها وانها دائرة بین هذین الوقتین فینبغی الدعاء

فیہما اھ ثم الظاہر انہا ساعۃ لطیفۃ یختلف وقتہا بالنسبۃ الی کل بلدۃ وکل خطیب لان النہار فی بلدۃ یکون لیلاً فی غیرہا وکذالک وقت الظہر فی بلدۃ یکون وقت عصر فی غیرہا لما قالوا من ان الشمس لا تتحرک درجۃ الا وھی تطلع عند قوم وتغیب عند آخرین (شامی ص ۴۷۳ ج ۱۰)

فقط واللہ اعلم | محمد انور ۱۱/۲/۱۴۰۳ھ

وذروا البیع الآیۃ سے جمعہ کے لئے مصر کے ضروری ہونے پر استدلال کرنا

ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ بعض بے وقوف کہتے ہیں کہ لفظ بیع سے شہر کی قید اور شرط ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی خیال باطل ہے کیونکہ اگر لفظ بیع مقصود بالذات ہو تو بائع اور مشتری پر جمعہ فرض ہوتا باقی سب محروم رہ جاتے ——— کیونکہ علماء، طلباء، عابد، زاہد اور دیگر صنعت و حرفت کرنے والے بیع میں مشغول نہیں ہوتے۔ حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے اس لئے لفظ بیع سے شہر ثابت نہیں ہوتا۔ نیز بیع قلیل یا کثیر ہر جگہ ہے۔ تو جمعہ بھی ہر جگہ ہوتا تو یہ کلیہ مسلم نہ ہوگا۔ نیز میں کہتا ہوں کہ لفظ بیع شانِ نزول کے لئے بولا گیا ہے کہ لوگ جمعہ کے وقت جمعہ چھوڑ کر بیع کے لئے چلے گئے تھے ورنہ اس سے مقصد اس چیز کا چھوڑنا ہے جو جمعہ سے غافل کردے۔ فتح البیان میں ہے کہ اس سے تمام شواغل الدنیا مراد ہیں۔ جناب عالی اس شق پر غور کر کے حنفی مذہب کی تائید میں جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب والمراد من البیع ما یشغل عن السعی الیہا حتی لو اشتغل لعمل آخر سوی البیع فہو مکروہ ایضاً۔ (بحر ص ۱۶۹ ج ۲) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مراد ہر ایسی مشغولی کو ترک کرنا ہے جو مخل سعی ہو۔ خصوصی بیع میں حکم ترک منحصر نہیں۔ البتہ لفظ بیع کو اختیار فرمانے سے اشتراط مصر کی طرف اشارہ مفہوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تجارت اور خرید و فروخت آبادی کے غالب کاروبار ہونے کی حیثیت سے صرف شہروں ہی میں ہوتی ہے۔ دیہات اور چھوٹی بستیوں میں نہیں بلکہ ان میں غالب کاروبار کاشت کا ہوتا ہے پس آیت کے مخاطب ایسے لوگ ہی ہیں

جنکی اکثریت کو بوقت نداء وذروا البیع کہہ کر ان کو مشاغل سے روکا جا سکے اور یہ خطاب ان کو صحیح ہو واللہ اعلم نہ کہ ایسے لوگ جنکی اکثریت کو عاقل وذروا البیع کا خطاب نہ کرسکے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۲۲/۵/۸۰ھ

الجواب صحیح، عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۲۶/۵/۸۰ھ

جامع مسجد نئی بنالی جائے تو پرانی میں جمعہ ترک کرسکتے ہیں ___؟

ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے جس کا کام شروع ہو چکا ہے اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کردیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں۔؟

الجواب اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں درمختار میں ہے:——— وافادان المساجد تغلق یوم الجمعۃ الا الجامع۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کرلی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

زید کو کوئی عذر بھی نہیں اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب (جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابلِ مواخذہ ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہوگئی۔)

ومن صلی الظہر یوم الجمعۃ قبل صلوٰۃ الامام الجمعۃ ولا عذر لہ صحت ظہرہ عندنا وان کان عاصیاً وعند زفر لا تصح وھو قول الثلثۃ (الی قولہ) قلنا فرض الوقت فی ھذا الیوم ایضاً ھو الظہر کسائر الایام ولذا لو خرج الوقت لا یقضی الا الظہر بالاجماع الا انہ مامور باسقاط الظہر بالجمعۃ فاذا لم یفعل کان عاصیاً معاقباً وھو لا ینافی الصحۃ اھ (کبیری ص ۵۱۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

باب العیدین

انّا اعطینك الكوثر ۝ فصل لربّك
وانحر ۝ انّ شانئك هو الابتر ۝

خیرُ الفتاویٰ
(جلد سوم)



تکبیراتِ عیدین واجب ہیں

نمازِ عید کی زائد تکبیرات واجب ہیں یا سنت، یا مستحب ؟ اگر کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نمازِ عید ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

الجواب (تکبیراتِ عیدین واجب ہیں) صاحبِ تنویرالابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" ولفظ السلام و قنوت الوتر وتکبیرات العیدین وکذا احدھا افاد ان کل تکبیرۃ واجب مستقل. (شامیہ ج ۱ ص ۳۲۹)۔

(تکبیر چھوٹ جانا موجب سجدۂ سہو ہے۔ کمافی المراقی۔ لیکن چونکہ عید میں بوجہ اندیشۂ فتنہ، سجدۂ سہو نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اگر سجدۂ سہو نہ کیا گیا تو نمازِ عید درست ہو جائے گی۔ اعادہ کی حاجت نہیں) کمافی الدرالمختار، ج ۱ ص ۵۲۸۔

وفی المراقی ویجب تکبیرات العیدین وھکذا فی الھدایۃ والکنز وغیرھا من المعتبرات ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیرالمدارس ملتان
مفتی خیرالمدارس ملتان	۱۸ / ۱۰ / ۸۳ ۱۳ ھ

نمازِ عید زوال تک پڑھ سکتے ہیں

یہاں لوگ نمازِ عید میں بہت تاخیر کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ساڑھے گیارہ بجے پڑھتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے ؟ ، محمد صدیق ، تحصیل کنڈیارو ، نواب شاہ سندھ

الجواب
وفی الدر المختار علی الشامیۃ ج ۱ ص ۷۷۵ (ووقتها من الارتفاع) قدر رمح فلا یصح قبله بل تکون نفلا محرما (الی الزوال) باسقاط الغایۃ. اھ۔

اگر نمازِ عید زوال سے پہلے پہلے پڑھ لی جاتی ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا	۱۰ / ۱۱ / ۱۳۸۴ھ

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا

جو جگہ پچاس ساٹھ سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے اس جگہ عید کی نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب
جنازہ گاہ میں اگر عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہو جائے گی۔ جنازہ گاہ میں عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	بندہ اصغر علی غفرلہٗ

عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو وہ جبانہ (صحرا) کے حکم میں نہیں

عیدین کی نماز محلہ کی مساجد میں کہ جن میں سو ڈیڑھ سو آدمی جمع ہوتے ہیں بلا کراہت درست ہے؟ یا اس کے لئے بڑا اجتماع مطلوب ہے؟ نیز عیدگاہ کا شہر سے باہر ہونا مطلوب شرعی ہے یا نہیں؟ اگر مطلوب شرعی ہے تو اس صورت میں ملتان شہر کی غالباً کوئی عیدگاہ بھی شہر سے باہر نہیں؟

الجواب
فالدر المختار والخروج الیها ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح - ج ۱ ص ۷۷۶) - (نمازِ عیدین کے لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحراء

میں آبادی سے باہر پڑھیں۔ جو عیدگاہ آبادی بڑھنے کی وجہ سے شہر کے اندر آگئی ہے وہ بحکم جبانہ یعنی صحراء نہیں ہے۔ مسجدِ محلہ میں اگر نمازِ عید پڑھی جائے تو ادا ہو جائے گی۔)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۷ / ۱۲ / ۱۳۸۸ھ

(تکبیراتِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں یا تین دفعہ)

تکبیرِ تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے یا صرف ایک ہی مرتبہ کہے؟ المستفتی، محمد شفیع حیدرآباد سندھ

الجواب
(تکبیرِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے۔) مرّۃ وان زاد علیها یکون فضلاً۔ (درمختار)۔ (بعض فقہاء رحمہم اللہ نے زیادتی کو خلافِ سنت قرار دیا ہے۔) (شامی: ج ۱، ص ۷۸۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نمازِ عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتداء کا حکم

۱، کیا نمازِ عید واجب ہے یا سنت؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نمازِ عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے جو عید کو واجب سمجھتے ہوں؟

۲، نمازِ عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں؟

الجواب
۱، (نمازِ عید واجب ہے) صلوٰۃ العید واجبۃ (نور الایضاح)۔ نمازِ عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نمازِ عید درست ہے یہ اجتہادی اختلاف مفسدِ اقتداء نہیں۔

۲ : وجوب عید کی دلیل یہ ہے۔

لانه ثبت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم انه كان يصلي صلوة العيدين من حين شرعيتها الى ان توفاه الله تعالى من غير ترك كذا الخلفاء الراشدون و الائمة المجتهدون وهذا دليل الوجوب - (حاشيه طحطاوى على مراقى الفلاح)۔ فقط والله اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۱/۱۰/۱۳۹۲ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۰ / ۱۰ / ۱۳۹۲ھ

"عید مبارک" کہنے کا حکم

عید الفطر کے دن "مبارک باد" کہنا، کہیں ثابت ہے یا نہیں؟ نیز اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب (کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔ اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں)

" والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لا تنكر اه قوله لا تنكر خبر لقوله التهنئة الخ قال المحقق ابن امير الحاج بل الاشبه انها جائزة مستحبة فى الجملة ثم ساق آثارا باسانيد صحيحة عن الصحابة فى فعل ذالك ثم قال والمتعامل فى البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذالك فى المشروعية والاستحباب لما بينهما تلازم فان من قبلت طاعته فى زمان كان ذالك الزمان عليه مباركا على انه قد ورد الدعاء بالبركة فى امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا ايضا شامى ج ۱ ص ۷۸۳ اه. فقط والله اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۳۰/۹/۱۳۹۷ھ

تکبیراتِ تشریق نمازِ عید کے بعد بھی کہی جائیں

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی تکبیرات جو کہ نویں تاریخ سے شروع ہوتی ہیں عید کی نماز کے بعد نہ کہے۔ جب کہ ہدایہ میں ہے کہ کہی جائیں۔ صحیح جواب کیا ہے؟

مولانا فقیر حسین صاحب
خطیب مسجد بابر کرم شاہ نوشہرہ صدر ضلع پشاور

الجواب (عید کی نماز کے بعد بھی تکبیرات کہنا مستحب ہے یہی راجح ہے)۔

ولا بأس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار) وفى الشامية تحت قوله كلمة لا بأس قد استعمل فى المندوب كما فى البحر من الجنائز و الجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم وقوله فوجب الظاهر ان المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه وفى البحر عن المجتبى والبلخيون يكبرون عقب صلوة العيد لانها تؤدى بجماعة فاشبهت الجمعة - (شامى ج ۱ ص ۵۶۴)۔ فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان۔

چھوٹے دیہاتوں میں عید پڑھنے کا حکم

دیہات میں جہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں وہاں عید کی نماز ہو جائے گی؟ اگر عید کی نماز پڑھنا چاہیں تو کس صورت میں ادا ہو سکتی ہے؟

الجواب (چھوٹے دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست نہیں)۔ تجب صلاتهما فى الاصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة وفى القنية صلوة العيد فى القرى تكره تحريما ... اى لانه اشتغال بما لا يصح لان المصر شرط الصحة اه (درمختار على الشامية ج ۱ ص ۵۵۵)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۱۲/۲ھ

عیدین کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے

ہم پہلے ریلوے گراؤنڈ میں عید ادا کرتے تھے اب مسجد بھی تیار ہوگئی ہے ، کیا مسجد میں عید ادا کی جاسکتی ہے ؟ مولانا محمد اشرف ، اشرف المدارس ہارون آباد

الجواب: عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے ۔ گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں ۔ آنحضرت علیہ السلام نے سوائے ایک دفعہ کے ، وہ بھی بارش کی وجہ سے ، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے ۔ لہٰذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے ۔ معہذا مسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہوجائے گی ۔

والخروج الیها ای الجبانة لصلوة العید سنة و ان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح (شامی اھ: ص ج ۱: ۷۷۶)

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
رئیس الافتاء	۲۰ / ۹ / ۱۳۹۷ھ

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے

اگر نمازِ عید ایک شخص پڑھائے اور اسے خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا شخص پڑھے تو نمازِ عید ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب: اگرچہ ایسا کرنا نامناسب ہے تاہم نمازِ عید صحیح ہوگئی ۔ اس کے جواز وادائیگی میں کوئی شبہ نہیں ۔ وما یسن فی الجمعة ویکرہ یسن فیها ویکرہ (درمختار علی الشامیة ، ج ۱ ص ۷۷۶) ۔ و فی باب الجمعة من شرح تنویر الابصار علی هامش رد المحتار لا ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانهما کشئ واحد ج ۱ ص ۵۵۲)

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عیدین میں دعاء نماز کے بعد مانگی جائے

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے یا مستحب ۔ نیز دعاء نماز کے بعد مانگی جائے یا خطبہ کے بعد ؟ المستفتی محمد امجد ، مرید والا ضلع فیصل آباد ۔

الجواب: فتاوی دار العلوم ، ج ۵ : ص ۱۸۸ پر ہے ۔ عام طور پر نماز کے بعد دعاء مانگنا وارد ہوا ہے ۔ لہٰذا عیدین میں بھی نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون و مستحب ہے ۔ وفیه فی مقام اخر ۔ ہمارے اکابر حضرات کا یہی معمول رہا ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ، جامعہ	مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ۔
خیر المدارس ، ملتان ۱۹/ ۱۲/ ۱۴۰۱ھ	۱۹ / ۱۲ / ۱۴۰۱ھ

عید میں دوسرا خطبہ چھوڑ دیا تو عید کا حکم

ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی ۔ اور نماز پڑھا کر صرف پہلا خطبہ پڑھا دوسرے خطبہ کو چھوڑ دیا اور پہلا خطبہ پڑھ کر دعاء کھڑے ہو کر منگوائی ۔ آپ بتائیں کہ نماز ہوگئی یا نہ ؟ خطبہ واجب تھا ایک تو چھوٹ گیا ۔ نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا ۔ ؟

الجواب: نماز ادا ہوگئی ، واجب خطبہ بھی ادا ہوگیا ۔ البتہ خلافِ سنت کیا ۔ دعاء بھی نماز کے بعد مانگنی چاہیے تھی ۔ ویخطب بعدها خطبتین وهما سنة ۔ اھ ۔ (درمختار علی الشامیة ج ۱ ص ۷۸۲) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/ ۱۰/ ۱۴۰۸ھ

عیدین کے بعد مصافحہ کرنا

عید الفطر کے بعد ملنا کیسا ہے ۔ یہ سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے ، (۲) مصافحہ کرنا چاہیے یا کہ بغل گیر ہونا چاہیے ؟ اگر منع ہے تو کیوں ؟

الجواب: اگر مصافحہ و معانقہ عید کا تتمہ اور حصہ سمجھ کر کیا جائے تو بدعت ہے کیونکہ

یہ روافض کا شعار ہے۔ کذا فی امداد المفتیین۔ ص ۹۵ ج : ۱ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس
۷ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

(عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی درجہ میں بھی ثبوت نہیں)

نمازِ عید کے بعد دعاء ہے یا نہیں ؟ صحیح بخاری ومسلم کی روایات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں خواتین کا عیدگاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتصریح موجود ہے۔ اگر یہ دعاء اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب ؟ نیز اگر دعاء ہے تو اجتماعی بہتر ہے یا انفرادی ؟

از مدرسہ احسن العلوم : بلاک نمبر ۲ گلشن اقبال کراچی

الجواب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے منقول نہیں کہ نماز یا خطبہ کے بعد دعاء کرتے تھے۔ اور اسی طرح کتبِ فقہ میں بھی یہ دعاء مذکور نہیں۔ اور اکابر علمائے دیوبند کا طرزِ عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعاء نہیں مانگتے تھے۔ اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے۔

ویشهدن الخیر و دعوة المؤمنین وفی روایة یشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم الخ -

لفظِ "دعوتهم" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعاء کرنا اس سے مراد ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شروح حدیث اور کتبِ فقہ میں مستقلاً اس دعاء کا ذکر ہوتا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے۔ یا نماز وخطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں دعاء ہے، تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت واجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے۔ آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے

فاذا کان یوم عیدهم یعنی یوم فطرهم باهی بهم ملٰئکته

فقال یا ملٰئکتی (الی ان قال) عبیدی و امائی قضوا فریضتی علیهم ثم خرجوا یعجون الی الدعاء وعزتی وجلالی وکرمی وعُلُوّی وارتفاع مکانی لاجیبنهم فیقول ارجعوا قد غفرت لکم الحدیث۔ (مشکوٰة : ص ۱۸۲ ج ۱)

اس حدیث میں عید کو جاتے ہوئے دعاء کا ذکر ہے۔ تکبیرات بھی بمعنی دعاء ہیں۔ کیونکہ رب کریم کی ثناء وتکبیر بھی دعاء ہے۔

الغرض اتنی متنوع اور متعدد متفقہ دعاؤں کی موجودگی میں "دعوتهم" کے لفظ کو معروف زمانہ دعاء پر محمول کرنا قرینِ قیاس نہیں۔ البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعاء مانگنا چونکہ مستحب ہے۔ اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نمازِ عید کے بعد بھی دعاء کرلی جائے تو گنجائش ہے۔ لیکن خطبے کے بعد دعاء کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان

۱۹ / ۸ / ۱۴۰۳ھ

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

بعد آداب عرض ہے کہ آپ کا فتوےٰ ہمارے استفتاء بابت "دعاءِ عید" کے جواب میں موصول ہوا۔ کہ آپ نے نمازِ عید کے بعد دعاء کی گنجائش تمام نمازوں کے بعد دعاء پر قیاس کرکے نکالی ہے۔ جب کہ خود مقیس علیہ یعنی دعاء بعد الفرض احادیث وفقہ سے ثابت نہیں۔ بلکہ فقہاء نے فرضوں کے بعد جب کہ سنن باقی ہوں، دعا کو مکروہ و بدعت لکھا ہے۔ "خلاصة الفتاوی" میں ہے۔ "ویکره الدعاء بجماعة بعد الفرائض" اسی طرح "بزازیہ" اور "مدخل" وغیرہ میں بھی تصریح موجود ہے۔

نیز نماز اور خطبہ کے درمیان فصل بالدعاء احداث فی الدین معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ خطبہ کے بعد بوجہ اعمال عید مکمل ہونے کے اباحت واستحسان معلوم ہوتا ہے۔ نیز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ مکتوبات کے بعد دعوات سنن ونوافل کے بعد دعوات پر قیاس ہے۔

ملاحظہ ہو " فیض الباری : ج ۴ : ص ۷،۱۴ ۔

نیز جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا خیر القرون میں کسی نے بھی نمازِ عید اور خطبہ کے درمیان کسی تیسرے عمل سے فصل کیا ہو یہ دعا کس طرح مستحسن اور مستحب ہو سکتی ہے ۔ ہمیں قوی اندیشہ دعا بعد الصلوۃ پر ہے ۔ نہ بعد الخطبہ پر آپ غور فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں ۔ اردو کے فتاویٰ قطعاً محل نظر ہیں ۔ والسلام مع الاکرام

المستفتی ، الاحقر محمد زاول خان عفا اللہ عنہ

حوالہ نمبر ۳۶ ، ۶۳/ ۳۰ / ۳/ ۳ ۰ ۱۴ ھ

الجواب فرائض کے بعد دعا ، حدیث وفقہ سے فی الجملہ ثابت ہے ۔

" قال صلیت مع رسول اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث اخرجہ ابن ابی شیبہ کذا فی معارف السنن : ج ۳ : ص ۱۲۳) ۔

۲ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ما سلّم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید اھ قال یعقوب ھذا حدیث صحیح ۔ (ص)

اور معارف السنن ہی میں علامہ نووی رح وغیرہ سے فرائض کے بعد دعا کا استحباب نقل کیا ہے ۔ خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ کی عبارات لبقیہ صفحہ نقل کی جائیں تاکہ ان پر غور کیا جا سکے ۔

جب فرائض اور سنن کے مابین دعا ، اور اوراد کا پڑھنا احداث فی الدین نہیں بلکہ فقہاء رح کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے ۔ تو عید کے بعد یہ " احداث " کیوں کر قرار دیا جائے گا ۔ دعا کو نماز کے توابع میں شمار کیا جائے گا نہ کہ اجنبی ۔

حضرات محدثین کی ایک جماعت نے وتر کے بعد نوافل کی یہ توجیہہ کرتے ہوئے حدیث " اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا " کے ساتھ اس کی تطبیق بیان فرمائی ہے کہ یہ نفل وتر کے تابع ہیں ۔ گویا کہ مستقل نماز نہیں ۔ اسی لئے حدیث اجعلوا الخ کے خلاف نہیں ۔ (کما فصّلہ الشوکانی فی النیل ج ۳ ، ص ۳۳ و ابن القیم فی الھدیٰ) ۔

تاہم اگر کسی کو پسند نہ ہو ۔ تو ہم نے اس دعا کو نہ فرض کہا تھا نہ واجب نہ سنت بلکہ صرف یہ

کہا تھا کہ " گنجائش " ہے ۔ اعمالِ عید کا مکمل ہو جانا ہی استحسان دعا بعد از خطبہ کے لئے کافی نہیں بلکہ اس اجتماعی عمل کو مشروع و مستحسن قرار دینے کے لئے فی الجملہ حدیث وغیرہ سے ثبوت چاہیئے ۔ بعد از نماز کے لئے تو کسی درجہ میں ثبوت موجود ہے ۔ اور بعد از خطبہ کے لئے اتنا بھی نہیں پس احتراز چاہیئے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۶ / ۳ / ۴ ۰ ۱۴ ھ

عند الاحناف عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں

عیدین کی تکبیروں کی تعداد کتنی ہے ؟ ایک صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ یہ تکبیریں بارہ ہیں اگر چھ کا کوئی ثبوت ہو تو پیش کیا جائے ۔ براہ کرم مدلل جواب سے نوازیں ۔ ؟

الجواب (عیدین میں تکبیراتِ زوائد عند الاحناف چھ ہیں) صحابہ کرام علیہم الرضوان سے صحیح سند کے ساتھ متعدد اقوال منقول ہیں ۔ احناف نے چھ والی روایت کو بہ چند وجوہ قوی ہونے کی بنا پر اختیار کیا ہے ۔

— عن ابی عائشۃ ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰؓ و حذیفۃ رض کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی الاضحی و الفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعا تکبیرہٗ علی الجنائز فقال حذیفۃ رض صدق فقال ابو موسیٰ کذالک کنت اکبر فی البصرۃ حیث کنت علیھم اھ رواہ ابوداؤد بیھقی ، ابن ابی شیبۃ (از اوجز ج ۲ ، ص ۲۳۹) ۔ قال النیموی اسنادہ حسن ۔

— عن کردوس قال قدم سعید بن العاص فی ذی الحجۃ فارسل الی عبد اللہ وحذیفۃ رض وابی مسعود الانصاری رض وابی موسیٰ الاشعری رض فسألھم عن التکبیر فاسندوا امرھم الی عبد اللہ قال عبد اللہ یقوم فیکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر

فیقرأ ثم یکبر ویرکع ویقوم فیقرأ ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر ثم یکبر الرابعة ثم یرکع ۔ (مصنف ابن ابی شیبة)۔

—— عن عبد اللہ بن الحارث قال صلی بنا ابن عباس رضؓ یوم عید فکبر تسع تکبیرات خمسا فی الاولی واربعا فی الاخرة۔اھ (رواہ ابوبکر فی مصنفه وقال الحافظ فی التلخیص اسنادہ صحیح)۔

—— عن ابی عبد الرحمن قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوم عید فکبر اربعا اربعا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال لا تنسوا کتکبیر الجنائز واشار باصابعه وقبض ابهامه۔ اھ (قال الطحاوی فهذا حدیث حسن الاسناد)۔

—— صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے حضرت ابن مسعود رضؓ، ابوموسیٰ اشعری رضؓ، حذیفہ بن الیمان رضؓ، عقبہ بن عامر رضؓ، ابن زبیر رضؓ، ابومسعود بدری رضؓ، ابوسعید خدری رضؓ، براء بن عازب رضؓ، عمر بن الخطاب رضؓ، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی یہی منقول ہے۔ (اوجز، ج ۲، ص ۲۵۰)۔

—— طبقۂ تابعین میں سے حضرت حسن بصری رحؒ، ابن سیرین رحؒ، سفیان ثوری رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ لہٰذا چھ تکبیروں کو بلا ثبوت کہنا جہالتِ فاحشہ ہے یا دیدہ و دانستہ خلافِ واقعہ کہنا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء خیر المدارس ملتان	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷ / ۵ / ۱۴۰۰ھ

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیریں کہیں تو نماز ہوگئی یا نہیں

امام صاحب نے عید الفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے، زور سے نیت کرتے ہوئے گیارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ "میں سلسلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا اور تم کو پتہ نہیں"۔ کیا نماز صحیح ہوگئی یا نہ؟

الجواب نماز ہوگئی۔ مگر تکبیراتِ زوائد عند الاحناف چھ ہی ہیں۔

—— ویصلی الامام بهم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وهی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة ولو زاد تابعه الی ستة عشر لانه مأثور اھ (در مختار علی الشامیه، ج ۱، ص ۷۷۷)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۶ھ

(تکبیراتِ زوائد کے بعد شامل ہونیوالا تکبیرات کب کہے؟)

نمازِ عید میں تکبیراتِ زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت یا تشہد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟

الجواب (۱۔ اگر یہ امام کے تکبیرات کہنے کے بعد ملا ہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے ۲۔ اگر دوسری رکعت میں ملا ہے تو پھر جب اُٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے لگے تو قراءت کے بعد تکبیریں کہے ۳۔ اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اُٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں جا کر کہہ لے ——

۴۔ اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اُٹھ جائے تو یہ بھی اُٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی ۔ ۵۔ اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا ہے تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے ۔ قال فی العلائیۃ ولو ادرک المؤتم الامام فی القیام بعد ما کبّر کبر فی الحال برأی نفسہ لانہ مسبوقٌ۔ ولو سبق برکعۃ یقرأ ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیرات (درمختار)

وفی الشامیہ (قولہ فی القیام) ای الذی قبل الرکوع۔ اما لو ادرکہ راکعاً فان غلب علی ظنہ ادراکہ فی الرکوع کبر قائما برأی نفسہ ثم رکع والا رکع وکبر فی رکوعہ خلافا لابی یوسف۔ ولا یرفع یدیہ لان الوضع علی الرکبتین سنۃ فی محلہ والرفع لا فی محلہ۔ وان رفع الامام رأسہ سقط عنہ ما بقی من التکبیر لئلا تفوتہ المتابعۃ۔ ولو ادرکہ فی قیام الرکوع لا یقضیہا فیہ لانہ یقضی الرکعۃ مع تکبیراتہا۔ فتح وبدائع اھ

(شامی ص ۷۸۱ ج ۱) فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۰۷

عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم

ایک دیہاتی امام صاحب عید کے مسائل سے ناواقف تھا اُس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نمازِ عید پڑھائی ؟

الجواب: امام صاحب نے خلافِ افضل کیا خطبہ بہرحال ہو گیا اعادہ کی حاجت نہیں

لو خطب قبل الصلوٰۃ جاز وترک الفضیلۃ ولا تعاد ومثلہ فی المسکین اھ (طحطاوی ص ۲۸۸)۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات جہراً پڑھیں یا سراً

(نماز عید الفطر کے لئے عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات تشریق آہستہ آواز سے پڑھی جائیں یا اُونچی آواز سے ۔

الجواب: امام صاحب سے منقول ہے کہ آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے ۔ یہی معمول بنایا جائے ۔

ویوم الفطر لا یجہر بہ عندہ وعندہما یجہر وہو روایۃ عنہ والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراہۃ فمنتفیۃٌ عن الطرفین اھ وقد ذکر الشیخ قاسم فی تصحیحہ ان المعتمد قول الامام اھ

شامی ص ۷۷۹ ج ۱) ۔ محمد انور غفرلہ

پہلے دن عید الفطر نہ پڑھ سکیں تو دوسرے دن پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ عید الفطر عید کے روز کسی عذر کی بنا پر ادا نہ کی جا سکے تو کب تک ادا کرنے کی گنجائش ہے ؟

الجواب: اگر کوئی ایسا معقول عذر پیش آ جائے کہ عید الفطر کی نماز عید کے دن ادا نہ کر سکیں مثلاً چاند کی گواہی زوال کے بعد ملی یا ایسے وقت میں ملی کہ لوگوں کا اجتماع مشکل ہو تو اگلے دن زوال تک پڑھ سکتے ہیں ، دوسرے دن بھی نہ پڑھ سکیں ، تو پھر نہ پڑھیں ۔

وتؤخر صلوٰۃ عید الفطر الی الغد اذا منعہم من اقامتہا عذر بان غم علیہم الہلال او شہد عند الامام بعد الزوال او قبلہ بحیث لا یمکن جمع الناس قبل الزوال او صلاہا فی یوم غیم فظہر انہا وقعت بعد الزوال ولا تؤخر بعد الغد۔ (عالمگیری ج ۱)

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

خطبۂ عیدین کے درمیان چندہ کرنا: بعض جگہ دستور ہے کہ جب امام عید کا خطبہ شروع کرتا ہے تو دو آدمی چادر لیکر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب: منع ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۹۵ھ

عیدین میں مسنون قرأت: نمازِ عیدین میں کون سی سورتوں کی قرأت سنت ہے؟

الجواب: سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے مگر اس قدر معمول نہ بنالیں کہ لوگ انہی کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا درست نہ سمجھیں۔ ویقرأ کالجمعۃ (درمختار)

(قولہ یقرأ کالجمعۃ) ای کالقرأۃ فی صلوٰۃ الجمعۃ لما روی ابو حنیفۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعۃ الاعلیٰ والغاشیۃ کما فی الفتح۔ وقال فی البدائع فان تبرک بالاقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قرأتہما فی اغلب الاوقات فحسن لکن یکرہ ان یتخذھما حتماً لا یقرأ فیہما غیرھما لما ذکرنا فی الجمعۃ اھ (شامی ص۷۸۱ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

عید کے دن ہر ایک کے لئے نہانا مستحب ہے

اگر ایک آدمی عذر کی بناء پر عید کی نماز کے لئے نہیں جاسکتا کیا اس کے لئے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے؟

الجواب: اس کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔ وندب ان یغتسل وتقدم انہ للصلوٰۃ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغتسل یوم الفطر ویوم النحر اھ (مراقی)

قولہ (وتقدم انہ للصلوٰۃ) ذکر السرخسی عن الجواھر یغسل بعد الفجر فان فعل قبلہ اجزأ ویستوی فی ذلک الذاھب الی الصلوٰۃ والقاعد لانہ یوم زینۃ واجتماع بخلاف الجمعۃ قال السروجی وھذا صحیح وبہ قالت المالکیۃ والشافعیۃ کما فی الحلبی واختار فی الدرر ایضاً کون الغسل والنظافۃ فیہ للیوم فقط وعللہ فی النھر بان السرور فیہ عام فیندب فیہ التنظیف لکل قاذر علیہ صلی ام لا اھ۔ طحطاوی ص۲۸۹۔

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۸/۲/۱۳۹۸ھ

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں: اگر امام نے نمازِ عید میں پہلی تکبیر کہہ کر قرأت شروع کردی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ اب اس کو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: اب ابتداء سے تکبیراتِ زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورۃ پڑھے۔ فی البحر عن المحیط بدأ الامام بالقرأۃ سھواً فتذکر بعد الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلوٰتہ وان لم یقرأ الا الفاتحۃ کبّر واعاد القرأۃ لزوماً لان القرأۃ اذا لم تتم کان امتناعاً عن الاتمام لا رفضاً للفرض اھ (شامی ص۷۸۱ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ

کیا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آکر نوافل پڑھنا مستحب ہے؟

بعض لوگوں سے سنا ہے عید الاضحیٰ کے بعد گھر آکر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: دُرست ہے۔ عالمگیری میں ایسے ہی ہے۔
المستحب ان یصلی اربعاً بعد الرجوع الی منزلہ کذا فی البزاز اھ (عالمگیری ص ج ۱) فقط واللہ اعلم، محمد انور غفرلہٗ

عید کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا حکم

عیدالفطر کے موقعہ پر بہت سے مقامات میں اختلاف ہو جاتا ہے اور اس کی اصل وجہ ریڈیو کی خبریں ہوتی ہیں اس لئے اس ضمن میں چند سوالات دریافت طلب ہیں

۱۔ کیا صرف ریڈیو پاکستان کے اعلان پر عیدالفطر کا حکم دیا جا سکتا ہے خاص کر جبکہ خبر نشر کرنیوالی عقیلہ مسعود نامی عورت ہے۔

۲۔ موجودہ دَور میں ٹیلیفون تار وغیرہ اس سلسلہ میں کہاں تک معتبر ہیں۔

۳۔ ایک مقام پر متعدد اطراف سے فون کے ذریعہ کسی عالم ثقہ کو عیدالفطر کی اطلاع پہنچ جاتی ہے جس کی بناء پر عید کا اعلان کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر کسی اور مقام سے بذریعہ فون اس عالم ثقہ سے رابطہ قائم کر کے اس ایک ہی قاضی یا عالم کی خبر سُن لیتے ہیں تو کیا وہ اپنے شہر میں عیدالفطر کا حکم دے سکتے ہیں؟ جبکہ ایک فون ہو خبر سنانے والا صرف وہی ایک قاضی ہو۔

۴۔ اگر ایک جگہ کے عالمِ دین اُس دُوسری جگہ جہاں فون کے ذریعہ اعلان کر چکا ہے چلا جائے تو شریعت کے مطابق کس طرح اُس سے ثبوت حاصل کرے۔ کیا باقاعدہ شہادت لے کر یا صرف متعدد مقامات سے فون کی خبر سُن کر اپنے لئے وہ عالمِ دین گنجائش مہیا کر سکتا ہے؟

۵۔ اگر کسی جگہ بلکہ اس علاقے میں کہیں چاند نظر نہ آیا تو شریعت میں کہاں تک اجازت ہے کہ ضرور ہی اس رات دوڑ دھوپ کرے اور عید کی خبر لے آئے اور کتنی دُور جا سکتا ہے اور کتنی کوشش کرنی چاہیئے کیا یہ کوشش کرنا۔ رات کو بھاگنا وغیرہ ضروری ہیں تاکہ دوسرے دن ضرور ہی عید منائی جائے؟

الجواب: عیدالفطر کے لئے حسبِ قاعدۂ فقہاء جبکہ مطلع صاف ہو تو جمِ غفیر کی رؤیت ضروری ہے ورنہ دو عادل ثقہ آدمیوں کی شہادت پر قاضی یا حاکم یا شہر کا مستند عالم اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ عیدالفطر دے سکتا ہے۔ اور اگر کسی شہر یا علاقہ میں مذکورۂ بالا طریق سے ثبوت بہم نہیں ہوا تو محض ریڈیو کے اعلان پر خصوصاً اس دَور میں جبکہ حکومت کی طرف سے بتوسطِ معتمد علماء رؤیتِ ہلال کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ محض افواہوں کی بناء پر اعلان کا خطرہ لاحق ہے۔ عید کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی دُوسری جگہ جہاں تک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے چاند نظر آیا اور وہاں سے شرعی قواعد کے مطابق اطلاع پہلی جگہ پہنچ گئی تو پھر یہاں کے لوگوں کو عید کرنا ضروری ہوگا۔ شرعی قواعد کا مطلب ہے کہ شہادت علی الشہادت یا استفاضہ اور تواتر اخبار سے رؤیت کا علم شہر والوں کو ہو جائے ان خبروں کے ساتھ ریڈیو کی اطلاع کو تائیداً قبول کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

۲۔ ٹیلیفون اور تار خبر کے درجہ میں معتبر ہیں جہاں تک خبر معتبر ہے وہاں تک ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور شہادت کے باب میں غیر معتبر ہیں ہاں استفاضہ اور تواتر میں مفید ہو سکتی ہیں۔

۲۔ پہلے عالم کے لئے جائز ہے کہ جب اسے بطریق شرعی رویت ہلال حاصل ہو عیدالفطر کرے۔ لیکن دوسرے شہر کے لوگوں کو اس عالم سے ایک فون کے ذریعہ پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دُوسرے شہر کا عالم دو عادل گواہوں کی شہادت یا پہلے عالم کے فیصلہ پر دو عادل گواہوں کی شہادت یا استفاضۂ اخبار پر اعتماد کرتے ہوئے عید منانے کا فیصلہ کرے۔

۵۔ عیدالفطر کا چاند ہو یا کوئی اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا اور تحقیق کرنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے اس میں کوئی حد بندی اور تحدید نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ
۱۸ ذی قعدہ ۹۲ھ — مفتی خیر المدارس۔ ملتان

عیدسے پہلے نوافل پڑھنے کا حکم

عیدین کی نماز سے پہلے اشراق گھر اور عیدگاہ میں پڑھنا کیسے ہے ؟

الجواب: عیدین کی نماز سے پہلے کوئی نوافل نہ پڑھیں نہ گھر میں نہ عیدگاہ میں حتیٰ کہ عورت نے بھی اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہو تو امام کے عید سے فارغ ہونے کے بعد پڑھے ۔

ولا یتنفل قبلہا مطلقاً یتعلق بالتکبیر والتنفل (در مختار) یتعلق بالتکبیر والتنفل المراد التعلق المعنوی ای انہ قید لھما فمعنی الاطلاق فی التکبیر ای سواء کان سراً اوجھراً وفی التنفل سواء کان فی المصلی اتفاقاً اوفی البیت فی الاصح وسواء کان ممن یصلی العید اولا حتی ان المرأۃ اذا ارادت صلاۃ الضحی یوم العید تصلیھا بعد ما یصلی الامام فی الجبانۃ افادہ فی البحر شامی ص۷۷۷/۱ ۔ فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور

امام نے بے وضو عید پڑھادی تو کیا کیا جائے

اگر امام نے نمازِ عید پڑھادی ، پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے ؟

الجواب: ایسی صورت میں اگر تو فوری پتہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نمازِ عید ادا کر لیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی ۔

امام صلی العید علی غیر وضوء ثم علم بذالک قبل ان یتفرق الناس توضأ ویعیدون وان تفرق الناس لم یعد بھم وجازت صلوتھم صیانۃ للمسلمین واعمالھم اھ (شامی ص۷۸۳/۱) ۔

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور غفرلہٗ ۱۱/۴/۱۰ ۱۴ھ

جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا

جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو وہ عیدین میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: عیدین کی نماز جہاں واجب ہے وہاں اس کو بھی ضرور پڑھنی چاہیئے البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے ان کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے ۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عیدگاہ میں حدث لاحق ہو جائے تو تیمم کا حکم

اگر کسی کو عیدگاہ میں نمازِ عید سے قبل حدث لاحق ہو گیا ۔ اب اگر یہ وضو کرتا ہے تو نمازِ عید فوت ہونے کا خطرہ ہے کیا یہ آدمی تیمم کر کے نمازِ عید میں شامل ہو سکتا ہے ؟

الجواب: اگر وضوء میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز میں شامل ہو جائے ۔

رجل احدث فی الجبانۃ قبل الصلٰوۃ ان خاف فوت الصلٰوۃ لو اشتغل بالوضوء کان لہٗ ان یصلی بالتیمم بلاخلاف اھ

(فتاویٰ قاضی خاں ص۸۸/۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عیدین کے لئے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں ؟

پانی موجود ہے عید کی نماز ہو رہی ہے ۔ تیمم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: اگر مطلقاً صلوٰۃِ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بجائے وضوء کے تیمم سے ادا کرے۔ التیمم لصلوٰۃ العید ولا یجوز للمقتدی اذا لم یخف فوت الصلوٰۃ لو توضأ و الا یجوز الخ (عالمگیری ج۱ ص۱۶)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد انور، مفتی خیر المدارس، ملتان
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۷ صفر سنہ ۱۴۰۴ھ

عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا اللہ قبول کرے

عیدین کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ دُرست ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اختلف فی قول الرجل لغیرہ یوم العید تقبل اللہ منّا ومنک...... والاظہر انہ لا بأس بہ لما فیہ من الاثر اھ (کبیری ص۵۲۶)

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۴-۴-۱۳۹۸ھ

روزہ رکھ کر عید پڑھانا:

۲۹ رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی بہت کوشش کی گئی۔ مطلع بھی صاف تھا مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضعات پر چاند نظر آیا ہے مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روزہ رکھ کر لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھا دی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مولوی نور محمد صاحب نے یہ تو دُرست کیا کہ محض لوگوں کی خبروں پر افطار نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا لیکن روزہ رکھا تھا تو نمازِ عید الفطر پڑھنی جائز نہ تھی۔ نمازِ عید الفطر نادانی اور لاعلمی پر مبنی ہے اِس پر شرعاً

کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابلِ معزولی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہٗ ۲۷ شوال سنہ ھ

امام مَردوں کو مسجد میں عید پڑھا کر گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا

دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی پھر گھر میں جو عورتیں آئی ہوئیں تھیں پھر اُن کو پڑھائی کیا یہ شرعاً دُرست ہے یا نہیں؟

الجواب: (عورتوں پر عیدین واجب نہیں وہ اگر پڑھیں گی تو یہ نفل ہونگے اور نفل جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہیں)۔ لا یصلی التطوع بالجماعۃ ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس الخ بدائع ج۱ ص۲۷۰ التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ (ہندیہ ج۱ ص۸۳) والتطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر (درمختار) قال شمس الائمۃ الحلوانی ان کان سوی الامام ثلثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ ھکذا فی الخلاصۃ (عالمگیریہ)۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

عید الاضحٰے بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہوگئی یا نہیں؟

امام نے نمازِ عید پڑھا دی اس کے بعد بعض لوگوں نے قُربانی کر لی۔ زوال کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نمازِ عید بغیر وضو کے پڑھا دی ہے اس صُورت میں جن لوگوں نے قُربانی کر لی انکی قُربانی دُرست ہوگئی یا نہیں؟

الجواب قربانی دُرست ہوگئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسبِ معمول ادا کریں۔

امام صلی بالناس صلوٰۃ العید یوم الفطر علی غیر وضوء فعلم بذالک قبل الزوال اعاد الصلوٰۃ وان علم بعد الزوال خرج من الغد وصلی فان لم یعلم حتی زالت الشمس من الغد لم یخرج۔

وان کان ذالک فی عیدالاضحی فعلم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح ویخرج من الغد ویصلی اھ۔

(فتاوی عالمگیری ص۱۵۲ ج۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہٗ

(جو نماز ہو چکنے کے بعد عیدگاہ پہنچا وہ بطریق ذیل چار نفل پڑھ لے)

زید تیاری وغیرہ کر کے عیدگاہ پہنچا تو لوگ فارغ ہو کر عیدگاہ سے لوٹ رہے تھے۔ آیا زید بھی لوٹ آئے یا کچھ نفل وغیرہ پڑھ لے ــــ

الجواب زید بترتیب ذیل ــــ چار نفل پڑھ لے۔ ومن خرج الی الجبانۃ ولم یدرک الامام فی شیء من الصلوٰۃ ان شاء انصرف الیٰ بیتہ وان شاء صلی ولم ینصرف والافضل ان یصلی اربعًا فتکون لہٗ صلوٰۃ الضحیٰ لما روی عن ابن مسعودؓ انہ قال من فاتتہ صلوٰۃ العید صلی اربع رکعات یقرأ فی الاولیٰ سبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانیۃ والشمس وضحٰھا وفی الثالثۃ واللیل اذا یغشیٰ وفی الرابعۃ والضحیٰ وروی فی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدا جمیلا وثوابا جزیلا اھ (قاضی خاں ص۸۸ ج۱) فقط واللہ اعلم

نفر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

بابُ الجنائز

کُل نفسٍ ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون {القرآن سورۃ عنکبوت پارہ ۲۱}

جس جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

خیرُ الفتاویٰ

(جلد سوم)

غسلِ میّت کے احکام

چھوٹے بچے بچی کو ہر ایک غسل دے سکتا ہے

دو ماہ کی بچی فوت ہوگئی تو اس کو امام مسجد نے غسل دیا کیا یہ درست ہے۔ نیز امام مسجد ضعیف العمر ہو تو کیا حکم ہے اور اگر جوان ہو تو کیا حکم ہے؟ ۔ ۲: مرد کتنی عمر تک کی لڑکی کو غسل دے سکتا ہے۔
۳: اور ایسے ہی لڑکا میت ہو تو اسے عورت غسل دے سکتی ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ۱۔ مذکورہ بچی کو جو امام صاحب نے غسل دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔
۲۔۳۔ جو بچہ بچی حدِ شہوت کو نہ پہنچا ہو اس کو ہر ایک مرد و عورت غسل دے سکتا ہے۔ اور قریب البلوغ بچی کو مرد غسل نہیں دے سکتا خواہ کتنی عمر کا کیوں نہ ہو۔

" الصغیر والصغیرۃ اذا لم یبلغا حد الشہوۃ یغسلھما الرجال والنساء "
(شامیہ، ج ۱، ص ۶۳۶)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶/ ۶/ ۱۴۰۲ھ

بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ولا عکس

میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیوی خاوند کو غسل دے سکتی ہے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔ خاوند صرف دیکھ سکتا ہے غسل نہیں دے سکتا اور نہ ہی بلا حائل چھو سکتا ہے " ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا وھی لا تمنع من ذلک اھ (درمختار علی الشامیۃ، ج ۱ ص ۶۰۰) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خود غسل دیا تھا۔ یہ کس حد تک درست ہے؟

الجواب: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو غسل حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے دیا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ سامانِ غسل وغیرہ میں تعاون فرما رہے تھے۔ قال فی شرح المجمع لمصنفہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا غسلتھا ام ایمن حاضنتہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنہا فتحمل روایۃ الغسل لعلی رض علی معنی التھیئۃ والقیام التام باسبابہ اھ (شامی ج ۱، ص ۸۰۳)۔

اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مباشرِ غسل تھے تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ولئن ثبت الروایۃ فھو مختص بہ لقولہ علیہ السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۰۳)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

غسل کیوقت میّت کو کیسے لٹایا جائے

ایک جگہ میت کو غسل دیتے وقت پاؤں قبلہ کیطرف اور سر مشرق کی طرف کیا گیا۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: ایسے بھی جائز ہے مگر مستحسن یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ ہو جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے۔
" وکیفیۃ الوضع عند اصحابنا الوضع طولاً کما فی حالۃ المرض اذا اراد الصلوۃ بایماء ومنھم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انہ یوضع کما تیسر۔ اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱)۔
(وجہ استحسان یہ ہے کہ بیت اللہ شریف ہر حال میں قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد الموت بھی۔)
" روی ابو داؤد ان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الکبائر فقال

ھی تسع و ذکرھا الی ان قال واستحلال البیت قبلتکم احیاء و اموانا اھ (امداد الفتاوی : ج۱، ص ۷۴۸)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۵ / ۱۲ / ۱۳۹۸ھ

میت کو غسل دینے والے کیلئے غسل کا حکم

کوئی مسلمان کسی میت کو غسل دیتا ہے۔ تو غسل دینے کے بعد خود کو غسل کرنا چاہئے یا نہ ؟

الجواب (میت کو غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے)۔ مراقی میں ہے۔ و (یندب) عند الفراغ من حجامۃ وغسل میت خروجا للخلاف من لزوم الغسل بھما الخ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ — بندہ محمد عبداللہ نائب مفتی ۱۱ / ۳ / ۱۴۰۶ھ

ٹرک کے نیچے دب کر مرنیوالوں کو غسل وکفن دیا جائے

کچھ آدمی ٹرک کے الٹنے سے ٹرک کے بوجھ تلے آگئے کیا یہ لوگ شہید ہیں ؟ اور کیا ان کو غسل وکفن دیا جائے گا ؟

الجواب یہ لوگ اخروی شہید ہیں۔ دنیا میں ان پر عام میت کے احکام جاری ہوں گے۔ لہذا انہیں غسل وکفن دیا جائے گا۔ لومات حتف انفہ او تردی من موضع او احترق بالنار اومات تحت ھدم اوغرق لایکون شہیدا ای فی حکم الدنیا و الافقد شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للغریق والحریق و المبطون والغریب بانھم شہداء فینالون ثواب الشہداء اھ۔

(بحر الرائق : ج ۲، ص ۲۱۱)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

جسم ریزہ ریزہ ہوجائے تو غسل وجنازہ کا حکم

۱ : طہارت جو کہ نماز جنازہ کے لئے شرط ہے کسی عذر کی بناء پر ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

مثلاً ایک آدمی آگ میں جل گیا۔ یا دریا میں مر کر چند دن بعد برآمد ہوا جس کا جسم سوجا ہوا اور بدبو کرتا ہے اور ہاتھ لگانے کے قابل نہیں۔ یا ریل گاڑی کے نیچے اس کا سارا جسم چور چور ہوگیا۔ یا اس کا اکثر یا کم جسم چور چور شدہ باقی بچا تو ان صورتوں میں میت کے لئے غسل اور جنازہ کی کیا صورت ہوگی ؟

فضل محمد پشاور

الجواب وفی العالمکیریۃ (ج ۱ ص ۸۱)۔ ولو کان المیت متفسخا یتعذر مسحہ کفی صب الماء علیہ کذا فی التاتارخانیۃ ناقلا عن العتابیہ۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر میت کا جسم پھولا ہوا بدبو کرتا ہے اور ہاتھ سے اس کا مسح کرنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے غسل مسنون دینا اس کے لئے واجب نہیں اور یہی حکم اس میت کا ہوگا جو گاڑی کے نیچے آکر چور چور نہ ہوگیا ہو یا آگ میں جل کر کوئلہ نہ بن گیا ہو بلکہ ڈھانچہ اس کا موجود ہو۔ البتہ اگر کسی میت کا اکثر بدن یا نصف مع سر میت سالم مل گیا ہے تو اس کو غسل دینا فرض ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

کما فی العالمکیریۃ ج ۱، ص ۸۶ - ولو وجد اکثر البدن اونصفہ مع الرأس یغسل ویکفن ویصلی کذا فی المضمرات -

اور اگر میت کے اعضاء جدا جدا ہوگئے ہیں خواہ گاڑی کے نیچے آکر یا آگ میں جل کر یا اس کا جسم پھٹ گیا اور اعضاء اس کے علیحدہ علیحدہ ہوگئے۔ تو ایسی صورت میں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ اس کو غسل دینا فرض ہے۔

کما فی الطحطاوی، ص ۳۲۴ - قولہ مالم یتفسخ ای تتفرق اعضائہ فان تفسخ لا یصلی علیہ لانھا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ۔اھ

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم جامعہ ہذا
۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۳۰ / ۱۰ / ۱۳۸۵ھ

غسل کے بعد نجاست خارج ہو تو دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں

ایک شخص فوت ہوگیا ہے جب اس کو غسل دیا جاتا ہے تو غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت کو پاخانہ آجاتا ہے۔ تو اس کو دوبارہ غسل دینا واجب ہوجاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب صورت مسئولہ میں اعادہ غسل کی ضرورت نہیں نجاست کو دھولینا ہی کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے

ویمسح بطنه مسحا رقیقا تحرزا عن تلویثا لکفن فان خرج منه شئ غسله ولا یعید غسله ولا وضوءه ۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۷/۶/۱۴۰۸ھ

میت کو غسل دینے والا بدون غسل جنازہ پڑھا سکتا ہے

مردے کو غسل دینے والا آدمی بغیر غسل کئے اور بغیر کپڑے تبدیل کئے نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ ایک حافظ صاحب کہتے ہیں کہ ایسا آدمی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا۔ آیا ان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے یا نہ؟

الجواب غسل میت کے بعد غسل کرلینا مستحب ہے فرض یا واجب نہیں۔ نور الایضاح میں ہے۔

ویندب الاغتسال فی ستة عشر شیئا وذکر منها وعند الفراغ من حجامة وغسل میت خروجا للخلاف الخ

لہذا اگر غاسل کے بدن یا کپڑوں پر بالکل نجاست نہیں ہے تو صورت مسئولہ میں نماز جنازہ شرعا درست ہے اسے واجب الاعادہ کہنا سراسر غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ بن مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴/۱۱/۱۴۰۸ھ

(خنثیٰ مشکل کو صرف تیمم کرایا جائے)

مسئلہ : خنثیٰ مشکل کو غسل دیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب اگر خنثیٰ واقعتاً مشکل ہو تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمم کرایا جائے۔ « ویُیَمَّمُ الخنثی المشکل لو مراهقاً

(در مختار علی الشامیة، ج ۱، ص ۸۰۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

(سنی شیعہ کو غسل کیسے دے)

ہمارے یہاں ایک شیعہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے رشتہ دار از قسم عصبات وغیرہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو وہ اس کو کیسے غسل دیں۔؟ ـــ عبدالرشید مظفر گڑھ

الجواب اگر اس شیعہ کے عقائد کفریہ تھے تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کردیں۔ ۔ ۔ اگر ایسی صورت نہ ہوسکے تو غسل اور کفن دفن کے آداب ملحوظ رکھے بغیر اسے نہلا کے کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیں۔

ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه کخاله (الکافر الاصلی) اما المرتد فیلقی فی حفرة کالکلب (عندالاحتیاج) فلوله قریب فالاولی ترکه لهم (من غیر مراعاة السنة) فیغسله غسل الثوب النجس ویلفه فی خرقة ویلقیه فی حفرة ۔ اهـ

(در مختار علی الشامی، ج ۱ ص ۸۳۳)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

قبے گرانا ممنوع نہیں نیز ابن سعودؒ سے صراحۃً گرانے کا حکم دینا ثابت نہیں

زید نے کہا کہ ابن سعود حاکم حرمین دجال ہے اور یزید ہے اس لئے کہ اس نے صحابہ رضؓ اور اماموں کے روضے اور قبریں گرادیں۔ عمرو نے کہا کہ یہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اگر تو اس نے صحابہ رضؓ کے بغض وعناد سے ایسا کیا ہے تو وہ مجرم ہے ورنہ اس نے حدیث شریف پر عمل کیا ہے۔

" وعن ابی الھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبراً مشرفاً الا سویتہ۔ (رواہ مسلم) مشکوۃ ص۱۱۳۔

دوسری کتاب " زینۃ الاسلام " میں حضرت حافظ محمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ اب آپ فرمادیں کہ یہ قبریں گرانا کیسے ہے؟

الجواب (قبور پر پختہ فرش اور گنبد بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گنہگار ہیں اور آنحضرت علیہ السلام کی مخالفت کرنے والے ہیں) مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

" قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ وان یقعد علیہ "

(جب گنبد بنانا اور قبہ جات تعمیر کرنا گناہ ٹھہرا تو اس گناہ کا ازالہ کرنے والے مستحق اجر ہوں گے نہ کہ مردود طعن) لہذا ابن سعود رحؒ کو اس فعل کی بناء پر دجال کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

نوٹ: نیز یہ بھی پوری طرح ثابت نہیں ہوسکا کہ ان قبہ جات کا گرانا ابن سعود رحؒ کے حکم سے تھا۔ بلکہ بعض واقف حضرات کی رائے یہ ہے کہ زمانۂ انقلاب میں جب کہ شریف حسین پر ابن سعود رحؒ کا غلبہ ہوا تو بعض لوگوں نے ایام بلویٰ میں اس کا ارتکاب کیا تھا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
۱۴ / ۵ / ۱۳۷۰ھ

دعاء عند القبر میں رُخ کدھر ہو زیارت قبر کا شرعی اور مسنون طریقہ کیا ہے؟ دعاء کرتے وقت استقبال الی القبر اولیٰ ہے یا استقبال الی القبلہ۔ اور دعاء کرتے وقت استدبار الی القبر قبر کی بے ادبی نہیں؟

محمد ادریس ادارہ تعلیم القرآن پشاور

الجواب شرح " شرعۃ الاسلام " میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً لوجہ المیت الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ دعاء کرتے وقت میت کی طرف متوجہ ہو کر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو۔ ہاتھ اٹھانا دعاء کے وقت ثابت نہیں۔" فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۳۳۲ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲۵ / ۱ / ۱۳۶۹ھ

لحد کتنی وسیع ہو لحد کتنی وسیع ہونی چاہئے؟ بعض کہتے ہیں کہ اتنی ضروری ہے کہ میت اس میں بیٹھ سکے۔ کیا یہ ضروری ہے؟

الجواب لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح لٹا دیا جائے اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں وارد نہیں۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں۔ کما فی فتاویٰ دارالعلوم ج۵ ص۳۷۶۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

میت کو لحد میں کروٹ دی جائے صرف رُخ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں

یہاں ایک عورت فوت ہوگئی۔ جب اس کی میت کو لحد میں اتارنے لگے تو ایک بزرگ نے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مرحومہ کو پہلو کے بل اس طرح لٹوایا کہ اس کی کمر لحد سے لگ گئی۔ تو میت کو لحد میں کس طرح لٹانا چاہئے۔

الجواب وفی الھندیۃ الفصل السادس ج۱، ص۸۵ ویوضع فی القبر علی جنبہ الایمن مستقبل القبلۃ اھ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ بزرگ موصوف نے درست کیا اور آئندہ کے لئے بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور عام رواج کو چھوڑ دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۸ / ۶ / ۱۳۸۵ھ

دفن کے بعد تلقین کا حکم اور اس کے الفاظ

مراقی الفلاح ، ص ١١ ۔ تلقینہ بعد ما وضع فی القبر مشروع ونسب الی اہل السنۃ والجماعۃ وقیل لا یلقن فی القبر ونسب الی المعتزلۃ ۔

مراقی الفلاح میں لکھا ہے ۔ تلقین بعد دفن کے جائز ہے یہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے اور معتزلہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں ۔ اور اس میں تلقین کا طریقہ بھی لکھا ہے ۔ مراقی میں یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام رض تلقین بعد دفن کو مستحب سمجھتے تھے اور کرتے تھے ۔ آپ اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں ۔ نیز تلقین کے الفاظ بھی تحریر فرمائیں ۔

حافظ غلام حسین ، لوہاری گیٹ ملتان

الجواب (اس تلقین کی صورت یہ ہے کہ لحد میں رکھنے کے بعد ایک صاحب (جو ذی علم ہو) میت کو مخاطب کرکے یوں کہے کہ " یا فلاں ابن فلاں یاد کر اس دین کو جس پر تو تھا ۔ یعنی اس بات کی شہادت کہ معبود برحق صرف اللہ تعالٰی ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔ اور یہ کہ جنت برحق ہے اور جہنم کا عذاب حق ہے ۔ اور موت کے بعد جی اٹھنا حق ہے ۔ اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اور تمام قبروں والوں کو اللہ تعالٰی زندہ کریں گے ۔ اور تو اللہ تعالٰی کے رب ہونے پر ، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ، قرآن پاک کے امام اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر اور تمام مومنین کے بھائی ہونے پر راضی تھا " طریقۂ بالا سے تلقین (لحد میں رکھنے کے بعد) کے جواز میں کوئی کلام نہیں

البتہ اس طرح پر تلقین کرنا اولٰی ہے یا نہ کرنا ۔ اس میں فقہاء کرام رح کا اختلاف ہے ۔ شرح منیہ میں ہے کہ جمہور فقہاء رح کے نزدیک نہ کرنا اولٰی ہے اور حدیث لقنوا موتاکم مجاز پر محمول ہے ۔ اور خبازیہ اور کافی میں شیخ زاہد صفار سے تلقین کرنے کو راجح لکھا ہے ۔) فقط واللہ اعلم (شامی ، ج ١ ، ص ٤٩٠) ۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

لہ شامی کی عبارت یہ ہے ۔ (قولہ ولا یلقن بعد تلحیدہ) ذکر فی المعراج انہ ظاہر الروایۃ ثم قال وفی الخانیۃ والکافی عن الشیخ الزاہد الصفار ان ہذا علی قول المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندہم مستحیل اما عند اہل السنۃ فالحدیث

بقیہ حاشیہ بر ص١٥٦

امانتہ دفن کرنے کے بعد بھی نکالنا جائز نہیں

زید کی لڑکی فوت ہو گئی ۔ جس جگہ فوت ہوئی وہیں بطورِ امانت دفن کر دیا گیا ۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے ۔ اب اسے نکال کر دوسری جگہ دفن کر سکتے ہیں ؟

الجواب اب مذکورہ لڑکی کو دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں ۔

" ولا یخرج منہ بعد اہالۃ التراب الا لحق آدمی ۔ اھ

(شامی ، ج ١ ، ص ٦٢٨)

(اس امانت کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قبر کے گرد چار دیواری بنانا بھی مکروہ ہے

حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی خطیب جامع مسجد و مہتمم مدرسہ قادریہ تلمبہ ، کا مورخہ ١٠ ، مئی ١٩٧٧ء کو انتقال ہو گیا ۔ ان کے فرمان کے مطابق انہیں جامع مسجد کے احاطہ ہی میں دفن کیا گیا ۔ مدفن کے تین اطراف میں قدیم عمارات کی دیواریں ہیں اور ایک طرف کھلی جگہ ہے اس کھلی جگہ میں ایک دیوار چار فٹ اونچی بطور پردہ تعمیر کر دی گئی ۔ اب اس تعمیر میں اختلاف پڑ رہا ہے صحیح حکم شریعت سے مطلع فرمایا جائے ۔

منجانب ، اراکین اہلسنت والجماعۃ ، تلمبہ

الجواب (فتاوٰی دار العلوم ، ج ٥ ، ص ٢٩٥ ۔ و ج ٥ ، ص ٤٠٦ ، پر ہے کہ قبر کے گرد چار دیواری بنانا مکروہ ہے) اور بصورتِ مسئولہ چار دیواری بنتی ہے ۔ اور شامی میں ہے

" وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک بما روی جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا رواہ مسلم وغیرہ ۔ (شامی ج ١ ص ٦٣٩) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ

خالی قبر میں غلہ بھرنا گناہ ہے

میں نے کسی مولوی صاحب سے سنا ہے کہ اگر مرض سکتہ کی وجہ سے کوئی مردہ معلوم ہو اور اس کے لئے قبر کھودی جائے، مردہ داخل بھی کردیا گیا ہو وہ مردہ زندہ ہوگیا تو اس قبر میں گندم یا چنا بھر کر بند کردیں قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے کیا یہ صحیح ہے ؟

ماسٹر اللہ وسایا نائب مدرس حصہ پرائمری خیر المدارس ملتان

الجواب: یہ بات غلط ہے کہ قبر کو خالی بند کرنا گناہ ہے۔ کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت میں خالی ہی قبر کو بند کر دینا چاہئے۔ غلہ وغیرہ اس میں بھر کر اسے بند کرنا اضاعتِ مال اور گناہ ہے۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی۔

مردہ بچے کو کہاں دفن کیا جائے

میرے گھر مردہ بچہ پیدا ہوا۔ ایک عالم کہتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں باہر کسی جگہ دفن کریں۔ اور دوسرے عالم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں۔ آپ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: والا یستهل غسل وسمی وادرج فی خرقة ودفن ولم یصل علیه اھ (درمختار) ونقل فی الشامیة والذی یقتضیه مذهب اصحابنا انه ان استبان

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۳)

ای لقنوا موتاکم لا اله الا الله محمول علی حقیقته لان الله تعالی یحییه علی ماجاءت به الآثار وقد روی عنه علیه الصلوة والسلام انه امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یا فلان ابن فلان اذکر دینک الذی کنت علیه من شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله وان الجنة حق والنار حق وان البعث حق وان الساعة اٰتیة لاریب فیها وان الله یبعث من فی القبور وانک رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله علیه وسلم نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبة قبلة وبالمؤمنین اخوانا ۔ اھ وقد اطال فی الفتح فی تائید حمل موتاکم فی الحدیث علی حقیقته مع التوفیق بین الادلة علی ان المیت یسمع اولا کما سیأتی ، ج ۱- ص ۷۹۰ ۔ محمد انور عفا الله عنه

۹ - ۴ - ۱۴۰۰ھ

بعض خلقه فانه یحشر وهو قول الشعبی وابن سیرین اھ ...... وذکر العلقمی حدیث سموا اسقاطکم فانهم فرطکم اھ (شامیہ ج۱ ص۶۲۱)

مردہ بچہ کا دفن کیا جانا اور حشر کیا جانا عبارتِ بالا سے مصرح ہے۔ گویا اس مسئلہ میں فی الجملہ یہ زندہ بچے کے حکم میں ہے اس لئے اسے قبرستان میں دفن کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، قبرستان میں اسے دفن کیا جاسکتا ہے کوئی دلیل اس کے خلاف ہو تو تحریر کی جائے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۵ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

قبر پر دعاء کرتے ہوئے رفع ایدی کا حکم

(بعد دفن قبر پر دعاء مانگنے کے لئے قبر کے ارد گرد کھڑے ہونا سنت ہے یا قبر کے ایک طرف ہٹ کر ؟)

۲ ، دعاء مانگتے وقت ہاتھ اٹھانا کیسا ہے ؟

الجواب: (دونوں طرح جائز ہے اور ایک موقوف حدیث میں " حول قبری " کے الفاظ ہیں جس سے ارد گرد کھڑے ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۲ : ہاتھ اٹھانے ہوں تو قبر سے ہٹ کر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعاء کرے ورنہ بلا ہاتھ اٹھائے دعاء کرے) (فتح الباری ، ج ۱۱ ، ص ۱۲۲- میں ہے۔

" وفی حدیث ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی قبر عبد الله ذی البجادین الحدیث وفیه لما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه اخرجه ابن عوانة فی صحیحه -(دار العلوم ج۵ ص۴۳۵)-

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۷ / ۱۱ / ۱۴۰۰ھ

قبروں پر کھانا پکا کر کھلانا جائز نہیں

دفن کے بعد قبر پر کھانا پکا کر کھلاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: (قبرستان عبرت کی جگہ ہے قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ وہاں دعوتوں کا انتظام کرنا درست نہیں معنا قبر کے پاس آگ جلانا بھی ممنوع ہے اس سے میت

کو تکلیف ہوتی ہے۔)

" وکان ینبغی أن لایقرب للمیت بشیٔ من اثر النار اصلاً لما ورد فی الحدیث من النهی من اتباع المیت بالنار فما بالك بها توقد عند القبر

(المدخل، ج ۳، ص ۲۷)

ویکره اتخاذ الطعام الحلقوله ونقل الطعام الی القبر فی المواسم اھ

(شامی ج ۱، ص ۶۰۳)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
خادم دار الافتاء خیر المدارس ملتان

قبر پر چھڑکاؤ کرنے کا حکم

ایک قبرستان میں دیکھا گیا کہ ایک میت کا رشتہ دار آیا اور اس نے دو ڈبے پانی کے بھرے اور ٹھنڈی کرنے کے لئے قبر پر چھڑکے۔ ایسا فعل کرنا کیسا ہے؟ اکرام الحق راولپنڈی۔

الجواب (مٹی جمانے کے لئے ہو تو گنجائش ہے) ولا بأس برش الماء علیه حفظا لترابه عن الاندراس اھ۔ (شامی ج ۱۔ ص ۶۲۷)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۲، ۲، ۱۳۹۹ھ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بہت ہی پرانی قبر میں نئی تدفین کا حکم

قبرستان میں جو قبریں بہت پرانی ہو جاتی ہیں اور مٹ سی جاتی ہیں ان میں از سر نو نئے مردہ کو دفن کرنا کیسا ہے؟

الجواب اگر پہلا مردہ بوسیدہ و مٹی ہو گیا ہو تو نئی میت کو اس جگہ دفن کرنا جائز ہے۔ " وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه اھ (شامی ج ۱۔ ص ۶۲۵)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

وقف قبرستان میں زندگی میں قبر بنوانے کا حکم

زید عمر رسیدہ ہے۔ اشتغال دنیوی بظاہر ختم کر کے اپنی آخری عمر گوشہ نشینی میں طے کر رہا ہے۔ زید کی تمنا ہے کہ قبرستان میں اپنی قبر خود تیار کر والے تاکہ وقت پر احباب کو تکلیف نہ ہو۔ تو ذہن میں کچھ اشکال سا ہے کہ شاید جائز نہ ہو۔ تو برائے مہربانی اس کا حل فرمادیں۔ حاجی غلام قادر بہاولپور

الجواب شامی میں تحریر ہے کہ اپنے لئے قبر بنوانا درست ہے بلکہ اس پر ثواب کی بھی امید ہے۔ " یحفر قبرا لنفسه الخ وفی التاتارخانیه۔ لا بأس به ویوجر علیه هکذا عمل عمر بن عبد العزیز رح والربیع بن خیثم وغیرهما اھ (شامیة، ج ۱۔ ص ۶۳۲)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ، ملتان

مٹی ڈالتے وقت قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے

ایک شخص فوت ہو گیا اور دفن کرنے کے لئے جب قبر میں اتارا، اور مٹی ڈال رہے تھے تو بوجہ سیم زدہ ہونے اراضی کے، قبر بیٹھ گئی بشرع محمدی میں کیا حکم ہے۔ کہ دوسری قبر کھود کر میت رکھی جائے یا اسی قبر کو پاٹ دیا جائے۔ قبر لحد والی تھی اور بیٹھی اس لئے کہ لحد گر کر نیچے جا رہی۔ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

الجواب اگر مٹی ڈال چکے ہوں تو اسی قبر کو درست کر دیا جائے میت کو نہ نکالا جائے۔ " ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی اھ (شامی، ج ۱، ص ۸۳۹)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۱۱، ۱۰، ۱۴۰۰ھ

لاوارث میت کو کہاں دفن کیا جائے

ایک عورت کی نعش ملی ہے یہ پتہ نہیں کہ وہ عقیدے اور مذہب کے لحاظ سے کیا تھی۔ کیا اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب مذکورہ عورت کو جنازہ پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

ولو وجد میت او قتیل فی دار الاسلام الصحیح انه یغسل ویدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبة الظن بکونه مسلماً بدلالة المکان وهی دار الاسلام وفیه وهل العمل بدلیل المکان وحده الصحیح انه یعمل به لحصول غلبة الظن عنده اھ

(بدائع : ج ۱ - ص ۳۰۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح محمد صدیق غفرلہ مدرس خیر المدارس ملتان	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۹ - ۹ — ۹۶ . ۱۳ ھ

ارضِ غیر میں بلا اجازت قبر بنالی جائے تو مسمار کرنیکا حکم

ایک جگہ جو سرکاری ملکیت ہے، وہاں لوگوں نے بلا اجازت قبریں بنالی ہیں۔ ایک آخری قبر جس کے بارے میں یہ اطلاع ہے کہ وہ ۱۹۸۳ء میں بنائی گئی ہے جو کہ راستہ میں نہیں آرہی مگر باقی جو قبریں ہیں ان کا کوئی وارث نہیں۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کن لوگوں کی ہیں ؟ کیا حکومت اس جگہ کو اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب جب یہ جگہ سرکاری ملکیت ہے اور قبریں بلا اجازت بنائی گئی ہیں تو حکومت زمین ہموار کرکے اسے اپنی ضرورت کے لئے استعمال کرسکتی ہے۔

(ولا یخرج) منه بعد اهالة التراب (الا) لحق آدمی کأن تکون الارض مغصوبة او اخذت بالشفعة) ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار ترابا (الشامیة ص ۶۶۲ ج ۱) فقط ، محمد انور

غلطی سے قبر پختہ بنادی گئی تو کیا کیا جائے

میں نے اپنے والد محترم کی تربت بوجہ شکستہ ہونے کے پکی کروادی۔ یعنی کچی قبر کے چاروں طرف اینٹوں کا بند بنا کر باقی قبر پر پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد سمینٹ کروادیا تاکہ بارش یا کسی اور وجہ سے

اکھاڑنا پڑے۔ لیکن حال ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک معلوم ہوئی کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے۔ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیه وان یقعد علیه۔ (مسلم ج ۱، ص ۳۱۲ : مشکوٰۃ ج ۱، ص ۱۴۸)۔

قال الامام محمد رحمہ اللہ ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نهی عن تربیع القبور وتجصیصها قال محمد به ناخذ وهو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ۔

(کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ : ص ۹۶، ۹۷)۔

اس علم کے بعد مجھے اپنے اور اس سمینٹ شدہ قبر کے بارے میں حکم مطلوب ہے۔

مستفتی ، محمد اشرف ، ٹرانسپورٹ جنرل فورمین۔

ڈومینر ، ٹی۔ پی ، الخبر ۔ العربیۃ السعودیۃ

الجواب قبر کا زمین سے اونچائی والا حصہ کچا رکھنا چاہئے۔ لہذا اب اس حصے سے سمینٹ اکھیڑ کر مضبوط کچی لپائی کردی جائے۔ اس کے بعد چاہیں تو اس پر پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈال دیں جس سے وہ جگہ بہت مضبوط ہوجائے گی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کے بارے میں بھی ایسے ہی منقول ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ، ۲۷ / ۱ / ۰۰۰

گھر میں دفن کرنے کی وصیّت درست نہیں اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں

ایک شخص مسمی مولوی محمد یار سائل اللہ وصیت کرتا ہے کہ مجھے میرے اپنے مکانوں میں جب میں مرجاؤں تو دفن کرنا، گورستان میں مجھے نہ رکھنا۔ اس کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہاں قبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچے ڈریں گے۔ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے جہاں پہلے سے ہمارے مردہ دفن ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور یہاں پر اردگرد بستی ہے۔ گورستان تو عام بن نہیں سکتا۔ اور بدعت بھی شروع ہوجائے گی۔ اب طلب امر یہ ہے کہ شرعاً عام مسلمانوں کے گورستان میں دفن کردیں تو گناہگار تو نہیں ہوں گے ؟

الجواب ایسی وصیت کرنا درست نہیں ہے اور اسے پورا کرنا بھی لازم نہیں۔ عام قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے۔

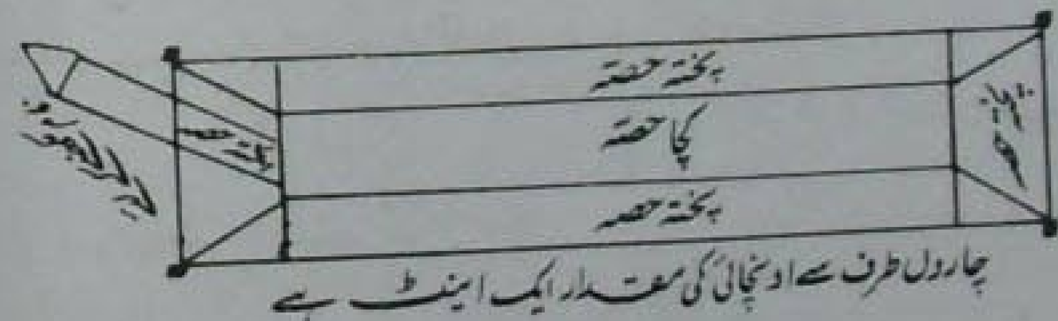
" ولا ينبغي ان يدفن الميت في الدار ولو كان صغيرًا لاختصاص هذه السنة بالانبياء (درمختار) اهـ ولا يدفن صغيرٌ ولا كبيرٌ في البيت الذي مات فيه فان ذالك خاص بالانبياء بل ينقل الى مقابر المسلمين۔ (شامی ج ۱ ص ۸۳۷)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸ر۳ر۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء

نیم پختہ قبر کا حکم

اگر قبر کی چاروں طرف سے اینٹوں کی پختہ چنائی کی گئی ہو اور اوپر بارش وغیرہ کے زور سے بچانے کے لئے ایک دو بالشت کنارے پختہ کئے جائیں تو آیا ایسی قبر پر بھی کچی قبر ہونے کا اطلاق ہوتا ہے؟



چاروں طرف سے اونچائی کی مقدار ایک اینٹ ہے

الجواب مذکورہ صورت سلف کے عمل کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۸ر۴ر۱۴۰۷ھ

قبر میں پیسے رہ جائیں تو نکالنے کے لئے نبش قبر کا حکم

ملک اللہ دتہ کا لڑکا محمد اکرم فوت ہوگیا دفن کرتے ہوئے ملک اللہ دتہ کے تقریبا ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) روپے قبر میں رہ گئے اور یقینا علم ہے کہ وہ قبر میں رہے ہیں کیا اس عذر کے لئے قبر کھودنا جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں قبر اکھاڑ کر وہ رقم نکالی جا سکتی ہے۔ قوله ولا ينبش ليوجه اليها ، ولو بقي فيه متاع لانسان فلا بأس بالنبش اهـ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ر۴ر۱۳۹۷ھ

قبر پر اذان دینا بدعت ہے

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کے اوپر اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب قبر پر اذان دینا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ لہذا بدعت ہے۔

" وفي الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لا يسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر في فتاواه بانه بدعة اهـ۔ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴ر۷ر۱۳۹۳ھ

عام قبرستان میں تدفین بہتر ہے

ایک آدمی نے تبلیغی مرکز کے لئے جگہ خریدی۔ اس میں کچھ جگہ مسجد کے لئے مخصوص کردی کچھ۔ رہائش گاہ بنادی۔ اور کچھ جگہ اپنی قبر کے لئے مختص کردی۔ کیا جگہ کی یہ تعیین درست ہے؟

الجواب مذکورہ جگہ میں قبر بنانا درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ یہاں قبر نہ بنائی جائے۔ (عام قبرستان میں تدفین شریعت میں زیادہ پسندیدہ ہے) ولنعم ما قیل۔

شاہوں کے مقبرے سے الگ کیجیو دفن ہم فقیروں کو گور غریباں پسند ہے

لا يدفن في مدفن خاص كما يفعله من يبني مدرسة ونحوها ويبني له بقربها مدفنا اهـ (شامی ج ۱ ص ۶۲۶) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۸ر۷ر۱۳۹۹ھ

قبرستان کے راستہ پر چلنے کا حکم

۱ : ایک بستی سے ملحق ایک سو سال پرانا قبرستان ہے جس کے ایک حصہ میں قبروں کے نشان مٹ چکے ہیں۔ اس جگہ لوگ مویشی باندھتے ہیں اور راستہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اب بعض اہلِ دِہ کا ارادہ ہے کہ قبرستان کو بے حرمتی سے بچایا جائے۔ اور قبرستان کے جس حصہ میں قبریں مٹی ہوئی ہیں ایک شاہراہ بنا دی جائے اور باقی قبرستان کی بذریعہ فصیل حفاظت کی جائے۔ کیا قبرستان کی زمین کو ان لوگوں کے لئے شاہراہ بنانا جائز ہے ؟ قبرستان کافی پرانا ہے کبھی کبھار بارش کے موقع پر لحد وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور کبھی ہڈیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لیکن میت صحیح حالت میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ قبرستان پہلے دِہ کے شاملات میں شمار ہوتا تھا۔ بندوبست جدید میں اس کو قبرستان کے نام منتقل کر دیا گیا ہے کسی کی مملوکہ نہیں ہے بعض لوگوں نے کچھ حصہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کیا یہ قبضہ درست ہے ؟

۲ : کیا قبرستان کے درخت بیچ کر ان کی آمدنی سے قبرستان کی حفاظت کیلئے فصیل وغیرہ بنانا جائز ہے ؟

۳ : پرانے قبرستان کی زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی مشترکہ ضروریات پر رقم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب قبرستان کے کسی حصے کو راستہ بنانا درست نہیں۔ قبرستان میں جو راستہ نیا بنایا جائے اس پر شرعاً چلنا درست نہیں ہے شامی میں ہے۔

” ویکره المشی فی طریق ظن انه محدث حتی اذا لم یصل الی قبره الا بوطأ قبر ترکه۔ (درمختار علی الشامی ج ۱۔ ص ۸۴۰)

اس حصہ کو بھی قبرستان کی چار دیواری میں شامل کیا جائے۔

” سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود الاوزجندی عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها و استغلالها قال لا ولها حکم المقبرة۔ (عالمگیری ج ۲۔ ص ۳۵۱)۔

۲ : سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار الخ قیل له فان تداعت حیطان المقبرة الی الخراب یصرف الیها او الی المسجد قال الی ما هی وقف علیه۔ (عالمگیری ج ۲ ،ص ۳۵۲)۔

مذکورہ جزئیہ سے معلوم ہوا کہ ان درختوں کو بیچ کر اس قبرستان پر صرف کرنا درست ہے۔

۳ : اگر کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں تو فروخت کرنا درست نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ ؍ ۴ ؍ ۱۳۹۹ھ

بہت نرم زمین میں پختہ قبر بنانا جائز ہے

اگر زمین بہت نرم ہو اور پانی بھی بالکل قریب ہو تو کیا قبر کے اندر کے حصہ میں پختہ پٹیں اور سیمنٹ لگانا جائز ہے ؟

الجواب جائز ہے۔ وجاز ذالک حوله بارض رخوة کالتابوت اھ (درمختار)۔ وفی الرد فی شرح قوله ذالک ای الأجر اھ شامی ج ۱ ص ۸۳۸)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۷ ؍ ۱۲ ؍ ۱۳۹۵ھ

اپنی مملوکہ زمین میں قبر بنوانے کا حکم

اپنی ملکیت میں اپنی حیات میں قبر تیار کروانا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب جائز ہے۔ وفی رد المحتار وفی التاتارخانية لا بأس به ویؤجر علیه هكذا عمل عمر بن عبد العزیز والربیع بن خثیم وغیرهما اھ۔ (ج ۱ ص ۸۴۵)۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۷ ؍ ۱۲ ؍ ۱۳۹۵ھ

تدفین مکمل ہو جانے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو میت کو نہ نکالا جائے

ایک عورت کی قبر دفن کرتے وقت بیٹھ گئی۔ کیا اس عورت کو نکال کر دوسری قبر تیار کر کے دفن کر سکتے ہیں یا اسی طرح مٹی ڈال دیں۔ اگر دفن کرنے کے بعد مٹی بھی برابر کر دی

پھر قبر بیٹھ گئی تو کیا حکم ہے ۔ ان احکام میں عورت اور مرد کا ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے ؟

الجواب (اگر نصف مٹی ڈالنے پر قبر بیٹھ گئی تو اختیار ہے ۔ چاہے دوسری جگہ قبر بنالی جائے چاہے اسی کو درست کرلیا جائے ۔ اور اگر قبر تیار ہوجانے کے بعد گری ہے تو اب اوپر سے مٹی درست کردی جائے میت کو نہ نکالا جائے ۔ کیونکہ دفن کے بعد اس وجہ سے میت کو نکالنا درست نہیں) ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق آدمی اھ (شامی ج ۱ ص ۸۳۹) وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند (ج ۵ ، ص ۳۸۲) ۔ اور مرد و عورت کی قبر کا حکم اس بارے میں یکساں ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
محمد صدیق غفرلہ	۲ / ۷ / ۱۳۹۸ ھ

میت کو لکڑی کے تابوت میں رکھنے کا حکم

لکڑی کے صندوق میں میت رکھنی جائز ہے یا نہیں ؟ قبر کے اندر پکی اینٹ لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب (اگر زمین بہت نرم ہو تو بوجہ ضرورت تابوت کا استعمال درست ہے اور بلا حاجت مکروہ ہے ۔)

" ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید عند الحاجة کرخاوة الارض (درمختار) یرخص ذالک عند الحاجة و الا کرہ کما قدمناہ انفًا اھ (شامی ۔ ج ۱ : ص ۸۲۵) ۔

(جس عذر سے تابوت جائز ہے اسی عذر کے وقت پختہ اینٹ کا استعمال بھی درست ہے بہتر پھر بھی یہی ہے کہ اندر لحد کچی ہو ۔ اور گرد پختہ اینٹ لگا سکتے ہیں ۔)

" قال مشائخ بخارا لا یکرہ الأجر فی بلدتنا للحاجة الیه لضعف الاراضی (شامی ج ۱ ص ۸۳۷) ۔

فقط واللہ اعلم ؛ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ؛ ۱۷ / ۱۰ / ۱۳۹۸ ھ

ضرورت کی وجہ سے قبر پختہ بنانے کا حکم

ہمارے علاقہ میں سیم آچکی ہے ۔ جب قبر نکالتے ہیں تو پانی نکل آتا ہے لحد بھی نہیں نکلتی ۔ لوگ پختہ قبریں بنا رہے ہیں اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہئے ۔

الجواب (جب کچی قبر کسی طرح نہ ٹھہرتی ہو تو پختہ بنانے کی بھی گنجائش ہے لہذا زیادہ تشدد نہ کریں ۔) " قال مشایخ بخارا لا یکرہ الأجر فی بلدتنا للحاجة الیه لضعف الاراضی ۔ الخ ۔ (شامی ج ۱ ص ۸۳۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	یکم جمادی الثانی ۱۴۰۲ ھ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کی روضۂ اطہر میں تدفین سے ممانعت کرنے کی وجہ

بخاری شریف ، ج ۱ ، ص ۱۸۶ ۔ کتاب الجنائز کے اندر ایک حدیث ہے جس پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن نہ کرنا میں انہیں پاک نہیں سمجھتی ، کیا شیعوں کا اعتراض صحیح ہے ؟

الجواب الف : مذکورہ حدیث سوال میں صحیح نقل نہیں کی گئی ۔ اصل الفاظ یہ ہیں ۔ لا تدفنی معھم وادفنی مع صواحبی بالبقیع لا ازکی به ابدا ۔

ب : حدیث پاک کا ترجمہ بھی غلط ہے ۔ بلکہ تحریف ہے ۔ حدیث پاک میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کر " میں انہیں پاک نہیں سمجھتی " ۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح ہے کہ " لا ازکی " مضارع مجہول کا صیغہ ہے ۔ معنی یہ ہیں " ای لا یثنی علی بسببه " عمدۃ القاری ج ۸ ، ص ۲۲۸) ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تواضعًا فرمایا کہ اگر میں روضۂ اقدس علی صاحبہا الف الف التحیۃ والسلام میں دفن کی جاؤں تو اس تدفین کی وجہ سے لوگ میری تعریف و ثنا بیان کریں گے کہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالے عنہن کا وہ مقام نہ تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کا ہے ۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رض کو روضۂ پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دفن کیا گیا ہے اور دیگر ازواج مطہرات رض کو جنت البقیع یا دوسری جگہ دفن کیا گیا ۔ میں اپنی یہ تعریف نہیں چاہتی ۔ اس لئے روضۂ پاک میں حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کے ساتھ مجھے دفن نہ کیا جائے ۔ جنت البقیع میں دیگر

ازواج مطہرات رضہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔

" قال ابن بطال فیہ معنی التواضع کرہت عائشۃ ان یقال انہا مدفونۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیکون فی ذالک تعظیما لہا۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۲۸)

نیز عمدۃ القاری میں تحملۃ لابن الآباد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کا یہ فرمانا کہ مجھے حضور علیہ السلام، حضرت ابوبکر صدیق رضہ، اور حضرت عمر رضہ کے ساتھ دفن نہ کرنا، اس کی وجہ بھی ایک فرمانِ نبوی ہی تھا۔ روضۂ اقدس میں جن جن حضرات کا دفن ہونا مقدر تھا ان کی تعیین خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دی تھی۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ارانی الا ساکون بعدک فتأذن لی ان ادفن الی جانبک قال وانی لک ذالک الموضع مافیہ الا قبری وقبر ابی بکرؓ وعمرؓ وفیہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ (ج ۸ ص ۲۲۸ عمدۃ القاری)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتداءً روضۂ پاک میں تدفین کی خواہش تھی لیکن مفہوم نبوی اور تواضع کے پیشِ نظر وہاں تدفین سے منع فرمایا۔ الحاصل ۔ " میں انہیں پاک نہیں سمجھتی" یہ حدیث کا مفہوم نہیں بلکہ بغض صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے لبریز کسی دشمن اسلام کے ذہن کی پیداوار ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۹ /۱ /۱۴۰۸ھ

قبر پر دعا کھڑے ہو کر کی جائے یا بیٹھ کر

بعد دفن میت، کھڑے ہو کر دعا کرنا کیسے مسنون ہے استغفار اور دعا کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ برفع یدین یا بلا رفع یدین۔ جواز یا عدم جواز کا سوال نہیں بلکہ مسنون طریقہ بتائیں کیسے ہے۔

الجواب اصل یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دعا کی جائے۔

" والسنۃ زیارتہا قائما والدعاء عندہا قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع اھ

(مراقی ص ۳۴۱)

یہ محض دعا کے لئے ہے۔ اور اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا ہو، جیسا کہ حدیث شریف سے اس کا استحباب معلوم ہوتا ہے تو پھر بیٹھ بھی سکتا ہے۔

" کما فی الدر المختار وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراءۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ وفی الشامیۃ لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ لہ التثبیت فانہ الاٰن یسئل اھ۔

وکان ابن عمر یستحب ان یقرء علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا اھ (شامی ج ۱ ص ۶۰۱)۔

اور طحطاوی و مراقی میں بھی اس جلوس کی بایں الفاظ تعلیل کی ہے۔

ویستحب للزائر قراءۃ یٰس (مراقی) وفی الطحطاوی بعد ان یقعد لتادیۃ القراٰن علی الوجہ المطلوب بالسکینۃ والتدبر والاتعاظ اھ (ص ۳۴۱)۔

اور یہ دعا استقبال قبلہ کی صورت میں بشرطیکہ قبر سامنے نہ ہو تو رفع یدین کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ورنہ بغیر رفع یدین ہی دعا کرے۔ اور رفع یدین کے ساتھ دعا کرنے والے سے الجھنا بھی نہیں چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر پر غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں

ایک صحیح العقیدہ آدمی قبر سے اس واسطے غلاف اٹھا کر جلا دیتا ہے کہ جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنے والے چند آدمی ہیں جو اٹھانے والے کے ساتھ تھے۔ آپ ہر ایک کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔ اگر کوئی شریعت میں سزا وغیرہ ہو تو۔

الجواب قبر پہ غلاف ڈالنا شرعاً درست نہیں۔ لیکن امر بالمعروف بالید صاحب اقتدار لوگوں کے لئے ہے۔ عالمگیریہ میں ہے۔

"يقال الامر بالمعروف باليد على الامراء و باللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس الخ (ج۲-ص۱۱۱)۔

(قبر پر غلاف ڈالنے سے مالک کی ملک ختم نہیں ہوتی۔ لہذا اتارنے والے پر ضمان آئے گی پھر اگر جلانے والے کے حکم سے اتارا تھا اور اتارنے کے بعد اس کے سپرد کر دیا۔ تو اسے جلانے والے پر رجوع کا حق ہے۔ عالمگیریہ میں یہ ہے۔

" قال قاضی خان الفتوى على ان الآخذ ضامن على كل حال ثم هل يرجع بذالك على الأمر ان كان دفع الماخوذ الى الأمر يرجع الخ (ج۳،ص۱۵۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۵/۱۱/۱۴۰۳ھ

(اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو اتنے پیسے اس کی طرف سے صدقہ کر دیئے جائیں۔)

والجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۲۶/۱۱/۱۴۰۳ھ

قبر پر کتبہ لگانا

قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت تو عام طور پر سنی پڑھی گئی ہے۔ اب یہ فرمائیں کہ قبر کو قائم رکھنے کے لئے کبھی کبھی مٹی کی لپائی کر دی جایا کرے تاکہ کبھی خود اور کبھی رشتہ دار جو ہمارے پاس آتے ہیں فاتحہ خوانی کے لئے وہاں جانا چاہیں تو تھوڑے نشان کے لئے پتھر کی سل لگا دی جائے جس پر متوفی کا نام لکھا ہوا ہو۔ قرآن وحدیث کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

۲ : بڑے بڑے اولیاء کرام کی قبریں تمام تر پختہ ہیں یا اگر کچی ہیں تو ان کے اوپر بڑا سا گنبد پختہ بنا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمائیں۔

الجواب ضرورت ہو تو قبر کی حفاظت کے لئے لپائی کرنا اور کتبہ لگانا درست ہے۔ کتبہ پر آیات قرآنی وغیرہ مت لکھیں۔ نیز قبر سے قدرے ہٹ کر لگائیں۔

" اخرج ابوداؤد باسناد جيد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حمل حجرًا فوضعه عند رأس عثمان بن مظعون وقال أتعلم بہ قبر اخی و ادفن اليه من مات من اهلی فان الكتابة طريق الى تعرف القبر بها۔ (شامی ج۱-ص۸۳۹)۔

۲ : شریعت کے تو خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰/۶/۱۴۰۷ھ

قبر کو سجدہ کرنا سخت حرام ہے

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ غیر اللہ (مثلاً قبور وغیرہ) کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہ۔ اور اگر جائز نہیں تو جائز کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔؟

الجواب (بوسہ دینا قبور اولیاء و دیگر صلحاء عظام کو، اور طواف کرنا قبر کے گرد، اور تعظیماً سجدہ کرنا، یہ سب عادات نصاریٰ و طریقہ پرستش کفار ہے) حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ، اپنی کتاب شرح مناسک میں باب زیارت مزار پُرانوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں تحریر فرماتے ہیں۔

" لا يطوف اى لا يدور حول البقعة الشريفة لان الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الانبياء والاولياء ولا عبرة لما يفعله الجهلة الى ان قال و اما السجدة فلا شك انها حرام۔ **عزيز الفتاوىٰ** ، ج۱-ص۱۰۰)۔

قال الله تعالىٰ "لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذى خلقهن" الآية۔ (پ۲۴)۔ وقال تعالىٰ وان المساجد لله الآية (سورۂ جن)۔

دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حیرہ گیا۔ میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ پس آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں اھ (مشکوٰۃ، ج۲-ص۲۸۲)۔

الحاصل ان آیات شریفہ، حدیث صحیح اور اجماع امت سے سجدۂ تعظیمی کا عدم جواز ثابت ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قصہ سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ یہ پہلی شریعت کی بات ہے۔ جو ہماری شریعت میں منسوخ ہوگئی ہے۔ نیز ہو سکتا ہے کہ سجود حقیقی نہ ہو۔ جیساکہ، تفسیر جلالین میں مذکور ہے۔

وخرّوا له سجدا سجود انحناء لا وضع جبهة وكان تحيتهم في ذالك الزمان (ص۱۹۸)۔

الغرض شریعت محمدیہ میں تعظیمی سجدہ بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۳۰ر۳ر۱۳۹۱ھ	خیر المدارس، ملتان۔

دفن مسنون طریقے پر نہ ہو تو نبش کا حکم

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ کو اس طرح دفن کیا گیا کہ زمین پر ایک پختہ چبوترہ تعمیر کرکے اس پر تابوت مبارک رکھ کر ارد گرد اور اوپر مٹی ڈال کر قبر کی شکل بنا دی گئی۔ کیا یہ تدفین درست ہے؟ یا اسے ختم کرکے دوبارہ مسنون طریقہ پر انہیں دفن کیا جائے۔ مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب یہ امر اس وقت زیر بحث نہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کے لئے تدفین کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ خلاف سنت اور مکروہ تھا۔ یا بعض اعذار کی بناء پر اس کی بھی شرعاً اجازت دی جا سکتی تھی۔ کیونکہ اگر اس تدفین کو خلاف سنت بھی قرار دیا جائے تو بھی فریقین کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ محض کراہت تدفین کے سبب نبش میت کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ تحقق دفن کے بعد نبش حرام ہوگا۔ جیساکہ کتب فقہ نیز سابقہ فتاویٰ میں مصرح ہے۔

اصل بحث اس وقت یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نفس تدفین متحقق ہوئی یا نہ؟ مشروعیت دفن سے جو مقصود شارع ہے وہ حاصل ہوا یا نہ؟

یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دفن میت فرض کفایہ ہے۔ لیکن حقیقت دفن اور اس کی ذاتیات کیا ہیں جن کے فوات سے دفن معدوم ہو جائے گا۔ بعض حضرات کے ہاں یہ ہے کہ تحقق دفن کے لئے حفر شرط ہے اور فرض ہے۔ بدون حفر کے دفن متحقق نہیں ہوگا۔ اور پھر غالباً حفر حکمی یا حفر قدیم کو بھی یہ حضرات کافی نہیں سمجھتے مگر ادلہ شرعیہ اور لغت سے اس موقف پر کوئی واضح اور محکم دلیل موجود نہیں۔ ہاں دفن مسنون کیلئے حفر لحد

شق کے الفاظ ملتے ہیں مگر یہ متنازع فیہ نہیں بلکہ ادلہ مذکورہ اور ائمہ لغت کی تصریحات سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ اس کے برعکس یہ ہے کہ دفن کی حقیقت "ستر" اور "مواراة بالتراب" ہے۔ حفر حقیقی ہو یا نہ ہو، دفنہٗ کا معنی آئمہ لغت نے حفر وجعل الميت في الحفيرة یا اس کے ساتھ ملتے جلتے الفاظ سے نہیں لکھا بلکہ اس مادہ کے کسی لفظ کا ترجمہ مادہ حفر کے کسی لفظ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ ستر، مواراة۔ غیبوبت جیسے الفاظ سے ان کی تفسیر و شرح کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت دفن مواراة اور ستر ہے اور حفر اس کے لئے شرط نہیں ہے۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی اپنی معتمد کتاب "قاموس" میں لکھتے ہیں کہ

دفنه يدفنه ستره وواراه وادفن العبد كافتعل ابق قبل وصول المصر وتدافنوا تكاتموا ورجل دفن خامل۔

(ج۴-ص۲۲۵-نولکشور)

صراح میں ہے کہ۔ "دفن در خاک پنہاں کردن تدافن پنہاں شدن" (ج۱-ص۳۶۴)۔

ایسے چشمے کو جو آندھی چلنے کی وجہ سے مٹی میں دب گیا ہو منہل دفن و دفان کہا جاتا ہے دفن کے حقیقی معانی بیان کرتے ہوئے صاحب "اساس البلاغہ" لکھتے ہیں کہ۔

منهل دفن و دفان سفت الريح فيه التراب في الدفن الخ (ص۱۸۰)

اس میں مصرح ہے کہ خارج سے لائی گئی مٹی میں دب جانے والی چیز کو بھی مدفون کہا جاتا ہے۔ اور اس میں حفر ضروری نہیں۔ "قاموس" میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

نہایہ میں علامہ ابن اثیر رح فرماتے ہیں کہ۔

الداء الدفين اى المستتر الذى قهرته الطبيعة۔

دفن کے علاوہ دوسرا لفظ قبر کا ہے۔ ائمہ لغت کی تصریح کے مطابق اس میں بھی حفر ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ صاحب قاموس" لکھتے ہیں۔

القبر مدفن الانسان (ولو يفسره بالحفيرة ناقل) قبره دفنه۔

(ص ۳۱۵ / ج-۱)

اور دفن میں حفر شرط نہیں ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا۔

وقول ابن عباس رض في الدجال ولد مقبوراً معناه ان امه وضعته في جلدة مصمتة لا شق فيها ولا ثقب

فقالت قابلته هذه سلعة ليس فيها ولد فقالت أمّه بل فيها ولد وهو مقبور فيها فشقوا عنه فاستهل۔ (قاموس ج ۲ ص ۱۰۶)

جھلی میں لپٹے ہوئے بچے پر عرب العرباء نے استعمال میں مقبور کا اطلاق ہمارے مدعا پر واضح دلالت کر رہا ہے کہ مقبور ہونے کے لئے حفر شرط نہیں۔ مستور و مغیب بالصفۃ المخصوصہ ہونا کافی ہے۔

لغت کے علاوہ قرآن و حدیث اور فقہ سے بھی یہی امر مستنبط ہوتا ہے کہ دفن میت سے اصل مقصود مواراۃ ہے۔ جس کے لئے بالفعل کسیوں کے ساتھ گڑھا کھودنا ضروری نہیں بلکہ گڑھے کی صورت بھی کافی ہو سکتی ہے خواہ یہ پہلے موجود ہو یا مٹی کو ارد گرد جمع کر کے ایسی صورت بنائی جائے یا گڑھا کھودنے سے یہ شکل بن جائے قرآن کریم میں ہے۔

فبعث الله غرابا يبحث في الارض ليريه كيف يوارى سوأة اخيه الآية۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں مذکور ہے۔ دفنِ میت سے مقصود مواراۃِ نعش ہے۔

۲ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعش ابوطالب کے بارے میں حکم دیا تھا۔ "فوارہ"۔ بخاری شریف میں صیغۂ ہذا مقصدِ دفن کی طرف مشعر ہے۔ فقہاء نے اسی حدیث کے پیشِ نظر لکھا ہے کہ۔

يغسل المسلم و يكفن ويدفن قريبه الكافر الاصلى من غير مراعاة للسنة۔ (تنوير)۔

معلوم ہوا کہ مواراۃ دفن ہے لیکن غیر مسنون ہے۔

۳ : علامہ عینی رح شرح ھدایہ میں فرماتے ہیں کہ۔

فصل في الدفن المقصود منه ستر سوأة الميت واليه الاشارة في قوله تعالى فبعث الله غرابا۔ الخ

(ج ۱۳۔ ص ۱۲۰۔ كما في الرسالة المطبوعة، ص ۲۶)۔

۴ :۔ علامہ سرخسی رح فرماتے ہیں کہ۔ اما الدفن انما يتم باهالة التراب۔

۵ : گڑھا کھودنا اور گہرا کرنا فی حد ذاتہ مقصود نہیں بلکہ اس سے اصل مقصود لاش کی بدبو روکنا اور درندوں سے محفوظ کرنا ہے۔ علامہ شامی رح فرماتے ہیں۔

وهذا حد العمق والمقصود منه المبالغة في منع الرائحة ونبش السباع۔ (ج ۱۔ ص ۸۳۵)۔

مندرجہ بالا عبارت اپنے مفہوم و منشار کے اعتبار سے کسی تفسیر کی محتاج نہیں ہے سب کا مشترکہ مضمون یہ ہے کہ مٹی میں نعش انسانی کو اس طرح سے چھپا دینا کہ درندے اس کو نہ اکھاڑ سکیں اور اس کا تعفن اور بدبو لوگوں تک نہ پہنچے۔ دفن ہے۔ اور اس سے یہی مقصود ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرات مفسرین کی چند عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔

—— علامہ قرطبی رح فرماتے ہیں۔

" ثم اماته فاقبره ۝ الخ اى جعل له قبرا يوارى فيه اكراما ولم يجعله مما يلقى على وجه الارض تأكله الطير والعوافي قاله الفراء۔ (ج ۱۹ - ص ۲۱۹)۔

—— روح المعانی میں ہے۔

جعله ذا قبر توارى فيه جيفته تكرمة له لم يجعله مطروحا على الارض يستقذره من يراه و تقتمه السباع والطير۔ (پ ۳۰ ص ۴۴)

—— تفسیر جلالین و جمل میں ہے۔

" وجعله في قبر يستره اى ولم يجعله مما يلقى للطير والسباع "

(پارہ عم)۔

قبر کی صفت توارى فيه جيفته یہ وصف دال علی العلیت ہے۔ نیز اس کا مقابل ولم يجعله مما يلقى على وجه الارض کو ٹھہرایا۔ یہ مجموعہ دلالت علی المقصود کے بارے میں بالکل صریح ہے۔ تحقق دفن کے لئے جیسے حفر ضروری نہیں ہے ایسے ہی لحد حقیقی جو گڑھا کھود کر اس کے اندر کھودی گئی ہو یا شق حقیقی ضروری معلوم نہیں ہوتی بوجوہ ذیل

—— الف : نعش کافر کو بدون لحد و شق کے گڑھے میں دبانے کا حکم ہے۔ فقہاء نے اس پر لفظ دفن کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ تنویر پہلے ذکر ہوا۔

ب : بعض اکابر صحابہ رضؓ جن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے وصیت فرمائی تھی کہ لحد و شق بنائے بغیر ہمیں ویسے ہی مٹی میں دبا دیا جائے۔

" واوصی کثیر من الصحابة ان یرمسوا فی التراب من غیر لحد ولا شق قال لیس احد جنبی اولی بالتراب من الآخر و یوقی وجهه التراب بلبنتین او ثلاث " (طحطاوی ، ص ۳۳۳) ۔ فتح القدیر و کبیری)۔

اگر لحد و شق دفن کے لئے ضروری ہوتی تو یہ حضرات ایسی باطل وصیت فرما کر لوگوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کا کیسے سبب بن سکتے تھے ۔ نیز یہ ممکن نہیں کہ ان حضرات کو تا حال غیر مدفون قرار دیا جائے ۔ اور یہ تسلیم کرنا نہایت مشکل ہے کہ ان حضرات کو مسائل شرعیہ اور ان کے حقائق کے فہم سے (العیاذ باللہ) بالکل عاری سمجھا جائے ۔

ج : علامہ ابن الهمام رح نقل فرماتے ہیں ۔

" بل ذکر لی ان بعض الارضین من الرمال یسکنها بعض الاعراب لا یتحقق فیه الشق ایضا بل یوضع میت و یهال علیه نفسه " (ص ۲۹۹ ۔ نولکشوری) ۔ علامہ موصوف نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ۔

د : فساقی میں دفن کرنے کو فقہاء نے دفن ہی قرار دیا ہے ۔ گو مکروہ لکھا ہے ۔ حالانکہ اس میں لحد نہ شق ہوتی ہے ۔ معلوم ہوا کہ اصل دفن کے تحقق کے لئے یہ دونوں ضروری نہیں ۔ البتہ دفن معروف و مسنون کے لئے اس کی حاجت ہے ۔ تفصیل بالا سے امور ذیل محقق ہوئے ۔

۱ : دفن کی حقیقت ستر و مواراة محفوظہ و مخصوصہ ہے اور حفر اس کی حقیقت میں داخل نہیں ۔

۲ : دفن سے مقصود اعزاز اور حفاظت نعش انسانی ہے ۔ تاکہ دیگر حیوانات کی طرح نظروں کے سامنے گلتی سڑتی اور نچتی نہ رہے ۔

۳ : دفن کی حقیقت میں لحد حقیقی ، شق حقیقی داخل نہیں پس حقائق بالا کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کی نعش مبارک کو سپرد خاک کرنے کی جو تفصیل صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس سے بلاشبہ تدفین محقق ہو گئی ہے ۔ اور اس پر دفن کے احکام جاری ہوں گے ۔ کیوں کہ مواراة جسد علی وجه الاتم پائی گئی اور منشار تشریع بھی پورا ہو گیا ۔ تحقق دفن کے لئے حفر یا شق حقیقی درجہ شرط میں

نہیں ۔ کما مر ۔ چنانچہ قبل ازیں مطبوعہ رسالہ کے مطابق پاک و ہند کے معتمد ترین دارالافتاء اور اکابر بھی اسے تدفین قرار دے چکے ہیں ۔ پس صورت مسئولہ میں مزار شریف کو دوبارہ کھولنا ہرگز جائز نہیں ۔ اور اس پر نبش کے احکام جاری ہوں گے ۔

تتمہ : واضح رہے ۔ و مفادہ انه لا یجزی دفنه علی وجه الارض اس کے خلاف نہیں ۔ اوّلاً : اس لئے کہ یہ علامہ شامی رح کا استنباط ہے ۔ کتب حنفیہ میں صراحةً یہ جزئیہ کہیں مذکور نہیں ۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے خود اس کا اعتراف کیا ہے ۔ اور مفادہ کا لفظ بھی اس طرف مشعر ہے ۔

ثانیاً : اس لئے کہ دلائل بالا کی بنا ۔ پر اس کی تاویل ضروری ہے ۔ لا یجزی دفنه ای علی الوجه المسنون والمتوارث جمعا بین الادلة ۔

ثالثاً : بر تقدیر تسلیم ظاہر جواب یہ ہے کہ متنازع صورت کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ زیر بحث صورت میں تابوت کے ارد گرد دیوار بنا کر ڈاٹ لگائی گئی ہے ۔ پھر اس کے چاروں طرف دور تک پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر اسے سطح مسجد کے برابر کر دیا گیا ہے اور اس کے اوپر کچی قبر کا نشان بنا دیا گیا ۔ ماخوذ از مطبوعہ رسالہ ۔

اب سنا ہے کہ اس صحن کو مزید وسیع کرتے ہوئے ارد گرد مزید مٹی ڈال کر وہیں پر مدرسہ کی تعمیر ہو گئی ہے ۔ اس سے یہ ساری سطح زمین بلند ہو گئی ہے ۔ جس کے ایک حصہ میں گویا کہ بصورت شق تابوت مدفون ہے ۔ اور جزئیہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ قطعاً اس سے مختلف ہے ۔ وہ صرف یہ ہے کہ لاش زمین پر رکھ کر ارد گرد اینٹیں لگا دی جائیں جس سے قبر کی سی صورت بن جائے ۔ اور اسے گہرائی میں چھپایا نہ جائے ۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے منشار تشریع اور مقصود تدفین حاصل نہیں ہو سکتا ۔ اینٹوں کے اکھڑنے اور حشرات الارض کے سوراخ وغیرہ کی صورتوں میں نعش کی بدبو پھیلنے اور لقمہ حیوانات بن جانے کا احتمال بعید از قیاس نہیں اور پختہ اور چونا گچ کرنا جزئیہ میں مذکور نہیں ۔ اور کیا یہ چیزیں ہر ایک کو سب میسر ہو سکتی ہیں ؟ اور اسلامی سادگی کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے ۔ الغرض صورت زیر بحث کو جزئیہ ہذا کے تحت داخل کرنا غلط ہے ۔ زیر بحث صورت میں منشار تشریع دفن کی تکمیل ظاہر ہے اور جزئیہ کی صورت میں یہ منشا ۔ پورا نہیں ہوتا اور اس طرح فرمان نبوی

احفروا و اعمقوا و احسنوا و ادفنوا الاثنین و ثلاثة فی قبر واحد

وقدموا احسنھم قرآنا

سے بھی اشتراط حفر پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ اگر یہ استدلال صیغۂ امر سے ہے تو تقدیم احسن قرآن بھی اسی طرح فرض اور شرط ہوگی اور اس کے بغیر دفن کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ حالانکہ اس کا التزام درست نہیں۔ اور اگر استدلال کسی خارجی مقدمہ پر مبنی ہے تو جواب اس کے معلوم ہونے پر دیا جا سکتا ہے۔ نیز بعض حضرات کو "یبحث فی الارض" سے یہ شبہ ہو گیا ہے، یہ شبہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی تفسیر میں دو احتمال ہیں کہ یہ بحث بغرض حفر تھا تاکہ اس میں کوّے کو رکھ کر دبایا جا سکے۔ اور احتمالِ ثانی یہ ہے کہ بحث بغرضِ ستر اور موارات تھا۔ یعنی کوّا پنجوں کے ذریعہ مٹی ڈال ڈال کر غراب میت کو دفن کر دے۔

احتمالِ ثانی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس میں تقلیل حذف ہے اور یہ عاداتِ غراب سے اشبہ ہے۔ اس لئے علامہ سیوطیؒ نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے فرماتے ہیں۔

" یبحث فی الارض ینبش التراب بمنقارہ ورجلیہ ویثیر علی غراب آخر میت حتی واراہ " (جلالین شریف)۔

تفسیر ہذا کی بنا پر سقوطِ استدلال ظاہر ہے۔ اور اس کی تائید ایک دوسری تفسیر سے ہوتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ غراب دوسرے غراب میت پر مٹی نہیں ڈالتا تھا۔ بلکہ ہابیل کی نعش پر کرید کرید کر مٹی ڈال رہا تھا تاکہ دفن کی تعلیم کرے۔

" وقال الاصم لما قتلہ وترکہ بعث اللہ غرابا یحثو التراب علی المقتول " (ج ۳ ۔ ص ۳۹۴)۔

اور احتمالِ اوّل بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔ اوّلاً۔ اس لئے کہ یہ مقصود نہ تھا۔ جیسا کہ آیت میں مذکور ہے۔ لیریہ کیف یواری اس کی ایک صورت حفر بھی ہے۔ پس حفر کی فرضیت اور تعیین ثابت نہیں ہوگی۔ الحاصل آیت زیادہ سے زیادہ مفیدِ حفر ہے مفیدِ حصر نہیں۔ پس ثابت میں نزاع نہیں ہے۔ اور متنازع فیہ ثابت نہیں۔

ثانیاً۔ آیت کی تفسیریں گو صورتاً مختلف ہیں۔ لیکن ان کا معنیٰ متحد ہونا ضروری ہے۔ تاکہ مرادِ خداوندی میں تخالف لازم نہ آئے۔ جب کہ مسئلۂ دفن امت کے مابین مختلف فیہ نہیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ احتمال اوّل حفر کو فرضیت اور تعیین کے لئے نہ لیا جائے۔ اور یہی اوفق لعموم العلۃ

ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تقریباً نو ۹ سال حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہ کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ اور ان کی نعش مبارک کو تابوت میں رکھ کر اس کے چہار طرف نیچے اوپر پکی اینٹیں لگا کر قبر کے ارد گرد اڑتیس ۳۸ فٹ لمبا، اٹھائیس ۲۸ فٹ چوڑا، اور پانچ فٹ اونچی مٹی ڈال کر چبوترا بنایا گیا ہے۔ جس کی بنا پر بالیقین یہ صادق آتا ہے کہ حصل الدفن یعنی موارات المیت فی التراب دفن کا معنی اور مقصد یہی ہے (حفر لحد دفن کی مسنون شکلیں ہیں۔ نفس دفن ان پر موقوف نہیں) جیسا کہ مفتی صاحب نے جواب میں واضح فرمایا ہے۔ لہٰذا دفن کے تحقق کے بعد اگر وہ خلافِ سنت بھی ہو چکا ہو نبش حرام ہوگا۔ بنا بریں علیہ اب ضروری ہے کہ حضرت رائپوری رح کے مریدین اور متوسلین اور خدام تمام محنت وسعی کو حضرت رح کے اسوۂ حسنہ کے احیاء اور اشاعتِ طریق میں خرچ کریں۔ اہلِ اسلام میں پہلے بھی کافی اختلاف اور انتشار برپا ہے۔ اب یہ بحث نو ۹ سال بعد چھیڑنا مزید موجبِ افتراق اور تشتت ہوگا۔ جو کسی قسم کی اسلامی خدمت نہیں ہوگی۔ بلکہ اعداءِ اسلام کے لئے باعثِ شماتت ہوگا۔ اس لئے اس بحث کو ہماری رائے میں ختم کرنا بالکل مناسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

والجواب صحیح
محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان - ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

میّت کی وصیّت کردہ جگہ میں دفن کرنے کیلئے دفن کے بعد قبر کھود کر میت لے جانے کا حکم

حضرت رائپوری رحمہ اللہ کا لاہور میں انتقال ہوا اور ان کے وارثوں میں سے بھائی اور بھتیجے موجود تھے انہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی وطن میں تدفین کی۔ کچھ حضرات حضرت رح کی میت مبارک کو ہندوستان منتقل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رح نے وصیت کی تھی کہ مجھے وہاں دفن کیا جائے۔

۱ : میت کا حقِ تدفین کس کو ہے ؟ اگر وارث حقِ تدفین کو استعمال کرتے ہوئے ایک جگہ دفن

کردیں تو دوسرے متعلقین کو اس کے خلاف کارروائی کا جواز ہے یا نہیں ؟

۲ : اگر میت کسی جگہ دفن کی وصیت کر گئے ہوں تو مستحق تدفین کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

۳ : اگر خلافِ وصیت میت تدفین عمل میں آچکی ہو تو موافقِ وصیت اس میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ : میت کی تجہیز و تکفین کا حق ولی اقرب کو حاصل ہے جیسا کہ حوالۂ ذیل سے ظاہر ہے ۔ نمازِ جنازہ میں حق تقدم کس شخص کو حاصل ہے ؟ اس مسئلہ کے ضمن میں "صاحبِ بحر" لکھتے ہیں کہ ۔

" (ثم الولی) لانہ اقرب الناس الیہ والولایۃ لہ فی الحقیقۃ کما فی غسلہ وتکفینہ وانما یقدم السلطان علیہ اذا حضر کیلا یکون ازدراء بہ " (ج ۲ ۔ ص ۱۹۴) ۔

" وفی الدر المختار ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ " (شامی ج ۱ ص ۸۳۶) ۔
اس جزئیہ سے بھی مسئلہ ہٰذا کی تائید ہوتی ہے ۔ گو یہ غیر مسلم میت کے بارے میں ہے ۔

۲ : وارث کے لئے ایسی وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں ۔ قال فی الدر المختار (ج ۱ ص ۸۲۳ مع الشامیۃ) والفتوی علی بطلان الوصیۃ بغسلہ والصلوۃ علیہ عزاہ فی الھندیۃ الی المضمرات ای لو اوصی بان یصلی علیہ غیر من لہ حق التقدم او بان یغسلہ فلان لا یلزم تنفیذ وصیتہ ولا یبطل حق الولی بذالک وکذا تبطل لو اوصی بان یکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع کذا کما عزاہ الی المحیط "

۳ : دفن ہو جانے کے بعد عمل بالوصیت کی غرض سے قبر کو کھولنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔ جیسا کہ اگر کسی میت کو بلا غسل و نماز کے دفن کر دیا گیا ہو تو نبش جائز نہیں ۔

" کما اذا دفن بلا غسل او صلاۃ او وضع علی غیر یمینہ او الی غیر القبلۃ ۔ فانہ لا ینبش علیہ بعد اھالۃ التراب کما مر (الشامیۃ ۔ ج ۱ ص ۸۳۹) ۔

جب (ترکِ غسل کی وجہ سے نبش جائز نہیں حالانکہ غسل فرض ہے) اور اس کا کوئی قائم مقام بھی موجود نہیں تو خلافِ وصیت ہو جانے کے عذر کی بناء پر نبش کیسے جائز ہوگا ۔ جب کہ وصیت ہٰذا پر عمل کرنا نہ فرض ہے نہ واجب ، بلکہ فقہاء نے اسے بطلان کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ الغرض جس وصیت پر دفن سے قبل عمل واجب نہیں بعد از دفن اس پر عمل کرنے کے لئے نبش کو کیسے مباح قرار دیا جا سکتا ہے ۔ فقہاء اہالۃ تراب کے بعد دوسرے منٹ میں نبش کی ممانعت فرماتے ہیں ۔ پس آٹھ ، نو برس کی مدتِ طویلہ گزر جانے کے بعد بطریقِ اولیٰ اس کی ممانعت کا حکم کیا جائے گا ۔ (دفن بطریقِ مسنون ہوا ہو یا خلافِ مسنون دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اہالۂ تراب کے بعد نبش جائز نہیں) جزئیہ بالا اس بارے میں صریح ہے ۔ کیونکہ دفن بلا غسل ، دفن لغیر صلاۃ ، وضع علی غیر الیمین ، وضع الی غیر القبلۃ سب امور طریقِ مسنون کے خلاف ہیں اس کے باوجود نبش کی اجازت نہیں دی گئی ۔

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ / ۳ / ۱۳۹۱ھ	الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

(قبر میں " مَن نبیُّک " سے سوال ہوگا یا " ما تقولُ فی ہٰذا الرَّجُل " سے)

قبر میں مردے سے منکر نکیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب سوال کرتے ہیں تو کیا ہٰذا الرجل کہتے ہیں یا من نبیک کہتے ہیں ؟

الجواب (دونوں طرح کے الفاظ حدیث میں ہیں) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد الحدیث (مشکوۃ باب عذاب القبر ص ۲۴) ۔ اور مجمع الزوائد میں حضرت ابی ہریرہ رض سے ایک روایت میں ہے ۔

وان المؤمن یجلس فی قبرہ فیسئل من ربہ فیقول ربی اللہ فیقول من نبیک فیقول نبیی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ما دینک قال دینی الاسلام اھ (ورجالہ ثقات اھ ۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۳) ۔

فقط واللہ اعلم

جنازہ گاہ متعین اور وقف ہو تو کسی کو تصرف کرنیکی اجازت نہیں

خیر پور ضلع بہاولپور میں ایک جنازہ گاہ ہے۔ جو کہ عرصہ اسّی سال سے زائد تعمیر شدہ ہے۔ اور اس کی چار دیواری مکمل ہے۔ جنازہ گاہ کی عمارت آج سے اسّی سال قبل خیر پور کے ایک شخص نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ رقبہ زمیندار کا ہے۔ کاغذات سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مالک نے یہ زمین وقف کی تھی یا تعمیر کنندہ کو ھبہ کی تھی۔ اصل مالک یا اس کے ورثاء نے آج تک کبھی اس رقبے سے تعرض نہیں کیا محکمہ مال کے کاغذات میں یہ رقبہ مملوکہ مالک درج چلا آرہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس محلہ میں یہ جنازہ گاہ واقع ہے وہاں کی دیگر مساجد کا رقبہ مثلاً سادی مسجد وغیرہ جو صدیوں سے آباد ہے اسی اصل مالک کے نام چلا آرہا ہے۔

اب ٹاؤن کمیٹی خیر پور اس جنازہ گاہ کے رقبہ میں ایک ٹینکی آب اور کوارٹر وغیرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ جس سے شہریوں کو پانی فروخت کیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ صورت بالا کے مطابق یہ جگہ وقف شمار ہوگی یا نہیں۔ آیا ثبوت وقف کے لئے اتنا کافی ہے یا کاغذی اندراج ضروری ہے۔ اور ٹاؤن کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے یا نہیں۔؟

احقر غلام قادر مہتمم خیر العلوم خیر پور

الجواب اگر عامۃ الناس اس کے جنازہ گاہ ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ دلیل ہے اس کے وقف ہونے کی۔ لہذا کمیٹی کا اس میں مذکورہ تصرف کرنا شرعاً درست نہیں۔ کذافی امداد الفتاوی، ج-۲-ص ۵۰۱۔

وقف ہونے کے لئے کاغذات میں اندراج ضروری نہیں۔

" وفی الخیریۃ وقف قدیم مشهور لا یعرف واقفه استولی علیه ظالم فادعی المتولی انه وقف علی کذا مشهور وشهدا بذالك فالمختار انه یجوز اھ۔ (شامیۃ ج ۳ ص ۴۱۵)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ



جنازہ کے آگے آگے نعت خوانی بدعت ہے

یہاں رواج ہے کہ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو کچھ لوگ جنازہ کے آگے آگے بلند آواز سے نعت خوانی کرتے جاتے ہیں یا کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب یہ رواج بدعت ہے چھوڑ دینا ضروری ہے۔ درمختار میں ہے۔

" کما کره فیها رفع صوت بذکر او قرأة اھ (ج ۱ ص ۶۲۴)۔

اس کی شرح میں لکھا ہے۔" وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالی یذکره فی نفسه لقوله تعالی انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم الخ قلت واذا هذا فی الدعاء والذکر فما ظنك بالغناء الحادث فی هذا الزمان۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

محمد عبد اللہ غفر لہٗ
۱۸-۱۲-۱۳۶۹ھ

خطاءً خودکشی کرنیوالے کا بالاجماع جنازہ پڑھا جائے

خودکشی کرنے والے کے جنازہ میں شدتِ تکلیف اور عدم شدت کی بناء پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ارادبه قاتل نفسه عمداً لا لشدة وجع فخرج بمفهومه الخطاء فانه یغسل ویصلی علیه اھ (مراقی الفلاح)۔ اس عبارت میں فخرج کس پر متفرع ہے عمداً پر یا لا لشدة پر۔ اگر عمداً پر ہے تو عمد والے پر بھی جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر خطاء و عمد میں فرق کیا ہوا؟

الجواب فخرج بمفهومه الخطاء۔ عمداً پر متفرع ہے کیونکہ احتراز عن الخطاء لفظ عمد ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ شدتِ وجع پر متفرع نہیں۔ رہا یہ کہ پھر عمد اور خطاء میں مابہ الفرق کیا ہے۔ تو وہ یہ ہے کہ قاتل نفسہ خطاءً پر بالاجماع نماز پڑھی جاوے کیونکہ وہ شہید ہے اور قاتل نفسہ عمداً میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل نفسہ عمداً پر نماز نہ پڑھی جائے۔ لیکن

راجح یہ ہے کہ اس پر بھی نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ زیادہ سے زیادہ وہ خودکشی کی وجہ سے کبیرہ کا مرتکب ہوا لاغیر۔ اور قول محشی علام لالشدۃ وجع میں شدتِ وجع کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ عام طور پر خودکشی شدتِ درد و الم میں ہوتی ہے۔ کلمۂ "لا" سہوِ کاتب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبد الرحمٰن غفرلہٗ

بندہ محمد عبد اللہ عفرلہٗ
۲۵ : ۵ : ۱۳۶۹ھ

جنازہ لیجاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے

جنازہ اٹھا کرلے جانے والے جب چلیں تو ساتھ چلنے والے اور اٹھانے والے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت یا قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلیں یا خاموشی کے ساتھ چلیں؟

الجواب (میت کو اٹھا کر لے جانے والوں اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ خاموش ہو کر چلیں۔ بلند آواز سے کلمۂ طیبہ یا کلمۂ شہادت۔ اور قرآنِ پاک کی کسی سورۃ کی تلاوت کرتے چلنا مکروہِ تحریمی ہے) (کما فی البحر ج ۲ ص ۳۰۷)۔

• وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم۔ اھ

الجواب صحیح، بندہ عبد اللہ غفرلہٗ
مفتی خیر المدارس، ملتان

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲۹ ، ۳ ، ۱۳۷۷ھ

(نماز کا وقت ہو اور جنازہ موجود ہو تو کسے مقدم کرے)

نماز کے وقت جنازہ حاضر ہو اور پہلے نماز ادا کی جائے یا جنازہ؟ دوسری صورت میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھ لئے ہیں باقی نماز یعنی سنتیں نہیں پڑھیں اور جنازہ حاضر ہوا تو پہلے جنازہ ادا کیا جائے یا باقی نماز؟ علاء کیملپوری رحمۃ اللہ علیہ

الجواب اگر نماز کا وقت تنگ نہ ہو تو جنازہ پہلے ادا کر لینا چاہئے)۔

" ینبغی تقدیم الجنازۃ والکسوف حتی علی الفرض مالم یضق وقتہ۔ (شامی ج ۱)

(اور مغرب کی نماز کو جنازہ پر مقدم کیا جائے)۔

" ویوخذ من قولہ ایضاً ان ضاق الوقت تقدیم فرض الوقت " (رد المحتار)۔

(اگر فرض پہلے ادا کئے جائیں تو سنتیں بھی جنازہ سے مقدم ادا کرنی چاہئیں)۔ " عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ " شامی صفحہ مذکور۔

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہٗ

فقط واللہ اعلم
بندہ عبد اللہ غفرلہٗ

(قبروں پر قُبّے بنانے کا حکم)

زید کہتا ہے کہ مزارات پر قبے اور روضے بنانا یہود و نصاریٰ کا کام ہے۔ وہ سود و خنزیر بھی کھاتے تھے۔ جس شخص نے اس کی ابتداء کی وہ بڑا پاجی اور مکار تھا۔ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی کو اپنا امام و مصلح تسلیم کرتا ہے۔ کیا زید کا زعم حق ہے یا باطل؟ کیا علماءِ دیوبند بھی روضے گرانا جائز سمجھتے ہیں؟ کیا روضوں کو گرانا توہین نہیں سمجھتے؟ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے کہ میں دیوبندی عقائد رکھتا ہوں

الجواب (احادیث اور کتبِ فقہ میں قبور پر مکان، قبہ اور روضہ بنانے سے ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اقدس مستثنیٰ ہے۔ علماء و اکابرِ دیوبند کی قبور بھی سادہ طور پر بغیر بناء کے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہم کے مقابر بھی اسی طرح ہیں۔ اکابرِ دیوبند اور شاہ ولی اللہ وغیرہم کے بہت اوپر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبور بھی بغیر روضوں اور قبوں کے تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بہت بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہوئے۔ سب بغیر قبوں اور روضوں کے دفن ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنہیں سید الشہداء کا لقب دیا جاتا ہے بغیر قبہ کے مدفون ہوئے۔ یہ قبے وغیرہ بعد کی ایجاد ہے جنہیں سنت نہیں کہا جا سکتا) اس کے باوجود زید کا یہ طرزِ کلام مسلمانوں کے ساتھ، جاہلانہ ہے۔ اس طریقے پر نہ تو علماءِ دیوبند نے مسلمانوں کو خطاب کیا ہے اور نہ برا بھلا کہا ہے۔ اور نہ ہی زید دیوبندی مسلک پر ہو سکتا ہے۔

(دیوبندی مذہب یا عقیدہ کوئی الگ مذہب نہیں۔ مسلک حنفیہ اور سلفِ صالحین کے صحیح

اتباع کو ہم دیوبندیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیر المدارس ملتان ۲۶/۷/۱۳۷۸ھ

جسے دعاءِ جنازہ یاد نہ ہو وہ کیا کرے

جن لوگوں کو دعاءِ جنازہ یاد نہیں وہ نمازِ جنازہ میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب
صورتِ مسئولہ میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جائے کہ وہ دعائیں یاد کریں۔ یاد نہ کرنے پر برادری اور پنچائیت مواخذہ کرے۔ لیکن جسے دعاء یاد نہ ہو مگر امام کے پیچھے باوضو تکبیرات کہتا رہے۔ تو اس کا نمازِ جنازہ ادا ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفی عنہٗ یکم ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

لوٹ مار اور واردات کرنیوالے کا جنازہ نہ پڑھا جائے

ولا یصلی علی باغ وقاطع طریق قتل فی حالة المحاربة وقاتل بالخنق غیلة ومکابر فی المصر لیلاً بالسلاح الخ (نور الایضاح ص)

اس عبارت میں "لیلاً" اور "بالسلاح" کی قید کا کیا فائدہ ہے؟ کیا دن کو واردات کرنے والے یا بغیر ہتھیار کے واردات کرنے والے کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؟

الجواب
اس عبارت میں "لیلاً" کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ عام طور پر شہروں میں اس قسم کے جرائم رات کو ہوتے ہیں اس لئے رات کا ذکر کر دیا۔ ورنہ دن کے وقت بھی اگر کوئی شخص حملہ آور ہو اور وہ مارا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے۔

"قوله ومُکابر فی المصر لیلاً بسلاح" والمکابر المتغلب والمراد به من یقف فی محل من المصر یتعرض لمعصوم والظاهر ان هذا مبنی علی قول ابی یوسف من انه یکون قاطع طریق اذا کان لیلاً مطلقاً او نهارا بالسلاح۔ اھ ص ۸۵۱ ج ۱۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رات کو حملہ کرنے والا مطلقاً قاطع طریق ہے۔ ہتھیار سے حملہ کرے

یا لاٹھی کے ساتھ، اور دن کو ہتھیار سے حملہ کرے تو قاطع طریق ہوگا۔ چنانچہ آگے دو سطر کے بعد فرماتے ہیں۔ وبما قررنا ظهر ان قوله بسلاح بغیر قید لانه اذا وقف فی المصر لیلاً لا فرق بین کونه قاتلاً بسلاح او غیره۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفرلہٗ ۳/۵/۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ

قبر سامنے ہو تو جنازہ پڑھنے کا حکم

ہمارے علاقہ میں مُردے کو غسل دینے کے لئے قبروں کے متصل غسل خانہ بنایا گیا ہے اور اسی کے متصل نمازِ جنازہ کے لئے جگہ بنائی گئی ہے اور اس جنازہ کی جگہ کے سامنے پانچ چھ گز کے فاصلہ پر قبریں ہیں۔ یعنی نمازِ جنازہ کی جگہ ایسی جگہ ہے کہ جب جنازہ کے لئے صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو قبریں سامنے قبلہ کی طرف پڑتی ہیں۔ اب کئی علماء کہتے ہیں کہ یہاں جنازہ حرام ہے کیونکہ سامنے قبریں ہیں اور مسلم شریف کی حدیث لا تجلسوا علی القبر ولا تصلوا الیها پیش کرتے ہیں۔

اور دوسرے علماء کہتے ہیں کہ وہ نماز جس میں سجدہ ہو ناجائز ہے۔ جنازہ میں اگر یہ بات مدِ نظر ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰة والسلام قبر پر جنازہ نہ پڑھتے۔ اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کی نمازِ جنازہ نہ ہوئی ہو تو قبر پر تین دن کے اندر پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب
دوسرے علماء کا قول درست ہے کیونکہ قبر نفسِ نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کا سامنے ہونا جب جائز ہے تو قبر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور حدیثِ مذکور میں رکوع وسجود والی نماز مراد ہے۔ کما فی فتاویٰ امدادیہ: ج ۱، ص ۴۷۷۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۳/۱۱/۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہٗ

نمازِ جنازہ کا تکرار روا نہیں

ایک میت کی نمازِ جنازہ ولی کی اجازت سے پڑھ لی گئی۔ بعد میں میت کے بھائی وغیرہ آئے تو انہوں نے دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟

الجواب (ولی کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر کسی کو دوبارہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور نمازِ جنازہ میں تکرار جائز نہیں)

لا یصلی علی میت الامرۃ واحدۃ والتنفل بصلوۃ الجنازۃ غیر مشروع کذا فی الایضاح وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہٗ (عالمگیری ج۱ ص۱۶۴)۔

فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۰ھ

نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کا حکم

نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت ہے تو کتنا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتا ہے؟ ۔ اکرام الحق۔ راولپنڈی۔

الجواب نمازِ جنازہ کے آگے سے گزرنے کی ممانعت وعدمہا کے متعلق کافی جستجو کے بعد بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہوا۔ لیکن اگر گزرنا ممنوع بھی ہو تو ضرورت مند موضع سجود کے آگے سے گزر سکتا ہے۔ کیونکہ نمازِ جنازہ عام طور پر صحرا میں ہوتی ہے اور صحرا میں نمازی کے موضع سجود کے پرے سے گزرنا درست ہے۔

کما فی الخانیۃ فی الصحراء اذا لم یکن لہ سترۃ لا یکرہ المرور وراء موضع السجود اور موضع سجود کی تعریف یہ کی گئی ہے انہ قدر ما یقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع"

خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نظر کو موضع سجود پر رکھ کر قبلہ کی طرف جس قدر دور تک نظر پہنچے وہ موضع سجود میں داخل ہے۔ اور اس جگہ سے پرے گزرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۲۱ / ۳ / ۱۳۸۸ھ

قبر پر تیسرے دن کے بعد نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

ایک بچہ پورے دس ماہ کا پیدا ہوا اور دوسرا بچہ آٹھ ماہ کا پیدا ہوا دونوں کے پیدا ہونے کے بعد کوئی آواز یا چیخ وغیرہ نہیں سنی گئی۔ البتہ بچوں کی والدہ اور دایاں کہتی ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد بچوں نے

سانس لئے ہیں تو ان کی تصدیق پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اگر بغیر جنازہ کے دفنائے گئے ہوں تو نمازِ جنازہ قبر پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب (اگر بغیر نمازِ جنازہ کے میت کو دفن کیا جائے تو جب تک اس کی لاش قبر میں پھٹ نہ جائے، قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ کتنے دنوں میں لاش پھٹ جاتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام رح میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تین دنوں میں، اور بعض کے نزدیک دس دنوں میں، اور بعض کے نزدیک ایک مہینے میں پھٹ جاتی ہے۔ کیونکہ سردی اور گرمی۔ اور میت کے موٹے اور کمزور ہونے کے لحاظ سے پھٹنے میں فرق پڑ جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک لاش کے پھٹنے کا یقین نہ ہو، قبر پر نمازِ جنازہ جائز ہے)

پس اگر ان بچوں میں کوئی علامتِ حیات پائی گئی تھی تو ان پر نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے تھی۔ اور قبر پر مذکورہ دنوں میں علی اختلافِ الاقوال پڑھ سکتے ہیں۔

وفی الدر وان دفن واھیل علیہ التراب بغیر صلوۃ صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر علی الاصح۔ وفی الشامیۃ قولہ من غیر تقدیر وقیل یقدر بثلاثۃ ایام وقیل عشرۃ وقیل شہر۔ اھ (شامیۃ ج۱ ص۶۱۸)۔ فقط۔

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

(فتویٰ کے اعتبار سے تین دن معتبر ہیں لہٰذا تین دن تک جنازہ قبر پر پڑھا جاسکتا ہے۔)

الجواب صحیح — خیر محمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ ہٰذا۔

ولی جس سے چاہے جنازہ پڑھوا سکتا ہے

ہمارے ہاں مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کسی دوسرے امام مسجد سے جنازہ پڑھوایا جائے تو ادا نہیں ہوتا صرف اپنا امام پڑھائے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب یہ مسئلہ غلط مشہور ہے۔ جنازہ جو بھی پڑھا دے ادا ہو جائے گا۔ وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی کما فی المجتبی الی ان قال ولہ ای للولی الاذن لغیرہ فیہا لانہ حقہ

فیملك ابطاله (درمختار : شامی ص ۶۶۵)۔

جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر وارث نے دوسرے شخص سے جنازہ پڑھوالیا تو جنازہ ادا ہوگیا۔ امام مسجد کا جھگڑا کرنا درست نہیں ۔ فقط۔ واللہ اعلم ۔

بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۶/۳/۱۳۹۵ھ

عورتوں کا جنازہ کیساتھ جانا مکروہ ہے

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو اس وقت مرد اور عورتیں قریب قریب ہو کر چلتے ہیں اور قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ جب دفن کیا جاتا ہے تو عورتیں وہاں بین کرتی ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

قاضی عبدالجلیل شاہ ، ضلع مانسہرہ ۔

الجواب (عورتوں کا جنازہ کے ہمراہ جانا مکروہ و ممنوع ہے اور بین کرنا حرام ہے)۔ درمختار میں ہے ۔ ویکرہ خروجهن تحريمًا وتزجر النائحة. اھ وفی الشامیة لقوله علیه السلام ارجعن مأزورات غیر مأجورات ابن ماجه بسند ضعیف ۔ (شامیة : ج ۱ ، ص ۸۴۴)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۰/۹/۱۴۰۰ھ

(شیعہ کا جنازہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہیئے)

کیا سنی عالم شیعہ کا جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر پڑھ لیوے تو عند اللہ مجرم ہوگا یا نہیں ؟ محمد یوسف مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر

الجواب (اگر شیعہ غالی ہے جیسا کہ آج کل عام شیعوں کی حالت ہے تو مقتداء حضرات مثلاً علماء و مشائخ کو اس کی نمازِ جنازہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اگر محض تفضیلی ہے تو گنجائش ہے)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۶/۵/۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

(طوائف کے جنازے کا حکم)

ہمارے پڑوس میں ایک طوائف رہتی تھی وہ جاں بحق ہوگئی ۔

۱ - اس کو غسل دیا جائے یا نہ ۔ ۲ - کفن دیا جائے یا نہ ۔

۳ : ایسی عورت کی نمازِ جنازہ میں اہل محلہ شرکت کر سکتے ہیں یا نہیں ۔

۴ : ایک بچہ پیدائشی طور پر مرد تھا مگر صحبتِ بد کی وجہ سے وہ خواجہ سراؤں کی مجلس میں شریک ہو گیا اور پوری طرح خواجہ سرا بن گیا ۔ اس کی موت پر اہل محلہ کے لئے شرکتِ نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ۱ - ۲ - غسل دیا جائے گا اور کفن بھی دیا جائے گا ۔

۳ :- نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی ۔ البتہ مقتدا لوگ زجراً اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کریں ۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں پر زجراً نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا تھا۔

۴ : اس کی نمازِ جنازہ میں بھی وہی تفصیل ہے جو جواب بالا میں مذکور ہے ۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱/۹/۱۳۸۶ھ

(جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ)

ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب مُردے کو کفن دیکر گھر سے نکالتے ہیں تو پانچ آدمی مقرر ہو جاتے ہیں ۔ چالیس قدم نکالنے کے لئے چار آدمی مُردہ کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھاتے ہیں ۔ یعنی چارپائی کے چار حصے بجائے کندھوں پر رکھنے کے ہاتھوں پر اٹھا کر آگے امام صاحب قدم شمار کرتے ہیں ۔ جب دس قدم ہو جاتے ہیں تو ایک پاوے والا دوسرے کے پاس ، دوسرا تیسرے کے پاس اسی طرح کرتے ہوئے جب چالیس قدم پورے ہو جائیں تو زمین پر چارپائی رکھ کر دعا ، مانگی جاتی ہے ۔ کیا یہ طریقہ درست ہے ؟

الجواب (جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چار آدمی پایوں سے پکڑ کر اسے کاندھوں پر اٹھائیں اور اپنے طور پر قدم شمار کرتے جائیں دس قدم چل کر پایہ بدل لیا جائے اسی طرح ہر پایہ کو دس دس قدم اٹھائے ۔ اس کے لئے اپنے طور پر سرسری گنتی بھی کافی ہے ۔ کچھ قدم اگر زیادہ ہو جائیں تو بھی حرج نہیں ۔ پس اس کے لئے امام صاحب کا آگے آگے قدم لگاتے جانا اور ہر دس قدم پر چارپائی اتار کر دوبارہ اٹھانا ، اور ہر چالیس قدم پر دعاء کرتے جانا لغو اور فضول ہے ۔ نیز سنت اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہے ۔ پس ان

رسوم سے احتراز کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۹ - ۳ - ۱۳۸۶ھ

نمازِ جنازہ میں حاضر میت کی نیت کرنا

نابالغ کی نمازِ جنازہ میں یہ کہنا ضروری ہے کہ دعاء حاضر میت کے لئے۔ اگر کوئی نہ کہے بلکہ اپنے لئے نیت کرے تو جنازہ درست ہو جائے گا یا نہیں ؟ ۔

الجواب وفی الدر ومصلی الجنازۃ ینوی الصلوۃ للہ تعالی وینوی ایضا الدعاء للمیت۔ شامی ج ۱ ص ۲۹۶)۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ کی نیت میں ارادہ کرنا اس میت کے لئے خواہ میت بالغ ہو یا نابالغ بہتر ہے۔ اور اس نیت میں مصلی کا اپنے لئے دعاء کرنے کی نیت کرنا قیاسا علی ظاہر الفاظ الدعا درست نہیں اگرچہ اس وجہ سے نمازِ جنازہ کو فاسد نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
۴ : ۲ ۱ ۱۳۸۷ھ

(عیدین کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے)

عیدین کی نماز پڑھنے سے پہلے جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے۔ جنازہ یا عید کو ؟

امام بخش مدرسہ سعیدیہ بھکر۔

الجواب درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں۔
" وتقدم صلوتها علی صلوۃ الجنازۃ۔ اھ شامی ج ۱ ص ۶۲۵

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کی نمازِ جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دنیا سے کس دن ہوا ؟ اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کو دفن کس روز کیا گیا ؟ نمازِ جنازہ ایک بار ہوئی یا کئی بار ؟ دعاءِ جنازہ یہی تھی جو آج کل مانگی جاتی ہے یا کوئی اور خاص دعاء پڑھی گئی۔ اگر ٹولہ ٹولہ صحابہؓ آتے رہے تو کتنی جماعتیں ہوئیں

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ کے دن ہوا منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس ؐ کو قبر شریف میں اتارا گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازۂ مبارک مکان میں رکھ دیا گیا۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان گروہ در گروہ داخل ہوتے تھے اور بلا کسی امام کے نماز پڑھ کے چلے جاتے۔ نمازِ جنازہ اسی طریقے سے پڑھی گئی جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

کما ھو الظاھر من ھذا الحدیث قالوا یا صاحب رسول اللہ أنصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا کیف ؟ قال یدخل قوم فیکبرون ویدعون ویصلون ثم یخرجون الخ قال القاری ولعل یذکر التسبیح کما ھو معلوم من وقوعه بعد التکبیرۃ الاولی

(شمائل ترمذی مع حاشیۃ : ص ۲۰)

صحابۂ کرام علیہم الرضوان اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھتے رہے تا آنکہ آخر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے نماز پڑھی اور تدفین عمل میں آئی۔ جماعتوں کا عدد معلوم نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔

(میت باہر اور نمازی مسجد میں ہوں تو بھی ظاہر مذہب میں مکروہ ہے)

ہماری مسجد میں آج تک جنازہ ایسے پڑھتے رہے کہ میت بھی مسجد کے اندر ہوتی تھی اور نمازی بھی مسجد میں۔ اب یہ تجویز ہے کہ محراب کی جانب چبوترہ بنا دیا جائے۔ میت چبوترے پر ہو، امام بھی وہیں ہو، کچھ نمازی بھی ساتھ ہوں، اور باقی

مسجد میں کھڑے ہوں۔ اس طرح جنازہ مکروہ ہے یا نہیں ؟

امجد ستار: براڈ کاسٹنگ ہاؤس ریڈیو پاکستان کراچی

الجواب (مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لہذا اب تک جس طرح جنازہ پڑھا جاتا رہا ہے شرعاً جائز نہیں تھا بلکہ مکروہ تھا۔ مسجد سے باہر ادا کرنا چاہئے اور آئندہ کے لئے جو صورت زیرِ تجویز ہے اس میں بعض کے نزدیک گنجائش ہے۔ کمافی الشامیۃ فی کتاب الجنائز۔ لیکن ظاہر مذہب علی الاطلاق کراہت کا ہے۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۸ : ۳ : ۱۳۸۸ھ



عین دوپہر کے وقت جنازہ درست نہیں

عین دوپہر کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب (بالکل عین دوپہر میں نمازِ جنازہ درست نہیں جب کہ جنازہ پہلے سے برائے نماز تیار رکھا ہو)۔ کمافی الدر المختار وینعقد نفل بشروع فیھا بکراھۃ التحریم لا ینعقد الفرض وسجدۃ تلاوۃ وصلوۃ جنازۃ تلیت الآیۃ فی کامل وحضرت الجنازۃ قبل۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۲۶۱)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
۵ : ۱ : ۱۳۸۸ھ



جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین کا حکم

ایک شخص نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تکبیرات اربعہ میں اس نے رفع یدین کیا اور سہواً کیا، عمداً ایسا نہیں کیا۔ اب یہ صلوٰۃِ جنازہ ادا ہوگئی یا دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے ؟

الجواب ورفع یدیہ فی الاولیٰ فقط وقال ائمۃ بلخ فی کلھا (الدر المختار) وھو قول الائمۃ الثلاثۃ وروایۃ عن ابی حنیفۃ

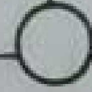
کمافی شرح درر البحار والاول ظاھر الروایۃ کمافی البحر۔ (شامی ج ۱ ص ۸۱۱)۔

عبارتِ ہذا سے ظاہر ہے کہ رفع یدین تکبیراتِ جنازہ میں ائمہ ثلاثہ کے علاوہ بہت سے فقہاءِ احناف کا بھی مذہب ہے پس اسے مفسد نہیں کہا جاسکتا۔ اور اعادہ کی حاجت نہیں۔ کیونکہ تنفل بصلوۃ الجنازہ مکروہ ہے)۔ الحاصل نماز جنازہ صورتِ مسئولہ میں درست ہوگئی۔ تشویش نہ کی جاوے۔ لیکن آئندہ احتیاط کی جائے امام کو مسائل سے اتنی غفلت روا نہیں۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



جو تمام جل جائے اس پر جنازہ نہ پڑھا جائے

اگر کوئی شخص جل گیا، گوشت وپوست وغیرہ سب کچھ ختم ہوگیا، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں، ڈھانچہ بالکل ختم ہوگیا، اس پر جنازہ وغیرہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب وان وجد نصفہ من غیر الرأس او وجد نصفہ مشقوقا طولا فانہ لا یغسل ولا یصلی علیہ ویلف فی خرقۃ ویدفن فیھا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸)۔

جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ جس کا نصف حصہ بدن مع سر میت نہ پایا جائے اسے غسل دینے یا اس پر جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۳ / ۹ / ۱۳۸۲ھ



ہر میت کا جنازہ علیحدہ ہو

نابالغ بچی کا اور اس کی دادی کا یک وقت جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب (بہتر یہ ہے کہ ہر میت کا جنازہ علیحدہ علیحدہ پڑھا جائے اگر اکٹھے پڑھ لیا جائے تو بھی ہوجائے گا)۔ واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوۃ اولیٰ وان جمع جاز۔ اھ (شامی ج ۱ ص ۸۲۱)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۰ / ۵ / ۱۳۹۸ھ



خودکشی کرنیوالے کی نمازِ جنازہ کے بارے میں

قاتلِ نفس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص خودکشی کرلے اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔؟

الجواب مفتیٰ بہ روایت یہی ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جاوے گی۔ لوگوں کا قول مفتیٰ بہ نہیں۔ من قتل نفسه ولو عمدًا يغسل ويصلى عليه به يفتى اھ (شامی ج ١ ص ٥٨١)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

محمد انور عفا اللہ عنہ
١٥ / ٥ / ١٣٩٨ھ

غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم

غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب میتِ غائب پر عند الحنفیہ نمازِ جنازہ جائز نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کا جنازہ پڑھنا آپؐ کی خصوصیت تھی یا جنازہ آپؐ کے سامنے کردیا گیا تھا۔ فلا تصح على غائب الخ وصلوة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية او خصوصية له اھ (درمختار علی ھامش الشامیۃ ج ١ ص ٦٠٨)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد صدیق غفرلہٗ

محمد انور عفا اللہ عنہ ٢٨ / ٦ / ١٣٩٨ھ

جس میت کے بارے میں مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس پر جنازہ کا حکم

جن انسانی لاشوں کے بارے میں علم نہ ہو کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم تو ان کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ہمیں ہسپتال میں اس بات کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔

حسن محمود تبسم
قائدِ اعظم ــــ میڈیکل کالج ــــ بہاولپور

الجواب جب تک کسی میت کے بارے میں یقینی علم نہ ہو کہ یہ غیر مسلم ہے تو جنازہ وغیرہ اس پر پڑھا جائے۔ مسلمانوں کا ملک ہونے کی وجہ سے اسے مسلمان کی میت ہی سمجھا جائے گا۔ لو لم يدر مسلم ام كافر ولا علامة فان في دارنا غسل وصلى عليه اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ١ ص ٦٠٢)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

بوقتِ غروب پڑھی گئی نمازِ جنازہ کا حکم

ایک مولوی صاحب نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پہلے پانچ چھ منٹ ادا کی کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے؟ اور جس نے نمازِ جنازہ پڑھایا ہے کیا وہ قابلِ امامت ہے؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اسی وقت میں تھا تو یہ نماز درست ہوگئی۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت میں تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوئی۔

وكره صلوة ولو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو مع شروق واستواء وغروب الى قوله وينعقد نفل بشروع فيها لا الفرض وسجدة تلاوة وصلوة جنازة تليت في كامل وحضرت قبل۔ اھ (تنویر)۔ وفي الدر المختار لوجوبه كاملا فلا يتأدى ناقصا فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما اى تحريما وفي التحفة الافضل ان لا تؤخر الجنازة اھ وفي الشامية ومافي التحفة اقره في البحر والنهر والفتح والمعراج لحديث ثلاث لا يؤخرن الخ (ج ١ ص ٣٧٢)۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ٢٤ / ٨ / ١٣٩٩ھ

جنازہ میں قرأت ثابت نہیں

ہمارے گاؤں میں ایک آدمی کا جنازہ قرأت کے ساتھ پڑھایا گیا۔ قرأت میں سورتِ فاتحہ کے بعد سورتِ عصر پڑھی گئی۔ اس

مسئلہ کی تحقیق چاہیئے کہ اس طرح نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟ جنازہ پڑھانے والا اہل حدیث تھا ہمارے گاؤں میں اکثریت حنفی لوگوں کی ہے۔ یہ بھی بتایا جائے کہ اہلحدیث کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد یعقوب چک نمبر ۲۰ منڈی یزمان۔

الجواب نمازِ جنازہ میں قرأت کا کوئی ثبوت نہیں اور جن روایات میں فاتحہ پڑھنا مذکور ہے وہ بطورِ دعا ہے نہ بطورِ قرأت۔

ولا قرأۃ فیھا ولا تشھد فیھا وعین الشافعی الفاتحۃ فی الاولی وعندنا تجوز بنیۃ الدعاء وتکرہ بنیۃ القرأۃ لعدم ثبوتھا فیھا عنہ علیہ السلام اھ (شامی : ج ۱ : ص ۶۱۱)۔

جو غیر مقلد امام ائمہ رح کو بُرا کہتا ہو یا طہارت میں محتاط نہ ہو اس کی اقتداء میں نماز ادا نہ کی جائے۔

فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ : ۱۷ : ۱۲ : ۱۳۹۹ھ

عیدگاہ میں جنازہ پڑھنے کا حکم

شہر کی عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ ۔ احمد یار خطیب جامع مسجد وہاڑی۔

الجواب ۱۔ وقید بمسجد الجماعۃ لانھا لا تکرہ فی مسجد اعد لھا وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید لانہ لیس لھا حکم المسجد فی الاصح اھ (طحطاوی : ص ۳۲۶)۔

۲ : واما المتخذ لصلوۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء لا فی حق غیرہ اھ (تنویر الابصار علی الشامیۃ : ج ۱ : ص ۶۱۵)۔

جزئیات بالا سے عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳ / ۴ / ۱۴۰۱ھ

سنیوں کا جنازہ شیعہ نہ پڑھیں

ایک جگہ ایک امام صاحب نے ایک میت پر جنازہ پڑھنے سے اعراض کیا وجہ یہ تھی کہ میت کے وارث شیعہ تھے اور

ان کا خیال سنیوں سے پہلے یا بعد شیعہ مولوی سے شیعوں والا جنازہ پڑھوانے کا تھا اور اسی شیعی جنازہ کو عقیدۃً صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔ کیا ایک میت پر شیعہ اور سنی دو جنازے درست ہیں یا نہ امام صاحب کا اعتراض درست ہے یا نہ۔ کیا جو سنی آدمی شیعہ امام کے پیچھے شیعہ جنازہ پڑھے اس پر کوئی حد یا کوئی حکم ہے یا معاف ہے ؟ کیا شیعہ سنی کے جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہو سکتا تو روکنا درست ہے یا نہ ؟

الجواب یہ دو جنازوں والی رسم ختم کرنی چاہیئے۔ میت کی اچھی طرح تحقیق کر لیں اگر سنی ہو تو صرف سنی ہی جنازہ پڑھیں شیعوں کو نہ پڑھنے دیں۔ حقیقی شیعہ کبھی سنی کا جنازہ بطورِ جنازہ نہیں پڑھتا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۰ / ۱۰ / ۱۴۰۷ھ

جنازہ کی نیت میں فرضِ کفایہ کہنا ضروری نہیں

نماز پڑھنے سے قبل امام صاحب نمازِ جنازہ کی نیت سناتے ہیں۔ بعض علماءِ کرام بایں الفاظ کہ " چار تکبیر نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ " اور بعض بایں الفاظ کہ " چار تکبیریں نمازِ جنازہ فرض " لفظِ " کفایہ " ادا نہیں کرتے۔ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے اس لئے نیت سناتے وقت کفایہ کا لفظ کہنا ضروری ہے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ جو آدمی قبرستان میں نماز پڑھنے کیلئے آئے ہیں ان کے لئے نمازِ جنازہ ادا کرنا فرضِ عین ہو جاتا ہے کفایہ نہیں رہتا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کی باحوالہ وضاحت فرما دیں۔

الجواب " فرضِ کفایہ " کے الفاظ کہنے ضروری نہیں۔ اور نمازِ جنازہ بہر حال " فرضِ کفایہ " ہے۔ قبرستان میں آنے والوں کے لئے اس کا حکم بدل نہیں جاتا۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — محمد انور عفا اللہ عنہ ۹ / ۲ / ۱۴۰۸ھ

نمازِ جنازہ میں سلام سے قبل ہاتھ کھول دیئے جائیں

نمازِ جنازہ میں دائیں طرف سلام کر کے دایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے اور بائیں

جانب سلام کرکے بایاں ہاتھ چھوڑ دیا جائے ۔ یا دونوں طرف سلام کرکے پھر دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں مسنون طریقہ کیا ہے ؟

الجواب تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں ۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے ۔ ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانہ لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انہ یحل الیدین ثم یسلم تسلیمتین

(عزیز الفتاوی ، ج ۱ ، ص ۳۶۴) ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالوہاب متعلم الافتاء
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس	۲۵ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

جنازہ اُٹھانے سے کبیرہ گناہ مُعاف ہوتے ہیں یا صغیرہ

میت کے جنازے کی چارپائی کو چالیس قدم تک لے جائے یعنی ہر پائے پر دس قدم چلے تو اس کے چالیس گناہ کبیرہ معاف ہوتے ہیں یا صغیرہ ؟

الجواب کبیرہ بدون توبہ معاف نہیں ہوتے اس ضابطے کے پیش نظر علامہ شامی نے لکھا ہے ۔ قال فی شرح النقایۃ وورد من حمل بجوانب سریر الاربعۃ غفرلہ اربعون کبیرۃ (رواہ ابن عساکر عن واثلہ ص ۸۳۲ ج ۱)

علامہ شامی نے اس حدیث بالا کی دو توجیہیں کی ہیں ایک یہ کہ حدیث میں کبیرہ سے مراد صغیرہ ہیں کیونکہ ہر صغیرہ اپنے ماتحت گناہوں کے اعتبار سے کبیرہ ہے ۔ پس اس اعتبار سے بعض صغائر پر کبائر کا اطلاق درست ہوا ۔ گو وہ فی الواقع اصطلاحی نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ ضابطہ مذکورہ بالا مخصوص ہے ۔ ایسے مواضع کے ساتھ جس میں نص وارد نہ ہو اور نص کے بعد بلا توبہ تکفیر کبائر ہو جاتے ہیں ۔ کوئی اشکال نہیں ۔ (ص ۸۳۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

کسی قبرستان میں آئندہ مُردے دفن نہ کرنے کا یقین ہو تو اس جگہ کو دینی درس گاہ بنا سکتے ہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عرصہ چھ سال سے مدرسہ عربیہ سلیمیہ قاسم العلوم کا جس جگہ سنگِ بنیاد رکھا گیا ہے ۔ یہ جگہ زمانۂ قدیم سے مکان مائی جانڈو اور خانقاہ شاہ اسماعیل سے مشہور تھی ۔ سرکاری کاغذات اور سن رسیدہ حضرات اسی طرح شہادت دیتے ہیں ۔ بیس پچیس برس قبل یہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد اور چند قبور تھیں ۔ مگر کم از کم ایک صدی سے یہاں کوئی نئی میت دفن نہیں ہوئی ۔ بھنگی چرسی اور بدمعاش براجمان تھے ۔ غیور مسلمانوں کی متحدہ مساعی سے فسق و فجور کا اڈا ختم ہوا ۔ چار متولی مقرر کرکے درسِ قرآن جاری کیا ۔ عوام مسلمانوں کے چندہ سے مسجد کی نئی تعمیر شروع ہوئی ۔ مسجد کی توسیع ہوئی اور برلبِ سڑک ایک قطعۂ زمین خرید کرکے مسجد کی طرف منسوب کیا گیا ۔ ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر ہوا ۔ دریں اثناء جمعیۃ علماء ملتان نے ایک عربی مدرسہ اکابر علماء دیوبند کے زیر نگرانی قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ۔ متولیانِ وقف مذکور اور دیگر معززینِ محلہ کو جب علماء کرام کی اس تحریک کا علم ہوا ۔ تو انہوں نے دینی ادارہ کے قیام کے لئے اسی جگہ کو موزوں سمجھتے ہوئے علماء جمعیۃ کو دعوت دی کہ آپ ہماری مساعی کو کامیابی کی منازل تک پہنچاتے ہوئے اسی جگہ کو مرکزِ علوم دینیہ بنائیں ۔ تحریراً اور تقریراً وثوق دلایا کہ تعمیری سکیموں اور نظامِ تعلیم میں ہم لوگوں میں سے کوئی بھی حارج نہیں ہوگا ۔ بلکہ ایک معاون اور بہی خواہ کی حیثیت سے ماہواری چندہ سے بھی امداد کریں گے ۔

جمعیۃ علماء ملتان نے نزاکتِ حالات کا اندازہ کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہا اور محض توکلاً علی اللہ کام شروع کر دیا ۔ بحمد اللہ آج یہ ادارہ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا مرکزی حیثیت اختیار کر رہا ہے ۔ درس گاہوں اور رہائشی حجرات کے لئے تعمیر کی اشد ضرورت ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ضروریات مدرسہ کے لئے جو مکانات تعمیر کئے جاویں ۔ وہ بموجب قوانین اوقاف ملحقاتِ مسجد میں شمار ہوں گے ، یا اُن کی الگ صورت ہوگی ۔ بصورتِ ثانیہ

مدرسہ کو سفید زمین جو کہ وقف ہے، کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بصورتِ اثبات وہ کرایہ ضروریاتِ مسجد میں صَرف ہوگا یا کوئی اور صورت ہوگی۔ یہی دونوں صُورتیں اُس برآمدے کے متعلق بھی ہوں گی۔ جس کو قبل وجودِ مدرسہ ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ بینوا و توجروا۔

مولوی غلام رسول۔ رُکن مدرسہ قاسم العلوم، کچہری روڈ۔ ملتان

الجواب: یہ زمین جو کہ خانقاہ شاہ اسماعیل و مکان مائی چانڈو کے نام سے سرکاری کاغذات میں مندرج ہے۔ اور بوڑھے آدمیوں کی شہادت سے بھی اِسی نام کی تائید ہوتی ہے۔ وقف برائے مقبرہ معلوم ہوتی ہے۔ قبور کا موجود ہونا بھی اُس کے لئے شاہد قوی ہے۔ یہ زمین غالباً زمانۂ قدیم میں کسی نے قبرستان کے لئے وقف کی ہوگی۔ پھر آبادی شہر کی بڑھتے بڑھتے اُس کو محیط ہو گئی۔ اور یہ قطعہ جس میں کچھ حصہ مقابر کے ساتھ مشغول ہو چکا تھا۔ اور کچھ حصہ خالی پڑا ہوا تھا۔ آبادی کے درمیان میں آگیا، اور موقع پاکر اِس قطعہ خالی پر بھنگیوں اور چرسیوں نے قبضہ جما لیا۔ اب جبکہ عام مسلمانوں نے بھنگیوں کو نِکال دیا تھا۔ تو اُس زمین کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرنا ضروری تھا۔ جس کے لئے وَقف کی گئی تھی۔ یعنی اس میں اموات کو دفن کرنے کے لئے اذنِ عام دے دی جاتی۔ اِس لئے کہ قاعدہ یہ ہے (کما ھی معروفۃ عند الفقہاء) کہ وقف اُس مقصد میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اور وقف کے ثبوت کے لئے معائنہ بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہے)

پس جب بوڑھے آدمیوں کی روایات سے اور سرکاری کاغذات کی شہادات سے اور قبور کے موجود ہونے کے قرآئن سے ظن غالب بلکہ قریب یقین یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ یہ قطعہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ تو اُس کو اُس جہت میں صَرف کیا جانا ضروری تھا۔

لیکن بعض حضرات اراکین سے معلوم ہوا کہ اُس مقبرہ کے وَسط آبادی میں آجانے کی وجہ سے حکومت نے اموات کے دَفن کرنے کی ممانعت کر دی۔ سو اگر یہ قصّہ صحیح ہے تو اُس صُورت میں یہ گُنجائش نِکل آتی ہے کہ اس خالی قطعہ کو جو دَر اصل اموات کے لئے وقف ہے کسی دُوسرے مصرفِ خیر میں صَرف کر دیا جائے۔ چُنانچہ عالمگیری کتاب الوقف میں یہ جزئیہ

لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے قبرستان کے لئے زمین وقف کی حتیٰ کہ اپنا لڑکا بھی اُس میں دفن کر دیا۔ لیکن بوجہ غلبہ پانی کے وہ زمین قبرستان بننے کے قابل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ لوگ اُس میں اموات کو دفن نہیں کرتے۔ تو اُس عورت کے لئے جائز ہے کہ اپنی موقوفہ زمین کو فروخت کر دے۔

امرأۃ جعلت قطعۃ ارض لها مقبرۃ واخرجتها من یدها ودفنت فیها ابنها وتلك القطعۃ لا تصلح للمقبرۃ لغلبۃ الماء عندها فیصیبها فساد فارادت بیعها ان کانت الارض بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتی لقلۃ الفساد لیس لها البیع وان کانت یرغب الناس عن دفن الموتی فیها لکثرۃ الفساد فلها البیع فاذا باعتها فللمشتری ان یامرها برفع ابنها عنها۔ یقول العبد الضعیف۔ فاذا جاز لها البیع عند رغبۃ الناس عن الدفن فیها فصرفها الی وجهٍ اخر من وجوہ الخیر یکون اولی بالجواز۔

لیکن یہاں پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ آیا واقعی حکومت کی طرف سے اب ایسی زمینوں کو جو درمیان آبادی میں آچکی ہیں۔ اور وہ قبرستان کے لئے وقف ہیں۔ اموات کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ اور کیا وہ رُکاوٹ دفع نہیں ہو سکتی۔ اگر اِن دونوں باتوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر بامر مجبوری ایسی زمین کو کسی دُوسرے مصرفِ خیر میں صَرف کرنا جائز ہے۔

سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد اٰخر او حوض اٰخر قال نعم۔ (عالمگیری کتاب الوقف)

اس کے بعد قابلِ غور چیز یہ ہے کہ اِس صَرف کے متولی کون سے حضرات ہوں۔ تو اوّل اُس میں حق واقف کا ہے۔ اگر واقف کا علم نہ ہو تو قاضی یا اُس کا نائب اِس وقف کو دُوسرے مصرفِ خیر میں صَرف کر سکتے ہیں اور بحالاتِ موجودہ جب کہ

قضاء کا شرعی نظام مختل ہو چکا ہے۔ جماعتِ علماء اس قطعۂ زمین کو دینی مدرسہ کے لئے صرف کر سکتی ہے۔ اور کسی قسم کا کرایہ وغیرہ مقابر کے قیم اور نگران کو دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ

خادم الافتاء خیر المدارس، ملتان۔ مورخہ ۸ ۵ جو

نوٹ: استفتاء کے اندر دو جملے موجود ہیں، جن کے متعلق خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی ضروری ہے۔ خط کشیدہ عبارت نمبر ۱ میں مرقوم ہے۔ " چار متولی مقرر کر کے درس قرآن جاری کیا۔ الی قولہ لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" اس عبارت سے اور آگے والی عبارت "ایک برآمدہ کلاں درس اور ضرورتِ مسجد کے لئے تعمیر کیا۔" ان دونوں عبارتوں میں درس اور مسجد کو ایسا خلط کر دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ درس اور مسجد شئے واحد ہیں۔ حالانکہ درس اور مسجد اصطلاح میں دو جُدا جُدا چیزیں ہیں۔

(ا):۔ پس اگر اِس جملہ کا " لب سڑک ایک قطعہ زمین خرید کر کے مسجد کی طرف منسوب کیا۔" کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی پیداوار سے مسجد کی ضروریات چٹائی۔ لوٹے۔ تیل جلانے کا۔ خرید کئے جائیں گے۔ (کما ھو الظاہر) تو اگر اس ٹکڑہ میں عمارت قائم کی گئی۔ اور مدرسہ کے استعمال میں آئی تو مدرسہ کی طرف سے مسجد کو کرایہ مناسب ادا کرنا ہو گا۔

(ب):۔ اور اگر یہ مفہوم تھا مسجد کی طرف منسوب کرنے سے کہ مسجد کی آبادی اور رونق کے لئے درس قائم کیا جائے گا، جیسا کہ مساجد کی آبادی کے لئے عموماً مساجد میں یا اُن کے ملحق درس قائم کر دئیے جاتے ہیں (کما یدل علیہ قول المستفتی فیما بعدہ) " ایک برآمدہ کلاں درس اور ضروریاتِ مسجد کے لئے تعمیر ہوا۔" تو اس صورت میں یہ ٹکڑہ زمین مدرسہ کے اندر صرف کر سکتے ہیں۔ بلا کرایہ ادا کرنے کے مسجد کو وہ وقف قدیم جس کے واقف کا بھی علم نہیں اُس کے متعلق تو ہم قیاس آرائی سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ قطعہ جو بعد میں عام مسلمانوں کے چندہ سے خرید کیا گیا۔ چونکہ یہ چہار متولی موجود ہیں۔ اور چندہ لینے والے اور دینے والے بھی موجود ہیں۔ اِس لئے اس باب میں قیاس آرائی کرنے کی ہمیں ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرات اِن دو صورتوں کو جو کہ ا اور ب میں بیان کی گئی ہیں، بغور پڑھ لیں۔ اور اگر اُن کے عزائم اِن ہر دو صورتوں کے علاوہ کچھ اور تھے۔ تو ان کو دوبارہ استفسار کر لیں۔ اسی طرح دوسرے جملہ کہ "ایک برآمدہ کلاں برائے درس" اور ضروریاتِ مسجد میں بھی ہر دو احتمال موجود ہیں اور ہر دو کا حکم اِن کے مناسب سمجھ لیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہٗ،
خادم الافتاء، خیر المدارس، ملتان ۵ ۱۱ جو

بزرگوں کی قبور کی زیارت کے لئے دُور دراز کا سفر کرنا

زیارتِ قبور کی اہمیت شرع میں کہاں تک ہے ___ ؟ کیا دُور دُور کے مُردہ یا زندہ بزرگوں کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں، مثلاً کوئی آدمی بلوچستان کے علاقہ سے ہندوستان کے بزرگوں کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے دوسرا کوئی مقصد سوائے زیارت کے نہیں تو شرعاً ٹھیک ہے؟ کیونکہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں اس قسم کے سفر کو شرک فی العبادۃ کہا ہے۔ اس لئے کہ جو معاملہ خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ غیر اللہ کے ساتھ نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ خانہ کعبہ کی زیارت خوشنودئ خدا کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر غیر اللہ کے مکان کی زیارت موجبِ ثواب اور برکت جان کر کرے تو یہ معاملہ خُدا والا غیر اللہ کے ساتھ ہوگا اور شرک ہے۔ اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کے منافی ہے۔ بعض لوگ تقویۃ الایمان کو حضرت شہیدؒ مرحوم کی کتاب نہیں سمجھتے۔ یہ دُرست ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ کس کی ہے؟

الجواب (زیارتِ قبور کے لئے دُور دراز سے سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف متقدمین سے چلا آ رہا ہے۔ لہٰذا اس کا فیصلہ اب ہونا مشکل ہے۔ ہکذا فی فتاوی رشیدیہ۔ لیکن یہ اُس وقت تک ہے، جب سفر مذکور میں دیگر مفاسد موجود نہ ہوں، مثلاً اہل قبور سے اپنی حاجات طلب کرنا۔ ان کے

تقرب کی غرض سے چڑھاوے چڑھانا، قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ امورِ مذکورہ کے انضمام کی صورت میں یہ سفر بالکل ناجائز ہو جائے گا۔ اور شرک بن جائے گا کیونکہ اب یہ سفر بہ نیت تقرب بزرگ ہوگا بہ نیتِ زیارت نہ رہا۔ آج کل عوام اپنی اغراض کے لئے ایسے سفر کرتے ہیں۔ کما ھو المشاھد ولا ریب فیہ — پس ان کے لئے سفر کرنا ناجائز ہے۔ حضرت شہیدؒ غالباً اسی کی ممانعت فرما رہے ہیں۔ "تقویۃ الایمان" حضرت موصوف ہی کی تصنیف ہے۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
۶ / ۲ / ۱۳۸۷ ھ

اطفالِ مشرکین کا حکم

کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے یا جہنم میں؟

الجواب: اطفالِ مشرکین کے متعلق امام نوویؒ نے تین قول نقل کئے ہیں۔ (۱) جہنم میں ہوں گے (۲) توقف (۳) جنت میں جائیں گے۔

تیسرے قول کو امام نوویؒ نے صحیح قرار دیا ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔ امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ جیسے باری تعالیٰ کی مشیت ہوگی ویسے ہو گا۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
۱۳ / ۶ / ۱۴۰۹ ھ

قبرستان کی زائد آمدنی دوسرے قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں

قبرستان کی آمدنی مسجد پر لگا سکتے ہیں یا نہیں — ؟ اور جو مسجد محلہ کی

قبرستان کی حدود میں ہو اس پر آمدنی لگ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: قبرستان کی آمدنی مسجد پر صرف کرنا جائز نہیں البتہ دوسرے قبرستان پر جو اس کے قریب ہو اس کی آمدنی خرچ کرنا جائز ہے۔ جبکہ اس کے لئے رقم کی ضرورت ہو۔ (شامی ص۴۰۷ ج۳)

حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنھما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض الی اقرب مسجدٍ او رباط او بئر (درمختار) وفی الشامیۃ (قولہ الی اقرب مسجد) لف ونشر مرتب وظاھرہ انہ لایجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوضٍ وعکسہ وفی شرح الملتقی یصرف وقفھا لاقرب مجانس لہا اھ۔

(شامی ص۴۰۷ ج۳)

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ ایک وقف کی آمدنی اس سے استغناء کے وقت اس وقف کے مماثل میں صرف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۱ / ۱۳۸۵ ھ

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

اہلِ میت خود اپنے گھر کھانا پکا سکتے ہیں

ایک شخص کے گھر اگر موت ہو جائے اور وہ اپنے گھر کھانا پکوا کر خود کھاتا ہے اور کچھ مہمان آئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کرتا ہے نیز اس کے کسی رشتہ دار کے گھر سے کھانا رواج کے مطابق آتا ہے تو وہ اس کو واپس کر دیتا ہے۔ اور خود نئے کپڑے پہنتا ہے اور اپنے بچوں کو بھی نئے کپڑے پہناتا ہے۔ ان تمام مذکورہ صورتوں میں اگر کوئی امر خلافِ

سُنت ہو تو اس کا تدارک بتلایئے نیز ایسا کرنیوالا گنہگار تو نہیں، نیز نابالغ بچے اور بالغ آدمی کی میت کا ایک حکم ہے یا جُدا جُدا ؟

الجواب: اِن اشیاء مذکورہ میں کوئی چیز سُنت کے خلاف نہیں، خواہ گھر میں نابالغ فوت ہوگیا ہو یا بالغ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق معین مفتی
عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیرالمدارس، ملتان	خیرالمدارس، ملتان ۲۸ / ۱۰ / ۱۳۷۸ ھ

(نوٹ: اگر متوفیؒ کے ورثاء میں یتیم بچے ہوں تو اس کا لحاظ رکھا جائے کہ ان کا مال استعمال نہ ہو) محمد انور عفااللہ عنہ، مُرتب خیرالفتاوٰی

(اولیاءِ کرام کے مزارات پر جانا)

حضرت مولانا خیر محمدؒ نے نماز حنفی میں لکھا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر جاکر شرعی طریقہ سے مستفید ہوتا رہے۔ اس جملہ پر بریلوی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ تم ایک طرف تو یہ کہتے ہو کہ "ما اھل بہ لغیر اللہ الخ" یعنی قبروں پر چڑھاوے حرام ہیں، تو مولانا خیر محمد صاحبؒ کے اس جملہ کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: (اولیاء اللہ کی قبریں اللہ کی رحمتوں کا مورد ہوتی ہیں۔ نیز اولیاء کو قبور میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زائر کو پہچانتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سائل کی اہلیت کے مطابق کچھ رُوحانی نفع بھی پہنچاتے ہیں، مگر یہ بات ہر ایک اہلِ قبر میں نہیں اور ہر ایک زائر کے لئے نہیں) نماز حنفی میں جو لکھا ہے اس سے مراد بھی خاص صُورتیں ہیں۔

وأما الأولیاء فانهم متفاوتون فی القرب من اللہ ونفع الزائرین بحسب معارفهم واسرارهم اھ،

(شامیہ ص ۹۴۲ ج ۱)

اور مزار مطلق قبر کو کہتے ہیں اس سے قبہ وغیرہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح	محمد انور عفااللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفااللہ عنہٗ	۱ / ۴ / ۱۴۰۲ ھ

حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت علیہ السلام کا جنازہ پڑھنے کا ثبوت

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں ــــ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، چنانچہ ان کے ایک عالم مولوی محمد اسماعیل نے کہا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حضورؐ کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہو جائے تو میں سُنی ہو جاؤں گا۔ اگرچہ اصولاً اُن کا یہ اعتراض متعدد وجوہ سے غلط ہے۔ مگر تاہم کسی روایت سے حضرت صدیقؓ کا صراحۃً نمازِ جنازہ پڑھنا ثابت ہو تو مطلع فرمادیں تاکہ انکی گندی زبان کو بند کیا جائے۔

الجواب: طبقات ابن سعد میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ایک جماعت مہاجرین وانصار کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دینے اور چارپائی پر رکھنے کے بعد اس مکان میں داخل ہوئے جس میں آپؐ کو رکھا گیا تھا۔ اور سامنے کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھا۔

لما کفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ووضع علی سریرہ دخل ابوبکرؓ وعمرؓ فقالا السلام علیک ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ومعهما نفر من المهاجرین والانصار قدر مایسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکرؓ وعمرؓ الی ان قال ثم یخرجون ویدخل آخرون حتی صلوا علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان ــــ (البدایہ والنہایہ ص ۲۶۵ ج: ۵)

اور یہ درود و سلام پڑھنا ہی آپ کی نمازِ جنازہ ہے۔ کیونکہ حضور ؐ پر عام طریقے کے موافق نماز نہیں ہوئی۔ حضرت علی رضؓ سے روایت ہے۔

لما وضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سریرہ قال لا یؤم علیہ احد لانہ ھو امامکم حیا ومیتا فکان یدخل الناس ارسالاً فیصلون علیہ صفاً صفاً لیس لھم امام ویکبرون وعلی رضؓ قائم بحیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(البدایہ والنہایہ ص ۲۶۴ ج ۵ ۔ ۶) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۲۰ / ۶ / ۱۳۸۷ ھ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا جنازہ کس نے پڑھایا

حضرت علی رضؓ کا جنازہ کس نے پڑھایا اس کا نام بتائیں۔ آپ کا مقبرہ کہاں ہے ؟

الجواب حضرت حسن رضؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کوفہ کے دار الامارت میں مدفون ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء)

محمد انور
۵ / ۱۱ / ۱۴۰۹ ھ

قاتل کو پھانسی دے دی جائے تو اس کے اولیاء کے ذمہ مزید کچھ باقی نہیں

قاتل کو پھانسی مل جائے تو اولیائے مقتول کے ذمہ مزید کچھ واجب ہے یا نہیں ایک آدمی نے اپنے دو ملازموں کے ساتھ مل کر کسی شخص کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ، حکومتِ وقت نے اولیاء مقتول کے مطالبہ پر تینوں شخصوں کو پھانسی دے دی اب آیا ان کے جرم کی تلافی ہو گئی یا نہیں اگر نہیں تو ان کے ورثاء کے ذمہ کچھ باقی ہے ؟

مولانا عابد صاحب مدرس جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

الجواب شرعاً اس قتل کی جو دنیوی سزا تھی مکمل ہو چکی واما قولھما ان ادام الخنق حتی مات فعلیہ القصاص کما لو قتلہ بحجرٍ عظیم او خشبۃٍ عظیمۃ (بحر الرائق) لہٰذا اولیاء مقتول و مصلوب کے ذمہ کچھ باقی نہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

جس تابوت میں لاش لائی گئی ہو اس کے استعمال کا حکم

غیر ممالک سے ایک تابوت لایا گیا ، تابوت کی لکڑی کے اخراجات ورثاء نے خود برداشت کئے۔ کیا وہ تابوت والی لکڑی خود استعمال کر سکتا ہے یا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہو سکتی ہے ؟

الجواب جس شخص کے مال سے وہ تابوت تیار کیا گیا ہے اس کی اجازت سے جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۴ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

بندہ محمد عبد اللہ

قبرستان کے درختوں کا حُکم

قبرستان کے درخت بہت پرانے ہونے پر ان کی قیمت کو قبرستان پر ہی خرچ کرنے کی نیت سے اُکھاڑ کر انہیں نیلام کیا جا سکتا ہے ؟

۲۔ قبرستان کی گھاس کو صفائی کی نیت سے اُکھاڑا جا سکتا ہے ؟

الجواب ۱۔ قبرستان میں ضرورت ہو تو نیلام کر کے قیمت قبرستان پر خرچ کر سکتے ہیں ۔

سئل نجم الدین من مقبرۃ فیہا اشجار ھل یجوز صرفہا الی عمارۃ المسجد قال نعم ان لم تکن وقفا علی وجہٍ آخر قیل لہ ان تداعت حیطان المقبرۃ الی الخراب یصرف الیہا او الی المسجد قال الی ما ھی وقف علیہ ان عرف وان لم یکن للمسجد متول ولا للمقبرۃ فلیس للعامۃ التصرف فیہا بدون اذن القاضی (عالمگیری ص ۳۵۲ ج ۲)

۲۔ اکھاڑ سکتے ہیں مگر بکنے کے قابل ہو تو بیچ کر پیسے قبرستان پر لگا دیں ۔

فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

عورت کو قبر میں اس کے محرم اُتاریں

کیا شوہر بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے ؟

الجواب جنازے کو کندھا دے سکتا ہے اور اگر عورت کے محرم موجود نہ ہوں تو قبر میں بھی اُتار سکتا ہے لیکن جسم کو کپڑے کے بغیر ہاتھ نہ لگائے ۔

وذو الرحم المحرم اولی بادخال المرأۃ من غیرھم

کذا فی الجوہرۃ النیرۃ وکذا ذو الرحم غیر المحرم اولی من الاجنبی فان لم یکن فلا باس للاجانب وضعہا کذا فی البحر الرائق (عالمگیری ص ۸۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

خانقاہوں پر ڈالی ہوئی چادریں وغیرہ اُٹھانا

جو خانقاہوں پر لوگ عوام جُہلاء کپڑا ڈالتے ہیں اور مزاروں پر پیسہ ٹکہ ڈالتے ہیں کیا وہ شرعاً اُٹھا لینا جائز ہے یا ناجائز ؟

چُرانے کی حد لگائی جائے گی یا کر وقف ہے ؟

الجواب خانقاہوں پر جہلاء لوگ جو کپڑا ڈالتے ہیں ، اور پیسہ ٹکہ اُس کے چُرانے والے پر حد نہیں ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ حد اُس شخص پر لگائی جاتی ہے جو مکان محرز د محفوظ سے چوری کرے ، اور یہ مکان غیر محرز سے اُٹھایا گیا ہے ۔ اس لئے اس کے سارق پر حد لازم نہیں آتی ۔ البتہ ان اشیاء کا اُٹھانا جائز نہیں کیونکہ ما اُہِلَّ میں داخل ہونے کا شُبہ قوی ہے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح
خیر محمد مدرسہ خیر المدارس ۔ ملتان
۶ شوال ۱۳۷۰ھ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مورخہ ۵ شوال ۷۰ھ

ایصالِ ثواب تملیک کر کے کرنا

چند احباب قبرستان میں جمع ہو کر کچھ سورتیں وغیرہ پڑھتے ہیں ۔ پھر اس کا ثواب ایک آدمی کی مِلک کر دیتے ہیں وہ میت کو بخش دیتا ہے ، یہ بہتر ہے یا ہر کوئی اپنا پڑھا

ہوا بخشے ——— ؟

الجواب (تملیک کا طریقہ بھی درست ہے لیکن) بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب خود بخشے، فقہاء نے خود بخشنا لکھا ہے۔

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۶ / ۱۴۰۳ ھ

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری نہیں

ایصالِ ثواب کے لئے قبرستان جانا ضروری ہے یا گھر سے یا مسجد سے اور جنازہ گاہ سے بھی پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے۔ ایصالِ ثواب کن کن چیزوں کا کیا جا سکتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب کوئی ضروری نہیں جہاں سے چاہیں کر سکتے ہیں۔ عبادت اور صدقہ کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ صدقہ رسم و رواج کے تحت نہ ہو۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں ایک جامع اور مفصل فتویٰ "خیر الفتاویٰ" جلد اوّل میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰ / ۷ / ۱۴۵۸ ھ

(مختلف اموات کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔)

(۱) قبرستان میں جاکر السلام علیکم یا اھل القبور کہنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لئے الحمد شریف اور سورۃ اخلاص تین دفعہ پڑھ کر تمام مسلمان فوت شدگان کو بخشا جا سکتا ہے۔ (۲) اس کا ثواب ہر مسلمان فوت شدہ کو پورا پورا ملے گا یا ہر ایک کو اس کا ہزارواں

حصہ (مطابق تعداد قبر کے) تقسیم ہو کر ملے گا۔

الجواب اس طرح ایصالِ ثواب درست ہے بشرطیکہ کسی اور بدعت کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ (۲)۔ (تحقیق یہی ہے کہ متعدد اموات کو بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچتا ہے۔) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۰/۷/۱۴۰۸

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ کس نے پڑھایا؟

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کب ہوئی اور جنازہ کس نے پڑھایا۔؟

الجواب ۵۸ھ میں رمضان کی تیرھویں تاریخ کو آپؓ کا وصال ہوا۔ اور جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

(جنازہ کو سلامی دینا)

بعض بڑے لوگوں کے جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر میت کو سلامی دیتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب (نمازِ جنازہ کے بعد میت کو سلامی دینا قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل حضرات اس دور میں گزر رہے ہیں پس اسطرح سلامی دینا ایک غیر شرعی فعل ہے جو فرنگیوں کی تقلید میں کیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ من تشبہ بقوم فھو منھم)

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱/۶/۹۲ فقط، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

میت کا مرثیہ کہنے کا حکم

بعض بڑے لوگ فوت ہو جاتے ہیں تو لوگ اُن کی وفات پر مرثیہ وغیرہ کہتے ہیں۔ کیا یہ دُرست ہے۔؟

الجواب: دُرست ہے۔ بشرطیکہ اس میں میت کے اوصاف میں مبالغہ آرائی نہ ہو، جھوٹ نہ ہو بلکہ ایسے اوصاف ذکر کئے جائیں جو دوسروں کے لئے قابلِ تقلید ہوں۔ وکذا لا باس بمرثیة المیت شعراً اوغیرہ کما فی الجلابی اھ (جامع الرموز ص ۱۹۳) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونے کا حکم:

جنازہ دیکھ کر راستہ والوں کو کھڑے ہونا چاہیئے۔ انا للہ پڑھیں یا ساتھ چلے چلیں، یہ دُرست ہے یا ازروئے حدیث کھڑے ہو جانا چاہیئے۔؟

اکرام الحق۔ راولپنڈی

الجواب: اگر ساتھ چلنے کا ارادہ نہ ہو تو جنازہ دیکھ کر اُٹھا نہ جائے اور ایسے ہی چلتے ہوئے رُکا نہ جائے اِلّا یہ کہ رُکنے میں جنازہ گزرنے کی سہولت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بہرحال قیام عن القعود یا توقف عن المشی جنازہ کے احکام سے نہیں۔

ولا یقوم من فی المصلی لہا اذا رآھا قبل وضعہا ولا من مرت علیہ ھو المختار اھ (درمختار علی الشامیة ص ۵۹۸ ج ۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

قبرستان کی خالی جگہ وضو وغیرہ کیلئے استعمال کر سکتے ہیں

کیا قبرستان کی جگہ مسجد میں شامل کی جا سکتی ہے جبکہ مسجد کی جگہ تھوڑی ہے، جو صرف ایک کمرہ اور باہر ایک صف پر مبنی ہے۔ کیا مسجد سے باہر کی جگہ جو قبرستان کی ہے وہ وضو اور استنجاء کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔؟

الجواب: جو جگہ قبرستان کے لئے وقف ہو چکی ہے اسے مسجد نہیں بنا سکتے۔ البتہ بوقتِ ضرورت خالی ہونے کی صورت میں اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی طہارت کے لئے بھی استعمال کر سکتے ہیں مگر رہے گی قبرستان ہی کی۔

فقط واللہ اعلم،

۱/۸/۱۴۰۸ احقر محمد انور عفا اللہ

اجنبی میت کا چہرہ دیکھنا:

غیر محرم مَرد یا عورت ایک دُوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں؟

الجواب: جسے زندگی میں دیکھنا جائز ہے، اُسے موت کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

۲۵/۲/۱۴۰۸ھ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تعزیت میں کیا کہا جائے:

آدمی کسی کی تعزیت کے لئے جائے تو ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنی چاہیئے یا نہیں اور کیا اسوہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں؟

الجواب: تعزیتِ مسنونہ میں آنحضرت علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا ثابت نہیں۔ ومن ادعی فعلیہ الاثبات۔ حضرات فقہاء کرام نے تعزیت کرنیوالے کے لئے لکھا ہے کہ ان الفاظ سے تعزیت کرے۔

ویقول عظم اللّٰہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک اھ

شامی ص ۹۲۳ ج ۱ ۔ عربی الفاظ نہ آئیں تو ان کا مفہوم ادا کردے ۔

الجواب صحیح	۱۲	فقط واللّٰہ اعلم ،
بندہ محمد عبد اللّٰہ عفا اللّٰہ عنہ ،	۱۰/۴۰۲/۱ھ	محمد انور عفا اللّٰہ عنہ

سوگ میں چند منٹ کی خاموشی اور پرچم سرنگوں کرنے کا حکم

غیر مسلموں میں رواج ہے کہ کسی بڑی شخصیت کے مرنے پر بطورِ سوگ اجتماعی طور پر چند منٹ کی خاموشی اختیار کرتے ہیں ، نیز اگر وہ شخصیت ملک کے سربراہ کی ہو تو بطورِ سوگ کچھ دن پرچم سرنگوں رکھتے ہیں ، پرچم سرنگوں کرنے کا رواج تو ہمارے ملک میں پہلے سے ہی ہے ۔ اب بطورِ اظہارِ افسوس چند منٹ کی خاموشی کا رواج بھی شروع ہو گیا ہے چُنانچہ کچھ دن ہوئے ایک اسمبلی میں یہ واقعہ پیش بھی آیا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب شریعت میں موت اور مابعد الموت کے تمام احکام تفصیل سے مذکور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو تو اسے مالی اور بدنی عبادات سے ثواب پہنچایا جائے اور مرحوم کے ورثاء سے ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں دلاسہ دیا جائے اور ان کا غم ہلکا کرنے کی تدبیر کی جائیں ۔ اسلام میں "خاموشی" کوئی عبادت نہیں بلکہ خالص غیر مسلموں کی رسم ہے ۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے اگر ان کے ساتھ تشبّہ کے قصد سے مسلمان بھی ایسا کریں گے تو سخت گناہ ہو گا ۔

ایسے ہی پرچم سرنگوں کرنا بھی غیر مسلموں کی رسم ہے اس سے بچا جائے ۔

فقط واللّٰہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللّٰہ عنہ

ترکہ تقسیم کرنے سے قبل صدقہ کرنا ہو تو اسکی ایک صورت

ایک نابالغ لڑکا جس کا والد فوت ہو چکا ہے اسکی والدہ اور دو بالغ بھائی اور ایک بہن موجود ہیں ۔ والد وراثت تقسیم کر کے نہیں گیا ۔ اسکے مال وغیرہ سے معاملات دنیوی وغیرہ کرتے ہیں ۔ خیرات بھی کرتے ہیں اسکی والدہ اگر کچھ خیرات کر دے تو طلباء کے لئے کھانا درست ہے یا نہیں ۔ یا بغیر مدرسہ کے کسی کو مشترکہ مال میں سے خیرات کر دے ۔

الجواب قبل از تقسیم مشترکہ ترکہ سے صدقہ کرنا درست نہیں ۔ اگر صدقہ کرنا ہی ہو تو مثلاً ترکہ میں سے ایک ہزار روپیہ حسبِ شرع تقسیم کریں اس میں سے بالغ اپنے حصّہ کو صدقہ کر دیں ۔ نابالغ کا حصّہ محفوظ رکھا جاوے ۔

الجواب صحیح	۲	فقط واللّٰہ اعلم ،
بندہ عبد الستار عفا اللّٰہ عنہ ،	۳	محمد انور عفا اللّٰہ عنہ ،
مفتی مدرسہ ہٰذا	۹۹ھ	نائب مفتی خیر المدارس

مزارات پر مروّجہ عرس مکروہ اور بدعت ہیں ،

ایک شخص مسجد امام اپنے والد کی وصیّت پر یا ویسے اپنی خواہش پر اپنے والد کی قبر اپنی مسجد کے احاطہ میں بنوا ڈالے اور اوپر کا فرش جہاں قبر کی شکل بنائی گئی ہے مسجد کے تھلہ سے ۱½ فٹ اُونچا رکھا ہے اور اس پر ایک کمرہ تیار کیا گیا ہے اور قبر پر ریشمی کپڑوں ، بجلی کے قمقموں سے سجاوٹ کی گئی ہے ۔ عوام کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے ۔ ہر سال عرس ہوتا ہے اور روضہ سے چند قدم کے فاصلہ پر گائے بھیڑیں دُنبے ذبح کر کے پکائے جاتے ہیں اور عوام کو کھلائے جاتے ہیں ۔ علاقہ کے چند صُوفی اور مولوی آکر وعظ کرتے ہیں ایک رات شبینہ بھی ہوتا ہے انہی دِنوں میں لکڑی کا بنا ہوا گنبد نما روضہ رکھ

دیا جاتا ہے۔ اس کو بجلی کے قمقموں سے سجایا جاتا ہے عورتیں بھی اکثر روضہ پر سو جاتی ہیں۔

الجواب: اگر یہ جگہ وقف ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اس جگہ قبر بنانا فرش لگوانا اور کمرہ تیار کرنا یہ سب تصرفات ناجائز و حرام ہیں اور یہ غاصبانہ فعل ہے (قبر کو ریشمی پردوں سے مزین کرنا اور عرس کرانا یہ افعال بھی مکروہ و بدعت ہیں) ففی الشامیۃ تکرہ الستور علی القبور اھ (ص ۸۳۹ / ج ۱)

در حاشیہ ہدایۃ مذکور است۔ یکرہ نقل الطعام فی المقبرۃ فی الاعیاد و اسراج السرج وغیرہ و اتخاذ الدعوۃ بقرائۃ القرآن و بختم القرآن و قرائۃ سورۃ الانعام و سورۃ الاخلاص الف مرۃ وجمع الصبیان والصلحاء لذلک اھ وفی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث و تقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع ..... والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ اھ۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز ترجمہ ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں۔ قبور اولیاء اللہ را بلند کردن و گنبد بر آں ساختن و عرس و امثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ اھ۔

(کذا فی المسائل الاثنا عشریہ ص ۴۰،۴۶)

عبارات سے جملہ امور مذکورہ فی السوال کا ناجائز و بدعت ہونا ظاہر ہوا (اور ایسے امور پر اصرار کرنیوالا فاسق و مبتدع ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔)

(کذا فی الشامیۃ والدر ص ۵۲۳ / ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، خیر المدارس ملتان۔ ۹/۲/ ۱۳۹۹ھ

قبرستان کو کوئی بھی نہیں بیچ سکتا

وقف شدہ قبرستان کو کوئی شخص شرع محمدی کی رو سے فروخت کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: موقوفہ قبرستان عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہوتا ہے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ اسکی خرید و فروخت شرعاً بالکل ناجائز ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ و اذا تم الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ۔

فقط واللہ اعلم،

سید مسعود علی قادری مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان

المجیب مصیب ، خطیب ابدالی مسجد غلام علی عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب ، محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب حق والحق احق ان یتبع ، خیر محمد عفا اللہ عنہ، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۹/۱/ ۱۳۷۷ھ

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے کا حکم

جنازے کو جب دفن کرنے کے لئے قبرستان میں لیجاویں تو قبروں کے آداب و احترام کی بناء پر پاؤں میں سے جوتے اتار لئے جاویں یا نہ؟

الجواب: (اولیٰ یہی ہے کہ قبرستان میں جوتا اتار کر چلے)

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس

(جوتا پہن کر چلنے والے سے بھی جھگڑا نہ کیا جائے کیونکہ جواز کے درجہ میں آتا ہے۔)

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ، مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

دفن کے بعد چالیس ۴۰ دن تک قبر پر حاضری دینا

دفن کے بعد قبر پر ۴۰ دن تک صبح و شام حاضری دینا۔ مثلاً سورج نکلتے وقت، غروب ہوتے وقت حاضری دی جاتی ہے۔ اور کچھ ذکر بھی کیا جاتا ہے یا پڑھا جاتا ہے۔ یہ عمل چالیس دن تک جاری رہتا ہے۔ چہلم کی رسم کے ساتھ ساتھ یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب: ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے کوئی وقت اور دن متعین کر لینا زیادۃ فی الدین ہے اور بدعت ہے۔

فقط واللہ اعلم، الجواب صحیح،

احقر محمد انور ۱/۱۲/۱۴۰۸ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟

جنات پر جب موت آتی ہے تو ان کے وجود کو کہاں دفن کیا جاتا ہے۔؟

الجواب: خاتم المحدثین حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے ملفوظات میں منقول ہے کہ جنات فضا میں دفن ہوتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

کافر مسلمان کی وصیت کا گواہ نہیں بن سکتا

ایک مسلمان نے مرتے وقت اپنی کل جائیداد ایک عیسائی کے نام کر دی اور اس پر عیسائیوں ہی کو گواہ بنا لیا۔ کیا یہ وصیت نامہ شرعاً معتبر ہے؟

الجواب: بر تقدیرِ صحتِ واقعہ یہ وصیت نامہ عند الشرع غیر معتبر ہے۔ لہٰذا غیر مسلم بوجہ وصیت اس جائیداد سے کچھ نہیں لے سکتا۔

وفی الهندیة لا تقبل شهادة الکافر علی المسلم

کذا فی محیط السرخسی ص ۲۳۱/ج ۳ - فقط واللہ اعلم الجواب صحیح

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جنازہ کا اعلان مسجد میں:

مسجد میں یہ اعلان کرنا کہ فلاں صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ اور فلاں وقت نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ آیا یہ اعلان جائز ہے؟

الجواب: جنازہ کے وقت کا اعلان مسجد میں کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ اعلم،

۳۰/۶/۱۴۰۶ھ محمد انور عفا اللہ عنہ

قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدنا

جانوروں کی کھال کے پیسوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چرمہائے قربانی کے پیسے واجب التصدق ہیں۔ اس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، قبرستان کے لئے جگہ خریدنا جائز نہیں ہے۔

الجواب صحیح — بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ
۷ / ۱۲ / ۱۳۸۹ ھ

بعد از نمازِ جنازہ اجتماعی کلمہ و کلام

بعد از نمازِ جنازہ فوراً بیٹھ کر کلمہ کلام پڑھنا دُرست ہے یا نہ ؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ نمازِ جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی طور پر تمام کا بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنا ثابت نہیں ۔ البتہ اگر کوئی علیحدہ طور پر میّت کے لئے دعا، و تلاوت کرے تو درست ہے ۔

فقط واللہ اعلم ،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ
۱۷ / ۱۲ / ۱۳۸۹ ھ

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

کیا نئی میّت کو لینے کے لئے پُرانی آتی ہیں

موت کے وقت یہ جو مشہور ہے کہ میّت کو لینے کے لئے سابقہ رُوحیں حاضر ہوتی ہیں جو کہ میّت کے رشتہ دار پہلے سے فوت ہو چکے ہوتے ہیں ۔ یہ صحیح ہے ؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے ۔

فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۷ / ۴ / ۹۰

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

آنکھیں دینے کی وصیت کر جانے کا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری وفات کے بعد میری آنکھیں فلاں کو دیدی جائیں کیا یہ وصیت شرعاً دُرست ہے ۔ ؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ لاشِ انسانی کی شرعاً وہ حیثیت نہیں ہے جیسے جڑی بوٹی یا ناکارہ مشین کی کہ اس میں سے کار آمد چیزیں نکال کر کام میں لائی جاسکیں ۔ مُردہ انسان کی لاش کی بے حُرمتی اور چیر پھاڑ ایسے ہی ممنوع ہے جیسے زندہ انسان کی الا عند الاضطرار ۔ پس شرعاً آنکھوں کے اُتارنے کی اجازت نہیں گو مُردہ اسکی وصیت ہی کر کے مَرا ہو ۔

فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۲۹ / ۱۰ / ۸۵

الجواب صحیح
خیر محمد غفرلہٗ

کافر کی صِرف تعزیت جائز ہے جنازہ پڑھنا یا قبرستان جانا جائز نہیں

ہمارے ہاں ایک مرزائی فوت ہوگیا ہے لوگ اس کے جنازہ میں بھی شریک ہوئے اس کے گھر تعزیت کے لئے بھی گئے اور قبرستان بھی ساتھ گئے ۔ ان کا یہ عمل کیسا ہے ؟

الجواب باسمہٖ تعالیٰ کافر کی صِرف تعزیت جائز ہے اس کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعا، مغفرت کرنا ناجائز ہے ۔ ایسے ہی اسکی قبر پر جانا بھی جائز نہیں جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ مجمع عام کے سامنے سخت شرمندگی کے ساتھ اللہ سے توبہ کریں ۔ وفی التنویر و جار یہودی او مجوسی مات ابن لہ او قریب ینبغی ان یعزیہ ویقول اخلف اللہ علیک خیرا منہ و اصلحک وکان معناہ اصلحک اللہ بالاسلام یعنی رزقک الاسلام ورزقک ولدا مسلما کفایۃ (شامی ص ۳۸۸ ج ۵)(عالمگیری ص ۳۴۴ ج ۵)

(۲)۔ بیان القرآن میں ہے کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں ص ۱۳۱ / ج ۴)

رُوح البیان میں ہے۔

ولا تقم علی قبرہ اھ ای ولا تقف عند قبرہ للدفن او للزیارۃ والدعاء اھ ص ۴۷۸ ج ۳

فقط واللہ اعلم،

۱۰/ ۱۱ / ۱۴۰۹ھ — احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

کنواری عورت کے لئے بہشت میں.....

جو عورت نیک سیرت اور اچھے اعمال کے ساتھ (غیر شادی شدہ) اس دارِ فانی سے کُوچ کر جائے تو جنت کے اندر اس کا اعزاز کیا ہوگا۔ جیسا کہ مَردوں کے لئے حُوریں ہوں گی۔

الجواب غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری البتہ ولکم فیہا ماتشتہیہ الانفس وتلذ الاعین الآیۃ کے عموم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو یہ خواہش ہوئی تو پُوری کی جائے گی۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح — ۹/۶/۱۴۰۸ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

(اہلِ میّت دفن سے پہلے کھانا کھا سکتے ہیں)

عام لوگوں سے سُنا ہے کہ اگر کسی گھر میں کوئی شخص فوت ہو جائے تو جب تک اُسے دفن نہ کر لیا جائے اس وقت تک کھانا پینا جائز نہیں کیا یہ دُرست ہے؟

الجواب یہ مسئلہ مَن گھڑت ہے۔ شرعاً کھانا دُرست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط

عبداللہ عفرلہٗ — مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

۱۱/۵/۸۱ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ — نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

جو میّت کی چارپائی اُٹھائے کیا وہی واپس لائے

(یہ رواج ہے کہ وہ تختہ جس پر مُردہ کو نہلایا جاتا ہے اور وہ چارپائی جس پر مُردہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے یہ دونوں چیزیں جس شخص نے اُٹھائی تھیں وہی آکر رکھے اگر کسی دوسرے شخص نے آکر رکھی تو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ کوئی دوسرا آدمی اس گھر میں مرجائے گا) کیا یہ اعتقاد رکھنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب یہ خیالات اور اوہام جاہلانہ خرافات ہیں ان کی شریعت مقدسہ میں کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

عبداللہ غفرلہٗ — مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

۲۹/۷/۱۳۷۷ھ

قبروں پر چھت ڈال کر اوپر رہائشی مکان بنانا

اگر مکان کے متصل کچھ قبریں ہوں۔ تو ان کے اُوپر چھت ڈال کر رہائش کے لئے کمرہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ موجود قبریں پُوری طرح محفوظ ہوں گی۔

الجواب وقف قبرستان میں ایسا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۱۱ / ۱۴۰۸

قبر سے مُراد عالمِ برزخ ہے یہ گڑھا مُراد نہیں

قبر کی زندگی سے کیا مُراد ہے۔ قبر میں عذاب یا راحت کی کیا نوعیت ہے قبر سے کیا زمین کا چھ فٹ کا گڑھا مراد ہے جس میں مُردہ دفن کیا جاتا ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور جہان مراد ہے۔ ؟

الجواب قبر سے مُراد یہی ظاہری قبر ہے اسی میں جزا و سزا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام سواری پر تشریف فرما تھے کہ اچانک سواری بدکی آپؐ گرنے بھی لگے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے۔ اوکما قال (مشکوٰۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اسی قبر سے گزر رہی تھی۔ عالمِ برزخ یا سجین سے اس کا گزر نہیں ہوا۔

بعض حضرات نے جو "قبر" سے مراد عالمِ برزخ لیا ہے۔ اور گڑھے کے قبر ہونے کی نفی کی ہے۔ اس سے مقصود تعمیم ہے۔ اور "قبر" کو "گڑھے" میں منحصر سمجھنے کی نفی ہے

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

صاحبِ قبر کے وسیلہ سے دُعا کرنا

صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے دُعا کرنا کیسا ہے۔ اسے شرک کہا گیا ہے یا نہیں۔ صاحب قبر کو مختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا کیا شرک نہیں جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ صاحبِ قبر مختار ہے۔ اسلئے اِس سے کچھ مانگنا دُرست ہے تو اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنا دُرست ہے یا نہیں۔ ؟

الجواب صاحبِ قبر کے وسیلہ سے اللہ پاک سے مانگنا جائز ہے۔ اور ایسے

ہی صاحبِ قبر کے اللہ پاک کے دربار میں دُعا کی درخواست کرنے کی بھی شرعاً گنجائش ہے۔ اسے شرک قرار دینا غلط ہے۔ صاحبِ قبر کو مُختار سمجھتے ہوئے اس سے کوئی چیز مانگنا، اسکی شرعاً بالکل اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

۱۹ / ۱۰ / ۱۴۰۹ ھ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

اگر کوئی شخص قبرستان کے درخت استعمال کرلے تو اُن کی قیمت قبرستان کی ضروریات پر لگادے

قبرستان کی لکڑیاں کاٹ کر بھٹی پکائی اور اینٹیں مسجد پر لگائیں کیا ان اینٹوں کا جو قبرستان کی لکڑیوں سے پکائی ہوئی ہیں مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہ ؟

الجواب ان اینٹوں کا مسجد پر لگانا جائز ہے البتہ قبرستان کے درختوں کا لگانے والا شخص (جس نے بھٹی پکائی) خود نہیں ہے اور نہ ان کا لگانے والا شخص معلوم ہے تو اہلِ مقبرہ اس شخص سے ان لکڑیوں کی قیمت وصول کر لیں اور اس قیمت کو مقبرہ کی تعمیر وغیرہ ضروریات میں استعمال کریں لما فی قاضیخان ص ۲۲ نام ۲۲ مقبرۃ فیہا اشجار عظیمۃ وکانت الاشجار فیہا قبل اتخاذ الارض یعرف مالکہ فالاشجار باصلہا للمالک الخ ——— درخت لگانے والا معلوم ہو تو وہ مالک ہوگا اسکی اجازت کافی سمجھی جائے گی۔

الجواب صحیح،
بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہٗ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۳۰/۶/۱۳۷۷ ھ
۱/۷/۱۳۷۷ ھ

قبروں پر ڈالی گئی چادروں کا حکم

جو کپڑا جات قبروں پر ڈالتے ہیں ان کو عقیدۃً نہیں اُٹھاتے کیا ایسے کپڑوں کو کوئی شخص اُٹھا کر اپنے کام میں یا کسی غریب کے کام میں لگا سکتا ہے۔ اور ڈالنے والے کے مِلک سے وہ کپڑے نِکل جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نِکل جاتے ہیں تو وہ مُردہ مالک ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو پھر اُٹھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب قبر پر کپڑا ڈالنا جائز نہیں۔ فی الاحکام عن الحجۃ تکرہ الستور علی القبور شامی صفحہ ۸۳۶ ج ۱۔

میت ان کپڑوں کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ میت مِلک کا اھل نہیں۔ اِسی وجہ سے تکفین موتیٰ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ لعدم صحۃ التملیک منہ الا تریٰ لو افترسہ سبعٌ کان الکفن للمتبرع لا للورثۃ نہر (شامی) صاحب بحر نے ایسی اشیاء کے بارے میں علامہ قاسم سے نقل کیا ہے ان المنذور لہ میت والمیت لا یملک کما فی قبیل الاعتکاف اور ظاہر یہی ہے کہ وہ کپڑا مالک کی مِلک سے نہیں نکلتا کما قالوا فی السوائب وفی مسئلۃ ارسال الطیر فی الحج عند الاحرام۔ پس اس کپڑے کا استعمال بدوں اجازت مالک کے دُرست نہیں ہوگا۔ —— فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں اِس قسم کی اشیاء کا یہی حکم لکھا ہے جبکہ اس میں ابطال ہے غرض ناذر کا۔

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد عبداللہ غفرلہٗ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان
	۶/۸ ۱۳۸۳ھ

اھلِ میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے

اگر میت کے اھل وعیال اپنے مُردہ پر روئیں تو اُن کے رونے سے میت کو

عذاب وتکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ عذاب ہوتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ عذاب نہیں ہوتا۔ آپ شریعت کی رُو سے فتویٰ دیں۔

الجواب یقیناً اھل وعیال کے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جبکہ میت نے رونے کی وصیت کی ہو۔ شامی میں ہے۔ انما یعذب المیت ببکاء اھلہ اذا اوصیٰ بذلک صفحہ ۶۰۰ ج ۱۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۸ / ۳ / ۱۴۰۷ھ

کیا جمعرات کو اَرواح گھر آتی ہیں

بعد از موت انسان کی روح ہفتہ یا دو ہفتہ بعد جمعرات کو اپنے فانی گھر میں واپس آتی ہے اور آیا اُس رُوح کے لئے ختم دِلوانا جائز ہے۔ نیز موت کے تیسرے دن قُل کروانا جائز ہے شرعاً ختم دِلوانا جائز ہے؟

الجواب اَرواح کا گھر میں واپس آنا صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے یہ اعتقاد نہ رکھا جائے ایصالِ ثواب بِلاقید تاریخ وغیرہ کے جائز ہے بلکہ مستحب ہے مگر اُس کے لئے ختم کا اہتمام یا خُصوصی تاریخوں کا تعین بدعت اور گناہ ہے لہٰذا مروجہ تاریخوں کے علاوہ بِلا ختم دِلائے کھانا کپڑا نقدی جو چاہے خیرات کر کے ایصالِ ثواب کرنا چاہیئے تیسرے دِن قُل کرنا بدعت ہے۔

فقط

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
عبداللہ غفرلہٗ	نائب مفتی خیر المدارس
مفتی خیر المدارس ملتان	۱۲ ۱۲/۸۰ ھ

(ایصالِ ثواب کیلئے اُجرت پر قُرآن پڑھوانا)

مَیں نے اپنی والدہ کے لئے پانچ قُرآن حافظ صاحب سے ختم کروائے اور دس روپیہ ھدیہ دیا اس نے کہا کہ میں پانچ روپے فی قُرآن ھدیہ لیتا ہوں اس سے کم نہیں لیتا کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟

الجواب (تلاوت کلام پر اُجرت لینا جائز نہیں اس طرح پڑھانے سے کچھ ثواب نہیں ملتا نہ پڑھنے والوں کو اور نہ جسے بخشا گیا۔ لینے دینے والے دونوں گناہ گار ہیں۔ کتاب الاجارۃ میں علامہ عینیؒ نے ایسے ہی نقل کیا ہے۔ خود جتنا ہو سکے پڑھ کر یا خیرات کر کے ثواب بخش دیا کریں۔ ایسے حافظوں سے پڑھوانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے)۔

الجواب صحیح	بندہ عبد الستّار عفا اللہ عنہ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ	۱۴ / ۹ / ۸۰

مَیت کی مجلس بدعات میں تاویل کیساتھ شرکت کرنا

ہمارے دیو بندی مکتبِ فکر کی جامع مسجد کے امام اور متولیان وغیرہ مَیت کی رسوم تیجہ وغیرہ میں شرکت کرتے ہیں اگر انہیں منع کیا جائے تو وہ جواب میں آیت

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ۔

پڑھتے ہیں۔ کیا دُرست ہے ؟

الجواب ثواب پہنچانے کا مروّج طریق جس میں ایام و اعمال کی تعیین ہوتی ہے نیز اس کا التزام کیا جاتا ہو بدعت ہے کما ھو لا یخفی۔ امام صاحب کا باوجود مسئلہ معلوم ہونے کے بدعات کی مجلس میں شریک ہونا کسی طرح صحیح نہیں مقتدا حضرات کی شرکت لوگوں کے عقائد کے فساد کا سبب بنتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لئے تو حکم یہ ہے کہ اگر اتفاقاً بھی کسی ایسی مجلس میں پہنچ جائیں تو اُٹھ جائیں چہ جائیکہ باوجود علم کے شرکت کی جائے۔

ولو دعی الی دعوۃٍ فالواجب الاجابۃ ان لم یکن ھناک معصیۃٌ ولا بدعۃ والامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقیناً ان لا بدعۃ ولا معصیۃ اھ شامی ص۲۲۹ ج۵

آیتِ مذکورہ فی السوال کو اگر وہ اِس مقصد کے لئے پڑھتے ہیں کہ دعوۃ بالحکمۃ کے لئے بدعات میں شرکت جائز ہے تو وہ یقیناً غلط سمجھتے ہیں اور وہ دعوتِ ہدایت کی بجائے بدعت کی تائید و نصرت کر رہے ہیں ان کا اپنے اس عمل پر اصرار ان کی امامت کے لئے مُفضی الی الکراہتہ ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح	محمد انور
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ	۲۲ / ۴ / ۱۴۰۲

بے نماز کی مَیت کو جنازے کے وقت ڈھیلے مارنا

ایک شخص مر گیا ۴۰ یا ۵۰ سال کی عمر میں، اور اس نے بالکل نماز نہ پڑھی ہو اور نہ ہی کوئی گواہی دے۔ اس کا نماز جنازہ پڑھتے وقت ڈھیلے مارنے چاہئیں یا نہیں ___ ؟

(۲) ایک شخص نے نمازِ ظہر یا کوئی فرضی نماز نہ پڑھی ہو اور جنازہ دیکھ کر اس میں شریک ہو جاتا ہے اسکو معلوم تھا کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے اور جنازہ پڑھ کر دفن کرنے گئے اور فرضِ عین کو اَدا نہ کیا۔ کیا اس کو نکال دیا جائے یا شریک ہونے دے ؟

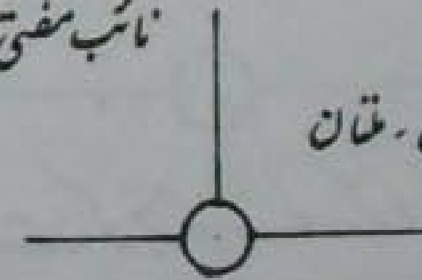
الجواب نماز پڑھتے وقت اسے ڈھیلے مارنا دُرست نہیں۔ آخر وہ کلمہ گو مُسلمان تو ہے گو فاسق و فاجر اور سخت گناہگار ہے۔ مَیت کی تذلیل دُرست نہیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً رواہ مالک و ابوداؤد (مشکوٰۃ ص۱۴۹ ج۱) قولہ ککسرہ حیاً یعنی فی الاثم کما فی الروایۃ قال الطیبی فیہ اشارۃ الی انہ لا یہان المیت کما لا یہان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتألم قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ بما یستلذ بہ الحی انتہی وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعودؓ اذی المؤمن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ ذکرہ فی المرقاۃ اھ حاشیہ ۲ مشکوٰۃ ص۱۴۹ ج۱

۲۔ جنازہ سے نکالا نہ جائے، لیکن ظاہر ہے کہ فرضِ عین فرض کفایہ سے زیادہ اہم ہے۔ اسکی بھی تاکید کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیرالمدارس، ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس، ملتان



دسں محرم کو قبروں کی لپائی کرنا

دیکھنے میں آیا ہے کہ عشرۂ محرم میں لوگ جوق در جوق قبرستان میں جاتے ہیں۔ اور قبروں کی صرف ماہِ محرم میں ہی لپائی وصفائی اور درستی کرتے ہیں اور بعد میں مسور کی دال قبر پر بکھیرتے ہیں۔ قرآن مجید قبرستان میں ساتھ لے جاتے ہیں اور قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ کیا قبرستان میں قرآن پاک لے جاکر پڑھنا صحیح ہے۔ نیز عشرۂ محرم میں مختلف قسم کی اشیاء، مثلاً چاول، کھیر، حلیم وغیرہ پکاکر قبر پر لے جاکر تقسیم کرتے ہیں کیا یہ افعال عشرۂ محرم میں جائز ہیں۔ آگے پیچھے ان پر توجہ دینا ضروری نہیں۔

۲۔ میت کے کفن پر سیاہی کے پانی سے کلمہ طیبہ وکلمہ شہادت تحریر کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

الجواب ۱۔ قبروں کی لپائی بے حرمتی سے بچانے کے لئے امر مستحسن ہے۔ لیکن عشرۂ محرم کی تخصیص درست نہیں، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے وغیرہ میں توسیع شرعاً مطلوب ہے۔ عام تقسیم میں اہل تشیع سے مشابہت ہے اس لئے احتراز کیا جائے قرآن کریم کی تلاوت قبرستان میں جائز ہے۔ ہندیہ میں ہے:

قراءۃ القرآن عند القبور عند محمدؒ لا تکرہ ومشائخنا اخذ بقولہ ص۱۶۶ ج۱

۲۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنا منع ہے میت کے چہرہ یا سینہ پر سیاہی کے بغیر کلمہ لکھا جاسکتا ہے۔ شامیہ ص۶۰۷ ج۱۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۴۰۶/۹/۱۳



نہ آنحضرت علیہ السلام کا ہر قبر میں آنا ثابت ہے اور نہ میت سے لیکر روضۂ اطہر تک پردے ہٹائے جانے کا کوئی ثبوت ہے :

ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو قبر میں فرشتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو جاتے ہیں ۔ آیا صحیح ہے ؟

الجواب باسمه تعالیٰ آنحضرت علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ جلوہ گر ہونا کہیں ثابت نہیں ۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس قبر سے آنحضرت علیہ السلام کے مزار تک پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں ۔ لیکن بعض محققین علماء نے کہا ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں ۔

ولا نعلم حديثاً صحيحاً مرويًا في ذالك حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۴ ج ۱

مشہور شارحِ حدیث حافظ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں :

ولا يلزم من الاشارة ما قيل من رفع الحجاب بين الميت وبينه صلى الله عليه وسلم حتى يراه ويسئل عنه لان مثل ذالک لا يثبت بالاحتمال اھ ۔

مرقاۃ ص ۱۹۹ ج ۱ ، فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور عفا اللہ عنہ ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

تدفین سے فارغ ہونے کے بعد کیا کیا جائے

جب میت کو دفن کر چکیں تو اہلِ میت کے ساتھ ان کے گھر واپس آئیں یا اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں ۔ حکمِ شرع مطلوب ہے ؟

الجواب باسمه تعالیٰ دفن کے بعد تعزیت کے لئے اہلِ میت کے ہاں جانا مکروہ ہے دفن میں شریک لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں ایسے ہی اہلِ میت بھی اجتماعی تعزیت کے لئے کوئی اہتمام نہ کریں ۔

قال كثير من متأخري ائمتنا رحمهم الله يكره الاجتماع عند صاحب الميت حتى يأتي اليه من يعزى بل اذا رجع الناس من الدفن فليتفرقوا و يشتغلوا بامورهم وصاحب الميت بامره ويكره الجلوس على باب الدار للمصيبة فان ذلك عمل اهل الجاهلية ونهى النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك و تكره في المسجد اھ (مراقی)

(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد ولا بأس بالجلوس لها الى ثلاثة ايام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والاطعمة من اهل الميت الى قوله عن التجنيس لا بأس بالجلوس لها ثلثة ايام وكونه على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من اقبح القبائح اھ (طحطاوی ص ۳۳۹)

فقط واللہ اعلم

محمد انور

میت کو قبرستان کیسے لے جایا جائے

اگر قبرستان آبادی کی مغربی جانب ہو تو ظاہر ہے کہ میت کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں گے ۔ اس میں کوئی گناہ تو نہیں ؟

الجواب باسمه تعالیٰ جنازہ لے جاتے وقت سر کی جانب آگے رکھی جائے ۔

پاؤں چاہے جدھر ہو جائیں۔

وفی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس کذا فی المضمرات اھ (عالمگیری ص۸۳ ج۱)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،

جوان عورتیں قبرستان میں نہ جائیں

عورتوں کو قبرستان جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر منع ہے تو کیوں؟

محمد شفیع حیدرآباد

الجواب بوڑھی عورتیں قبرستان عبرت کے لئے جا سکتی ہیں۔ جوان عورتوں کے لئے جانا منع ہے۔

والاصح ان الرخصة ثابتة لهن اھ (ص۶۳۱ شامیہ) وجزم فی شرح المنیة بالکراهة لما مر من اتباعهن الجنازة وقال الخیر الرملی ان کان ذلک لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ما جرت عادتهن فلا تجوز وعلیه حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرک بزیارة قبور الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز ویکره اذا کن شواب کحضور الجماعة فی المساجد وهو توفیق حسن"

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ لہ،

الجواب صحیح،
بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳ / ۲ / ۱۴۰۹ھ

"بیڑی بھاڑہ" کی شریعت میں کوئی اصل نہیں

عوام میں رواج ہے کہ جنازہ کے ساتھ کچھ اناج ساتھ لے جا کر مجاور خانقاہ کو یا کسی فقیر کو دے دیتے ہیں اور بعض جگہ یہ رواج ہے کہ مرنے کے بعد کچھ سیر دو سیر گندم وغیرہ مُردہ کے سر کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔ اپنی گندم یا کچھ بھی ملا کر جنازہ کیساتھ لیجا کر دے دیتے ہیں۔ اس کو بعرف ملتان وغیرہ بیڑی بھاڑہ کہتے ہیں یعنی کشتی پر سوار ہونے کی اُجرت۔ گویا یہ مُردہ آخرت کی کشتی پر سوار ہوا ہے اسکی اُجرت وارث قبل تقسیم وراثت دیدیتے ہیں اور بعض اوقات یہی بیڑی بھاڑہ وارث دیتا ہے۔ یہ اعتقاد اور رسم و رواج درست ہے، سُنت کے موافق ہے یا بدعت ہے۔؟

الجواب رسم مذکور المعروف بہ بیڑی بھاڑہ (کشتی کا کرایہ) بدعت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ جاہلانہ باتیں ہیں۔ البتہ ایک اصلی صورتِ شرعیہ جو فقہاء نے قضا نمازوں اور روزوں کے متعلق تحریر فرمائی، وہ یہ ہے کہ متوفی کی قضا نمازوں اور روزوں کا حساب لگایا جائے ہر نماز کے بدلے ایک فطرانہ کے بقدر پیسے یا غلہ کسی فقیر یا محتاج کو دیا جائے۔ یہ رقم اگر میت نے وصیت کی ہو تو تہائی مال سے نکالی جائے ورنہ بالغ وارث اپنے ذاتی مال سے دیں۔ اگر وارثوں کے پاس روپیہ زیادہ نہ ہو اور متوفی کے ذمہ نمازیں اور روزے بہت قضا ہوں تو تھوڑی سی رقم مثلاً پانچ نمازوں کا فدیہ فقیر کو دیا جائے۔ بعد میں فقیر اس رقم کو بطور ہبہ وارث کی طرف لوٹا دے پھر وارث دوبارہ اور پانچ نمازوں کے بدلے میں وہ رقم مسکین کو دیدے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے علیٰ ھٰذا القیاس لوٹا کر اسکی تمام نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ (کما فی الشامیة ص۱۵۱۴ ج۱)

ولو مات وعلیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی عن ثلث ماله ولو لم یترک

مالا یستقرمن وارثہ نصف صاع مثلا و بدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم ۔ فقط واللہ اعلم ،

عبداللہ عفرلہٗ مفتی خیرالمدارس ، ملتان ۲۹ / ۷ / ۱۳۷۷ ھ

اولیاءِ میت سے اجازت لئے بغیر دفن سے پہلے نہیں لوٹنا چاہیئے

امام مسجد محلہ والا میت کا جنازہ پڑھا کر میت کے دفنانے سے قبل واپس آجاتا ہے تو اس سے برادری کے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ میت کے دفنانے کے بعد واپس آئے ۔ ؟

الجواب اولیاءِ میت سے اجازت لئے بغیر نہیں لوٹنا چاہیئے عالمگیری ۔ ولا یرجع عن الجنازۃ قبل الدفن لغیر اذن اھلھا ص۱۱۰ ج۱

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۶/۶/۱۴۰۶ ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

قبرستان مٹ مٹا جائے تو بھی وہ قبرستان ہی رہیگا

ہمارے علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان تھا آبادی کی کثرت کی وجہ سے نیا قبرستان بنا لیا گیا اب وہ جگہ ویران پڑی ہے کوئی وہاں مردہ دفن نہیں کرتا۔ اسے کاشت کر سکتے ہیں ۔ ؟

الجواب وفی الھندیۃ ص۳۵۱ ج۲ سئل ھو ایضا عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا قال لا ولھا حکم المقبرۃ ۔ روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جو زمین قبرستان پر وقف ہو

گئی ہے اگرچہ لوگ اس میں اموات دفن نہ کرتے ہوں اور دفن شدہ قبریں مٹ گئی ہوں ۔ تب بھی وہ زمین قبرستان کے حکم سے نہیں نکلتی اس کو کاشت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۶ / ۷ / ۹۲ ھ

خانہ بدوش اپنی میت منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں

ہمارے ہاں رواج ہے ۔ جو حضرات ڈیروں پر بیٹھتے ہیں ۔ ان کے ہاں جب کوئی میت ہو جاتی ہے ۔ اس کو دفن کرنے کے لئے اپنے وطن لے جاتے ہیں ، میت کو بغیر غسل دیتے ۔ آیا میت کو غسل دے کر دوسرے مقام پر منتقل کرنا جائز ہے ؟

الجواب اگر یہ لوگ مستقل رہائش ڈیروں پر رکھتے ہیں تو انتقال مکروہ ہے خواہ غسل سے پہلے ہو یا بعد میں ۔

ویستحب الدفن فی مقبرۃ محل مات بہ او قتل فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین لا بأس بہ وکرہ نقلہ لاکثر منہ مراقی علی الطحطاوی ص۳۳۵

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۲۵/۷/۱۴۱۱ ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا

کیا مرزائی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے ؟

از دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت ۔ ملتان

الجواب ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک تعامل مسلمین یہی ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے قبرستان علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں ۔ اور تعامل امت حجت قطعیہ ہے لہذا مرزائی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں

۲۔ قبرستان میں داخلہ کے وقت سلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا دفن مسلمانوں کے قبرستان میں جائز نہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔ "السلام علیکم دار قوم مؤمنین" اضافت دار مومنین کی طرف علامتِ تخصیص ہے اور یہ الفاظ حدیث میں وارد ہیں (شامی ص۸۴۴ ج۱)

۳۔ اگر اتفاقاً چند مسلمان اور کافر مُردے باہم رل جائیں اور کوئی امتیازی علامت موجود نہ ہو تو فقہاء نے لکھا ہے کہ اُن کو بھی علیحدہ دفن کیا جائے۔ ہر چند ان میں مسلمان بھی ہیں لیکن مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے لامحالہ کافر بھی وہیں دفن ہوں گے (اور یہ جائز نہیں ہے)۔

۴۔ اگر کوئی ذمیّہ عورت مسلمانوں سے حاملہ ہو اور بحالتِ حمل اس کا انتقال ہوگیا تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان سے علیحدہ دفن کیا جائے کیونکہ بچہ جب تک اس کے پیٹ میں ہے اُسی کا جُز ہے کہ وہ کافر ہے لہذا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ یہ صراحت ہے اس بات کی کہ غیر مسلم کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے)۔

لو اختلط موتانا بکفار ولا علامۃ اعتبر الاکثر قالوا والاحوط دفنها علیحدۃ۔ (درمختار) قوله کدفن ذمیۃ جعل الاول شبیھاً بھذا الخ اختلف فیھا الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم علی ثلاثۃ اقوال فقال بعضھم تدفن فی مقابرنا ترجیحاً لجانب الولد وبعضھم فی مقابر المشرکین لان الولد فی حکم جزء منھا مادام فی بطنھا وقال واثلۃ بن الاسقع یتخذ لھا مقبرۃ علی حدۃ قال فی الحلیۃ وھذا احوط (شامی ص۸۰۶ ج۱) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الاحقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
خیر المدارس۔ ملتان
۲۵ / ۷ / ۹۷ھ

کفن دفن کی فلم بنانا:

آج کل نمازِ جنازہ کفن دفن وغیرہ کی فلمیں بنتی ہیں۔ کوئی کتنا ہی بچے پھر بھی اسکی فوٹو فلم میں آجاتی ہے' ایک حدیث کی شرح میں تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ فوٹو گرافر کو قاتل کا سا گناہ ہوگا۔ یہ پڑھ کر تشویش لاحق ہے۔ (۲)۔ نماز جنازہ پڑھنا اور کفن دفن میں شریک ہونا چونکہ ضروری کام ہے ان کو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ ایسی صورت میں کیا تدبیر کرے کہ فوٹو کھچوانے کے گناہ کبیرہ سے بچ سکے۔ کیا ایسی صورت میں نمازِ جنازہ اور کفن وغیرہ میں شریک ہو تو کوئی شرعی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب (فوٹو کھینچنا اور کھچوانا سخت حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فوٹو کھینچنے والوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ جنازہ اور دفن کا وقت انتہائی عبرت کا مقام ہے ایسے موقعہ پر گنہگار سے گنہگار مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ایسے موقعہ پر حرام فعل کا اِرتکاب کرنا اور پُورے مجمع کو اور میّت کو اِس میں شریک کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے بلکہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے) اگر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو جس جگہ اور جس وقت تصویر کشی ہو رہی ہو اس وقت کنارہ کشی کرلیں بدین وجہ شرکت سے دستکش نہ ہوں۔)

فقط واللہ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہٗ

میّت کے گرد کچّی اینٹیں اور ان کے پیچھے پکّی اینٹیں لگانا

اگر قبرستان میں سیم ہو تو وہاں پکّی اینٹیں لگائی جاسکتی ہیں؟

الجواب میت کے اردگرد اینٹیں کچّی رہیں ان کے پیچھے اِدھر اُدھر پکّی اینٹیں لگا سکتے ہیں۔ کذا فی الشامیۃ (ص۸۳۶ ج۱) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ
۲۵ / ۱۲ / ۱۴۰۱

(والدین کی قبر کا بوسہ بھی جائز نہیں)

اپنے والدین کی قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں عالمگیری میں ہے کہ جائز ہے، اگر جائز ہے تو کس طرح لینا چاہیئے ؟

الجواب عالمگیری میں ہے۔ ولا یمسح القبر ولا یقبله فان ذلک من عادة النصارىٰ ولا بأس بتقبیل قبر والدیه ص۱۰۹ ج۴ ۔

اِس عبارت سے گو کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن حضرات علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ یہ درست نہیں۔ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں :

کہ در بارۂ بوسہ قبرِ والدین رِوایات فقہی نقل میکنند وصحیح آنست کہ لایجوز است۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ اپنے رِسالہ میں فرماتے ہیں کہ محققین حنفیہ، شافعیہ ومالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اسطرح کے اُمور مکروہ اور بدعت ہیں کسی قبر کے ساتھ خواہ قبر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو یا قبرِ ولی ومُرشد کی ہو یا قبر والدین کی ہو ہرگز نہ چاہیئے، ناقلاً عن الفتاوىٰ العزیزیة

(لہٰذا کسی قبر کو بوسہ دینا درست نہیں) فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۰۳ / ۵ / ۱۷

(میّت کے ساتھ حلوہ پکا کر لے جانا)

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ مُردہ کے ساتھ چند روٹیاں پکا کر اُن پر شکر وغیرہ ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں اور بعض جگہ حلوا پکا کر ساتھ لے جا کر قبر کھودنے والے کو خصوصاً ــــــ اور دُوسروں کو کھلاتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ قبر میں

مردہ کو سورج کڑک مارتا اور عذاب ہوتا نظر آتا ہے یہ روٹیاں مُردہ کے کان پر آجاتی ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ حلوہ سے مُردہ کی تکلیف رفع ہوتی ہے، اور بعض کا یہ ارادہ نہیں ہوتا۔ کیا یہ اعتقاد صحیح ہے یا نہ ؟

الجواب جاہلانہ خیال ہے اور بے اصل رسم ہے۔
فقط واللہ اعلم ،

عبداللہ غفر اللہ لہٗ
مفتی خیرُ المدارس ۔ ملتان

۲۹ / ۷ / ۱۳۷۷ ھ

زندگی میں قبہ نما قبر بنوانا :

اپنی قبر بنا کر اُوپر قبہ نما عمارت بنا ڈالی ہے۔ کتاب اللہ وسُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُوجب شرعی حیثیت اس کی کیا ہوگی ؟

الجواب (قبر بنانے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس پر گنبد بنانا منع ہے۔) حدیث میں ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها (رواہ مسلم)

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ / ۷ / ۱۴۰۸ ھ

قبرستان میں ٹیوب ویل لگانا

ایک پُرانا قبرستان ہے، جس کے ایک کونے میں گردو نواح کے باشندے کوڑا کرکٹ پھینکتے ہیں۔ اور وہاں بظاہر کوئی قبر نظر نہیں آتی۔ آیا پیپلز پروگرام کے تحت منظور شدہ ٹیوب ویل لگا سکتے ہیں۔ جواب سے مطلع فرمائیں ؟

الجواب اِس جگہ پر ٹیوب وَیل کے لئے نلکہ اور مشین نصَب کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفی عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۱۴ / ۱۱ / ۱۴۱۰

تحقیق کرلی جائے اگر وہ جگہ وقف للمقبرہ نہیں تو لگا سکتے ہیں ۔ والجواب صحیح

محمد انور ، مُرتب خیر الفتاویٰ

حُدودِ مسجد میں دفن کرنا : میّت کو مسجد میں دَفن کر سکتے ہیں یا نہیں — ؟

الجواب حدودِ مسجد جو وقف ہو اُس میں قبر بنانا جائز نہیں ہے۔ وہ جگہ تا قیامت مسجد کے لئے ہی وقف رہے گی۔

وشرائط الواقف کنص الشارع (شامی ۳۷۰)

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ

دفن کے وقت کانے وغیرہ استعمال کرنا

مَیّت کو لحد میں لِٹانے کے بعد لحد کو کس چیز سے بند کیا جائے ؟

الجواب کچی اینٹیں سرکنڈے اور کانوں وغیرہ سے بند کرنا اولیٰ ہے۔ کانے اور کچی اینٹ برابر ہیں (قولہ وقصب) قال فی الحلیۃ وتسد الفرج التی بین اللبن بالمدر والقصب کی لا ینزل التراب منہا علی المیت ونصوا علی استحباب القصب فیہا کاللبن اھ شامیہ ص۸۴۶ ج۱

فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۸ / ۱۱ / ۱۴۱۲

قبر کو بوسہ دینے کا حکم : قبر کو بوسہ دینا اور ہاتھ لگانا مکروہ ہے

عام لوگوں کی عادت ہے جب کسی بزرگ کی قبر پر جاتے ہیں تو قبر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور بعض لوگ قبر کا بوسہ بھی لیتے ہیں ۔ کیا شرعاً یہ دُرست ہے ۔

الجواب قبر کو ہاتھ لگانا اور قبر کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔

وکرہ النوم علی القبور وکرہ تحریماً قضاء الحاجۃ ای البول والتغوط علیہا بل وقریباً منہا وکذا مالم یعہد من غیر فعل السنۃ اھ (مراقی) ۔

(قولہ وکذا مالم یعہد من غیر فعل السنۃ) کاللمس والتقبیل وقولہ من غیر بیان لما اھ (طحطاوی ص۳۴۳)

وفیہ (ای الطحطاوی) ولا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ من عادۃ اہل الکتب ولم یعہد الاستلام الا للحجر الاسود والرکن الیمانی خاصۃ " اھ ص۳۴۰) ۔ فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

عذابِ قبر سے محفوظ رہنے کی بشارت جمعہ کی رات یا دن کو مرنے والے کے لئے ہے دفن ہونیوالے کیلئے نہیں

زید بُدھ یا جمعرات کے دِن فوت ہوا اسے اگر جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن دفن کریں تو کیا وہ بھی عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا ؟

الجواب حدیثِ نبوی میں جو عذاب قبر سے محفوظ رہنے کا ذِکر ہے وہ جمعہ اور جمعہ کی رات کو مَرنیوالے کے بارے میں ہے۔ جوان ایام کے

علاوہ کسی اور دن میں مرے اس کے لئے وعدہ نہیں چاہئے اسے دفن جمعہ کی رات کیا جاوے یا جمعہ تک قبر پر پڑھنے والے بیٹھے رہیں۔

ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة الا وقاہ اللہ فتنة القبر قال القاری فتنة القبر ای عذابہ وسوالہ وھو یحتمل الاطلاق والتقیید والاول ھو الاولیٰ بالنسبة الی فضل المولیٰ (مرقاة ص۱۱۳ ج۲)

الجواب صحیح
محمد صدیق غفر لہٗ

۲۱/۱/۹۸ھ
محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

قبر زمین سے ایک بالشت اُونچی ہو

قبر زمین سے کتنی اُونچی ہونی چاہیئے ؟

الجواب: ایک بالشت اونچی ہونی چاہیئے۔

ویسنم القبر قدر الشبر (عالمگیری ص۸۵ ج۱)

محمد انور
۲۲/۱۲/۹۵

الجواب صحیح
عبدالستار عفی عنہٗ

خاوند بیوی کو قبر میں اُتار سکتا ہے

کیا خاوند اپنی بیوی کو لحد میں اُتار سکتا ہے ؟ اور اس میں سب سے زیادہ حقدار کون ہے ؟

الجواب: زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ عورت کو قبر میں وہ رشتہ دار اُتاریں جو اس کے لئے محرم ہوں، یہ نہ ہوں تو پھر وہ جو رشتہ دار

ہیں، گو محرم نہیں ہیں، یہ بھی نہ ہوں تو اجنبی اُتار سکتے ہیں، خاوند بھی اجنبیوں کے حکم میں ہے۔ وذو الرحم المحرم اولیٰ بادخال المرأة من غیرھم کذا فی الجوھرة النیرة وکذا ذو الرحم غیر المحرم اولیٰ من الاجنبی فان لم یکن فلا بأس للاجانب وضعھا اھ (عالمگیری ص۸۵ ج۱)

فقط واللہ اعلم،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

قبرستان زیرِ آب آ جائے تو نعشوں کو منتقل کرنیکا حکم

ایک عالم باعمل کو قبرستان میں دفن کیا گیا بیس سال کے بعد سیلاب نے قبریں برباد کر دیں ان کی نعش کو دُوسری جگہ منتقل کرا دیا گیا، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بلا ضرورت اموات کو مکان سے منتقل کرنا جائز نہیں البتہ بوقت ضرورت جب کہ قبرستان کو پانی لگ رہا ہے۔ اور مُردہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہو مُنتقل کرنا جائز ہے، تفسیرِ مظہری میں حضرت قاضی صاحب نے جوازِ نقل کا فتویٰ دیا ہے۔

بہرحال اب صُورتِ مسئولہ میں ضرورت و عدم ضرورت کا فیصلہ مقامی علماء کر سکتے ہیں، اب دُوسری جگہ عالم مذکور کو دفن کیا گیا ہے تو وہاں رہنے دینا چاہیئے اور تردد اور نزاع کو ختم کر دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ
خادم الافتاء، خیر المدارس، ملتان

(دفن سے پہلے قبر میں سورۂ ملک پڑھنا)

بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مُردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر میں بیٹھ کر سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین تلاوت کرتے ہیں ؟

الجواب اس وقت سورۂ ملک یا کوئی اور سورۃ پڑھنا ثابت نہیں لہذا نہ پڑھیں اسکی بجائے کتب فقہ میں یہ لفظ منقول ہیں۔

"بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(درمختار)

شامی میں اس کے تحت لکھا ہے کہ یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ سے ثابت ہیں اس کے علاوہ ان پر مزید کوئی اضافہ نہ کیا جائے) (شامیۃ ص ۸۳۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنا:

(دفن کرنے کے بعد چالیس قدم ہٹ کر دعا مانگنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب (چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں محض رسم و بدعت ہے اس سے اجتناب کیا جائے) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفی عنہ

۱۵/ ۵ / ۱۴۰۱

بحری جہاز میں مرنیوالے کا حکم

ہم بحری جہاز سے حج پر جا رہے ہیں کئی دن کا سفر ہوگا اگر خدا نخواستہ کسی کا انتقال ہو جائے تو کیا کریں ؟

الجواب اگر تو کہیں ساحل قریب ہو اور اتر کر دفن کرنا ممکن ہو تو

یہ بہتر ہے ورنہ غسل دے کر کفن پہنا کر جنازہ پڑھ کر سمندر میں ڈال دیں۔

وان مات المسلم فی البحر فی السفینۃ فان کان الشط قریبا یجاء بہ الی الشط ویقبر ویدفن والا فیصلی علیہ بعد الغسل ویلقی فی البحر وھو قبرہ لان التکلیف بحسب الوسع اھ (رسائل الارکان ص ۱۵۹)

فقط واللہ اعلم، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/ ۱/ ۱۳۹۸ ھ

اگر قبر احاطۂ مسجد میں آجائے تو اس کا کیا کریں ؟

ایک قبر دوران توسیع احاطۂ مسجد میں آگئی ہے اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب اگر یہ قبر مسجد کی زمین میں ہے۔ اور کافی پرانی ہے تو اس کو ہموار کر دیا جائے اور اس کے اوپر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ (شامی ص ۸۳۵ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/ ۸/ ۹۶ ھ	الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے

دفن کے بعد قبرستان ہی میں لواحقین کے ساتھ افسوس کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب (قبرستان میں قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔)

وتکرہ التعزیۃ ثانیا وعند القبر اھ (درمختار علی الشامیۃ ص ۸۴۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

(میت کے لئے ڈھیلے کا استعمال)

عام رواج یہ ہے کہ زندہ جیسے طہارت کرتا ہے ایسے ہی میت کے لئے بھی ڈھیلے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً ثابت ہے؟

الجواب (کتب فقہ میں استنجا کرانے کا تو لکھا ہے مگر ڈھیلے استعمال کرانے کا نہیں لکھا بلکہ استنجاء کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر مکمل کپڑا لپیٹ لے اس کے بعد استنجاء والی جگہ کو دھوئے)۔

ویستنجی عند ابی حنیفه و محمدؒ کذا فی محیط السرخسی وصورة الاستنجاء ان یلف الغاسل علی یدیه خرقة و یغسل السوءة لان مس العورة حرام کالنظر الیها کذا فی الجوهرة النیرة۔ (فتاوٰی عالمگیری ص ۱۵۸/۱ج)۔

فقط واللہ اعلم،

۳ / ۲ / ۱۴۱۱ھ — احقر محمد انور غفرلہٗ

مُردے کے مصنوعی دانت نکال لئے جائیں

بچپن میں میرے دو دانت ٹوٹ گئے تھے۔ دوبارہ لگوانے پڑے تو دانت لگانے والوں نے کہا کہ سونے کے علاوہ باقی سب چیزیں بیکار ہیں۔ میں نے مجبوری سے لگوائے یہ جائز ہے یا نہیں مرنے کے بعد اُتارے جائیں یا نہیں؟

الجواب اگر دانت لگوالئے ہیں اور اب اتارنے میں تکلیف ہو تو رہنے دیجئے فی الجملہ گنجائش ہے مرنے کے بعد اُتار دینے چاہئیں۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ — ۵/۱۲/۸۸ھ — بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

(میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھیں؟)

۱۔ میت کو غسل دیتے وقت کیا پڑھنا چاہیئے؟

۲۔ قُل جائز ہیں یا نہیں جبکہ مرنے والا قُل شریف کے لئے رقم بھی چھوڑ کر گیا ہو؟

الجواب ۱۔ (غسل دیتے وقت غفرانک یا رحمٰن پڑھتے رہیں)۔ لقوله علیه السلام یا علیؓ اغسل الموتیٰ فانه من غسل میتاً غفرله سبعون مغفرة لو قسمت مغفرة منها علی جمیع الخلائق لوسعتهم۔ قلت مایقول من یغسل میتاً قال غفرانك یا رحمٰن حتی یفرغ من الغسل اھ رواه ابو حفص ابن شاهین فی کتاب الجنائز (شرح نقایہ ص ۱۳۲/۱ج)

۲۔ مروجہ قل بدعت ہیں۔

فقط واللہ اعلم،

۱۱ / ۷ / ۱۴۰۷ھ — بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

جُنبی کا غسل دینا مکروہ ہے

کیا حائضہ اور جُنبی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟

الجواب (حائضہ اور جُنبی کا غسل دینا مکروہ ہے)، ویکره ان یکون الغاسل جنباً او حائضاً اھ (شرح نقایہ ص ۱۳۲/۱ج)

فقط واللہ اعلم،

۷ / ۵ / ۱۴۱۱ھ — محمد انور غفرلہٗ

مُردہ بچے کے غسل کا حکم:

جو بچہ مُردہ پیدا ہو کیا اسے بھی غسل دیا جائے؟

الجواب اسے غسل نہ دیا جائے۔ ولو ولد میتاً روی

عن ابی حنیفة ومحمد انه لا یغسل لان الغسل لاجل الصلوٰة وهو لا یصلی علیه اهـ ۔

لیکن خلاصۃ الفتاویٰ میں امام ابو یوسف کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے بھی غسل دیا جائے ۔ وفی الخلاصة السقط الذی لم یتم اعضاؤہ لا یصلی علیه ولکن یغسل ویدفن فی خرقةٍ وکانه اختار روایة ابی یوسف (شرح نقایہ ج۱ صـ۱۳۱) ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور

خنثیٰ مشکل کو کون غسل دے :

خنثیٰ اگر فوت ہو جائے اور اسوقت کوئی اور خنثیٰ موجود نہ ہو تو اس کو غسل کون دے ۔ مرد یا عورت ؟ اگر بوڑھا ہو تو اس کو غسل کون دے جوان اور نابالغ کو غسل کون دے ؟ — قاری شرف الدین صدیقی مہتمم اشرف القرآن کہروڑ پکا

الجواب خنثیٰ میں اگر مردوں والی علامات غالب ہیں تو مرد غسل دے اور اگر عورت والی علامات غالب ہیں تو عورت غسل دے اور اگر دونوں طرح کی علامات برابر ہیں تو یہ خنثیٰ مشکل ہے اس کو نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ صرف تیمم کرا دیا جائے اگر چھوٹا بچہ ہو تو اسے مرد و عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں ۔

ویتیمم الخنثیٰ المشکل لو مراهقاً والا فکغیرہٖ فیغسله الرجال والنساء اهـ (درمختار علی الشامیة صـ۵۷۸/ج۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور غفرلہٗ ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

میت کو کون غسل دے :

جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اسے کون غسل دے عام طور پر رواج یہ ہے کہ اس کے لئے امام مسجد ہی کو منتخب کیا جاتا ہے کیا گھر والے خود بھی غسل دے سکتے ہیں ؟

الجواب بہتر تو یہ ہے کہ میت کا قریب ترین رشتہ دار اسے غسل دے بشرطیکہ وہ اچھی طرح حسبِ شرع غسل دے سکتا ہو ۔ ورنہ کسی پرہیزگار صالح آدمی سے غسل دلایا جائے ۔ ویکرہ ان یغسله جنب او حائض امداد والاولیٰ کونه اقرب الناس الیه فان لم یحسن الغسل فاهل الامانة والورع اهـ (شامیة صـ۶۳۶/ج۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

غسل کو وارث کے انتظار میں مؤخر کرنا

اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے غسل وغیرہ کے لئے اس کے وارث کا انتظار ضروری ہے یا نہیں ۔ جبکہ کوئی وارث موجود نہ ہو ۔ ؟

الجواب وارث کے انتظار میں تاخیر نہ کی جائے ۔ (کذا فی الظهیریة والشامیة صـ۶۶۳/ج۱) فقط واللہ اعلم ،

محمد انور ۱۴۰۹/۴/۲۹

عورت کو کوئی بھی غسل دینے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کریں ؟

ایک عورت فوت ہو گئی اب اس کو کوئی عورت یا محرم غسل دینے کے لئے تیار نہیں ہے ۔ کیا خاوند غسل دے سکتا ہے ؟

الجواب عورتوں پر واجب ہے کہ غسل دیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گی ۔ کسی غسالہ کا اجرت دے کر بھی انتظام کیا جا سکتا ہے ۔ اور درجۂ اضطرار میں خاوند ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے ۔ وقیل تخلل فی ثیابها ای بلا مس اهـ } ہندیہ فقط واللہ اعلم ،

عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ، ۹۵/۱/۱۶ء

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنے کا حکم: کفن پر کلمہ طیبہ یا آیت کریمہ روشنائی وغیرہ سے لکھنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: روشنائی سے لکھنا درست نہیں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰسین والکھف ونحوھما خوفاً من صدید المیت اھ (شامی ص ۸۴۷ ج ۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ پر کلمہ طیبہ لکھی ہوئی چادر ڈالنا

بعض لوگ میت پر چادر ڈالتے ہیں جس کے اوپر کلمہ طیبہ اور قرآن شریف کی آیات لکھی ہوتی ہیں اور چادر پاؤں تک ہوتی ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: ایسی چادر پاؤں سے پیچھے گھٹنوں تک رہنی چاہیئے فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، محمد انور عفا اللہ عنہ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۱۰ / ۹۵ ھ

مُحرم کو عام میت کی طرح کفن دیا جائے

اگر کوئی ساتھی سفرِ حج میں بحالتِ احرام انتقال کر جائے تو اُسے دیسے اُسی حالت میں دفن کر دیں یا باقاعدہ غسل دے کر عام مُردوں کی طرح کفنائیں۔؟

الجواب: محرم کو بھی عام مُردہ کی طرح غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے اور خوشبو وغیرہ بھی لگائی جائے۔

(قولہ والمحرم کالحلال) اے فیغطی رأسہ وتطیب

اکفانہ خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شامیہ ص ۸۰۹/۱۴ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد میں کفن سینے کا حکم: کفن مسجد میں سینا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب: نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ۶/ ۲/ ۹۲ ھ

عورت کے کفن کی تفصیل: اگر میت ہو جائے تو اس کو کس طرح نہلانا چاہیئے اور جس کو الفی یا کفنی کہتے ہیں آگے پیچھے سے برابر ہونی چاہیئے یا پیچھے سے چھوٹی۔ بعض لوگ آگے سے بڑی اور پیچھے سے چھوٹی کر دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور بعض لوگ زنانہ کا سر بند جسے کہتے ہیں ٹوپی سیکر پہنا دیتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے اور کفن پر کلمہ شریف لکھتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے۔؟

الجواب: میت کے نہلانے کا طریقہ بہشتی زیور میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے۔ وہاں دیکھ لیجئے۔ (۲) کفنی کندھے سے لے کر نصف ساق پنڈلی تک ہونی چاہیئے۔ یہ کپڑا اڑھائی گز لمبا، چودہ گرہ یا پندرہ گرہ عرض کا تیار ہوتا ہے۔ دو برابر حصے کر کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ (۳)۔ ٹوپی سی کر نہیں پہنانا چاہیئے بلکہ ڈیڑھ گز کپڑا جس کا عرض بارہ گرہ ہو لے کر سر کے بال کے دو حصے کر کے اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھے جائیں۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، لہٗ

عبداللہ غفر اللہ لہٗ، ۸ / ۶ / ۱۳۷۷ ھ

جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا

کوئی بڑا سیاستدان یا اعلیٰ افسر فوت ہوجاتا ہے تو اُس کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالی جاتی ہے اور اخبارات وغیرہ میں اسکی تصویر بھی آتی ہے کہ فلاں صاحب فلاں مرحوم کے جنازہ پر پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب (میت پر پھولوں کی چادر چڑھانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے اور تصویر کھنچوانا حرام ہے) اعاذنا اللہ من هذہ السیأت۔

حضرت شاہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل اربعین میں فرماتے ہیں:

"وچادرِ گل برجنازہ انداختن بدعت است ومکروہِ تحریمی اھ (ص ۴۵)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

میت پر کفن سے زائد چادریں ڈالنا

ہمارے علاقے میں میت پر کفن کے علاوہ کپڑے ڈالتے ہیں اور ثواب سمجھتے ہیں پھر اس کو گورکن اُتار لیتے ہیں گورکن چاہے صاحبِ نصاب ہوں۔ ثواب ہوگا یا نہ؟

الجواب (میت پر مسنون کفن سے زائد کپڑے ڈالنا شرعاً درست نہیں بلکہ زائد کپڑے اُتار لینا شرعاً مامور بہ ہے) مراقی میں ہے۔

وینقص ان زاد لعدد فی ثیابہ علی کفن السنۃ الخ

(جو میت نادار ہو یا لاوارث ہو اس کو کفن دینا باعثِ اجرِ عظیم ہے)۔ ورنہ یہ رسم ہے یا بدعت ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۲ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

عالمِ میت کو کفن میں عمامہ پہنانا

ہمارے چچا مظاہرِ علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے اور عالمِ شباب میں انتقال کرگئے، ہمارے دوسرے چچا جو کہ مظاہرِ علوم ہی کے مستند ہیں کہنے لگے کہ کفن کے ساتھ ساتھ ان کے سر پر عمامہ بھی باندھا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کیا یہ درست ہے؟

بشیر احمد انور پیر سکندری

الجواب (میت عالم ہو یا عام آدمی سب کے لئے کفنِ مسنون پر اکتفا کیا جائے عمامہ کی زیادتی مکروہ ہے) والاصح انہ تکرہ العمامۃ بکل حال اھ (شامی ص ۸۰۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم، ۱۴ / ۷ / ۱۴۱۰

محمد انور غفرلہ

(غلافِ کعبہ کا ٹکڑا کفن کے ساتھ رکھنا)

اگر غلافِ کعبہ کا کچھ ٹکڑا جس پر آیت یا کلمہ وغیرہ نہ لکھا ہوا ہو یا اور کوئی ایسا متبرک کپڑا کفن کے ساتھ بطورِ تبرک رکھ سکتے ہیں؟

الجواب (رکھ سکتے ہیں، امید ہے فائدہ ہوگا۔) وفی هذا مذہب ان یجعل الثوب المتبرک فی الکفن زائداً علیہ۔

(رسائل الارکان لابی العیاش عبد العلی محمد بحر العلوم ص ۱۵۳)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ ۹ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

کفن دیتے وقت عورت کے بال کیسے رکھے جائیں؟

کفن کے وقت عورت کے سر کے بالوں کو کیسے رکھا جائے؟

الجواب بالوں کی دو لیٹیں بنا کر نیچے سے نکال کر سینہ پر رکھ دی جائیں بجعل شعرها ضفیرتین علی صدرها فوق الدرع اھ (رسائل الارکان صـ ۱۵۴) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ،

بالغ اور نابالغ کے کفن کا فرق:

بالغ مرد اور نابالغ لڑکے کے کفن میں کوئی فرق ہے یا نہ؟

الجواب بہتر یہی ہے کہ نابالغ لڑکے کو بالغ کے موافق کفن دیا جائے لیکن اگر ایک یا دو کپڑوں میں نابالغ کو کفنایا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ درمختار میں ہے کہ والمراھق کالبالغ ومن لم یراھق ان کفن فی واحد جاز الخ (شامی ج۱ صـ ۸۰۹) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق خیر المدارس۔ ملتان ۹۱/۸/۱۲ ھ

محتضر (قریب المرگ) کے پاس حائضہ وغیرہ نہ بیٹھے

عام رواج ہے کہ جب کسی کی روح نکلنے لگتی ہے تو سارے دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ کیا مرد اور کیا عورت ایک جمگھٹا سا لگ جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

محمد یونس۔ کبیر والا

الجواب ایسے وقت میں سورۃ یٰسین پڑھنی چاہیئے اور خوشبو وغیرہ چھڑکنی چاہیئے اور حیض یا نفاس والی عورت اور جنبی مرد وہاں سے چلے

جائیں تو بہتر ہے۔ وفی النتف انه یقرء عنده یٰسٓ و یحضر الطیب ویخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (جامع الرموز صـ ۱۵۶)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہ،

موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کیجائے

مرنے کے بعد میت کو کتنی دیر تک رکھ سکتے ہیں؟

الجواب موت کا یقین ہو جانے کے بعد تجہیز و تکفین میں دیر کرنا صحیح نہیں فوراً ان کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ بہت مجبوری میں کچھ معمولی دیر ہو جائے تو ضرورت کی حد تک گنجائش ہے۔

قوله ویسرع فی جهازه لما رواه ابو داؤد عنه صلی الله علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما اری طلحة الا قد حدث فیه الموت فاذا مات فاذنونی حتی اصلی علیه وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله اھ والصارف عن وجوب التعجیل الاحتیاط للروح الشریفة فانه یحتمل الاغماء وقد قال الاطباء ان کثیرین ممن یموتون بالسکتة ظاهراً یدفنون احیاء لانه یعسر ادراک الموت الحقیقی بها الا علی افاضل الاطباء فیتعین التاخیر فیها الی ظهور الیقین بنحو التغیر امداد و فی الجوهرة وان مات فجأة ترک حتی یتیقن بموته اھ (شامی ج۱ صـ ۷۹۹)

ولنعم ما قیل ویستحب تعجیل خمسة اشیاء جمعت فی هذه الابیات

وخمسة قدر أو اتعجیلها حسنا

وفی سواها تأنٍ واسع المهل

تزویج کفء وميت هاک ثالثها

دفع الديون وتب لله من زلل

والخامس الضيف اذ یاتیک فی منزل

فقم له بحیث الجد واحتفل

(طحطاوی ص۳۱۰) فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ۔ ملتان
۱۹ / ۷ / ۱۴۰۲

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

قریب المرگ کے بارے میں مسنون عمل

جس شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس کے ساتھ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

الجواب سنت یہ ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر کے لٹا دیا جائے۔ بشرطیکہ یہ لٹانا اس کے لئے تکلیف دہ نہ ہو۔ اور کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے، اس طرح کہ اس کے بھائی اور دوست احباب وغیرہ اونچی آواز سے پڑھیں، مگر اس کو پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔ خدانخواستہ کہ وہ انکار کر بیٹھے جب وہ ایک دفعہ پڑھ لے تو یہ کافی ہے بار بار پڑھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ کیونکہ آخری کلام کلمہ طیبہ ہو۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی وہ دنیوی بات کرے۔ تو پھر دوبارہ پڑھ لینا چاہیئے۔

سن للمحتضر ان یوجه الی القبلة مضطجعا علی یمینه وهذا اذا لم یشق علیه والا ترک علی حاله وجعل رجلاه الی القبلة ویستثنی منه المرجوم فانه لم یوجه کما فی الجلابی واختیر فی بلادنا الاستلقاء علی قفاه لانه ایسر

لخروج الروح ان الاول هو السنة ویلقن ای یفهم الشهادة فیجب علی اخوانه واحد قائده ان یقولوا عنده کلمة الشهادة ولا یقولوا له قل کیلا یابی عنه کما فی شرح الطحاوی والکرمانی فلو قال تلک الکلمة فیها من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة فاذا قالها مرة کفاه ولا یکثر علیه مالم یتکلم بعده اذ الغرض من التلقین ان یکون آخر کلامه تلک الکلمة کما فی الزاهدی

(جامع الرموز ص۱۸۷) فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفر لہ،

جنازہ سے پہلے میت کے مدیون ہونے کی تحقیق کرنا

بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام میت کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق فرماتے تھے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر پتہ چلتا کہ قرض ہے تو آپ خود نماز جنازہ ادا نہ فرماتے بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے کہ تم پڑھ لو۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اب بھی کسی کا جنازہ پڑھنے سے پہلے تحقیق کر سکتے ہیں کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر قرض ثابت ہو تو جنازہ سے انکار کر سکتے ہیں؟

(حافظ بشیر احمد گلی حاکم رائے محلہ ساون خان گوجرانوالہ)

الجواب آنحضرت علیہ السلام کے دریافت فرمانے میں جو مصلحت تھی وہ کسی اور کے ذریعہ پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اب کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ جنازہ سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ میت پر قرض ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت علیہ السلام کا یہ تحقیق فرمانا بھی فتوحات سے پہلے کا عمل ہے بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دیدی تو آپ مقروض کا جنازہ بھی پڑھا دیتے اور قرض اپنے پاس سے ادا فرما دیتے اسی سلسلہ میں آپ نے ارشاد فرمایا: من ترک مالاً فلورثته ومن ترک کلاً فالینا اھ

(بخاری ص۳۲۳ ج ۱) ۔ بخاری شریف میں اسی حدیث کے حاشیہ پر ہے :

قلت الدين مِنْ كلِّ ما يتكلف و مطابقته للترجمة من حيث ان هذا الحديث روى عن ابى هريرة رضى من وجوه منها مامر فى آخر كتاب الكفالة فى باب الدين و فيه من جملة الالفاظ من ترك دينا فعلى قضائه ويجئ فى الفرائض وفى سورة الاحزاب قال ابن بطال هذا ناسخ لتركه الصلوة على من مات وعليه دين قلت ذلك لانه صلى الله عليه وسلم كان لا يصلى عليه قبل فتح الفتوحات فلما فتح الله تعالى منها ما فتح صار صلى الله عليه يصلى عليه فصار فعله هذا ناسخاً لفعله الاول كما قاله ابن بطال (حاشیہ ۱ ص ۳۲۳ ج ۱)

فقط واللہ اعلم ،

۱۱ / ۲ / ۱۴۰۹ ھ محمد انور عفا اللہ عنہ

زانی ، چور اور سُود خور کی نمازِ جنازہ جائز ہے

زانی اور چور اگر موقع پر قتل کر دیئے گئے ہوں یا اپنی موت مر جائیں تو اس صورت میں ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ، نیز کیا سُود خور اور ناجائز منافع خور اور حقوق العباد کھانیوالے شخص کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ فتویٰ دے کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ والسلام ، ماسٹر عبدالرشید خان لغاری بستی اللہ بخش

الجواب (مذکورہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ۔ اور ان کو غسل بھی دیا جائے گا ـــــ البتہ مقتدا اور بڑے علماء حضرات برائے حصول عبرت نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کریں) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان ۴ / ۲ / ۱۴۱۱ ھ

باپ کے قاتل کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے

زید کا زمین کے انتقال پر باپ سے جھگڑا ہو گیا دونوں باپ بیٹا طیش میں آگئے زید اندر سے ریوالور لایا اور باپ کو گولی ماردی جس پر زید کے دُوسرے بھائیوں نے اُسے اِتنا مارا کہ زید بھی مر گیا تو کیا زید کا جنازہ پڑھا جائے یا نہ ؟

الجواب (باپ کو قتل کرنا شدید ترین کبیرہ گناہ ہے ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے ۔)

ولا يصلى على قاتل احد ابويه عمداً ظلماً اهانةً له اھ (مراقى) قوله عمداً اخرج بمفهومه الخطاء فانه يغسل ويصلى عليه وقوله ظلماً اخرج به من قتل اباه الحربى او الباغى والله سبحانه وتعالى اعلم و استغفر الله العظيم ۔

فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

باہر سے کسی امام کو بُلا کر جنازہ پڑھوانا

ہمارے دیہات کے ایک محلّہ میں رواج ہے کہ محلّہ کے امام سے جنازہ نہیں پڑھواتے بلکہ باہر دُور سے ایک مولوی صاحب کو بُلاتے ہیں وہ آکر جنازہ پڑھاتے ہیں ، کیا یہ دُرست ہے ؟

الجواب (محلّہ کے امام کی تقدیم بشرط افضلیت صرف مستحب ہے) درمختار میں ہے ـــــ وتقديم امام الحى مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولى والا فالولى اولى ـــــ ۔

نیز ہدایہ سے نقل کیا ہے امام مسجد الجامع اولى من امام الحى اھ

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبدالستار غفرلہ ، ۱۲/۵/۱۴۰۲ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

میت کو مزار کے سامنے رکھ کر جنازہ پڑھنے کا حکم

اگر نمازِ جنازہ مزار کے سامنے رکھ کر اس نیت سے ادا کی جائے کہ میت کی بخشش ہو جائے گی جبکہ وہ جائے نمازِ جنازہ بھی ناپاک ہو ۔

الجواب جنازہ کو بہ نیتِ بخشش مزار کے سامنے رکھ کر پڑھنا ثابت نہیں نیز ناپاک جگہ پر کھڑے ہو کر نمازِ جنازہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے ۔

کما فی الدر المختار طہارۃ مکانہ ای موضع قدمیہ او احدھما ان رفع الاخری (ص۲۷ ج۱) فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور مفتی خیر المدارس

۶ / ۴ / ۱۴۰۷

مقروض کا جنازہ پڑھنے کا حکم

جس شخص نے قرض دینا ہو اور مر جائے اس کا جنازہ پڑھایا جا سکتا ہے ۔ جبکہ اس قرض کی ادائیگی کا کوئی ذمہ بھی نہ لے ، یا نہیں ؟

الجواب ایسی میت کا بھی جنازہ پڑھا جائے ۔ (کبیری ص۵۸۳) وکذا فی الشامیۃ ص۵۸۴ ج۱ ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، محمد انور غفرلہ ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء ۱۷ صفر ۱۴۰۳ھ مفتی خیر المدارس ملتان

فرائض کے وقت جنازہ آجائے تو کب پڑھا جائے ؟

۱. صلوات خمسہ کے وقت میں جنازہ آجائے تو کس کو مقدم کیا جائے ۔؟
۲. ایسے ہی عیدین کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو کس کو پہلے ادا کیا جائے ؟

(امام بخش ، مدرسہ سعیدیہ ۔ بھکر)

الجواب بحر میں حلبی سے منقول ہے کہ جنازہ سنتوں اور فرضوں کے بعد ادا کیا جا سکتا ہے لکن فی البحر عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ اھ (شامی ص۲۲۵ ج۱)

۲. درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں ۔ وتقدم صلوتھا علی صلوۃ الجنازۃ اھ ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ،

شارع عام پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

مسجد کے سامنے ایک بڑی سڑک ہے ۔ جو شارع عام ہے اور ہر چیز وہاں پھرتی رہتی ہے اور نالیوں اور گلیوں کا پانی بھی وہاں کبھی کبھی پھرتا رہتا ہے ۔ ایسی جگہ بغیر صف بچھائے ننگی زمین پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں ؟ محمد شفیق صاحب

الجواب اگر زمین خشک ہو اور نجاست کا رنگ اور بو بھی محسوس نہ ہو تو نمازِ جنازہ درست ہے ۔ کیونکہ زمین نجس خشک ہونے اور نجاست کا رنگ اور بو ختم ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے ۔ ویسے جو شرطیں صحتِ صلوٰۃ کے لئے ہیں ۔ وہ سب نمازِ جنازہ کے لئے بھی ضروری ہیں ۔ لما فی الهدایۃ وان اصابت الارض نجاسۃ فجفت بالشمس وذھب اثرھا جازت الصلوٰۃ علی مکانھا (ص۷۱ ج۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، عبدالستار عفا اللہ عنہ ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

جس کو درود و دعا وغیرہ نہ آتی ہو وہ نمازِ جنازہ میں شریک ہو یا نہ؟

اگر آدمی کو جنازہ نہ آتا ہو تو وہ جنازہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ سیکھنے کی کوشش کرے، نہ آنے تک تکبیر کہہ کر ساتھ شریک ہو جائے اور امام کے مطابق تکبیرات کہتا رہے۔

كذا فی فتاویٰ دار العلوم ص ٣٢٣ ج ٥ نقلاً عن الشامية ص ٨١٣ ج ١ علی

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار غفرلہ ١٧/٣/١٤٠٢ھ — فقط واللہ اعلم

رئیس الافتاء — محمد انور مفتی خیر المدارس

علی ان رکنها شیئان التکبیرات الاربع فالاولیٰ رکن ایضاً لا شرط فلذا لم یجز بناء اخری علیها والقیام فلم تجز قاعداً بلا عذر وسننها ثلاثة التحمید والثناء والدعاء فیها (در مختار علی الشامیة ص ٨١٣ ج ١)

امام محلہ ولی سے مقدم ہے:

کیا نمازِ جنازہ کے لئے اجازت لینا ضروری ہے؟ اگر امام مسجد بغیر اجازت کے نمازِ جنازہ پڑھائے تو نمازِ جنازہ ہو جائے گی؟۔ نمازِ جنازہ کے لئے اجازت کس سے لی جائے۔ وضاحت فرمائیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام محلہ صالح اور متقی ہو اور میت زندگی میں اس کو اقتدار کے لئے پسند کرتا ہو تو ولی سے مقدم ہے۔ اسے رسمی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ولی حقدار ہے۔ وہ خود پڑھائے یا کسی سے پڑھا دے، شامی میں ہے۔

وهو امام المسجد الخاص بالمحلة وانما كان اولى لان الميت رضي بالصلوة خلفه في حال حياته فينبغي ان يصلي عليه بعد وفاته۔ (ص ٥٩٠ ج ١)

ہندیہ میں ہے۔ اولی الناس بالصلوة علیه السلطان

ان حضر فان لم يحضر فالقاضي ثم امام الحي ثم الولي هكذا اكثر المتون (ص ١٦٣ ج ١) در مختار مع رد المحتار میں ہے۔ وتقديم امام الحي مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولي والا فالولي اولى كما في المجتبى (ص ٥٩٠ ج ١)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ میں چوتھی تکبیر رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوا

ایک مشہور عالم شخصیت کے انتقال پر ایک بزرگ شخصیت نے ان کا جنازہ پڑھایا تو غلبۂ رقت کی وجہ سے تیسری تکبیر کے بعد مختلف دعاؤں کے بعد سلام پھیر دیا چوتھی تکبیر نہیں کہی گئی کیا جنازہ درست ہو گیا؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں بجز[1] پہلی تکبیر کے باقی تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوتا ایسی صورت میں چاہیئے یہ تھا کہ ایک تکبیر اور کہہ کر دوبارہ سلام پھیر دیتے تاکہ جنازہ مکمل ہو جاتا۔

وصلوة الجنازة اربع تكبيرات ولو ترك واحدة منها لم تجز صلوته، هكذا في الكافي (الى قوله) ولو سلم الامام بعد الثالثة ناسياً كبر الرابعة ويسلم كذا في التاتارخانية اه (عالمگیری ص ٨٤ ج ١)

[1] فهی شرط من وجه ورکن من وجه اه (شامی ص ٩٢٢ ج ١)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

"اُن سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہٗ" سے مُراد اکیلے دُعا کرنا ہے نا کہ اجتماعی دُعاءِ معروفہ

نمازِ جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن ہیئت اجتماعی سے دُعا کرنا واجب، سُنت یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی (درسی و فتاویٰ) میں اسکی کیا حیثیت ہے؟ اگر اسکی شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعارِ اہلِ سنت اور سُنتِ نبویؐ قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامتِ شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے۔؟ اگر کوئی شخص اس کو سُنتِ نبوی اور شعارِ اہلِ سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلائیں اگر ایک شخص اس کو فرض واجب سُنت اور مستحب تو نہیں کہتا بلکہ ممنوع کہتے ہوئے بھی اس بارہ میں نرمی کرتا ہے اس کا موقف از رُوئے شرع کیسا ہے؟

السائل قاری محمد طلحہ، سمیجہ آباد، ملتان

الجواب

نمازِ جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر دُعا مانگنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں، حدیث شریف میں ہے۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر آئے تو جنازہ ہو چکا تھا آپ نے فرمایا: ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہٗ

البتہ تارک کو ملامت نہیں کرنی چاہیئے، البتہ جو شخص اس کو بدعت یا خلافِ شرع کہتا ہے وہ قابلِ ملامت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

مفتی غلام مصطفےٰ رضوی ۸۸ / ۸ / ۱۳ء

الجواب

انوار العلوم کا جواب صحیح نہیں۔ دونوں حدیثوں کا غلط مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا ہرگز یہ مطلب و مفہوم نہیں، اسی لئے حضرات فقہاء نے نمازِ جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس سے منع کیا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ وقید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لایدعو بعد التسلیم کذا فی الخلاصۃ

مزید لکھتے ہیں: واشار بقولہ وتسلیمتین بعد الرابعۃ الی انہ لا شئ بعدھا غیرھما وھو ظاھر المذھب (ص۱۹۷ ج۲)

حاشیہ مشکوٰۃ میں ہے۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ اھ (ص ۱۴۷/۱۴)

اگر حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو انوار العلوم کے فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے تو یہ دعا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہوتی کیونکہ فاخلصوا لہ الدعاء امر کا صیغہ ہے۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور حکم کے مقابلے میں اس دعاء کو منع کیسے فرما سکتے تھے؟ اور عبداللہ بن سلام کی حدیث (جو فتویٰ میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے) اس کا مطلب مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی نے یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ اگر نماز میرے آنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دُعا کو، بندش نہیں، میں اکیلے دُعا کر لوں گا۔ (رسالہ النہی الحاجز عن تکرار صلوۃ الجنائز لاحمد رضا خان صاحب بحوالہ بینات شوال ۱۳۸۸ھ ص۳۸) تو اس حدیث میں اکیلے دعا کرنے کی بات ہے۔ اس سے اجتماعی دُعا ثابت نہیں ہوتی۔ بہرحال انوار العلوم کا فتویٰ دُرست نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۹ / ۱۲ / ۱۳۸۰ھ

نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنے کا حدیث سے ثبوت

امسال زیارتِ حرمین کا شرف حاصل ہوا وہاں نمازِ جنازہ حرم میں پڑھی جاتی ہے۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہوگا وہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ نمازِ جنازہ کا سلام ایک طرف پھیرتے ہیں۔ ہم ایک طرف سلام کے بعد منتظر رہے کہ دوسری طرف بھی سلام پھیریں گے کہ لوگ جنازہ اُٹھا کر چل دیئے اس میں احناف کا جو مذہب ہو تحریر فرمادیں۔ (عتیق الرحمان نظام پورہ۔ بہاول نگر)

الجواب احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

واما التسليم فمذهب ابي حنيفة انه يسلم تسليمتين واستدل له بحديث عبد الله بن ابي اوفى انه سلم عن يمينه وشماله فلما انصرف قال لا ازيدكم على ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع او هكذا يصنع رواه البيهقي وقال الحاكم حديث صحيح وفي المصنف بسند جيد عن جابر بن زيد والشعبي وابراهيم النخعي انهم كانوا يسلمون تسليمتين وفي المعرفة روينا عن ابن مسعود انه قال ثلاث كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن وتركهن الناس احداهن التسليم على الجنازة مثل التسليمتين في الصلوٰة اھ (اوجز المسالک ص۲۲۱ ج ۴)۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جو چوتھی تکبیر کے بعد شریک ہو وہ بھی شریک سمجھا جائیگا

اگر ایک شخص جنازہ میں ایسے وقت پہنچا کہ امام چاروں تکبیریں کہہ چکا تھا۔ مگر ابھی سلام نہیں پھیرا تھا کہ یہ تکبیر کہہ کر شامل ہوگیا۔ تو اس نے جنازہ پالیا یا نہیں؟

الجواب امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکورہ شخص شریکِ جنازہ سمجھا جائے گا اور یہی مفتیٰ بہ ہے یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد تین تکبیریں جلدی جلدی کہہ لے۔ وعن ابي يوسف يكبر فاذا سلم الامام قضى ثلاث تكبيرات وذكر في المحيط ان عليه الفتوىٰ اھ قلت وذكر ايضاً في الهندية عن المضمرات انه الاصح وعليه الفتوىٰ شامی ص۸۲۱ ج۱۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۸ / ۱۱ / ۱۴۰۴ھ

اُونچی آواز سے نیّت کرنا: آجکل جنازہ کی نماز میں امام اُونچی آواز سے نیت کرکے ہاتھ باندھ لیتا ہے تاکہ دوسروں کو یاد ہوجائے کیا یہ دُرست ہے؟

الجواب بلند آواز سے نیت کرنا کہیں منقول نہیں۔ اسے رواج نہ دیا جائے ضرورت محسوس ہو تو پہلے سمجھا دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد انور غفرلہ، ۲ / ۴ / ۱۴۰۱

غالی بدعتی کی اِقتداء میں جنازہ

بدعتی کے پیچھے جنازہ کی نماز کی اقتداء کرنا کیسا ہے اگر لوگوں کے ساتھ مل کر کھڑا ہوجائے اور اقتداء کی نیت نہ کرے۔ علیحدہ ہونے کی طرح نماز پڑھ لے یا اس

جنازہ میں شرکت ہی نہ کرے ؟

الجواب بدعتی غالی نہ ہو تو اسکی اقتداء میں جنازہ پڑھ لے مگر انکی کسی بدعت میں شریک نہ ہو۔ بدعتی غالی ہو تو میت کے لئے جہاں ہے وہیں سے مخلصانہ دُعا کر دے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ،
عبدالستار عفا اللہ عنہ ، ۷ / ۲ / ۱۴۰۱

جنازہ لیکر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں ؟

جنازہ لے کر جو چالیس قدم ، دس دس قدم لوگ گنتے ہیں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب یہ حدیث درمختار میں نقل کی ہے۔ من حمل جنازۃ اربعین خطوۃ کفرت عنہ اربعین کبیرۃ اور شامی نے اس حدیث کو زیلعی سے نقل کیا ہے۔ اور بحر میں بدائع سے منقول ہے اور شرح منیہ میں ہے کہ اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۷۸ ؛ ج ۵، ب) فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیرالمدارس ۔ ملتان

جنازہ کے وضو سے فرض ادا کرنا :

جنازہ کے لئے کئے گئے وضو سے فرض ادا کئے جا سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب فرض ادا کئے جا سکتے ہیں ، لان الوضوء طہارۃ

مطلقۃ ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہٗ ۲۲ / ۱۰ / ۹۸ ھ

مغرب سے چند منٹ پہلے جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک مولوی نے نمازِ جنازہ نمازِ مغرب سے پانچ چھ منٹ پہلے ادا کی۔ کیا وہ نمازِ جنازہ جائز ہے۔ جس نے نمازِ جنازہ پڑھائی ہے۔ کیا وہ قابلِ امامت ہے ۔ ؟

الجواب اگر جنازہ آیا ہی اس وقت میں ہے تو یہ نماز درست ہو گئی۔ اور امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور اگر جنازہ پہلے کا آیا تھا مگر پڑھا عین غروب کے وقت تو یہ نمازِ جنازہ درست نہیں ہوئی۔ وکرہ صلوۃ ولو علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو مع شروق واستواء وغروب اھ (شامی ص ۳۷۷ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
محمد انور غفرلہٗ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے

کتبِ فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ جنازہ کی چارپائی کو بھی خوشبو لگائی جائے جبکہ ہمارے ہاں یہ معمول نہیں ہے کیا یہ مستحب متروک ہو گیا ہے ؟

الجواب میت کی چارپائی کو بھی وتراً خوشبو کی دھونی دینا مستحب ہے اسے بھی معمول بنایا جائے ۔

فیجمر السریر والکفن وقد ترک الناس التجمیر علی الجنازۃ فی دیارنا وبقی التجمیر مقصوراً علی الکفن اھ (البنایۃ ص ۱۰۷۷ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ، ۳ / ۲ / ۱۴۰۹ ھ

میت کے تمام احکام میں مُراہق بالغ کے حکم میں ہے

بارہ۱۲ تیرہ۱۳ سال کا اگر لڑکا یا لڑکی مرجائے تو اس کا حکم بالغ کا ہے یا نابالغ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب اتنی عمر کا لڑکا اور لڑکی بالغ کے حکم میں ہے ۔ (قولہ والمراھق کالبالغ) ـــــ الذکر کالذکر والانثی کالانثی قال فی البدائع لان المراھق فی حیاتہ یخرج فیما یخرج فیہ البالغ عادۃ فکذا یکفن فیما یکفن فیہ اھ (شامی ص۶۳۸ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

جنازہ کس حد تک تیز لیکر چلا جائے

عام مشہور ہے کہ جنازہ تیز تیز لیکر چلا جائے اس تیزی کی حد بیان فرمائیں کہ کس قدر تیز چلا جائے ؟ سائل : رب بھروسے عطر فروش مین بازار ، میاں چنوں

الجواب اس قدر تیز چلا جائے کہ میت چارپائی پر ادھر اُدھر نہ ہو ۔ (والاولیٰ ما فی البحر حیث قال وحدہ ان لا یسراع المسنون بحیث لا یضطرب المیت علی الجنازۃ ۔ الطحطاوی علی المراقی ص۳۳۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

جنازہ مغرب کی سُنتوں سے مؤخر اور نوافل سے مقدم کیا جائے

قبل از نماز مغرب جنازہ حاضر ہو تو مطابق قاعدۂ شرعیہ کے بعد ادائیگی نماز

مغرب کے سُنت و نوافل سے قبل، نماز جنازہ ادا کریں گے یا بعد سُنت و نوافل کے نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ؟

الجواب مفتی بہ قول یہ ہے کہ سُنت مغرب کو نماز جنازہ سے پہلے پڑھ لیا جائے ۔ اور بعد میں نماز جنازہ ادا کیا جائے ۔ البتہ نوافل سے جنازہ کو پہلے ادا کیا جائے ، کما فی الدر مع الشامیۃ ص۵۸۰ ج۱ وتقدم صلوٰۃ الجنازۃ علی الخطبۃ الیٰ قولہ ولکن فی البحر من الحلبی الفتویٰ علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ اقرہ المصنف کانہ الحاق لہا بالسنۃ ۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحٰق غفرلہ ، ۱۳۷۷/۷/۶ھ

عبد اللہ عفا اللہ عنہ ، ۷/۷/۱۳۷۷ھ

سود کو حلال کہنے والے کا جنازہ

ایک شخص سُود کو حلال کہتا ہے اُس کی نمازِ جنازہ ادا کریں یا نہ کریں شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب یہ شخص کافر ہے اسکی نماز جنازہ ادا نہ کی جائے ،

فقط ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ،

بغیر جنازہ پڑھی گئی لاش پر مٹی نہ ڈالی گئی ہو تو نکال کر جنازہ پڑھا جائے

کمیٹی والوں نے ایک لاوارث لاش کو عیسائیوں سے قبر کھدوا کر اس کے اندر رکھ دیا ، ابھی مٹی نہیں ڈالی تھی کہ پتہ چلا کہ انہوں نے جنازہ نہیں پڑھوایا تو اب کیا کرنا چاہیئے تھا آیا قبر میں پڑے پڑے کا جنازہ پڑھا جائے یا باہر نکالا جائے ؟

الجواب: مٹی ڈالنے سے پہلے علم ہو جائے تو نکال کر جنازہ پڑھا جاوے ـــــ (قوله واهيل عليه التراب) فان لم يهل اخرج وصلى عليه كما قدمناه عن البحر شامیہ ج۲ ص۲۲۶ ۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ،

جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان

صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر جنازہ پڑھنا

ایک مسلمان قتل ہو گیا ۔ ایک ماہ بعد اسکی نعش اس حالت میں ملی کہ جنگلی جانور اس کا گوشت پوست کھا گئے تھے ۔ صرف ہڈیاں بعد میں ملی ہیں ۔ اور یہ ہڈیاں واقعی اسی کی ہیں اس کے جوتوں اور شناختی کارڈ سے پہچان کر لی ہے ۔ کیا اس کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ یہ جو کتب فقہ میں ہے کہ بغیر جنازہ دفن ہوئے مسلمان پر گلنے سڑنے سے پہلے جنازہ پڑھا جا سکتا ہے بعد میں نہیں ۔ کیا ان ہڈیوں کا بھی یہی حکم ہے وضاحت فرمائیں!

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صرف ہڈیوں کے ڈھانچے پر نمازِ جنازہ جائز نہیں ۔ مراقی میں ہے کہ ويصلى عليه مالم يتفسخ اسکی تشریح علامہ طحطاوی نے یہ کی ہے ۔ ای تتفرق اعضاءہ فان تفسخ لا يصلى مطلقاً لانها شرعت على البدن ولا وجود له مع التفسخ ص۳۲۵ اس سے معلوم ہوا کہ پھٹنے کے بعد جنازہ جائز نہیں پھولنے پھٹنے کا عمل گوشت میں ظاہر ہوتا ہے ۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی ہوتا ہے ۔ نیز لانها شرعت على البدن یہ تعلیل بھی صادق آتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح ،
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

۱۱ / ۴ / ۱۴۱۱ ھ

شیعہ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں

اہل سنت کیسے شیعہ کا جنازہ پڑھیں جو علانیہ شیعہ ہو ۔ ۲ ۔ اہل سنت کا امام اہل شیعہ کا جنازہ پڑھتا ہے اور شیعہ اس کے پیچھے پڑھتے ہیں ۔ بعد ازاں اہل سنت کا امام شیعہ امام کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کرتا ہے ۔ کیا ایسا امام جو اہل سنت کا عقیدہ رکھتا ہے ۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: اگر اس کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں تو اسکا نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں ، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو تب بھی اس کے مبتدع ہونے میں کلام نہیں اور مبتدعین کے جنازہ میں دینی مقتدا کا شامل ہونا بھی زجراً و توبیخاً درست نہیں ۔ کما فی الحدیث .... مشکوٰۃ ص۲۴ پس امام مذکور کے لئے استغفار لازم ہے تائب ہونے کی صورت میں اسکی امامت درست ہے ۔

الجواب صحیح ،
عبد الستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ۱۸ / ۱ / ۱۳۸۸

نامحرم عورت کی میت کو کندھا دینا درست ہے

عورت کا جنازہ غیر محرم مرد قبرستان کی طرف لے جاتے وقت اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک کیا اختلاف ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ناجائز اور امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے ۔ کیا یہ صحیح ہے ؟

الجواب: ۱ ۔ عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب ہے اور ثواب ہے ۔ اور چاروں پاؤں کو اٹھانا مستحب ہے ۔ ہر ایک پائے کو دس دس قدم اٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نامحرم عورت کے جنازہ کو نہ اٹھانا ، کہیں نظر سے نہیں گزرا (فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۲۸۲)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

نمازِ جنازہ کی لوگوں کو اطلاع دینا

نمازِ جنازہ کا آبادی، بازار وغیرہ میں اعلان کرنا کیسا ہے؟

الجواب جاہلیت کے طریقہ پر اور مروجہ طریق پر رکشوں پر سپیکر لگا کر تمام شہر اور گلی کوچوں میں اعلان کرنا پسندیدہ نہیں۔ ہاں بے تکلف جن جن حضرات اور عزیز واقارب کو اطلاع ہوسکے اسمیں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اتباعِ جنازہ بھی مسلم میّت کے حقوق میں سے ہے اور یہ اطلاع ہی پر موقوف ہے۔

ویکرہ النداء فی الاسواق والمحلات لان ذالک تشبہ باہل الجاهلية كذا ذكر الفقيه ابو الليث۔ قال صاحب الاختيار والاصح انه لا يكره لان فيه اعلام الناس فيؤدون حقه وفيه تكثير المصلين والمستغفرين له اھ (تبيين الحقائق ص۲۳۵ ج۱)

۱۲ / ۹ / ۱۴۱۱ ھ فقط واللہ اعلم محمد انور غفرلہ

کیا جنّات سے بھی حساب وکتاب ہوگا؟

قیامت کے روز جنّات سے حساب وکتاب ہوگا یا نہیں اور دوزخ، جنت میں ان کا داخلہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب جنّات سے حساب وکتاب اور اس کے بعد اسپر ثواب وعتاب متعدد احادیث میں وارد ہے۔ بعض نے دخولِ جنّت کا بھی لکھا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ان کو عذاب سے بچاؤ ہی ان کے لئے جنّت ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو دیکھیں حیاۃ الحیوان جلد اوّل ——— فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ ۱۳/۷/۱۴۰۰ ھ

تعزیت کے لئے دریاں بچھا کر بیٹھنا

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اہلِ میّت اپنے مکان کے دروازہ پر چٹائی وغیرہ بچھا دیتے ہیں جہاں پر لوگ تعزیت کے لئے آکر بیٹھ جاتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔؟

الجواب تدفین کے بعد مستقل تعزیت کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے اور رسمِ جاہلیت ہے۔ ہرگز ایسا نہ کیا جائے جو اتفاقاً جہاں ملے وقت کے اندر اندر تعزیت کرلے۔

ويكره التعزية عند القبر وعند باب الدار (در مختار) (قوله وعند باب الدار) وفى الظهيرية ويكره الجلوس على باب الدار للتعزية لانه عمل اهل الجاهلية وقد نهى عنه. وما يصنع فى بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطريق من اقبح القبائح اھ (شامی ص۸۴۲ ج۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

جنازہ لیجاتے وقت سر آگے رکھیں:

جنازہ قبرستان لیجاتے وقت سُنّت کے موافق سر آگے ہونا چاہیئے مگر عوام اس کے برعکس کرتے ہیں کہ پیر آگے اور سر پیچھے جس سے مونڈھا دیتے وقت بھی سُنّت کی موافقت نہیں ہوتی اور ویسے بھی بُرا معلوم ہوتا ہے مگر وہ اسلئے کہ پیر میّت کے قبلہ کی طرف ہوتے ہیں۔ مطلع فرمائیں ایسا کرنا چاہیئے یا نہیں، قبرستان بستی سے جانب مشرق ہے۔

الجواب وفى العالمكيرية ص۸۲ ج۱ وفى حالة المشى بالجنازة يقدم الراس۔ روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو قبرستان

کی طرف لیجاتے وقت سر آگے کی طرف ہونا چاہیئے اگرچہ قبرستان مشرق ہی کی طرف ہو عوام کی باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبداللہ عفا اللہ عنہٗ مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

بندہ محمد اسحاق غفرالله لہٗ نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان ۲۵ ۲/۱۳۸۴ھ

جس میت کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو اس کے جنازہ کا حکم

ایک عورت کی لاش ملی ہے مگر پتہ نہیں چلتا کہ مسلمہ کی ہے یا غیر مسلمہ کی کیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں ؟

الجواب: مذکورہ عورت کی نمازِ جنازہ پڑھی جاوے۔ ولو وجد میت اوقتیل فی دار الاسلام الصحیح انه یغسل و یدفن فی مقابر المسلمین لحصول غلبة الظن بکونه مسلماً بدلالة المکان وھی دار الاسلام وفیه وھل یعمل بدلیل المکان وحدہ الصحیح انه یعمل به لحصول غلبة الظن اھ بدائع (ص۳۰۲ ج۱)،

الجواب صحیح، محمد صدیق مدرس خیرالمدارس ملتان

احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۱۹ / ۹ / ۹۶ھ

جماعت میں دیر ہو تو نمازِ جنازہ کو مؤخر نہ کیا جائے

زید کہتا ہے کہ جب نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ چاہے جماعت کا وقت ایک آدھ گھنٹہ بعد ہو تو اب اگر ایک جنازہ آجائے تو پہلے فرض نماز پڑھی جائے۔ پھر جنازہ پڑھا جائے کیا زید کی بات صحیح ہے ؟

۱۔ عصر کی نماز کے بعد نمازِ جنازہ درست ہے۔
۲۔ عصر کی نماز سے پہلے بھی نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب: ۱۔ زید کی بات درست نہیں تقدیم فرض علی الجنازة کا حکم ہر صورت میں نہیں۔ ہاں اگر جماعت تیار ہو تو پھر فرض وقت کو مقدم کیا جائے اگر جماعت میں اتنی دیر ہو جتنی سوال میں مذکور ہے۔ تو جنازہ ہی پہلے پڑھا جائے وینبغی تقدیم الجنازة والکسوف حتی علی الفرض مالم یضق وقته اھ (شامی ص۴۹۵ ج۱) وکذا فی فتاوی دار العلوم ص۳۶۳ ج ۵)

۲،۲ درست ہے۔ فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان

(کبھی نماز نہ پڑھنے والا جنازہ پڑھا سکتا ہے)

تارک نمازِ پنج گانہ اگر نمازِ جنازہ پڑھائے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں ؟

الجواب: (نمازِ جنازہ ادا ہو جائے گی لیکن ایسے شخص کو امام بنانا ناجائز ہے۔ وتکرہ امامة الفاسق۔) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیرالمدارس

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ نائب مفتی خیرالمدارس۔ ملتان ۱۲/۵/۱۳۸۲ھ

کل شرکاءِ جنازہ سات ہوں تو بھی طاق صفیں بنانا اولیٰ ہے

اگر جنازہ میں صرف چند آدمی ہوں تو بھی طاق صفیں بنائی جائیں یا ایک ہی صف بنائی جائے ؟

الجواب: (وتر صفیں بنانا اولیٰ ہے حتیٰ کہ اگر کل سات آدمی ہوں تو بھی تین

صفیں بنانا اولیٰ ہے۔ اس طرح کہ ایک امام بن جائے۔ اس کے پیچھے پہلی صف تین آدمیوں کی ہو دوسری دو کی اور تیسری ایک کی۔

ولهذا قال في المحيط ويستحب ان يصف ثلاثة صفوف حتى لو كانوا سبعة يتقدم احدهم للامامة ويقف وراءه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد اھ (شامی ص۸۱۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہٗ

کسی خاص شخص کے بارے میں جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تو اسکا حکم

اگر کوئی یہ وصیت کر جائے کہ میری نمازِ جنازہ فلاں شخص پڑھائے کیا اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے؟

الجواب اس وصیت کا پورا کرنا لازم نہیں، ہاں اگر کسی بزرگ شخص کے بارے میں وصیت کی ہو اور آسانی سے اس پر عمل ہوسکتا ہے تو مضائقہ بھی نہیں۔

ولو اوصى ان يصلى عليه فلان ففي العيون ان الوصية باطلة وفي نوادر ابن رستم جائزة ويؤمر فلان بالصلوٰة عليه. قال صدر الشهيد الفتوى على الاول اھ (تبيين الحقائق ص$\frac{۲۳۹}{۱}$)

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

جنازہ کے بارے میں عام مساجد کو حرمین پر قیاس نہ کیا جائے

مسجد میں نمازِ جنازہ سے روکا جائے تو بعض لوگ مسجد حرام کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں ہوتا ہے لہذا یہاں بھی جائز ہونا چاہیئے۔ اس اشکال کا مدلل جواب

تحریر فرمائیں؟ کیا مسجدِ حرام پر عام مساجد کو قیاس کرنا درست ہے؟

الجواب حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وکرامۃ "اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور فقہاءِ کرام نے اس استثناء کی چند وجوہ ذکر فرمائی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

واما مسجد الحرام فمستثنى كما صرح به ابن الضياء اذ هو موضوع لاداء المكتوبات والجمعة والعيدين وصلوٰة الكسوف والخسوف وصلوٰة الجنازة والاستسقاء ولعله لهذا المعنى جمع في قوله تعالى انما يعمر مساجد الله او لكبره او وسعة قدره او لتعظيم امره او لاشتماله على جهات كل جهة بمنزلة مسجد او لانه قبلة المساجد كلها اھ (شرح نقایہ ص$\frac{۱۳۲}{۱}$)

فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

اُجرت طے کر کے جنازہ پڑھانا

بستی کے مولوی صاحب اتفاقاً نہ تھے، باہر سے ایک مولوی صاحب آئے انہیں جنازہ کا کہا گیا تو اُنہوں نے کہا میں غریب آدمی ہوں میری کچھ خدمت ضرور کرنا چنانچہ پچاس روپے طے پائے تب اُنہوں نے جنازہ پڑھایا کیا یہ جنازہ ہوگیا؟

الجواب نمازِ جنازہ ادا ہوگئی اور نمازیوں سے فرض ساقط ہوگیا مگر اُجرت لینا حرام ہے۔

ولا يجوز اخذ الاجرة على الطاعة كالمعصية وفيه انهم اخذ الاجرة على الطاعة لا يجوز مطلقاً عند المتقدمين واجازه المتاخرون على تعليم القرآن والاذان والامامة للضرورة كما بين في محله ومقتضاه عدم الجواز هنا وان وجد عنده لانه طاعة تعين اولاً ولا تختص عدم الجواز

بالواجب نعم الاستیجار علی الواجب غیر جائز اتفاقاً الخ
وعبارة الفتح ولا یجوز الاستیجار علی غسل المیت ویجوز
علی الحمل والدفن واجازه بعضهم فی الغسل ایضاً شامیہ ص۸۰۲ ج۱

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور عفا اللہ عنہ

مطلقہ رجعیہ اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے

کیا مطلقہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے ؟

الجواب: اصل تو مرد عزیز و اقارب کو غسل دینا چاہیئے لیکن بہر حال اگر رجعیہ ہو اور عدت میں ہو تو غسل دے سکتی ہے ۔

فلو کان طلقها ثم مات وهي فی العدة فان کان الطلاق رجعیا فلها ان تغسله لان الطلاق الرجعی لا یزیل الزوجیة وان کان بائنا لا تغسله اھ (تبیین الحقائق ص۲۳۵ ج۱)

محمد انور عفا اللہ عنہ

مرتد کو کیسے دفن کیا جائے ؟

مرتد جب قتل کر دیا جائے تو اس کو کیسے دفن کیا جائے ؟

الجواب: (گڑھا کھود کر کتے کی طرح اس میں پھینک دیا جائے ۔)

اذا قتل المرتد یحفر حفیرة ویلقی فیها کالکلب اھ (مجموعة الفتاوی ص۲۲۷ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،
محمد انور

مرنے والا وصیت کر جائے تو تہائی مال سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے

عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس نے کچھ نقد کچھ زیور اور کپڑے چھوڑے ہیں ان کے ذمہ کچھ زکوٰۃ بھی دینی باقی ہے خاوند ان کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرے یا اپنے پاس سے ادا کرے ؟

الجواب: اگر متوفاۃ مذکورہ زکوٰۃ دینے کی وصیت کر گئی ہو تو اس کے تہائی مال میں سے ادا کر دی جائے اور اگر وصیت نہیں کر گئی تو پھر ورثاء پر اسکی طرف سے زکوٰۃ دینا لازم نہیں ۔ ہاں اگر کوئی وارث خوشی سے اپنے مال سے اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو بہت بہتر ہے یا سب وارثان رضا مندی کے ساتھ بشرطیکہ سب بالغ ہوں تو اس کے کل ترکہ میں سے قبل از تقسیم ادا کر دیں تو بھی درست ہے ۔

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبداللہ غفراللہ لہٗ بندہ اصغر علی غفراللہ لہٗ ۲۵ / ۱ / ۱۳۷۸ھ
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہٗ

قبر کے کتبہ پر کیا لکھنا چاہیئے :

ہمارے میاں چنوں میں جامع مسجد محمودیہ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ جو خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں کی قبر ہے ۔ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی قبر پر ان کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے ۔ اس تختی کے علاوہ اب ایک نمازی نے ان کے سرہانے کی طرف دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت لکھوا دی ہے ۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، یا اللہ ، یا محمدؐ ، فاذکرونی اذکرکم افضل الذکر لا اله الا الله محمد رسول الله ۔ بنا اعمال کو رحمت کے قابل ، کیا کر ہر گھڑی ذکر الٰہی ۔ اور بھی اشعار ہیں ۔ اس سلسلہ میں نمازیوں نے مولانا کے صاحبزادے کو کہا کہ یہ تو آہستہ آہستہ مزار بن جائے گا اور عورتیں آنے لگیں گی ۔ چادر چڑھانے لگ جائیں گے ۔ آئندہ چل کر پرستش شروع ہو جائے گی مولانا کی وصیت بھی ہے کہ مجھے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے

مسجد میں دفن کرنا کہیں میری قبر بھی شرک کا اڈہ نہ بن جائے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مضامین اضافہ کرنے کی اجازت ہے یا نہ؟

الجواب: (بوقت ضرورت نام اور تاریخ وفات کی اجازت ہے اس سے زائد ممنوع ہے) — بزرگان دین کا بھی یہی معمول ہے۔ لہذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے۔ وان احتیج الی الکتابة حتی لا یذهب الاثر ولا یمتهن فلا بأس به فاما الکتابة لبغیر عذر فلا اھ حتی انه یکرہ کتابة شئ علیه من القرآن او الشعر او اطراء مدح له اھ (شامی ص ۶۶۲ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور ۱۴/ ۷/ ۱۴۰۹ھ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ نائب مفتی

نمازِ جنازہ سراً ادا کی جائے: نمازِ جنازہ میں دعا جہراً مانگنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: (نمازِ جنازہ دعا و ذکر ہے اور اس کے بارے میں اخفاء اولیٰ ہے لہذا جہر نہ کیا جائے۔)

ویخافت فی الکل الا فی التکبیر (کنز الدقائق) وفی الذخیرة ولا یجهر فی صلوٰة الجنازة بشئ فی الحمد، والثناء وصلوٰة النبی لانه ذکر والاخفاء فی الذکر اولیٰ (تبیین الحقائق ص ۲۴۱ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

محمد انور غفرلہٗ

نابالغ بچی جس کا باپ مرزائی مگر والدہ مسلمان ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے

مولوی محمد طیب اور دو آدمی اور موجود تھے کہ چوہدری محمد شریف آیا اور اس نے

کہا مولوی صاحب ایک سال بھر کی لڑکی فوت ہوگئی ہے۔ جس کا والد مرزائی ہے اور والدہ اہلسنت والجماعت کی ہے آپ کا کیا خیال ہے جنازہ پڑھانے کا۔ مولوی صاحب نے کہا مرزائی جنازہ پڑھائیں گے۔ تو محمد شریف نے کہا کہ لڑکی کی والدہ تو اہل سنت والجماعت کی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا بے شک لڑکی کی والدہ سنی ہے۔ مگر نطفہ کس کا ہے۔ محمد شریف نے کہا کہ نطفہ تو مرزائی کا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مرزائی جنازہ پڑھائیں گے تو محمد شریف چلا گیا۔ دس بارہ منٹ کے بعد محمد شریف پھر آگیا۔ اس نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کہتی ہے۔ اگر کوئی صورت ہو تو مولوی صاحب کو کہو کہ جنازہ پڑھادیں ورنہ ہم بلا جنازہ پڑھائے دفن کردیں گے۔ اور مرزائی سے جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ پھر مولوی صاحب نے کہا لاؤ میں جنازہ پڑھاؤں گا۔ پھر جنازہ آگیا اور حنفی اور اہل حدیث سب نے مل کر جنازہ پڑھ دیا۔ بعد میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جنازہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے سب کافر ہوگئے اور ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ کیا یہ آدمی سچا ہے یا جھوٹا؟

الجواب: لڑکی مذکورہ کا جنازہ مسلمانوں ہی کو پڑھانا چاہیئے تھا۔ لہذا جن لوگوں نے لڑکی کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے انہوں نے درست کیا ہے۔

فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ۱۳۸۶/۱۱ھ

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

حضرت تھانویؒ نہ ہی دعا بعد الجنازہ کے قائل تھے اور نہ ہی ان کے جنازہ کے بعد دعا ہوئی ہے

آپکے مدرسہ کے مدرسین یا متعلقین میں سے کسی بزرگ نے حضرت تھانویؒ کے جنازہ میں یا کبھی ان حضرات کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی ہو تو کیا یہ حضرات بعد از سلام نمازِ جنازہ

دُعا کرتے تھے ؛ جبکہ ایک امام صاحب کہتے ہیں کہ حضرت تھانوی رح تو ایسا کرتے تھے حضرت تھانوی رح کے جنازہ پر بھی دُعا ہوئی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً یہ بہتان وافتراء ہے کہ حضرت تھانوی رح جنازہ کے بعد دعا کرتے تھے یا آپ کے جنازہ کے بعد یہ مروّجہ دعا مانگی گئی۔ حضرت تھانوی رح کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرنیوالے بہت سے لوگ ابتک زندہ ہیں بلکہ پڑھانیوالے بھی بقیدِ حیات ہیں۔ سب اِسکی تصدیق کریں گے کہ مذکورہ بالا دونوں باتیں جھوٹ ہیں۔

فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

۱۱ / ۱۰ / ۹۷ ھ

ایکسیڈنٹ میں فوت شدہ شہیدِ آخرت ہے

زید کسی ایکسیڈنٹ میں اچانک مرگیا تو یہ شہید ہے یا نہیں اگر شہادت میں شامل ہے تو کون سی شہادت ملے گی ایسے شہید کو غسل اور کفن دیا جائے گا۔ اور اسکے امتحان اور عذابِ قبر معاف ہے یا نہیں ؟ ۲- زید بلا قصور مقدمۂ قتل میں ملوّث ہوگیا اسکو پھانسی ہوگئی تو مظلومیت کی بناء پر شہید ہے یا نہیں۔ اور شہید والے احکام اس پر مرتب ہوں گے یا نہیں ؟

الجواب حامداً ومصلیاً ایکسیڈنٹ کی صورت میں موت واقع ہونے اور مقدمۂ قتل میں بلاقصور ملوّث کو پھانسی ہوجانے سے جو موت واقع ہوجائے دونوں کو بعد الموت غُسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا۔ اور نماز جنازہ اَدا کی جائے گی۔ یہ شہید ہیں مگر احکامِ آخرت کے اعتبار سے نہ کہ احکامِ دنیا کے اعتبار سے۔ کیونکہ جس شہید کے لئے احکامِ دنیا بدلتے ہیں۔ اسکی تعریف ان پر صادق نہیں آتی وہ تعریف یہ ہے۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة اى بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال الى قوله وكذا لوقتله باغٍ او حربي او قاطع طريق ولو تسبباً او بغير آلة جارحة او وجد جريحاً ميتاً في معركتهم كذا في الدر المختار ۱/۶۳۶
(منکر نکیر کے سوال کے بارے میں ردّ المحتار میں ہے کہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے)
ثم ذكر ان من لا يسأل ثمانية الشهيد والمرابط والمطعون والميت زمن الطاعون ص ۱/۶۳۸ اھ۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

کُفار کی فوج میں شریک مُسلمان مرجائے تو وہ شہید ہوگا یا نہیں ؟

اگر پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہو اور ہندوستان کی فوج میں کچھ مسلمان بھی موجود ہوں اور وہ اپنے ملک کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے جائیں تو کیا ہم انہیں بھی شہید کہیں گے یا کوئی اور حکم لگائیں گے۔ جبکہ ان مسلمان فوجیوں کو جبراً جنگ میں لایا جاتا ہے اور انکار کی صورت میں جان کا خطرہ ہے۔ آپ سے عرض ہے کہ مسئلہ کا جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً اگر کافروں کی فوج میں مسلمان ہیں اور ان کو جبراً مسلمانوں کے سامنے لایا جائے تو مسلمان فوج کافروں کو مارنے کی نیّت سے گولی چلائے اور قتال وجہاد کریں ان کی گولی سے اگر کوئی مسلمان مرجائے تو مسلمان فوج نہ تو عند اللہ مجرم ہے اور نہ ہی قتلِ مسلم کے احکامِ دنیاوی مُرتب ہوں گے۔ ہندیہ میں ہے۔

ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم اسير او تاجر وان تترسوا بالصبيان المسلمين او بالاسارى لم يكفوا عن

رمیهم ویقصدون بالرمی الکفار وما اصابوہ منهم لا دیة علیهم ولا کفارة (ص۲۵ ج ۲)

کفار کی طرف سے جو مسلمان مرگیا وہ آخرت کے اعتبار سے تو شہید ہے، حکمِ دنیاوی کے اعتبار سے (مثلاً عدمِ غسل وغیرہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شہید نہ ہوگا البتہ امام ابو یوسفؒ شہید قرار دیتے ہیں، ہندیہ میں ہے۔ او رمی مسلم الی المشرکین فاصاب مسلماً (الیٰ ان قال) وما تو ایغسلون خلافاً لابی یوسفؒ (ص۸۶ ج۱)

الجواب صحیح ، ۱۶/۲ فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۹ھ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

شہید زخمی ہونے کے بعد ہوش میں نہ آئے تو اُسے غسل نہ دیا جائے

ڈیرہ اسماعیل خان سے علماء کرام کا وفد حضرت مولانا حقنواز جھنگوی شہیدؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لئے گیا۔ اسوقت مظلوم حضرت شہیدؒ کی میت ہسپتال میں تھی، وہاں سُننے میں آیا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے کہ مولینا کو غسل نہ دیا جائے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز دورِ حاضر میں اگر کوئی مسلمان کسی باطل فرقے کے ہاتھوں مثلاً شیعہ، قادیانی، مودودی خارجی وغیرہ کے ہاتھوں شہید ہو جائے تو کیا اسے غسل دیا جائے یا نہیں، مُدلل جوابدیں؟

مولانا اللہ بخش، مدرس و ناظم دار العلوم عثمانیہ، مریالی

الجواب تنویر الابصار میں شہید دنیوی واخروی کی تعریف درج ذیل ہے۔

"ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلما بجارحة ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتله باغ او قاطع طریق ولو بغیر آلة جارحة الخ"

مذکورہ دونوں شقوں کے لحاظ سے حضرت جھنگویؒ شہید ہیں جس شخص میں بھی مذکورہ اوصاف موجود ہوں تو وہ شہید کہلائے گا۔ خواہ قاتل کا تعلق کسی فرقے سے ہی

کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ،

(ف):۔ واقعات کے مطابق مولانا مظلوم شہیدؒ زخمی ہوتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اُسی حالتِ بے ہوشی میں اِنہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ اور ہسپتال پہنچنے سے قبل ہی رُوح پرواز کر گئی۔ لہٰذا ارتثاث بھی نہیں پایا گیا۔ اسلئے غسل نہیں دینا چاہیئے تھا۔ ففی الشامیة "فلو لم یعقل لا یغسل وان زاد علیٰ یوم ولیلة۔ (شامی: ص۶۲۷ جلد اوّل) والجواب صحیح ،

۱۹ / ۸ / ۱۴۱۰ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ،

زنا کرتے ہوئے قتل ہو جانیوالا شہید نہیں

ایک شخص زنا میں مُبتلاء ہے اس کو دُوسرا شخص اسی وقت عورت کے اُوپر اس کو جان سے مار ڈالتا ہے مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟

الجواب ایسا مقتول شہید نہیں جبکہ قاتل کی بیوی وغیرہ سے فعلِ بد کی صورت میں مقتول ہوا ہو۔ کما تدلُّ علیه ھٰذہ الجزئیة لو کان مع امرأته وھو یزنی بھا او مع محرمه وھما مطاوعانِ قتلھما جمیعاً (درمختار ص۱۸۵ ج۲)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ ،

الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۳ / ۲ / ۸۶ھ

شہید کو غسل نہ دیا جائے:

ایک بے گناہ لڑکی قتل ہوئی ہے اسکے باپ نے اس کو چھُری سے قتل کیا ہے وہ اس سے فعلِ بد کرنا چاہتا تھا تو اب اسے انہی کپڑوں میں دفن کیا جائے یا نہ؟ محلہ کے لوگ یہ تصدیق کرتے ہیں کہ لڑکی حق بجانب تھی۔

الجواب وھو فی الشرع من قتله اھل الحرب والبغی الخ

او قتلہ مسلم ظلماً ولم تجب بقتلہ دیۃ کذا فی الکافی
ولو وجبت الدیۃ بصلح او بقتل الاب ابنہ لا تسقط
الشہادۃ اھ (ھندیہ ص۱۶۸ ج۱)
وحکمہ انہ لا یغسل ویصلی علیہ ویدفن بدمہ اھ کذا
فی الہندیۃ ص۱۶۸ ج۱

جزئیاتِ بالا کی بناء پر یہ مظلوم لڑکی شہید ہے لہٰذا اسے غسل نہ دیا جائے۔ بلکہ انہی خون آلود کپڑوں میں کفن دے کر نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے اگر یہ کپڑے کفن سنت سے کم ہوں تو مزید کپڑا کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۵/۹/۸۶ھ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نیم پاگل ڈوب کر مر جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟

نیم پاگل اگر کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کو شہادتِ صغریٰ کا درجہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر کچھ دین ایمان کو سمجھتا ہے تو اُمید ہے کہ یہ موت ضرور رفع درجات کا سبب بنے گی۔ فقط واللہ اعلم
۷/۲/۱۴۰۱ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

ہجوم میں دب کر مرنے والا حکماً شہید ہے

ایک شخص اسلامی کانفرنس پر گیا اس غرض سے کہ شاہی مسجد میں شاہ فیصل کے پیچھے نمازِ جمعہ بھی ادا کریں گے تو نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد ہجوم کے اندر دب کر فوت ہوگیا۔ کیا یہ متوفی شہید ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ شخص حکماً شہید ہے لیکن اسے غسل وغیرہ دیا جائے گا۔
فقط، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، ۹/۲/۹۲ھ

جلسے جلوسوں میں مرنے والا شہید ہوگا یا نہیں؟

۱۔ ایک شخص موجودہ جلسے اور جلوسوں میں شمولیت کرتا ہے یعنی قومی اتحاد کے جلسے اور جلوسوں میں اور ان میں تشدد کا نشانہ بن جائے یا قتل ہو جائے کیا یہ شخص شہید ہے یا نہیں؟
۲۔ ان جلسوں اور جلوسوں میں بغیر اذنِ والدین کے شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ۱۔ دنیاوی احکام کے لحاظ سے اگر اس پر شہید کی تعریف صادق آتی ہو تو اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے البتہ انجام کا دارومدار نیت پر ہے لقولہ علیہ السلام انما الاعمال بالنیات۔
۲۔ جہاد بھی جب تک فرضِ کفایہ کے درجہ میں ہو تو والدین کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔
فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ
خیر المدارس۔ ملتان
۴/۷/۹۸ھ

جنازہ کب فرض ہوا ؟

نمازِ جنازہ کب فرض ہوئی ہجرت سے قبل یا بعد کیا حضرت خدیجہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی یا نہ اگر پڑھائی گئی تو کس نے پڑھائی ؟

الجواب نمازِ جنازہ کی مشروعیت ہجرت کے پہلے سال ہوئی ہے ہجرت سے قبل جو حضرات وفات پا گئے تھے اُنکی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی گئی۔ اوجز المسالک میں ہے۔ وفی الانوار الساطعة شرعت صلوٰة الجنازة بالمدينة المنورة فی السنة الاولیٰ من الهجرة فمن مات مكة المشرفة لم يصل عليه (ص ۱۹۱/ج ۴) فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
۱۴ / ۱ / ۱۳۹۰

جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مُصلّٰی بچھانا

نماز جنازہ پڑھاتے وقت امام کے سامنے مصلّٰی جائے نماز بچھانا کیسا ہے؟

الجواب ضروری نہیں۔ اور جو فعل شرعاً ضروری نہ ہو اسے لازم قرار دینا بدعت ہے۔
فقط واللہ اعلم، محمد اسحاق
مدرس خیر المدارس۔ ملتان ۲۳ ۶/۹۱ ھ

میت کو بوقت جنازہ چارپائی کے بجائے زمین پر رکھنا

بعض علاقوں میں جنازہ پڑھتے وقت میت کو چارپائی سے نیچے اُتار دیتے ہیں کیا یہ کرنا سُنت ہے یا مستحب یا مُباح ؟

الجواب شریعت میں ایسا فعل ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۸/۴/۱۴۱۲ھ

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا

ایک شخص نے قسم اُٹھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا نہ پڑھاؤں گا۔ اگر وہ نمازِ جنازہ پڑھ لے یا پڑھائے۔ آیا حانث ہوگا یا نہیں ؟

الجواب دونوں صورتوں میں حانث نہ ہوگا۔ ففی الهندية ولو حلف لا يصلی فقام وقرأ ورکع لم یحنث وان سجد مع ذالك ثم قطع حنث كذا فی الهداية۔ جب قیام و قرأت اور رکوع پائے جانے کے باوجود حانث نہیں ہوتا تو جنازہ پڑھنے یا پڑھانے سے بطریق اولیٰ حانث نہیں ہوگا۔ نیز اس لئے کہ نماز سے مراد صلوٰة مطلقہ ہے جو رکوع سجدے والی ہوتی ہے۔ جنازہ اس میں داخل نہیں۔ وفيها ايضاً رجل حلف ان لا يؤم احداً (الی ان قال) ولو ام الناس فی صلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة لا يحنث لان يمينه تنصرف الی الصلوٰة المطلقة وهی المكتوبة او النافلة وصلوٰة الجنازة ليست بصلوٰة مطلقة ص ۲۱۴-۲۱۵، اور ابن الہمامؒ کی بحث صورت مسئولہ میں جاری نہیں، علاوہ ازیں خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۲۹/ج ۲ اور بحر الرائق ص ۳۸۹/ج ۴ میں بھی یہ مسئلہ مصرح ہے۔ فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۹ / ۶ / ۱۴۰۱

مجذوم جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں ؟

زید فوج میں اپنے مقام پر فوت ہوگیا فوجیوں نے کفن وغیرہ دے کر جنازہ پڑھ دیا اور لاش ورثا کو پہنچا دی۔ جب لاش یہاں پہنچی تو باپ نے امامِ مسجد سے کہا کہ جنازہ پڑھاؤ امام نے کہا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا تم ولی ہو۔ تم دوبارہ پڑھا سکتے ہو۔ مگر تم جذام کے مریض ہو لہذا تمہاری امامت دُرست نہیں۔ نتیجۃً بغیر جنازہ ہی دفن کر دیا گیا

الجواب: ولی یعنی باپ امام صاحب کو اجازت دے کر امام صاحب سے جنازہ پڑھوا سکتا تھا ولی کو حق ہے خود پڑھے یا کسی سے پڑھوائے البتہ مجذوم کی امامت مکروہ ہے۔ وَلَہٗ ای للولی و مثلہ کل من یقدم علیہ من باب اولیٰ الاذن لغیرہٖ فیہا لانہ حقہ فیملک ابطالہ اھ (در مختار ص۸۲۲ شامی ج۱) ۔ محمد انور ۲۱/۷/۱۴۰۳ھ

ناپاک کپڑوں میں جنازہ کا حکم:

ناپاک کپڑوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: ناپاک کپڑے پہن کر نمازِ جنازہ درست نہیں۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح، محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۲۷/۲/۹۱ھ

جنازہ پر رشتہ دار جو چادریں ڈالتے ہیں وہ انہیں کی ملک ہیں

ایک عورت جس کا خاوند پہلے فوت ہو چکا تھا اس عورت کے مرنے کے بعد اور دفن کرنے سے پہلے جو چادریں برادری کی عزت کے لئے اس پر ڈالی گئیں وہ چادریں کس کا حق بنتی ہیں اس عورت کا باپ کہتا ہے کہ لوگوں نے میری عزت کے لئے ڈالی ہیں اور مرنے والی کے خاوند کا بھائی کہتا ہے کہ یہ چادریں میری عزت کے لئے ڈالی گئی ہیں۔ لہٰذا میرا حق ہے۔ اب وہ شرعاً کس کا حق ہیں؟

الجواب: وہ چادریں ڈالنے والوں کی ملکیت ہیں ان سے استفسار کیا جاوے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۳/۶/۱۳۹۶ھ
الجواب صحیح، عبد الستار عفا اللہ عنہ

نابالغ کی قبر پر فاتحۂ بقرہ پڑھنے کا حکم

نابالغ لڑکا یا لڑکی فوت ہو جائے تو تدفین کے بعد اسکی قبر پر اول آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے یا نہیں؟

الجواب: کان ابن عمرؓ یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمہا (شامی ص۲۳۸ ج۱)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہٖ الیٰ قبرہٖ ویقرأ عند رأسہٖ فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ (ص۱۴۹ ج۱)۔ حدیث پاک میں چونکہ کسی میت بالغ کی شرط نہیں لگائی اس سے بظاہر حکم میں تعمیم معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا نابالغ کی قبر پر بھی اول و آخر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲/۶/۱۴۰۸ھ

قبر میں میت کے نیچے چادر یا چٹائی وغیرہ نہ بچھائی جائے

بعض علاقوں میں رواج ہے کہ لحد میں میت کے نیچے چٹائی بچھا دیتے ہیں اور چادر وغیرہ بچھا دیتے ہیں کیا درست ہے؟

الجواب: لحد میں کوئی چیز نہ بچھائی جائے مٹی پر میت کو لٹا دیا جائے۔ وفی الاکتفاء اشعار بانہ لا یلقی الحصیر فی القبر تحت المیت فانہ مکروہ اھ (جامع الرموز ص۱۹۴)
ولا یجوز ان یوضع فیہ مضربۃ۔ (در مختار)

(قولهٗ ولا یجوز الخ) ای یکرہ ذٰلک قال فی الحلیة ویکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة او مخدّة او حصیر أو نحو ذالک اھ ولعل وجههٗ انهٗ اتلاف مال بلا ضرورة فالکراھة تحریمیة ولذا عبر بلا یجوز اھ (شامی ص ۶۵۹/۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۱/۹/۱۳۹۸ھ

(پسماندگان کے بارے میں بدعات وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو تو وصیّت کر جائے)

حُسنِ خاتمہ کے لئے وصیت فرمائیں تاکہ مرنے کے بعد کسی رسم و رواج میں مبتلا نہ ہوں مرنے سے پہلے مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیز و اقارب کو وصیت نامہ بنا کر سمجھا دوں اور میری تجہیز و تکفین عین سُنّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعتِ مُقدسہ کے مطابق ہو۔؟

الجواب (وارثوں کو تلقین کر دیں کہ کوئی امر خلافِ شرع و سنت نہ کریں ، شلاً بلند آواز سے رونا وغیرہ تجہیز و تکفین میں حتی الوسع دیر نہ کی جائے ۔ کسی کی شرکت کی وجہ سے جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے ۔ قبر میں ٹھیک داہنی کروٹ پر قبلہ رُخ لٹا دیا جائے ۔ صرف چہرے کا رُخ قبلہ کی طرف کر دینا کافی نہیں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی خاص دن یا کوئی خاص چیز متعین نہ کی جائے) ۔ چند عام پیش آنیوالی باتیں لکھ دیں کیونکہ آپ کے علاقے کے رسم و رواج کی ہمیں تحقیق نہیں ورنہ تفصیل لکھ دیتے کہ یہ چیز سُنّت کے مطابق ہے ۔ یہ مُخالف ۔ بہشتی زیور میں میّت کا بیان دیکھ لیں ۔

فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۲/۶/۱۳۹۸

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

جانور کے مُشابہ بچہ پیدا ہو تو اس کا حکم

ایک عورت کا بچہ پیدا ہوا اس کا مُنہ بہت چھوٹا اور دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سینگ تھے گھر والوں نے اس بچہ کا گلا دبا کر مار دیا اور جنازہ پڑھا گیا اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہوئے ہیں ۔

الجواب مسخ اشکال شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے ۔ گلا گھونٹ کر خود مارنا درست نہیں ایسے بچے ویسے ہی زندہ نہیں رہتے ۔ اُسے قتل کرنا سخت گناہ ہے ۔

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۲۰/۷/۱۴۰۴ھ

(زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ)

زیارت قبور کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا گیا تھا لیکن تشفّی نہیں ہوئی کیونکہ مندرجہ ذیل فتویٰ کے متعلق مندرجہ ذیل کتب میں یہ عبارات مذکور ہیں ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ۔

من باب السادس عشر من باب الکراھة اذا بلغ المقبرة خلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجهِ المیت ویقول السلام علیکم یا اھل القبور یغفر اللہ لکم ولنا واذا اراد الدعاء یقوم مستقبل القبلة (۲) والدعاء عندھا قائماً کما کان یفعلهٗ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الخروج الی البقیع (کبیری ص ۶۰۹ ایضاً ویدعو قائماً مستقبل القبلة ص ۶۱۱) (قد کانت الصحابة تدعو اللہ لنا ھناک مستقبلین القبلة ولم یرو منھم استقبال القبر عند الدعاء مع اللہ واختلف الائمة فی استقباله عند السلام فعند ابی حنیفة

رحمہ اللہ انہ لا یستقبل بل یستدبر و استقبل القبلۃ والصحیح المعمول علیہ انہ یستقبل وقت السلام وعند الدعاء یستقبل القبلۃ الخ (روح المعانی للعلامۃ آلوسی ص۱۲۶) (ویدعوہ مستقبل القبلۃ مجمع الانہر ص۵۵۲ ج۲) اور مجالس الابرار میں دعا کے بارے میں یوں ہے استقبل القبلۃ وجعل ظہرہٗ الی جدار القبر ثم دعا وھذا لا نزاع فیہ بین العلماء وانما نزاعھم فی وقت السلام قال ابوحنیفۃ یستقبل القبلۃ عند السلام ایضاً فانہٗ ایضاً دعاء والدعاء لا تکون عند القبر اھ (مجالس الابرار ص۳۶۲)

الجواب: طحطاوی ص۳۴۱ میں ہے۔ قال فی الاحیاء والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبر القبلۃ مستقبلاً وجہ المیت وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبلہٗ ولا یمسہٗ فان ذالک من عادۃ النصاریٰ کذا فی شرح الشرعۃ قال فی شرح المشکوٰۃ بعد کلام وحدیث مانصّہٗ فیہ دلالۃ علی ان المستحب فی حال السلام علی المیت ان یکون لوجھہٖ وان یستمر کذالک فی الدعاء ایضاً وعلیہ عمل عامۃ المسلمین خلافاً لما قالہٗ ابن حجر الخ

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ (بوقتِ دعا استقبال بوجہ المیت مستحب ہے)

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہٗ
الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہٗ
۳۰ / ۲ / ۸۹ ھ

خنثی کے جنازہ اور اس میں دُعا کا حکم

جو آدمی پیدائش سے خُنثٰی ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے؟

الجواب: اگر خنثٰی بالغ شخص ہے تو اسکی نمازِ جنازہ میں بالغ مَرد و عورت کی دُعا پڑھی جائے اور اگر خنثٰی نابالغ ہے تو اس کی علامات کی تحقیق کی جائے گی۔ اگر علامات مذکر غالب ہوں تو لڑکے والی دعا۔ پڑھی جائے اور اگر علامات مؤنث غالب ہوں تو مؤنث والی (لڑکی والی) دعا۔ اور تحقیق سے کُچھ تعین نہ ہو سکنے کی صورت میں دونوں دُعاؤں میں اختیار ہے۔ خواہ لڑکے والی دعا پڑھے یا لڑکی والی دعا۔ جو بھی پڑھے جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
رئیس الافتاء خیر المدارس ۲ / ۳ / ۱۴۰۹ھ

رمضان المبارک میں عَلانیہ کھانیوالے کا جنازہ،

جو شخص نماز کا پابند نہیں ہے اور روزے نہیں رکھتا، رمضان شریف کا احترام نہیں کرتا۔ علی الاعلان کھاتا پیتا ہے۔ سرِ بازار حقّہ نوشی کرتا ہے۔ باہر مرلے میں روٹی منگواتا ہے تو کیا ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟

الجواب: ایسا شخص فاسق ہے۔ شرعاً اس پر نمازِ جنازہ ترک نہیں کی جا سکتی ہاں اگر تنبیہاً ترک کی جائے کہ آئندہ لوگ ایسی حرکات سے باز رہیں تو پھر گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم، بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس۔ ملتان
الجواب صحیح، جمال الدین غفرلہٗ
الجواب صحیح، بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ
۱۰ / ۸ / ۱۳۷۲ھ

نہر سے نکالی ہوئی لاش بلا غسل دفن کر دی گئی ہو تو بھی قبر پر جنازہ پڑھا جائے

نہر سے ایک تازہ لاش بہتی ہوئی ملی، چند دیہاتیوں نے نکال کر یہ سوچ کر کہ پانی سے نکالی گئی ہے غسل کی ضرورت محسوس نہ کی اور قبر نما گڑھا کھود کر اس میں مکمل دفن کر دیا۔ آیا اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں ؟

الجواب اِس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاوے۔ (قوله ادبها بلا غسل هذا رواية ابن سماعة والصحيح انه لا يصلى على قبره في هذه الحالة لانها بلا غسل غير مشروعة كذا في غاية البيان لكن في السراج وغيره قيل لا يصلى على قبره وقال الكرخي يصلى وهو الاستحسان لان الاولى لم يعتد بها لترك الشرط مع الامكان والآن زال الامكان فسقطت فرضية الغسل وهذا يقتضي ترجيح الاطلاق وهو الاولى نهر (شامية ص۸۲۷ ج۱) فقط واللہ اعلم ، محمد انور مدرسہ خیر المدارس ملتان

شیعہ سُنیوں کے جنازہ میں شریک ہوں تو بجائے دُعا کے بددعا کرتے ہیں

بعض دفعہ اہلِ تشیع بھی سُنیوں کے جنازہ میں آکر شریک ہو جاتے ہیں۔ آیا انکی یہ شرکت درست ہے ؟

الجواب (اہلِ تشیع کو شریک نہ کیا جائے۔ کُتبِ شیعہ میں لکھا ہے کہ اوّل تو سُنی کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر بضرورت پڑھنا پڑے تو دُعا کے بجائے بدُعا کریں۔ تحفۃ العوام ص۱۳۸ ج۱ میں ہے۔ اگر سُنی خلافِ مذہب ہو اور بضرورت اس کا جنازہ پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ کہے۔

اللهم اخز عبدك في عبادك وبلادك اللهم اصله حر نارك اللهم اذقه اشد عذابك۔

ترجمہ: اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں اور اپنے شہروں میں ذلیل و رُسوا کر۔ اے خدا اِس بندے کی میت کو نارِ جہنم میں جلا۔ اے خُدا اسے سخت ترین عذاب دے۔

یہ چونکہ سُنی میت پر بدُعا کرتے ہیں اس لئے شرکت کی اجازت نہ دی جائے)

فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

قریب المرگ کی زبان سے کوئی نامُناسب کلمہ نکلے تو اُسکا کوئی اعتبار نہیں

محتضر اگر بوقت تلقین کلمہ سے اِنکار کر دے یا کلمہ کُفر یہ کہہ دے تو اس پر مسلمان کے احکام جاری ہوں گے یا غیر مسلم کے ؟

الجواب اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ وہ حالت بہت سخت ہوتی ہے اسوقت حواس معطل ہو جاتے ہیں اس لئے ایسے وقت کی کہی ہوئی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ عین ممکن ہے وہ صحیح ہی کہنا چاہتا ہو مگر غلطی سے کوئی کلمہ نکل گیا ہو۔ وان صدر عنه الانكار في تلك الحالة اعاذنا الله منه لا يلتفت الى انكاره ولا يحكم بكفره ويجرى عليه احكام المؤمن ويوكل سريره الى الله تعالى لان ذالك الوقت وقت ذهاب الحواس وتعطلها۔ وايضاً انه تلفظ بكلمة الكفر من دون قصد بل عسى ان يكون ارادته التكلم بكلمة الاسلام وظهر كلمة الكفر بسبقة اللسان اه (رسائل الاركان ص۱۵۱)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

میّت معقول وجہ سے امامِ محلہ سے ناراض ہو تو دوسرے کو بُلا سکتے ہیں

زید اپنے محلّہ کے امام صاحب سے کبیدہ خاطر رہتا تھا ان کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا تھا۔ اب زید فوت ہو گیا ہے تو وہی امامِ محلہ نماز پڑھائے یا کسی دوسرے کو بُلا سکتے ہیں ؟

الجواب اگر زید کسی معقول وجہ سے امامِ محلہ سے ناراض تھا تو جنازہ کے لئے دوسرے کو بُلا سکتے ہیں۔ فَعَلیٰ ھٰذا لو علِمَ انہ کان غیر راضٍ بہ حال حیاتہٖ ینبغی ان لا یستحب تقدیمہ اھ قلت ھٰذا مسلم ان کان عدم رضاہ بہ لوجہٍ صحیحٍ والا لا تأمل اھ (شامیہ ص۸۲۳ ج۱)

الجواب صحیح ، فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

کس صُورت میں چند اَموات کو اکٹھے دفن کر سکتے ہیں؟

جب ایامِ وبا میں اموات کی اِتنی کثرت ہو جائے کہ الگ الگ دفن کرنا مُشکل ہو جائے تو اکٹھے دفن کرنا بھی جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب اگر کوئی ایسی صُورت پیش آجائے کہ مثلاً زلزلہ یا وبا، یا سیلاب کی وجہ سے اموات بے شمار ہو جائیں۔ دفن کرنیوالے بہت کم ہوں تو ایسی صورت میں کئی میّتوں کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں۔ دونوں مُردوں کے درمیان مٹی کی دیوار کر دی جائے۔

ومن الضرورۃ المبیحۃ لجمع میّتین فصاعداً فی قبر واحد ابتداء علی ما ذکرہ ابن امیر حاج قلۃ الدافنین او اشتغالھم بما ھو: اھم ولیس منھا دفن الرجل

مع الرجل قریبہ ولا ضیق محل الدفن فی تلک المقبرۃ مع وجود غیرھا وإن کانت تلک المقبرۃ مما یتبرک بالدفن فیھا لمجاورۃ الصالحین فضلاً عن ھذہ الامور لما فیہ من ھتک حرمۃ المیت الأول و تفریق أجزائہ فیمنع من ذلک اھ ویُحجَزُ بین کل اثنین بالتراب ندبا إن أمکن کما فی ابن أمیر حاج لیکون فی حکم قبرین کما فی العینی علی البخاری (طحطاوی ص۳۲۶)

۱۲ / ۲ / ۱۴۰۲ھ فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہ

مرزائی کے جنازے کا حکم :

مرزائیوں کے جنازہ میں مسلمانوں کا شامل ہونا کیسا ہے ؟ ۲۔ مرزائی کے مرنے کے بعد مرزائی کے وارثوں کے پاس فاتحہ خوانی کے لئے جانا کیسا ہے ؟ ۳۔ اہل السُنت والجماعت کے جنازہ میں مرزائی کا شامل ہونا کیسا ہے۔ ۴۔ مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی کا دفن کرنا کیسا ہے ؟ ۵۔ پہلی صُورت میں مرزائی کا جنازہ پڑھنے والوں کا نکاح باقی ہے یا نہیں ؟

الجواب ۱۔ اگر مرنے والے کا مرزائی ہونا معلوم تھا، تو اس کا جنازہ پڑھنے والوں نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ہندو سکھ کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیئے اور مجمع عام کے سامنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کر کے توبہ کریں۔

۲۔ اگر پڑوسی ہو تو تعزیت کی کچھ گنجائش ہے فاتحہ ہرگز نہیں پڑھنی چاہیئے۔

۳۔ وہ شامل ہو کر یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں لہذا ان کو شامل نہ کیا جائے۔

۴۔ ناجائز ہے۔ شرعاً کافر کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ اگر اُنہوں نے مرزائیوں کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہے تو وہ احتیاطاً اپنے

اپنے ایمان ونکاح کی تجدید کریں ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اس کا جنازہ پڑھنا

ایک شخص نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی اور نہ کسی نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ مگر ہے کلمہ گو اور موحد اور مصدق بالرسالۃ ۔ تو ایسے شخص پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا کہ نہیں اگر جائز ہے تو اس حدیث شریف کا مطلب کیا ہے ؟ مَنْ ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر ؟

الجواب مسلمان تارک صلوٰۃ پر نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے ۔ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس نے قصداً نماز ترک کر دی وہ کافر جیسا کام کرنے والا ہو گیا نہ کہ خود کافر ہو گیا ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبداللہ غفر لہٗ خادم الافتاء
خیر المدارس ۔ ملتان ۲۵ / ۱۰ / ۷ھ

وضو کرنے سے جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم

نمازِ جنازہ ہو رہا ہے ۔ اگر وضو کرے تو نمازِ جنازہ نہ ملنے کا اندیشہ ہے اب وضو کرے یا تیمم ؟

الجواب نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم سے پڑھ سکتا ہے ۔

ویجوز التیمم اذا حضرتہ جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان یشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ ولا یجوز للولی الخ الخ قولہ یجوز لہ التیمم اذا اذن

لغیرہ بالصلوٰۃ الخ (عالمگیری ص ۱۶ ج ۱) فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور ، مفتی خیر المدارس ۔ ملتان
۱۷ / صفر / ۱۴۰۲ھ

جنازہ سامنے سے گزرے تو اسے دیکھ کر کیا پڑھا جائے ؟

جب جنازہ سامنے سے گزرتا ہے تو لوگ مختلف طریقے پر عمل کرتے ہیں ۔ بعض دیکھ کر سر پر کپڑا لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ بعضے بیٹھے رہتے ہیں ۔ اور بعض زیرِ لب کچھ پڑھتے بھی ہیں آپ شرعی حکم سے آگاہ کریں ؟

الجواب جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی سنت نہیں البتہ جب جنازہ سامنے سے گزرے یا جنازہ پر نظر پڑے تو یہ پڑھے ۔

"سُبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحیّ القیّوم ۔"

اور میت کے لئے دعاءِ خیر کرے اور ملائکہ کے جواب میں میت کے ثابت قدم رہنے کی دعاء کرے اور بعض کتب میں یہ دعاء منقول ہے ۔

ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ ویستحب لمن مرت علیہ جنازۃ اورآھا ان یقول سبحان الذی لا یموت لا الٰہ الا ھو الحی القیوم ویدعو للمیت بالخیر والتثبیت اھ وفی شرعۃ الاسلام اذا رآھا یقول ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ اللھم زدنا ایمانا وتسلیما اھ (طحطاوی ص ۳۲۳)

فقط واللہ اعلم ،
فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

بچہ کان میں اذان دینے سے پہلے مر جائے تو جنازہ کا حکم

بعض شہروں کے اندر رواج ہے کہ مسلمان کے گھر بچہ یا بچی اگر زندہ پیدا ہو اور اذان کان میں پڑھنے سے پہلے ہی مرجائے تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے ہمارے ہاں کئی بچے بچیاں زندہ پیدا ہوئے جو کہ اذان پڑھنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تو ان کی نماز نہیں پڑھی گئی۔ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جو بچہ یا بچی زندہ پیدا ہو، خواہ کان میں اذان پڑھی جائے یا نہ۔ اس کا نام بھی رکھا جائے اور اسے غسل بھی دیا جائے۔ اور اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔ ھندیہ میں ہے۔

ومن استهل بعد الولادة سمتي وغُسِلَ وصلي عليه ص ۸۱ ج ۱۔

دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنے کی اجازت نہیں (پھولنے پھٹنے سے پہلے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے)۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد عبداللہ عفی عنہ،

بندہ عبدالستار عفااللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ ملتان شہر

پاگل کی نمازِ جنازہ میں کونسی دُعا پڑھی جائے

ہمارا ایک بھائی پاگل تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا اسکی نمازِ جنازہ کے وقت بعض مولوی حضرات میں اختلاف ہو گیا کہ کونسی دعاء پڑھی جائے بعض کہتے تھے کہ بچے والی دُعا پڑھی جائے اور بعض کہتے تھے کہ بالغ والی۔ آپ صحیح حکم سے مطلع فرما دیں۔

محمد زبیر۔ جھنگ صدر

الجواب اگر تو وہ پیدائشی پاگل تھا تو اس پر بچے والی دعاء پڑھی جائے اور اگر بالغ ہونے کے بعد پاگل ہوا تھا تو پھر بالغوں والی دُعاء

پڑھی جائے۔ والمجنون کالطفل ذکرہٗ فی المحیط وینبغی ان یقید بالجنون الاصلی لانہ لم یکلف فلا ذنب لہٗ کالصبی بخلاف العارضی فانہ قد کلف وعروض الجنون لا یمحو ما قبلہ بل ھو کسائر الامراض ورفعہ للتکلیف انما ھو فیما یأتی لا فیما مضی اھ

(کبیری ص ۵۳۹) وکذا فی الشامیۃ ص ۵۸۷ ج ۱)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۶/۴/۱۴۱۰ھ

ثناء میں وجلّ ثناءک کی زیادتی شاذ ہے

دعائے جنازہ میں جو ثناء پڑھی جاتی ہے جس میں وجلّ ثناؤک کی زیادتی ہے یا اسی طرح درود شریف میں زیادتی ہے، آیا یہ حدیث سے ثابت ہے۔؟

الجواب ثناء کے متعلق جو مشہور روایات ہیں، ان میں وجلّ ثناؤک کے الفاظ نہیں ہیں، حدیث ابن عباس اخرجہ ابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب الدعاء میں ثناءک کے ساتھ ذکر کی ہے نیز حدیث ابن مسعودؓ میں بھی موجود ہے۔ عن ابن مسعود ان من احب الکلام الی اللہ عز وجل ان یقول العبد سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدّک وجلّ ثناءک ولا الہ غیرک رواہ الحافظ ابو شجاع فی کتاب الفردوس (فتح القدیر ص ۲۵) درود پاک کے حدیث میں مختلف صیغے وارد ہوئے ہیں، زیادتی والی روایت بیہقی میں موجود ہے۔ عن ابن مسعود عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تشھد احدکم فی الصلوٰۃ فلیقل اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک علی محمد وعلی آلِ محمد وارحم محمداً وآل محمدٍ کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی آلِ ابراھیم انک

حمید مجید (فتح القدیر ص ۲۷۵ ج ۱) صاحب عنایہ نے درود شریف مذکور حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ۔ ابن مسعودؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ثنار میں وجل ثناؤک اور درود شریف میں ترحمت وغیرہ کی زیادتی احادیث میں موجود ہے۔ گو احادیث مشہورہ اس سے خالی ہیں۔ اسلئے اس کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔ اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہی ثنار اور درود شریف پڑھنا چاہیئے جو احادیثِ مشہورہ میں منقول ہے۔

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ — بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مروّجہ اسقاط کا حُکم:

ہمارے ہاں جو کوئی فوت ہو جائے تو مقامی علمار جنازہ پڑھنے کے بعد مُردہ کو دفن نہیں کرتے بلکہ مُردہ اسی جگہ پڑا رہتا ہے۔ علمار اور دیگر غریب اس کے پاس بیٹھ کر اسقاط کرتے ہیں۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے میّت والا گھر سے کچھ مٹھائی اور ایک چھابہ میں تھوڑی گندم اور نمک کا ایک ڈبہ اور قرآن مجید اور کچھ نقدی لے آتا ہے۔ جنازہ خواں مولوی صاحب دِل میں اس پر کچھ پڑھتا ہے پھر اپنی دائیں طرف والے کو کچھ کہتا ہے کہ یہ چیزیں مَیں نے تجھے بخشی ہیں۔ پھر وہ دوسرے کو کہتا ہے۔ اسی طرح کرتے کرتے اگر لوگ بہت ہوں تو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مُردہ کو دفنانے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ وہ جنازہ خواں مولوی صاحب ایسا کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ ایسا کرنے کا کہیں ثبوت ہے؟ تو وہ مولوی صاحب بگڑ گئے، اور کہنے لگے کہ شیطان کا کام ہے لڑائی کرانا۔ یہ شخص بھی شیطان ہے۔ اور اسکی ساری جماعت شیطان ہے اور کافر ہے۔ اب معروض ہے کہ یہ اسقاط حضورِ اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کیا ہے۔ اگر نہیں تو اس مولوی صاحب نے اس شخص کو شیطان یا کافر کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب (اسقاط مروّج ناجائز اور بدعت ہے چند وجوہ سے، قال فی الشامیۃ

ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیّت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ فان اوصی باقل وامر بالدور وترک بقیۃ الثلث للورثۃ او تبرع بہ لغیرھم فقد اثم بترک ما وجب علیہ اھ وبہ ظھر حال وصایا اھل زماننا فان الواحد منھم یکون فی ذمتہ صلوات کثیرۃ وغیرھا من زکوٰۃ واضاح وایمان ویوصی لذالک بدراھم یسیرۃ ویجعل معظم وصیتہ لقراءۃ الختمات والتھالیل التی نص علمائنا علی عدم صحۃ الوصیۃ بھا الخ شامیۃ ص ۵۱۴ ج ۱۔

(جب وصیّت کے باوجود ولی کے ذمہ ضروری نہ ہوا تو عدمِ وصیّت کے وقت کیسے ضروری ہوگا۔

۲۔ جس اسقاط کی اجازت منقول ہے اسکی شرط یہ لکھی ہے۔ جبکہ وہ فقیر کے لئے ہو یا ثلث سے فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو۔ یہ صُورت کبھی اتفاقًا پیش آتی ہے۔ لے مستقل رسمیت کے لئے حیلہ بنا لینا دُرست نہیں، درمختار میں ہے۔ ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ الخ (شامی ص ۶۸۴ ج ۱)

۳۔ حیلہ کے جواز میں تملیک فقیر ضروری ہوتی ہے۔ وہ مروّجہ اسقاط میں صحیح معنوں میں نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سے عوام کو گویا ترک صلوٰۃ وصوم پر دلیر بنانا ہے کہ خواہ ساری عمر نماز نہ پڑھے۔ آخر میں یہ عمل کر کے گویا اسے بَری کر دیا ہے۔

۵۔ اسے اعمالِ تکفین کا جُزو سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔

۶۔ اگر کوئی شخص مثلاً افلاس کی حالت میں فوت بھی ہو گیا تو اسقاط کرنے کے لئے قبرستان کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ فعل واجب الترک ہے۔ روکنے والے کو کافر کہنا انتہائی قبیح فعل ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۲ / ۱۴۰۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبدالستار عفا اللہ عنہ

قبر بہت بوسیدہ ہو جائے تو وہاں نئی قبر بنانا جائز ہے

قبور کو کب تک آباد کرنا چاہیئے اور کون سے وقت میں ان پر مسجد آباد کرنا اور مکان بنانا اور مزارعت کرنا جائز ہو جائے گا اور اگر ان پر مٹی ڈالنی ہو تو اس کے لئے کوئی دن مخصوص ہے یا جس دن چاہیں ڈال لیں دس محرم کو ڈالنا کیسا ہے ؟

الجواب قبریں جب خراب ہو جائیں تو پھر ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی ڈالنا یا لیپنا جائز ہے۔ کما فی العالمکیریۃ ص۸۵ ج۱ ۔ واذا خربت القبور فلا بأس بتطینہا کذا فی التاتارخانیۃ وھو الاصح وعلیہ الفتوٰی ۔ لیکن اس لیپنے یا مٹی ڈالنے کے لئے کوئی دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے ـــــ اور قبریں جبکہ بالکل بے نشان ہو جائیں اور میت بھی ان میں گل سڑ کر مٹی ہو گئی ہو تو پھر وہاں دوسری قبر نکالنا اور مکان بنانا اور زراعت کرنا جائز ہے۔ کما فی العالمکیریۃ ص۸۵ ج۱
ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہٖ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ کذا فی التبیین ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان
بندہ محمد عبداللہ غفرلہٗ خادم الافتاء خیر المدارس ۱۳ / ۲ / ۱۳۷۲ ھ

معتکف جنازہ کے لئے مسجد سے نکل سکتا ہے ؟

اگر کوئی امام مسجد رمضان المبارک میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے، کیا نمازِ جنازہ کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں جا سکتا تو کیا وہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے ؟

الجواب اگر اعتکاف بیٹھنے سے پہلے یہ شرط کیا تھا کہ نمازِ جنازہ کے لئے باہر

جایا کروں گا تو پھر نمازِ جنازہ کے لئے باہر جانا جائز ہے، وگرنہ اعتکاف فاسد ہو جائے گا، مسجد کے اندر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۰ / ۱۰ / ۸۰ ھ

مسلمانوں اور کفّار کی لاشوں میں پہچان ممکن نہ ہو تو جنازہ کا حکم

پچھلے دنوں کھٹمنڈو میں ایک بین الاقوامی پرواز حادثے کا شکار ہو گئی جس میں مسلمان اور غیر مسلم لاشیں مل گئی تھیں۔ ایسے حالات میں جبکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں مل جائیں۔ اور پہچان ممکن نہ رہے تو مسلمان نعشوں کی نمازِ جنازہ کس طرح ادا کی جائے گی۔ اکثر فضائی حادثات میں اسطرح ہو جاتا ہے اس لئے وضاحت سے جواب مرحمت فرما کر عنداللہ مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ سائل ، زکریا مجاہد ۔ ملتان

الجواب ایسی صورت میں جب کفار کی لاشیں علیحدہ نہ کی جا سکیں اور کوئی علامت نہ ہو تو سب پر جنازہ پڑھا جاوے مگر نیت یہ ہو کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔

اختلط موتانا بکفار ولا علامۃ اعتبر الاکثر فان استووا غسلوا واختلف ـــــ فی الصلوٰۃ علیہم اھ (درمختار)
(قولہ واختلف فی الصلوٰۃ علیہم) فقیل لا یصلی لان ترک الصلوٰۃ علی المسلم مشروع فی الجملۃ کالبغاۃ وقطاع الطریق فکان اولٰی من الصّلوٰۃ علی الکافر لانہا غیر مشروعۃ لقولہ تعالٰی ولا تصلّ علٰی احدٍ منہم مات ابداً ۔ وقیل یصلی ویقصد المسلمین لانہٗ ان عجز عن التعیین لا یعجز عن القصد کما فی البدائع قال فی الحلیۃ

فعلی ھذا ینبغی ان یصلی علیھم فی الحالۃ الثانیۃ ایضاً ای حالۃ ما اذا کان الکفار اکثر لانہ حیث قصد المسلمین فقط لم یکن مصلیا علی الکفار والا لم تجز الصلوٰۃ علیھم فی الحالۃ الاولی ایضاً مع ان الاتفاق علی الجواز فینبغی الصلاۃ علیھم فی الاحوال الثلاث کما قالت بہ الائمۃ الثلاثۃ وھو اوجہ قضاءً لحق المسلمین بلا ارتکاب منھی عنہ اھ ملخصاً (شامی ص ۸۰۵/۱)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دُعاء بعد الجنازہ کو خطبۂ جمعہ پر قیاس کرنا جہالت ہے

زید اور بکر دونوں میں اختلاف ہے اس بات کا کہ وعظ اور تقریر جو کہ جمعہ کے روز دونوں اذانوں کے درمیان کی جاتی ہے بدعت ہے اور اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا۔ اور اگر اس کو صحیح مان لیں تو ہماری بعد صلوٰۃ جنازہ دعاء بھی صحیح اور غیر بدعت ہے۔ آیا یہ قیاس صحیح ہے ؟

الجواب اس وعظ و تقریر پر دعاء بعد الجنازہ کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ شریعت میں اس دعاء کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے۔

قال فی البحر قید بقولہ بعد الثالثۃ لانہ لا یدعو بعد التسلیم بحر ص ۱۹۷/۲ وقال فی حاشیۃ المشکوٰۃ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ ص ۱۴۷/۱

اور وعظ مذکورہ کی ممانعت مذکور نہیں اس لئے کہ وعظ مذکور کو چھوڑنے پر تارک پر نکیر نہیں کی جاتی اور دعاء مذکور نہ کرنے والے کو بے دین وہابی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ لوگ عقیدۃً اس کو ضروری اور حکمِ شرعی سمجھتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوگی

اور وعظ مذکور ایسے نہیں ثالثاً وعظ سے مقصود تذکیر و نصیحت ہے اور خطبہ بھی تذکیر ہے لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے مخاطبین اس کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اس مقصود شرعی کے پیشِ نظر خطبہ سے قبل وعظ کرتے ہیں تاکہ خطبہ کا فائدہ لوگوں کو پہنچے اور جنازہ سے مقصود شرعی دُعا ہے۔ جو کہ شارع علیہ السلام کے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق ہو چکی ہے۔ اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور دُعا کا اضافہ کرنا اور تمام لوگوں پر اس کا لازم کرنا خود شارع بننا ہے۔ اور تجویز شارع کی العیاذ باللہ توہین کے قریب ہے۔ الغرض دعاء مابعد جنازہ بدعت ہے ———— اور وعظ مذکورہ بدعت نہیں گو لمبا چوڑا وعظ جیسا کہ آج کل رواج ہے شرعاً پسندیدہ نہیں کیونکہ اس سے جمعہ میں تاخیر ہو جاتی ہے اور حکم تعجیل کا ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار غفر اللہ لہ

محمد عبداللہ غفر اللہ لہ ۱۴/۶/۱۳۹۲ھ

لاوارث لاش پر عمل جرّاحی کی مشق کرنا

ڈاکٹر کو ایک مریضہ کی تشخیص کے لئے عموماً یہ صورت پیش آتی ہے کہ اس کو مریضہ کے سارے جسم کا ہاتھوں سے چھو کر معائنہ کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ بعض حالات میں اعضاءِ مخصوصہ کا معائنہ بھی ضروری ہو جاتا ہے اور سب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے مُردہ جسم پر عملِ جراحی کروائی جاتی ہے براہِ کرم جواب مفصل مرحمت فرمائیں۔

الجواب مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کے لئے جن مواضع کا چھونا یا دیکھنا لابدی ہو تو مجبوری کی حالت میں ان کے دیکھنے اور چھونے کی اجازت ہے (جبکہ بدوں اس کے تشخیص و علاج درست نہ ہو سکتا ہو) البتہ انسانی جسم پر عمل جراحی برائے مہارت سو بوجوہ ذیل شرعاً اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(وجہ اوّل) مسلمان میت کو غسل دینا کفن پہنانا اور پھر دفن کرنا شرعاً تمام اہلِ اسلام

کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے کما فی الدر المختار وغیرہ من المعتبرات اور عمل جراحی کی مشق کے لئے مُردہ جسم کو محفوظ رکھنے کے ساتھ احکام بالا کی تعمیل کا ہونا ممکن نہیں۔

(وجہ دوم) حق تعالیٰ سبحانہٗ نے انسان اور باقی تمام اشیاء (مثلاً معدنیات، نباتات، حیوانات) کے مقاصد تخلیق میں بنیادی طور پر فرق رکھا ہے پورے عالم میں پھیلی ہوئی اجناس متعددہ کی ان گنت اشیاء کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ مختلف انسانی حاجات کی براری اور زندگی کے گوناگوں تقاضوں کی تکمیل ہو سکے۔ قرآن کریم میں ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (۲) وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً الآیۃ لوہا، پیتل، چاندی، سونا اور تمام معدنیات اناج، غلے، سبزیاں اور دیگر نباتات اسی طرح حیوانات ان سب اشیاء کو انسان کے تصرف میں دیدیا گیا ہے انسان مختلف طریقوں سے اپنی زندگی کو باضابطہ آسودہ اور محفوظ بنانے کے لئے ان اشیاء کو استعمال میں لاتا ہے کوئی چیز پیس کر کام آتی ہے کوئی کٹ کر۔ کسی کو گرم کرکے کار آمد بنایا جاتا ہے کسی کو ٹھنڈا کرکے۔ کسی چیز کو چیر پھاڑ کر کام میں لایا جاتا ہے تو کسی کو سی کر پرو کر کہیں تحلیل ہوتی ہے کہیں ترکیب و تجزیہ ہوتا ہے کہیں تنقید۔ الغرض ان اشیاء کو انسان کے استعمال ہی کی غرض سے پیدا کیا ہے اور ان کی حیثیت محض سامان زندگی اور متاع انسانی ہونے کی ہے۔ پس ان میں سب تصرفات درست ہیں۔ بخلاف انسان کے کہ اسے خداوند قدوس نے سامان اور متاع کی حیثیت میں پیدا نہیں کیا کہ ضروریات زندگی میں اسے بھی چیر پھاڑ کر یا کوٹ چھان کر یا گلا پگھلا کر لگایا اور استعمال کیا جا سکے۔ بلکہ انسان کو صاحب متاع اور فطرتی طور پر ان اشیاء میں تصرف کنندہ بنایا ہے۔ اسی بنیادی فرق کی وجہ سے اسے تکریم خداوندی کا مورد ٹھہرایا گیا ہے۔ دیکھئے آیت میں اسی خصوصیت انسانی پر کس صراحت سے نص کی گئی ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت الخ اور کچھ ایسے ہی فطرتی تفوق اور فضائل کی بناء پر تکریم سے بڑھ کر خلافت خداوندی کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا ہے۔ واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ پ۱) پس انسان کی اس

منفرفانہ حیثیت اور دیگر اشیاء کی اس خادمانہ حیثیت اور متاعی حیثیت کو برقرار رکھنا صریح تقاضائے فطرت اور عین منشاء خداوندی کے مطابق ہے جب بھی ان میں سے کسی ایک نوع کو اس کے فطرتی مقام سے پست و بالا کیا جائے گا تو قانون فطرت کی خلاف ورزی اور حدود خداوندی کی شکست و ریخت لازم آئے گی اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی جسم پر عمل جراحی کی مشق یہ اسے دائرۂ انسانیت سے نکال کر متاع و جمادات کی نوع میں داخل کرنا ہے تو کسی انسان یا کسی خاص طبقہ انسانی کو یہ کیسے حق دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی فنی تکمیل کے لئے کسی دوسرے انسان یا اس کے کسی عضو کو تختۂ مشق بنائے اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو ایک لوہار لوہے کے ساتھ یا ایک بڑھئی لکڑی کے ساتھ یا ایک درزی کپڑے کے ساتھ اور ایک قصاب گوشت کے ساتھ کرتا ہے آخر خدائی حدود کی شکست و ریخت کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

(وجہ سوم) مُردہ انسان کو عمل جراحی کے لئے تختۂ مشق بنانے میں انسانی جسم کی توہین و تذلیل ہے جو کہ مقام تکریم کے قطعاً خلاف ہے۔ پس عدم جواز ظاہر ہے۔

(وجہ چہارم) بعض احادیث میں آتا ہے کہ مُردہ کی روح بھی اسی طرح درد و الم کو محسوس کرتی ہے جیسا کہ زندہ انسان کی روح اور مُردہ کو بھی ایذاء پہنچتی ہے اور عمل جراحی میں ایذاء ہونا ظاہر ہے اور ایذاء سے احتراز کرنا واجب ہے۔

(وجہ پنجم) کوئی سلیم الفطرت اپنے ساتھ یا اپنے کسی عزیز کی لاش کے ساتھ اس معاملہ (عمل جراحی معہود) کو پسند نہیں کرتا تو جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کی جاتی تو آخر لاوارث اور غرباء کی لاشوں کے لئے وہ کیسے پسند کی جاتی ہے؟ اسلام کی نظر میں نفس ہونے کی حیثیت سے شاہ و گدا، امیر و غریب، زبردست و زیردست سب برابر ہیں اور انسانی حقوق میں سب یکساں ہیں۔

(وجہ ششم) لاوارث، غرباء، مساکین کی لاشوں کے ساتھ یہ معاملہ کرنا قساوت قلبی اور سخت معاشرتی بے رحمی ہے معاشرہ کا فرض ہے کہ لاوارث لاشوں کا اسی طرح احترام کرے جیسا کہ ہر شخص اپنے اقرباء کی لاشوں کا کرتا ہے۔ اقرباء کی لاشوں کا

انتہائی احترام کرنا اور لاوارث نعشوں کو فنی تکمیل کی بھینٹ چڑھا دینا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے اور انسانی ہمدردی کی کونسی قسم ہے غرباء پروری اور رحمدلی کی کونسی نوع ہے؟

مختصراً تحریر ہوا اُمید ہے کہ انسانی مُردہ جسم پر عمل جراحی کی شرعی حیثیت کے بارے میں آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے اس پر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عمل جراحی مذکور ناجائز ہوا تو فن جراحی میں تکمیل کی کیا صورت ہوگی اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہی مخدوش ہے کہ بدوں اس کے تکمیل و تحصیل فن ممکن نہیں ثانیاً یہ کہ یہ ایک مشترکہ انسانی حاجت ہے۔ اس کے لئے کوئی جائز طریقہ تجویز کرنا ماہرین فن کا کام ہے اگر کہا جائے کہ تکمیل مذکور کے لئے کوئی دُوسرا طریقہ تجویز کیا جانا دُشوار ہے تو جواب یہ ہے کہ ناجائز سہل کے مقابلہ میں جائز دُشوار کو اختیار کرنا عین عقلی تقاضا ہے اور انسانی خصوصیت ہے۔ آخر چوری اور جائز کسب میں یہی فرق تو ہے۔ دیگر واضح رہے کہ یہ مشکل شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ موجودہ نظام تعلیم کو ترتیب دینے والوں کی طرف سے ہے کہ اُنہوں نے موجودہ نظام تعلیم کی ترتیب کے وقت جائز و ناجائز کی تفریق کو پیش نظر نہیں رکھا یہ تو درکنار جو بیچارے غالباً اس کے ابتدائی شعور سے بھی بے بہرہ ہوں گے۔ تو ایسے لوگوں کا مُرتب کردہ کوئی نظام جب بھی ان لوگوں پر جاری کیا جائے گا جو لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کے قائل ہیں آخر مشکلات اور دُشواریاں ہی تو پیش آئیں گی۔ فالی اللہ المشتکیٰ)۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱۳۸۱/۶/۶ھ

الجواب صحیح،
بندہ عبد اللہ غفرلہٗ

ساتھ آنے والوں کا میّت کو رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکرُوہ ہے

جب جنازہ قبرستان لیجاتے ہیں تو کوئی کسی طرف سے قبرستان میں داخل ہوتا ہے۔ کوئی کسی طرف سے تو جو پہلے دفن کی جگہ تک پہنچ جائیں وہ کھڑے رہیں یا بیٹھ سکتے ہیں؟

الجواب (جنازہ کے ساتھ آنے والوں کا جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکرُوہ ہے)

وکره الجلوس ای جلوس متبعی الجنازة قبل وضعها فلا بأس بالجلوس بعد وضعها کما فی الکافی وفیه اشعار بان القیام اولی قال الحلابی ان القیام یستحب حتی یدفن اھ

(جامع الرموز صـ ۱۹۳)

فقط واللہ اعلم، محمد انور ۱۳۶۰/۹/۴

(قبر کتنی گہری ہو؟)

قبر کھودتے وقت قبر کتنی گہری کھودی جائے؟

الجواب (اصل تو یہ ہے کہ قبر اتنی گہری ہو کہ بدبو وغیرہ باہر نہ آئے اور لاش درندوں سے محفوظ ہو جائے اس کی تحدید فقہاء نے یوں فرمائی ہے کہ کم از کم میت کے نصف قد کے برابر ہو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو زیادہ اچھا ہے)

وحفر قبره فی غیر دار مقدار نصف قامة فان زاد فحسن اھ (درمختار)

(قوله مقدار نصف قامة الخ) او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامة فهو احسن کما فی الذخیرة فعلم ان الادنی نصف القامة والاعلی القامة وما بینهما شرح کافیه وهذا حد العمق والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة ونبش السباع

وفی القهستانی وطوله علی قدر طول المیت وعرضه علی قدر نصف طوله اھ (شامیۃ ص ۶۵۹ ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

تدفین کے لئے دُوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

(۱) میّت کی جہاں وفات ہو اسی جگہ دفن کرنا چاہیئے یا اس کو وطن میں لے جا سکتے ہیں۔

(۲) اگر ولی باوجود موجود ہونے کے جنازے میں شامل نہ ہو تو جنازہ متعدد بار کرایا جا سکتا ہے۔

(۳) اگر ولی عالم ہے تو جنازہ پڑھانے میں حق جو محلے کا امام ہو' اس کا حق مقدم ہے یا ولی کا۔ ولی امام کے علاوہ کسی اور کو کہہ سکتا ہے۔

سائل عبد اللہ ۔ مظفر گڑھ

الجواب: مستحب ہے کہ اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں پر وفات ہوئی ہو مسافت بعید کے لئے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ گو بعض فقہاء نے اپنے شہر کیطرف منتقل کرنے کی اجازت دی ہے۔ (فتاویٰ ھندیہ)

(۲) اگر جنازے میں امام۔ امام اعظم سلطان یا قاضی یا امام الحی ہو تو اب ولی کو لوٹانے کا حق نہیں۔ لان ھؤلاء اولی منه وان کان غیر ھؤلاء له ان یعید (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۴)

(۳) (ولی سے محلہ کا امام زیادہ حقدار ہے۔ بشرطیکہ افضل ہو۔ ورنہ ولی احق ہوگا۔ طحطاوی حاشیہ مراقی ص ۳۲۲) ثم امام الحی المراد به امام مسجد محلته لکن بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی اولی منه کما فی النهر وفی الشرح والصلوٰۃ فی الاصل حق الاولیاء لقربهم الا ان الامام والسلطان یقدمان لعارض الامامة العظمٰی والسلطنة۔ الی ان قال واما امام الحی فیستحب تقدیمه عن طریق الافضلیة (طحطاوی ص ۳۲۳)

اور جس شخص کے لئے حق تقدم حاصل ہو۔ وہ دُوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم ۔ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

(شہید کی اقسام اور ان کے احکام)

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام ۔۔۔۔ مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱-۲) شہید کسے کہتے ہیں؟ شہید کے کتنے درجے ہیں؟ یعنی کتنے قسم کے شہید ہیں؟

(۳) جو آدمی آگ میں جل جائے کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۴) اسی طرح جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم اور انکے مسلمان رفقاء جو طیارہ میں ہلاک ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) اگر کوئی شخص مکان گرنے سے مرجائے ۔۔۔ یا ۔۔۔

(۶) کسی حادثہ میں مر جائے تو کیا وہ بھی شہید ہے؟

(۷) کافی دن پہلے جو ایک جہاز گم ہو گیا ہے کیا اس میں سوار تمام حضرات شہید ہیں؟

بندہ کی طرف سے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ برائے مہربانی ان تمام مسائل کے بارے میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں ۔۔۔۔ فیاض احمد عثمانی ۔ مکتبہ امدادیہ ۔ ملتان

الجواب: ۱ تا ۶ ۔۔۔ شریعت میں شہادت کی تین صُورتیں ہیں۔

(۱) ایسی شہادت جس کی وجہ سے اس شہید پر دنیا میں بھی شہید کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اسے شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور شہیدوں کا سا اعزاز و اکرام اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایسا شہید ہر وہ مکلف مسلمان ہے جو ظلماً آلہ جارحہ سے قتل کیا جائے ایسا قتل جو موجب قصاص ہوتا ہے اور وہ مقتول حدث اکبر سے پاک ہو اور زخمی ہونے سے لیکر وفات تک زندگی کا کوئی عمل مثلاً کھانا پینا، دوا کرنا وغیرہ نہ پایا جائے اور جو باغیوں، ڈاکوؤں، دہشت گردوں اور کافروں کے ہاتھوں مارا جائے وہ بھی شہادت کی اسی قسم میں داخل ہے خواہ وہ اسے کسی ذریعہ سے قتل کریں' ایسے شہید کا حکم یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ انہی کپڑوں سمیت (بشرطیکہ وہ کفن بن سکتے ہوں) جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے۔

ھو (ای الشهید) کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة ولم یجب بنفس القتل مال ولم یرتث وکذا لو قتله باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببا بغیر آلة جارحة فان مقتولهم شهید بای آلة قتلوه لان الاصل فیه

شہداء احد ولم یکن کلھم قتیل سلاح اھ (درمختار)

قولہ ولو تسبباً لان موتہ یکون مضافاً الیھم فلو اوطئوا دابتھم مسلماً او نفروا دابۃ مسلم فرمتہ او رموا ناراً فی سفینۃ فاحترقت ونحو ذلک فھو شھید اھ۔

—— (شامی ص ۶۲۱ ج ۱)

شہید کی تعریف کے لحاظ سے ظاہر یہی ہے کہ مظلوم صدر ضیاء الحق مرحوم اور ان کے مسلمان رفقاء شہید کی اسی قسم میں داخل ہیں اور وہ دنیوی احکام اور اخروی درجات کے اعتبار سے ہر طرح شہادت سے سرفراز ہوئے ہیں اعلی اللہ درجاتھم و تجاوز عن سیاتھم۔

(۲) ایسی شہادت جس میں آخرت میں تو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے اور انہی جیسا اعزاز و اکرام کیا جاتا ہے لیکن ان پر شہید کے دنیوی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ایسی شہادت پانیوالوں کی تعداد بہت ہے علامہ شامی نے چالیس سے زائد نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ بعض نے پچاس سے بھی زائد نقل کئے ہیں آگ میں جل کر مرنے والا، مکان کے نیچے دب کر مرنیوالا اور اتفاقی حادثے میں مرنیوالا بھی انہی میں داخل ہے۔

وکل ذالک فی الشھید الکامل والا فالمرتث شھید الآخرۃ وکذا الجنب ونحوہ ومن قصد العدو فاصاب نفسہ والغریق والحریق والمھدوم علیہ والمبطون والمطعون والنفساء والمیت لیلۃ الجمعۃ وصاحب ذات الجنب ومن مات وھو یطلب العلم وقد عدھم السیوطی نحو الثلاثین (درمختار)

وبذلک زادت علی الاربعین وقد عدھا بعضھم اکثر من خمسین وذکرھا الرحمتی منظومۃ فراجعہ اھ (شامی ص ۶۲۳ ج ۱)

(۳) جو شخص کافروں کے ہاتھوں مارا جائے اور اس میں ظاہری شرائط وہی پائی جائیں جو پہلی صورت میں ذکر کی گئیں مگر اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ نہ ہو بلکہ محض شہرت یا کسی اور غرض سے جنگ میں شریک ہوا ہو، ایسا شخص آخرت کے لحاظ سے شہید نہیں مگر دنیا میں اس کے ساتھ شہیدوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

قولہ فی الشھید الکامل) وھو شھید الدنیا والآخرۃ وشھادۃ الدنیا بعدم الغسل الا لنجاسۃ اصابتہ غیر دمہ وشھادۃ الآخرۃ بنیل الثواب الموعود للشھید افادہ فی البحر والمراد بشھید الآخرۃ من قتل مظلوماً او قاتل لاعلاء کلمۃ اللہ حتی قتل فلو قاتل لغرض دنیوی فھو شھید دنیا فقط تجری علیہ احکام الشھید

فی الدنیا علیہ فالشھداء ثلاثۃ اھ (شامی ص ۶۲۲ ج ۱)

… اگر وہ جہاز حادثہ کا شکار ہو گیا ہے تو اس میں مرنے والے بھی شہید ہیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، محمد انور ——

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۱۰/۲/۲۴ھ

کفن کیسے کپڑے کا دیا جائے؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں —— مسئلہ صورت یہ ہے کہ کیا چار ہزار والی کیمری کا کفن بنانا جائز ہے یا نہیں —— ؟ فقط: والسلام،

—— حاجی امیر احمد صاحب

الجواب: میت اپنی زندگی میں جمعہ و عیدین جیسے اجتماعات پر جیسے اچھے کپڑے پہنتا ہو ویسا ہی کفن دیا جائے نیز کفن میں یہ بھی ملحوظ ہے کہ وہ سفید ہو صاف ستھرا ہو زیادہ قیمتی نہ ہو جا پانی کیمری اگر اس اصول کے تحت آتی ہو تو اس کا کفن درست ہے۔

ویحسن الکفن لحدیث حسنوا اکفان الموتی اھ (درمختار) قولہ ویحسن الکفن بان یکفن بکفن مثلہ وھو ان ینظر الی ثیابہ فی حیاتہ للجمعۃ والعیدین وفی المرأۃ ما تلبسہ لزیارۃ ابویھا کذا فی المعراج فقول الحدادی وتکرہ المغالاۃ فی الکفن یعنی زیادۃ علی کفن المثل (نھر) لحدیث الخ وفی صحیح مسلم عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنہ وروی ابو داؤد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تغالوا فی الکفن فانہ یسلب سلباً سریعاً وجمع بین الحدیثین بان المراد بتحسینہ بیاضہ ونظافتہ لا کونہ ثمیناً اھ (شامی ص ۶۳۶ ج ۱)۔ فقط:

واللہ اعلم، محمد انور ——

۱۴۱۰/۲/۱۰ھ

الجواب صحیح

منظور احمد نائب مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان

۱۰ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۱۹۸۹ء

دفن کے پندرہ دن بعد قبر پر نمازِ جنازہ کا حکم ۔۔!

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرعِ متین دریں مسئلہ کہ زید غائب ہوگیا۔ زید کے ورثاء کافی عرصہ تلاش کرتے رہے۔ پھر معلوم ہوا کہ نعش لاوارث فلاں جگہ ملی اور اُس کو دفن کردیا گیا۔ زید کے ورثاء نے وہاں جاکر معلوم کیا اور نعش کی شناخت کی تو واقعی وہ نعش زید کی تھی۔ زید کو بغیر غسل وکفن ونمازِ جنازہ کے دفن کردیا گیا۔ اب زید کے ورثاء پوچھتے ہیں کہ کیا ہم زید کا غائبانہ نمازِ جنازہ اپنے گھر پڑھ سکتے ہیں یا اس قبر پر جاکر نمازِ جنازہ ادا کریں۔ جو حکم شرعی ہو وہ مفصل لکھیں۔

نوٹ: دفن کرنے کے بعد تقریباً پندرہ یوم بعد قبر کشائی ہوئی جس سے زید کے ورثاء نے معلوم کیا کہ واقعی قبر زید کی ہے۔ دفن کو اب پندرہ دن گزر چکے ہیں۔ قبر کشائی کے وقت جسم کے جس حصہ کو ہاتھ لگاتے تھے تو گوشت الگ ہوجاتا تھا۔

سائل: غلام رسول

الجواب اب نہ قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور نہ غائبانہ البتہ اس کے لئے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کی دوسری صورتیں جتنی ہوسکیں کرتے رہیں:

وان دفن و اھیل علیہ التراب بغیر صلوٰۃ او بہا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ صلی علی قبرہ استحسانا مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر تقدیر ھو الاصح اھ — (درمختار علی الشامیۃ ص ۶۵۲ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور

صفر ۱۴۱۰ھ

تفسخ کے بعد جنازہ پڑھنے کا حکم

ایک لاش کے بارے میں

غالب گمان بلکہ یقین تھا کہ نعش میں تفسخ ہوگیا ہے۔ اس لئے امام مسجد نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے اجتناب کیا اور کہدیا کہ جو آدمی جنازہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ ایک آدمی کو امام بناکر نمازِ جنازہ پڑھ لیں۔ اس لئے جو آدمی قبرستان ہر تھے اکثر نے نمازِ جنازہ پڑھ لیا

اب سوال یہ ہے کہ جس میت کی ایسی حالت ہو اس کا نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ نیز شامی وغیرہ کتب فقہ میں صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ جو وارد ہے۔ کیا تفسخ صرف قبر والے میت کے لئے علت ہے یا قبر سے باہر بھی جس میت میں تفسخ پایا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے یا اس کا الگ حکم ہے۔ نیز یہ بھی تفصیل سے بیان فرماویں کہ تفسخ کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ کیا تعفن سے تفسخ کی ابتداء شروع ہوتی ہے یا نہیں اور تعفن تفسخ میں داخل ہے یا نہیں؟

یا تفسخ کی ابتداء اس وقت شروع ہوتی ہے جب بال اور کھال جسم سے الگ ہونے شروع ہوں یا گوشت اعضاء کو چھوڑنے لگیں۔ براہِ مہربانی تفصیل سے تفسخ کی تشریح فرمادیں۔ ابتداء اور انتہاء کی حد بندی فرمادیں۔ نیز ایسی حالت میں بکس پیٹی کو قبر کی حیثیت دی جاسکتی ہے یا نہیں۔؟ بینوا وتوجروا

الجواب (جب غالب گمان یہ ہو کہ لاش میں تفسخ ہوگیا ہے تو جنازہ نہ پڑھنا چاہیئے)

ولو لم یھل التراب یخرج فیغسل ویصلی علیہ مالم یتفسخ اھ (مراقی)

قولہ مالم یتفسخ ای تتفرق اعضاءہ فان تفسخ لا یصلی علیہ مطلقا لانھا شرعت علی البدن ولا وجود لہ مع التفسخ اھ (طحطاوی ص ۳۲۴)

(تفسخ عام ہے قبر میں ہو یا باہر کما یفہم من عموم قولہ ولا وجود لہ مع التفسخ۔ شامی میں ایک مقام پر انتفاخ، تمعط اور تفسخ کا فرق کرتے ہوئے تفسخ کی تعریف یہ کی ہے کہ اعضاء الگ الگ ہوجائیں۔)

قولہ وانتفخ ای تورم وتغیر عن صفۃ الحیوان وقولہ تمعط ای سقط شعرہ وقولہ وتفسخ ای تفرق اعضاءہ عضوا عضوا اھ (شامی ص ۱۴۱ ج ۱)

فقط واللہ اعلم

محمد انور

۲۰ / ۱ / ۱۴۱۰ھ

دُعاء بعد الجنازہ کے بارے میں
اہلِ بدعت کے پمفلٹ کا مُفصل جواب

جنازہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر اجتماعی طور پر دُعاء مانگنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؛ ایک مولوی صاحب نے ہمیں ایک پمفلٹ بھیجا ہے۔ اس میں اس دعویٰ کے اثبات کے لئے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں —— اور یہ بھی کہا ہے کہ صحابہ کرام سے بھی یہ دعاء ثابت ہے اور عام مسلمان بھی اسے اچھا سمجھتے ہیں۔

۱۔ ولنا ما رُوِیَ عن ابنِ عباس وابنِ عمر رضی اللہ عنہما انہما فاتتہما الصلوٰۃ علی الجنازۃ فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار لہٗ وعبد اللہ بن سلام فاتتہ الصلوٰۃ علی جنازۃِ عمر فلما حضر قال اِن سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ اھ۔ (مبسوط سرخسی ص ۶۷ ج ۲)

۲۔ اِنَّ الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین الآیۃ

۳۔ واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون الآیۃ۔

۴۔ عن عمل البِرّ کلہ نصف العبادۃ والدعاءِ نصفٌ۔

۵۔ اذا اراد اللہُ بعبدٍ خیراً اَلْجَاءَ قَلْبَہٗ للدعاء اھ

۶۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰۃٍ فلیدع۔

۷۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء (ابوداؤد) اس کی تفسیر میں ہے اذا فرغتم من الصلوٰۃ فاخلصوا لہٗ الدعاء —— (بیہقی)

(۸):۔ عن ابراھیم الھجری قال رأیت ابن ابی اوفیٰ اذا ماتت ابنتہ ثم کبّر علیہا اربعاً ثم قام بعد ذلک قدر ما بین التکبیرتین یدعوا وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع علی الجنازۃ ھکذا (کنز العمال ص ۲۵۳ ج ۱۴)

(۹):۔ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور ابراہیم حلبی نے کبیری میں واقدی کی کتاب المغازی سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں زید بن حارثہؓ جعفر بن ابی طالب کی شہادت کا ذکر ہے۔ اَخَذَ الرَّایۃَ زید بن حارثۃ فمضی حتی استشہد ثم اَخَذَ الرایۃَ جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشہد فصلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لہٗ وقال استغفروا لہٗ۔

(۱۰):۔ وعن نافع قال کان ابن عمرؓ اذا انتہیٰ الی الجنازۃ قد صُلّیَ علیہ دعا وانصرف مزید برآں مبسوط سرخسی میں رقم ہے۔ ان ما تعارفہ الناس فلیس فی عینہ نصٌّ یبطلہ فہو جائز وقال العلامۃ لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن اِلاّ الیہ ولا یفتیٰ اِلاّ بہ (شامی ص ۱۵ ج ۱)

(۱۱):۔ اور امام سیوطی نے لکھا ہے کہ طاؤس کے بیٹے نے اپنے باپ سے پُوچھا۔ "ما افضل ما یقال عند المیت قال الاستغفار لہٗ" اھ

(۱۲):۔ اَوْ وَلَدٌ صالح یدعو لہٗ (مشکوٰۃ شریف)

(۱۳):۔ یرفع العذاب عن دعاءِ الاحیاء (زہرۃ الریاض)

(۱۴):۔ لا تعجزوا عن الدعاء فانہ لن یہلک مع الدعاءِ اَحَدٌ (مسند حاکم)

(۱۵):۔ ان اللہ یغضب من لا یسئل اللہ تعالیٰ اھ

(۱۶):۔ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب احتمال دارد کہ بعدِ نماز یا پیش از ان بقصد تبرک خواندہ باشد چنانچہ الآن متعارف است (اشعۃ اللمعات)

(۱۷):۔ بعد از تکبیر چہارم سلام ہر دو جانب بگوید و دعاء بخواند فتویٰ برایں قول است۔ (مجموعہ خانی ص ۱۱۱)

(١٨): ويقول بعد صلوٰة الجنازة اللهم لا تحرمنا اجره الخ

(نہر الفائق شرح کنز الدقائق باب الجنازۃ)

یہ اٹھارہ دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں آپ ان دلائل پر تبصرہ فرماویں اور سوال میں جو فتاویٰ حنفیہ کے ہیں ان کا جواب فقہ حنفی کے مُطابق عنایت فرمادیں۔

الجواب

ایک انسان جب دُنیا سے رُخصت ہوتا ہے تو یہ وقت اس کے لئے نہایت ہی پریشانی ولاچاری اور بے بسی کا ہوتا ہے کیونکہ ایک اجنبی اور ایسی دنیا میں قدم رکھتا ہے جس کے مالک کی نافرمانی میں عمر گزاری نہ معلوم یہاں کیا کیا مُشکلات پیش آئیں اور کون کون سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے، پَلے کوڑی نہیں اور ضروریات کروڑوں ہیں بلکہ اَن گنت۔

اس بیکسی کی حالت میں شریعت مقدسہ نے اہلِ اسلام کے ذمّہ مرنے والے کی اعانت کو ضروری قرار دیا یہ اعانت مالی نہیں بلکہ فعلی یعنی قولی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرنے والے کو سُپردِ خاک کرنے سے پہلے سب مسلمان مِل کر بہ الحاح بارگاہِ خداوندی میں یہ درخواست کریں کہ اے اللہ مرنیوالے نے اپنی زندگی میں جتنے تیرے قصور کئے ہیں ان پر مؤاخذہ نہ فرما بلکہ اسے آرام وچین کی زندگی اور نئی دنیا میں ہر قسم کی سہولتیں مہیّا فرمانا نیز اسی کا سوال ہم اپنے لئے بھی کرتے ہیں یہ حقیقت ہے نمازِ جنازہ کی جیسا کہ حضراتِ فُقہاء نے تحریر فرمایا مگر چونکہ درخواست کے قبول ہونے میں الفاظ کے مضمون کا اور درخواست پیش کنندگان کی ہیئت وغیرہ امور کو بڑا دَخل ہے کوئی عجب نہیں کہ ایک درخواست صحتِ مضمون کے باوجود امورِ بالا میں مزاجِ شاہی کی رعایت نہ ہوسکنے کی وجہ سے رَد کردی جائے لہٰذا لآداب بارگاہِ خداوندی پر مطلع ذاتِ صمدیت سے آگاہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مَیّت کے حق میں درخواستِ مذکور پیش کرنے کے لئے سب سے بہترین صورت اس کی مکمل تفصیلات کے ساتھ ہمیں تعلیم فرمادی ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ صُورت سے بہتر صورت کی تجویز ممکن نہیں اور آپ کی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے لہٰذا مزید کسی ترمیم و اصلاح اور حک و اضافہ کی محتاج نہیں کیونکہ تعلیمِ نبوی کو بھی اگر محتاجِ اصلاح سمجھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے مصلح کو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے اَعْلَمْ یقین کیا ہے کیونکہ مصلح کا طالبِ اصلاح کی نسبت اعلم ہونا لازمی ہے تو اِس میں تنقیص شانِ نبوی ہے جو مستلزمِ کفر ہے۔

پس ثابت ہوا کہ تعلیمِ نبوی ہرگز قابلِ اصلاح و حک و اضافہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سُنّتِ نبویہ اور طریقۂ صحابہ کو نہایت مضبوطی سے تھامنے کی سخت تاکیدات وارد ہیں اور اس کے خِلاف کرنے پر وَعیدیں آئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دفعہ نہایت ہی مؤثر وعظ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ میرے اور خلفاءِ راشدین کے راستے (سُنّت) کو اپنے اُوپر لازم کرلو اور اس کے ساتھ چمٹ جاؤ اور نیز فرمایا کہ اس راہِ سُنّت کو دانتوں کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (کہیں چھوٹنے نہ پائے) آخر میں ارشاد فرمایا کہ نئے نئے پیدا ہونیوالے کاموں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس حدیث کے پیشِ نظر اہلِ اسلام پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ ہر کام میں سُنّت طریقہ کو اپنا معمول بنائیں اور عبادات اور تعلیماتِ نبویہ پر کی جانے والی کمی اور زیادتی سے قطعی احتراز کریں۔ پس نمازِ جنازہ کی وہی شکل جو زمانۂ نبُوّت میں یا خیر القرون میں موجود تھی اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر ہونے والی زیادتی کو مَردود ٹھہرایا جائے اور ذخیرۂ احادیث اس پر شاہد ہے کہ خیر القرون میں دُعاءِ مذکورہ کا نشان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی کیفیت بطریقِ شہرت ثابت ہے وہ صِرف یہی ہے کہ تکبیرات ہیں اور ان کے اثناء میں حمد و درود کے بعد دُعاء ہے اور بعد ازاں سلام پھیر کر نماز ختم ہو جاتی ہے اور بس۔

کسی حدیث میں یہ زیادتی موجود نہیں کہ سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابۂ کرام دعاء مانگا کرتے تھے۔ اگر خیر القرون میں مانگی جاتی ہوتی تو یقیناً منقول ہوتی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ درمیان والی دعاء بصراحت احادیثِ کثیرہ میں منقول ہو اور بعد والی منقول نہ ہو۔ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسّلام اور حضراتِ صحابہؓ سے نمازِ جنازہ کی جو کیفیت منقول ہے یہ ہے:

• نجاشی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمازِ جنازہ اس طرح پڑھی:

وَخرج الی المصلّٰی فَصَفَّ بهم فکبر اربع تکبیرات اھ۔

(مؤطا بروایت ابی ہریرۃ رضؓ ص۲۴۳)

ایک مسکینہ کی نمازِ جنازہ میں آپؐ شرکت نہ فرما سکے تو قبر پر تشریف لے گئے تو نمازِ جنازہ یوں پڑھا: فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صف بالناس علی قبرھا فکبر اربع تکبیرات ۔ (مؤطا)

امام طحاویؒ نے کثیر روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کا تکبیرات پر اختتام پذیر ہونا ثابت کیا ہے نیز حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابنِ عباسؓ، حسنؓ، براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم صحابہؓ کا یہی معمول نقل کیا ہے۔ (طحاوی ص۲۲۳ ج۱)

اِن احادیث سے تکبیرات ثابت ہوئیں۔ درمیانی دُعاء، وسلام وغیرہ حدیثِ ذیل سے ثابت ہیں۔ قال ابوھریرۃ رضؓ انا لعمر اللہ اخبرک اتبعھا من اھلھا۔ فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم عبدک وابن عبدک الخ (مؤطا) قال الشارح صلیت بعد التکبیرۃ الثانیۃ ثم ادعو بالدعاء الآتی بعد التکبیرۃ الثالثۃ ۔ واخرج البیھقی فی المعرفۃ عن ابی امامۃ بحدیث سعید بن مسیب قال ان السنۃ فی صلوۃ الجنازۃ ان یقرأ بفاتحۃ الکتاب ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء للمیت حتی یفرغ ولا یقرأ الا مرۃ واحدۃ ثم یسلم اخرج مالک عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان اذا صلی علی الجنائز یسلم الی آخرہ۔

عینی نے بروایتِ عبد اللہ بن ابی اوفی مرفوعاً نمازِ جنازہ کے ختم پر سلام کو ذکر کیا ہے (بذل جنائز ص۴۶۵)

الحاصل احادیثِ مشہورہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا نمازِ جنازہ پڑھنا صرف سلام پھیرنے تک منقول ہے اس کے بعد دُعا ہرگز منقول نہیں پس یہ دُعا مانگنا تعلیمِ نبوی پر زیادتی ہوگی جس کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی جیسا کہ اُوپر کہا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص تعلیمِ نبوی میں کوئی کمی زیادتی کرتا ہے گویا کہ وہ تعلیمِ نبوی کو نعوذ باللہ من ذلک ناقص سمجھتے ہوئے اسکی اصلاح وتکمیل کرتا ہے اور اپنے تئیں گویا کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے زیادہ اعلم اور اُمت کے حق میں آپ کی بہ نسبت زیادہ شفیق ہونے کا مدعی ہے العیاذ باللہ ورنہ بتلائے کہ اگر یہ ادعاء نہیں تو تعلیمِ نبوی کے

کامل ہونے پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ کون سا داعیہ ہے جو اس زیادتی کا محرک بنا۔

چونکہ احادیث میں نمازِ جنازہ صرف سلام تک وارد ہے اس لئے فقہاء کرام نے بھی اتنی ہی نمازِ جنازہ بتلائی چنانچہ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

والصلوۃ ان یکبر تکبیرۃ ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یکبر تکبیرۃ یدعو فیھا لنفسہ وللمیت وللمسلمین ثم یکبر الرابعۃ ویسلم (ص۱۶۰ ج۱) وفی التنویر وھی اربع تکبیرات یرفع یدیہ فی الاولی فقط ویثنی بعدھا ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الثانیۃ ویدعو بعد الثالثۃ ویسلم بعد الرابعۃ ولا قرأۃ ولا تشھد فیھا الخ (شامی ص۸۲۶ ج۱)

تنویر کے شارح صاحبِ درمختار بھی یہاں خاموشی سے گزر گئے ہیں اور سلام کے بعد دُعا کو ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز درمختار کے شارح علامہ شامی نے دُعا کی زیادتی کو بیان نہیں کیا صاحبِ کنز بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ملاحظہ ہو، وتسلیتین بعد الرابعۃ فلو کبر الامام خمسا الخ اس میں دعاءِ مذکورہ کا نشان نہیں سلام تک بیان فرما کر آگے دُوسرا مسئلہ شروع فرما دیا۔ حسن شرنبلالی نور الایضاح میں فرماتے ہیں۔ ویسلم بعد الرابعۃ من غیر دعاءٍ فی ظاھر الروایۃ ولا یرفع یدیہ غیر تکبیرۃ الاولی الخ سلام پر نمازِ جنازہ ختم ہوگئی۔ آگے دُوسرا مسئلہ بیان کیا۔ الغرض تمام کتبِ فقہ میں نمازِ جنازہ کی یہی کیفیت منقول ہے۔ بات طویل ہو جائے گی ورنہ ساری کتبِ فقہ سے اس قسم کی نقول پیش کی جاتیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی کی کوئی معتبر کتاب ایسی نہیں جس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہو اور اس میں سلام کے بعد دُعاء کا اضافہ بھی ہو بلکہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اجماعی طور پر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ کا جُز ہونے کی حیثیت سے شرعاً ثابت نہیں۔ پس جب ذخیرۂ احادیث اور ائمہ اربعہ کی فقہ کی رُو سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ دُعاء مذکورہ نمازِ جنازہ کا جُز نہیں اور تعلیمِ نبوی ہے جسے تمام ائمہ مجتہدین نے بلا کسی اصلاح وترمیم یا کمی وزیادتی کے قبول کیا وہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ پس یہ دُعاء تعلیمِ نبوی پر زیادتی اور خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہوئی۔ پس نصِ حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو

رَدٌّ ۔ یہ زیادتی مردود ہوگی نیز بنصِ حدیث شریف کل محدثۃٍ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ
زیادۃِ مذکورہ بدعت اور گمراہی بنے گی۔ لہٰذا یہ دُعا واجب الترک ہے۔

تنبیہ: فقہ کے اس متفقہ فیصلہ سے کہ نمازِ جنازہ سلام پر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں جس جگہ تک ہم کوتاہ بینوں کی رسائی بھی ممکن نہیں کہیں بھی کوئی ایسی صحیح قابلِ استناد حدیث موجود نہیں جس سے دُعاء مذکورہ کے اثبات میں استدلال کیا جا سکے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ائمۂ ہُدیٰ اربعہ اور ان کے اصحاب پر ایسی حدیث مخفی رہ جاتی۔ انتہاء یہ ہے کہ کسی امام مجتہد کا مذہب تو کیا اختلاف روایات بھی تو منقول نہیں کہ جنازہ کے بعد دُعاء کی جائے۔ پس اس تفصیل سے ضمنی طور پر اس حدیث کا جواب ہو گیا جسے خصم کی جانب سے اثباتِ دُعاء مذکورہ کے لئے بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے کہ ایسی ساری احادیث یا تو صحیح اور قابلِ استناد ہی نہیں یا پھر مُفیدِ مُدعاء نہیں۔

(تفصیل بالا سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ دُعائے مذکورہ نہ نمازِ جنازہ میں رُکن ہے نہ شرط نہ واجب نہ سُنّت نہ مستحب بلکہ بدعت ہے۔ لیکن بالفرض اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے بدعت نہ بھی تسلیم کیا جائے تو اِس خصوصی محل کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اسے مباح یا غایت ما فی الباب مندوب کہا جائے گا۔ مگر عوام نے عملاً اور اعتقاداً چونکہ اس دُعاء کو واجب کر رکھا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں اور خود اِس پر اِصرار کرتے ہیں بلکہ راقم الحروف کا خود مُشاہدہ ہے کہ لوگوں کو دُعاء نہ کرنے والوں کے متعلق کہتے سنا ہے کہ اگر اُنھوں نے دعاء نہیں کرنی تھی تو جنازہ گاہ میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ گویا کہ وہ بدون دعائے مذکورہ کے جنازہ کے پڑھنے نہ پڑھنے کو برابر سمجھتے ہیں اور (قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ حالت ہو چکی ہو عوام کے فسادِ عقیدہ کی کہ جس مباح یا مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہ مباح یا مستحب واجب الترک ہو جاتا ہے (چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۴ ج ۱

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہٌ لانّ الجہال یعتقدونہا سنۃً
وکل مباحٍ یؤدی الیہ فمکروہ ھکذا فی الزاھدی۔

دیکھئے سجدہ مذکورہ اگرچہ اس محل کے اعتبار سے مُباح تھا لیکن عوام کے فسادِ عقیدہ

ے سبب اسے ناجائز اور مکروہ قرار دیا گیا۔ سجدہ مذکورہ کی مخالفت بوجہ احتمالِ فساد کے مصرح ہے تو جو فعل شرعاً ثابت نہ ہو بلکہ بدعت ہونے کا احتمال یقیناً متعین ہو اس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ بھی محقق ہو تو اُسے کرنے کی کیونکر اجازت دی جا سکتی ہے اور دعاء مذکورہ ایسے ہی ہے پس یہ ہرگز جائز نہ ہوگی۔

(۴): آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سُورتیں نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے (مثلاً جمعہ کی فجر میں الٓمٓ سجدہ اور دہر وغیرہ) ان کا مذکورہ نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے لیکن ان سُورتوں کا مقرر کر لینا کہ اِن نمازوں میں یہی سُورتیں ہمیشہ پڑھا کرے۔ ایہام الجاہل کی وجہ سے تمام فقہائے نے اسے مکروہ لکھا ہے یعنی ایسی توقیت گناہ ہے جو واجب الترک ہے (چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ھدایہ میں ہے:

(ا): ویکرہ ان یوقت بشیءٍ من القرآن بشیءٍ من الصلوٰۃ لما فیہ من ھجر الباقی وایہام التفضیل ۔ اس پر محقق ابنِ ہمام کچھ کلام کے بعد فیصلہ فرماتے ہیں کہ:

(ب): فالحق انہٗ ایہام التعیین (خاتم المحققین علامہ شامی اس مسئلہ سے گزرتے ہیں تو فرماتے ہیں: اقول حاصل معنی کلام ھذین الشیخین یعنی الطحاوی والاسبیجابی بیان وجہ الکراھۃ فی المداومۃ وھو انہٗ ان رأی ذلک حتماً یکرہ من حیث تغییر المشروع والا یکرہ من حیث ایہام الجاہل (ص ۵۰۸ ج ۱)

(ج): یہی علامہ شامی رح صاحبِ بحر سے وتر کی سور ثلاثہ کے بارے میں نقل فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اُنہی کو پڑھنا درست نہیں۔

(والسنۃ السور الثلاث) ای الاعلی والکافرون والاخلاص
لکن فی النھایۃ ان التعیین علی الدوام یفضی الی اعتقادِ بعض
الناس انہ واجب وھو لا یجوز اھ ص ۶۲۳ ج ۱-

دیکھئے ان سورتوں کا مخصوص نمازوں میں پڑھنا مستحب ہے۔ مگر عوام کے خرابیٔ عقیدہ کے اندیشہ سے اُسے مکروہ لکھا ہے تو دعا بعد نمازِ جنازہ جس کے بارے میں عوام کا فسادِ عقیدہ مُشاہد ہے کیونکر جائز ہوگی۔ پس ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض دُعائے مذکورہ کو مستحب بھی

مان لیا جائے تو موجودہ حالت میں عوام کے عقیدہ کی اصلاح کے پیشِ نظر اس دُعاء کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۵):۔ دُعائے مذکور کو چھوڑ دینے کی پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مُباح و مستحب تو کیا اگر بالفرض اس سے بڑھ کر دُعائے مذکور کا کسی درجہ میں سنت ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جس کا دلائل کی روشنی میں قطعاً کوئی امکان نہیں جیسا کہ مُفصل گزرا تو پھر چونکہ اس میں بدعت ہونے کا قوی احتمال ہے لہذا قابلِ ترک ہوگی۔ اس لئے کہ جو فعل بدعت اور سُنّت ہونے میں متردد اور دائر ہو جائے اُسے چھوڑ دینا ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فقہاءِ کرام نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ بحر الرائق میں ہے: ان ما تردد بین بدعة وسنة یترك احتیاطاً (ص۱۴۸ ج۲)
پس یہ دُعا قابلِ ترک ہے۔

(۶):۔ دُعائے مذکورہ کے ترک کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ خود محققین فقہاء نے بالتصریح اس دُعائے ممانعت فرمائی ہے حوالے سے قبل ایک ضروری امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایک مقلد کے لئے اُوپر کی بحثوں میں جانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ جبکہ مسئلہ خود فقہ میں موجود ہو، کیونکہ قرآن وحدیث سے استنباطِ مسائل کی صلاحیت واستعداد جس شخص میں موجود ہو اُسے مقلد بننا ہی دُرست نہیں۔ تو مقلد وہی بنتا ہے جو اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں پاتا تو اس کے لئے فقہ کی تصریحات بس ہیں۔ پس چونکہ ہم مقلد ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات ہی کافی سمجھنی چاہیئے ورنہ ہماری حنفیت ختم ہو جائے گی۔ سو ملاحظہ ہو صاحب بحر الرائق محقق العصر علامہ ابنِ نجیم تحریر فرماتے ہیں کہ دُعاء نہ مانگی جائے۔ وقید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة۔ (ص۸۷ ج۲ مصری)

(۷):۔ علامہ صفدر صاحب نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جنازہ کے بعد دُعا کرنا مکروہ ہے۔
ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروہ۔

(۸):۔ حضرت مُلّا علی قاری مرقات شرح مشکوٰة میں تحریر فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلاة الجنازة (ص۶۰ ج۴)

(۹):۔ مظاہرِ حق شرحِ مشکوٰة میں بھی تقریباً انہی الفاظ سے جنازہ کے بعد دُعا کرنے سے ممانعت کی گئی ہے "جنازے کی نماز کے بعد دُعاء نہ مانگے" کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادت کے مشابہ ہے۔

(۱۰):۔ حواشی مالا بدمنہ میں ہے۔ وبعد تکبیر چہارم سلام گوید وبعد آں ہیچ دُعا نخواند (ص۹۵ مجیدی)
واضح ہے کہ اصل حواشی مذکورہ مفتی محمد سعد اللہ صاحبؒ کے ہیں اور علامہ حافظ سید محمد عبداللہ بلگرامی اور فاضل اَوحد مفتی عنایت احمد صاحب نے ان پر نظرِ ثانی فرمائی ہے۔ جیسا کہ "مالا بدمنہ" کے خاتمة الطبع سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۱):۔ فتاوی سعدیہ میں مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں: خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت بودن بر امرِ مسنون منع میکنند۔ (تحقیق الدعاء ص۳۹)

(۱۲):۔ علامہ فہامہ محقق العصر ابن نجیمؒ بحر الرائق میں فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ میں تکبیرِ رابعہ کے بعد اور کچھ نہیں۔ جس کے عموم میں دُعا بعد الجنازہ کا منفی ہونا بھی آجائے گا۔ ملاحظہ ہو۔
واشار بقوله وتسلیمتین بعد الرابعة إلی انه لا شئ بعدها غیرهما۔ (ص۱۹۷ ج۲)

(۱۳):۔ مبسوط سرخسی میں ہے: وفی ظاهر الروایة لیس بعد التکبیرة الرابعة دعاء سوی السلام۔ (ص۶۴ ج۲)

(۱۴):۔ شرح نقایہ میں مُلّا علی قاریؒ نے بھی اسی کے قریب قریب الفاظ اس بارے میں نقل فرمائے ہیں۔

(۱۵ تا ۲۰) تحقیق الدعاء بعد صلوٰة الجنازة کے مؤلف نے مزید کتب سے بھی دُعا بعد الجنازہ کی ممانعت ذیل کے الفاظ میں نقل کی ہے ہم ایک کتاب کے الفاظ نقل کر کے دوسری کتب کے حوالے پر اکتفاء کریں گے، جسے تفصیل مطلوب ہو اصل رسالہ کی طرف مراجعت کرے۔
خلاصة الفتاویٰ میں ہے۔ ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة خلاصة الفتاوی، فتاویٰ سراجیہ، شرح وقایہ برجندی قنیہ، جامع الرموز، زاد الآخرت۔
مجموعہ خانیہ میں ہے: دُعاء نخواند وفتوی بریں قول است۔ کذا فی المنہاج الواضح للعلامہ ابی الزاہد ص۱۹۶۔

مذکورہ بالا دلائل صریحہ سے صراحةً یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ دُعا بعد الجنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں عہدِ صحابہؓ وتابعین میں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ائمہ مجتہدین نے بھی اجماعی طور پر نمازِ جنازہ کی جو کیفیت بتلائی ہے۔ اس میں یہ دُعا موجود نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر

یہ ہے کہ فقہاء نے اِس دُعا کی صراحت کر کے اسے مکروہ و ناجائز لکھا ہے۔ جیسا کہ مُفصّل بیان ہوا ہے پس ایک منصف مسلمان کے لئے تفصیل بالا کے پیشِ نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دُعاء بعد الجنازہ بدعت ہے اور اُسے ترک کرنا ضروری ہے پس ان عربی عبارتوں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی جو بطورِ مغالطہ کسی صاحب نے اثبات دُعاءِ مذکور کے لئے استفتاء میں تحریر کی ہیں مگر چونکہ وہ ان عبارتوں کو دلائل سمجھ رہا ہے اس لئے ان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہوا۔

مقصود سے قبل ایک مقدمہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے تاکہ فہم جواب میں سہولت ہو۔ وہ یہ ہے کہ دلیلِ مطلق سے کسی مخصوص دعویٰ کا ثابت کرنا دُرست نہیں نہ عقلاً نہ شرعاً۔ مثلاً دیکھئے کہ زید قتل کے جرم میں ماخوذ ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے تو گواہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ زید سے قتل کا جرم ہمارے سامنے سرزد ہوا ہے بلکہ ان کی گواہی صرف اتنی ہے کہ قتل کا وقوع ضرور ہوا ہے لیکن تعیین قاتل سے ساکت ہیں۔ تو کیا ان کی گواہی سے زید پر قتل کی فردِ جرم عائد کر دی جائے گی۔ دُنیا کے کسی عقلمند کے نزدیک ایسا کرنا دُرست نہ ہوگا کیونکہ دعویٰ خاص ہے اور گواہی مطلق ہے۔ پس دلیلِ مطلق سے دعویٰ خاص ثابت نہیں ہو سکے گا۔ شرعاً بھی یہی ہے کہ کسی امر کی فضیلت میں اگر کوئی نص مطلقاً وارد ہو تو اس نص مطلق سے امر مذکور کے کسی خاص موقع پر مستحب ہو جانے کا قول کرنا دُرست نہیں ہوتا۔ چنانچہ مُلاحظہ ہو کہ ذکر اللہ کی عام حالت میں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں لیکن کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی مخصوص ذکر پر کسی مخصوص وقت میں خاص اجر و ثواب کا وعدہ ذکر کرے یا اس وقت خصوصی استحباب کا قائل ہو جائے۔

چنانچہ بحرالرائق میں ہے: لان ذکر اللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقتٍ او لشیئٍ دون شیئٍ لم یکن مشروعاً مالم یَرِدْ بہ الشرع (ص۱۷۲ ج۲)

اسی طرح مصافحہ کرنا عام حالات میں سُنّت ہے مگر اس کے لئے کسی خاص وقت کی تخصیص کرنا دُرست نہیں، سُنّت ہونے کے باوجود اس خاص محل میں بوجہ تخصیص کے بدعت بن جائے گا۔ اور سُنّیت مصافحہ کی دلیل مطلق سے تخصیص مذکور پر استدلال کرنا باطل ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگوں میں نمازوں کے بعد مُصافحہ کرنے کا رواج پڑ گیا تھا۔ مگر فقہاءً

نے اس مخصوص مصافحہ کو دلیلِ مطلق کے تحت داخل نہ مانتے ہوئے اسے بدعت قرار دیا ہے اور ناجائز ٹھہرایا ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے ایک نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے ایجاد کی تھی۔ مگر فقہاء نے لوگوں کو اس سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمایا اور نماز کے فضائل میں وارد ہونے والی مطلق احادیث کے تحت اس نماز کو داخل نہیں سمجھا، بلکہ اس کے واضع کو ملعون قرار دیا ہے۔

علّامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوٰۃ مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذاک الا لکونھا لم تؤثر فی خصوص ھٰذا الموضع فالمواظبۃ علیھا توھم العوام بانھا سُنۃ فیہ ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاۃ الرغائب التی احدثھا بعض المتعبدین لانھا لم تؤثر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلوٰۃ ھی خیر موضوع الخ

پس جب یہ دعویٰ محقق ہو گیا کہ دلیلِ مطلق سے دعویٰ خاص پر استدلال کرنا باطل ہے تو اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ دُعاء بعد الجنازۃ کے اثبات کے لئے کسی ایسی حدیث یا آیت سے استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے جو آیت یا حدیث مطلق دُعا کی فضیلت میں وارد ہوئی ہو کیونکہ دعویٰ دُعائے مخصوص کا ہے اور دلیل مطلق دُعا کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ استفتاء میں مذکورہ اکثر دلائل ایسے ہی ہیں۔ پس یہ مفیدِ مُدعا نہیں ہوں گے۔ مگر تحریر کنندہ اپنی نادانی سے ان کو دلائل سمجھ رہا ہے۔ یہ صرف ان کا قصور نہیں بلکہ جو شخص بھی بدعت کو سُنّت بنانے کی ناکام کوشش کرے گا اُسے یہی کچھ کرنا پڑے گا۔ چنانچہ رسالہ "ایذان الاجر فی الاذان علی القبر" دیکھ لیا جائے۔ اس اجمالی جواب کے بعد اب ہم عبارات مذکورہ کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ (واضح رہے کہ اختصار کے پیشِ نظر جواب میں دلیل کا اعادہ نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کا نمبر ذکر کر کے جواب لکھا گیا ہے۔)

دلیل نمبر۱: کا جواب یہ ہے کہ آثارِ مذکورہ سے متنازعہ فیہ دعا کا ثابت کرنا محض دھوکہ یا خود فریبی ہے ان آثار کو مقصد سے قطعاً کوئی تعلق نہیں

امام سرخسیؒ اسس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک دفعہ نمازِ جنازہ پڑھی جاچکی ہو تو بعد میں آنیوالوں کو اعادہ کا حق حاصل نہیں۔ جبکہ یہ غیر ولی ہوں۔ یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، مگر امام شافعیؒ اعادہ کے قائل ہیں تو امام سرخسیؒ نے حنفیہ کے مسلک کی تائید میں آثارِ مذکورہ کو پیش کیا ہے کہ دیکھو اِن حضرات نے جنازہ کا اعادہ نہیں کیا بلکہ صِرف دُعا کرنے پر اکتفا کیا۔ جبکہ نمازِ جنازہ میں یہ حضرات شرکت نہ کر سکے تھے۔ تو اسس سے یہ کیسے ثابت ہوگا کہ جو لوگ نمازِ جنازہ پڑھیں وہ جنازہ کے اختتام پر اسی اجتماعی حالت میں دُعا بھی مانگا کریں، نیز ان آثار میں یہ بھی مذکور نہیں کہ یہ حضرات نماز ہو چکنے کے کتنی دیر بعد میں پہنچے تھے۔ تقریباً دسٙ منٹ، بیسٙ منٹ، گھنٹہ، آدھ گھنٹہ، بلکہ آثار اسس سے بھی ساکت ہیں کہ ان حضرات کی تشریف آوری جنازہ کی موجودگی میں ہوئی یا دفن کے بعد؟ تو ان کی دُعا سے جس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ نمازِ جنازہ کے متصل بعد ہوئی یا کب ہوئی؟

نمازِ جنازہ کے متصل بعد میں کی جانے والی دُعا کے اثبات پر استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ پس ان حضرات کے دُعا کرنے سے دُعا بعد الجنازہ ثابت کرنا محض لغو ہے ان آثار کا حاصل صِرف اتنا ہے کہ اگر کسی شخص سے جنازہ فوت ہو جائے تو وہ جس وقت بھی قبرستان یا جنازہ گاہ میں پہنچے تو ویسے ہی مایوس ہو کر نہ لَوٹ جائے بلکہ اپنے طور پر مُردہ کے لئے دُعائے مغفرت کر دے، اسس سے بھی مُردہ کی حق رسی ہو جائے گی، کیونکہ نمازِ جنازہ کی حقیقت بھی دُعائے مغفرت ہی ہے لیکن اسس کے لئے پھر مخصوص شرائط ہیں، جن کی عدم موجودگی میں یہ صحیح نہیں ہوتی اور نفسِ دُعا مانگنے کے لئے اجتماعیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ انفرادی طور پر جب بھی چاہے دُعا مانگ سکتا ہے۔ (یاد رہے کہ اِسس انفرادی دُعا مانگنے کے ہم بھی مخالف نہیں۔) تو جب کسی شخص سے مخصوص دُعائے مغفرت یعنی نمازِ جنازہ فوت ہو جائے اور اسس کا اعادہ بھی ممکن نہ ہو تو صِرف دُعائے مغفرت ہی کر دینا چاہیئے۔ اسس میں تو کسی کی تخصیص نہیں نہ ہی کسی وقت کی قید یہی مطلب ہے اِس جُملے کا کہ ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہٗ۔ کہ اگر نمازِ جنازہ میں تم مجھ سے بازی لے گئے ہو کہ تم نے پڑھ لی اور مَیں شامل نہ ہو سکا۔ اور اسس کا اعادہ بھی ممکن نہیں، تو نفسِ دُعائے مغفرت تو کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہارے ساتھ مخصوص ہو کہ تم کر سکو اور مَیں نہ کر سکوں بلکہ

یہ تو تم بھی کر سکتے ہو اور مَیں بھی کر سکتا ہوں۔ لہٰذا تم اسس دُعا میں مجھ سے بازی نہیں لے جا سکو گے۔ اگر کہا جاوے کہ سَبقت مقتضی ہے فعل طرفین کو تو جواب ہے کہ پھر سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ میں بھی سَبقت اسی کی متقاضی ہوگی جس سے حضرت عبداللہ بن سلام کا جنازہ پڑھنا بھی ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔

جوابِ نمبر ۲: اگر آثار مذکورہ مفید دُعا ہوتے تو کم از کم امام سرخسیؒ بھی اسس کے قائل ہوتے کہ جنازہ کی نماز کے بعد دُعاء مانگی جائے، حالانکہ آپ نے بھی دیگر ائمہ اور فقہاء کی طرح نماز جنازہ کے بعد دُعا کا ذکر نہیں کیا، ملاحظہ ہو۔

ویسلم تسلیمتین بعد الرابعۃ ولانّہٗ جاء اوان التحلل وذالک بالسلام الخ۔ ان قال فان کبر الامام خمساً الخ (ج۲ ص۶۴)

دیکھئے نماز جنازہ تسلیمتین تک بتلا کر دوسرا مسئلہ شروع کر دیا، بعد میں دعاء مذکورہ ہوتی تو یقیناً بیان فرماتے کیونکہ محلِ بیان ہے۔ چنانچہ دیکھئے صلوٰۃ کسوف میں نماز کے بعد دُعا وارد ہے تو سب فقہاء نماز میں اختتام پر دُعاء کا ذکر فرماتے ہیں ھدایہ میں ہے۔

ویدعو بعدھا حتیٰ تنجلی الشمس (ص۱۵۶ ج۱)

صلوٰۃ خمسہ کے بعد دُعا ہے فقہاء اُسے بیان فرماتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دُعا ثابت ہو اور فقہاء بیان نہ فرمائیں۔

جوابِ دلیل نمبر ۲-۲: دلیل نمبر ۲-۲ سے وجہ استدلال سمجھ میں نہیں آئی کہ دُعا بعد الجنازہ ان سے کیسے ثابت ہوتی ہے؟

افسوس ہے کہ شوقِ اجتہاد میں ضروری اُمور کو بھی بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اکڑنے والے یقیناً جہنم میں جائیں گے۔ لیکن ان کو مُدعا سے کیا تعلق؟ اللہ کی عبادت اور نیکی کرنے والے یقیناً اُمیدوار فلاح و کامیابی ہیں۔ مگر دُعا بعد الجنازہ اِسس سے کیسے ثابت ہوئی؟ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ اگر ایسی ہی عمومی نصوص سے مُدعا ثابت ہو سکتا ہے تو اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ کلمہ شریف پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ یہ بھی عبادت اور نیکی ہے اور نیکی عبادت کرنا بنصِ قرآنی فرض ہے لہٰذا یہ کلمہ شریف بھی ہر نماز کے بعد پڑھنا فرض ہے اور جو

شخص اُسے تسلیم نہ کرے وہ جہنمی ہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت سے تکبر کرنیوالے جہنم میں داخل ہوں گے تو شخص مذکور کے استدلال مذکور کا کیا جواب ہوگا؟

جو جواب اِس کا ہوگا وہی جواب اس کا ہے جو ان نصوص سے دُعا بعد الجنازہ کا مثبت ہے۔ اگر جہلاء کے لئے ایسے استدلالات کی اجازت دے دی جائے تو شریعت کا پُورا نظام درہم برہم ہو جائے گا ہر وظیفہ بالقوہ فرض ہوگا۔ جتنی نمازوں کو مزید چاہو فرض بنالو۔ جتنے روزوں کا اضافہ کرلو۔

پس ایسی عمومی نصوص سے دعا بعد الجنازہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی آیت یا حدیث سے اثبات ہونا چاہیئے جس میں یہ تصریح ہو کہ نمازِ جنازہ کے بعد دُعاء مانگی جائے وغیرہ مطلق فضائل دُعاء کی نصوص سے مُدعا کو کوئی تعلق نہیں۔

جواب دلیل نمبر ۴۔۵: بفرضِ صحتِ احادیث ان سے مُطلق دعاء کی فضیلت ظاہر ہو رہی ہے اور پہلے ہم یہ بالتحقیق ثابت کرچکے ہیں کہ ایسی مطلق احادیث سے مخصوص دُعاء کے اثبات کے لئے استدلال باطل ہے فلیراجع، دعاء بہت فضیلت رکھتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُسے جس عبادت کا چاہیں جزو بنادیں اور جس مقام پر چاہیں اُمت کے ذمہ اس کا مانگنا فرض و واجب یا سُنت و مُستحب قرار دیا جائے۔ مثلاً دیکھئے نماز کی احادیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے مگر ان فضائل کے پیشِ نظر کسی مُجدد کے لئے اسکی اجازت نہیں کہ وہ یہ کہہ دے کہ مثلاً ظہر کی سُنن قبلیہ سے پہلے دو رکعت پڑھنا سنت ہے اور اُسے اُمت کے ذمہ عملاً لازم قرار دے۔ یاد رکھئے عمل خاص کی مشروعیت و استحباب کے لئے نص خاص کا وارد ہونا ضروری ہے۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

الا تریٰ ان ابن عمر قال فی صلوٰۃ الضحیٰ انها بدعة لانهٗ لم یثبت عندهٗ فیها دلیل ولم یراد راجها تحت عمومات الصلوٰۃ لتخصیصها بالوقت المخصوص وکذالک قال فی القنوت کان یفعله الناس فی عصرہٖ انه بدعة ولم یراد راجهٗ تحت عمومات الدعاء الخ۔ (احکام الاحکام ص۵۲)

پس اثباتِ دعاءِ مذکور کے لئے کوئی ایسی حدیث پیش کی جاوے جس میں بالتصریح مذکور ہو کہ نماز جنازہ کے بعد کی دُعا کی جاوے۔

جواب دلیل نمبر ۶: اِس حدیث میں لفظ صلوٰۃ مطلق ہے اور مطلق کا استعمال جب بلا کسی قید کے کیا جائے تو اِس سے مراد فردِ کامل ہُوا کرتا ہے۔ والمطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل ـــ قاعدہ کلیہ ہے اور صلوٰۃ کا فردِ کامل صلوٰۃ مکتوبہ ہے پس حدیث میں صلوٰۃ سے مراد یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہوگی تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فرض نماز کے بعد دُعاء کی جائے۔ کیونکہ محل اجابتِ دعاء ہے۔ جیسا کہ دُوسری احادیث میں وارد ہے۔

عن ابی امامة قال قیل یارسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوٰت المکتوبات۔ (مشکوٰۃ ص۸۹)

پس اس حدیث سے دُعاء بعد الجنازۃ کا اثبات غلط ہے حدیثِ مذکور بیہقی میں مل نہ سکی اس لئے سند کی تحقیق نہ ہوسکی۔ اگر مکمل تحقیق مطلوب ہو تو حوالہ بقید صفحہ وسطر دیا جائے۔

جواب دلیل نمبر ۷: حدیث مذکور کی یہ تفسیر من گھڑت ہے بتلایا جائے کہ یہ تفسیر کس شارح سے منقول ہے جب تفسیر من گھڑت ہے تو یہ حجت نہیں اور متنِ حدیث سے مُدعا ثابت نہیں ہوتا پس اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہُوا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نمازِ جنازہ پڑھو، تو میّت کے لئے اخلاص سے دعاء کرو، کذا ترجم صاحب مظاہرِ حق فلیراجع یعنی وہی دُعاء جو نماز جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔ الدعا پر الف لام کا دخول معہودیت دعاء کی طرف مشعر ہے اور معہود دعا صرف وہی ہے جو تیسری تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہے جنازہ کے بعد والی دُعاء تو شرعاً ثابت ہی نہیں تو معہود کہاں سے ہوگی بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام نے تو اسے مکروہ لکھا ہے اور یہ دُعا مانگنے سے منع کیا ہے۔

پس دعاء بعد الجنازہ اِس "الدعاء" کا مصداق ہرگز نہیں بن سکتی بلکہ وہی دُعاء مراد ہے جو معہود فی الشرع اور تمام ائمہ کے نزدیک مشروع ہے۔

نمبر ۲:۔ اگر حدیث کی وہی تفسیر صحیح ہوتی جو سوال میں مذکور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ فقہاء کرام اس کا

استحباب منقول نہیں۔ بلکہ اسے مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ فا کے مقتضی تعقیب بلا تراخی ہونے سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ لازم نہیں۔ دیکھئے ارشادِ باری اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ اسی طرح اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ۔ الخ پس حدیث کی تفسیر مذکور غلط ہے۔

نمبر۳: سُنن الکبریٰ للبیہقی میں کتاب الجنائز باب الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ صہ۴۲ ج ۴ کے تحت اِس حدیث اذا صلیتم علی المیّت۔ الخ ــــــ کو نقل کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ محدّثین کے نزدیک بھی الدعاء سے مُراد وہی دُعاء ہے جو نمازِ جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔ نیز مُلّا علی قاری رح نے ابن ملک سے اِس حدیث کی یہ تاویل ذکر کی ہے۔ ویمکن ان یکون معناہٗ اجعلوا لہٗ الدعاء خالصاً فی القلب وان کان عاماً فی اللفظ الخ ــــــ

اور ظاہر ہے کہ تاویلِ مذکور کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعاء کے الفاظ عام ہیں جو سب مُسلمانوں کو شامل ہیں اور حدیث کے ظاہری الفاظ مقتضیٔ خصوص ہیں۔ پس تاویل سے دونوں کو جمع کر دیا تو اس سے بھی ظاہر ہُوا کہ شراحِ حدیث کے نزدیک بھی الدعاء سے مراد نمازِ جنازہ میں مانگی جانیوالی دُعاء ہے ورنہ تاویلِ شراح لغو ہوگی۔

جوابِ دلیل نمبر۸:

کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پس اثباتِ احکام میں حُجت نہ ہوگی۔ لہٰذا استدلال ساقط ہے۔ ابراہیم الھجری نہایت ضعیف اور مُنکر الحدیث ہے۔ امام بخاری رح اور نسائی رح اسے مُنکر الحدیث ٹھہراتے ہیں وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ منہاج صہ۱۶۵ ج ۱)

ثانیاً یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ کہاں مذکور ہے کہ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگی جو مُفید مُدعاء ہے۔ بلکہ ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے قبل دُعاء مانگی جیسا کہ بعض مشائخ احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ پس اس حدیث سے استدلال کرنا خبطِ محض ہے۔ صاحب منہاج الواضح نے علامہ نووی رح کی اذکار سے یہی روایت نقل کی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ دُعاء قبل از سلام تھی اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم سلم عن یمینہ وعن شمالہ۔ (صہ۲۰۳)

جوابِ دلیل نمبر۹:

(۱): واقدی کی روایت احکام میں مُعتبر نہیں کما لا یخفیٰ علی اھل الفن پس روایتِ مذکورہ احکام کے بارے میں حُجت نہیں بن سکتی (۲): نیز ابراہیم حلبی رح کبیری صہ۵۲۷ میں روایت ھذا کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ علی ان طرقہ ضعیفۃ فما فی المغازی مرسل الخ

پس جب حدیثِ مذکور مرسل ناقابلِ احتجاج ٹھہری تو اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی محقق ابن الہمام رح نے اسے مُرسل قرار دیا ہے۔ تقریباً یہی الفاظ ہیں تیسرا جواب یہ ہے واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے۔ پس الفاظِ حدیث سے دُعاء کا جنازہ کے بعد متصل ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا باطل ہوگا۔ اگر عطف تفسیری نہ مانا جائے تو حدیث سے قواعد کے لحاظ سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے دعاء بھی فرمائی اور نمازِ جنازہ بھی پڑھا لیکن تقدیم تاخیر سے حدیث ساکت ہے پس مُفید مُدعاء نہیں اور ظاہر تو یہی ہے عطف تفسیری مان لیا جاوے تاکہ دوسری احادیث کے ساتھ منطبق ہو جائے واللہ اعلم۔

جوابِ دلیل نمبر۱۰:

کا یہ ہے اگر حضرت ابنِ عمر نمازِ جنازہ ہو چکنے کے بعد جنازہ گاہ میں پہنچے اور دُعاء کر کے واپس تشریف لے گئے تو اس سے دُعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہوئی۔ آپؓ تو نمازِ جنازہ میں شامل ہی نہیں ہو سکے تو ان کے دعاء مانگنے سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہے۔ ہاں جو لوگ جنازہ پڑھ چکے تھے انہوں نے اگر فوراً دُعاء مانگی ہوتی تو استدلال صحیح بن سکتا تھا۔ مگر ان کا دُعاء مانگنا منقول نہیں

الحاصل جنہوں نے جنازہ پڑھا، انہوں نے دُعاء نہیں مانگی اور جنہوں نے دُعاء مانگی اُنہوں نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ پس آپ کے استدلال باطل کی کیا صُورت معلوم ہوتی ہے کہ سائل کے نزدیک صرف عربی عبارت ہی نقل کر دینا اپنے دعویٰ کی دلیل بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے جس حدیث میں دُعاء کا لفظ دیکھتے ہیں جھٹ اس کو اپنے دعویٰ کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ ایسے جاہل کا جواب دینا بھی محض اضاعتِ وقت ہے مگر کیا کیا جاوے جہالت کی حکمرانی ہے۔ لوگ ایسے غیر متعلق مضامین کو دلائل سمجھنے لگتے ہیں۔ انکی رعایت سے لکھنا پڑتا ہے۔

اب دلائل مذکورہ از نمبر۱ تا ۱۵ پر مکرّر نظر ڈالیئے اور بتایئے کہ ان میں سے کون سی عبارت

ایسی ہے جس سے دُعاء بعد الجنازہ کا ثبوت ہوتا ہو۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فعل ہو یا آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ نمازِ جنازہ ختم کر کے دُعا مانگا کرو یا کسی صحابیؓ نے جنازہ کے بعد دُعاء مانگی ہو اور آپؐ نے اِس پر نکیر نہ فرمایا ہو۔ آخر عبارت مذکورہ کو مُدعا سے کیا تعلق۔ اگر ان کے عموم سے تمسک کیا گیا ہے تو ان کا باطل ہونا بالتفصیل پہلے گزر چکا۔ اِعادہ کی حاجت نہیں۔ اگر یہ عبارات دُعاء بعد الجنازہ کی مثبت ہیں تو دُعاء قبل الجنازہ کی بھی مُثبت ہیں۔

نیز ایک ہی دفعہ کے لئے مثبت نہیں بلکہ بیسیوں دفعہ کے لئے مثبت بن سکتی ہیں۔ تو بعد الجنازہ ہی کیوں دُعاء کی جاتی ہے قبل از جنازہ بھی اجتماعی طور پر کرنی چاہیئے نیز ایک ہی دفعہ پر اکتفاء کرنا دُرست نہیں۔ جب استغفار عند المیّت افضل ٹھہرا تو افضیلت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم نصیب فرماوے۔ آمین!

جوابِ دلیل نمبر ۱۶ قراۃ فاتحہ بقصدِ تبرک سے جواز دعاء بعد الجنازہ کیسے ثابت ہُوا۔ خواہ قرأت مذکورہ بعد الجنازہ ہی کیوں نہ ہو نیز جب یہ احتمال ہے کہ یہ قرأتِ فاتحہ قبل از نمازِ جنازہ ہوئی ہو جیسا کہ مصرح ہے۔ تو اس سے استدلال کیوں کر صحیح ہوگا اس لئے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال استدلال تو اس صورت میں دُرست ہو سکتا ہے کہ جب یہ شق متعین ہو کر قراءۃ مذکورہ نمازِ جنازہ کے بعد متصلاً ہوئی۔ یہ بھی ارخائے عنان کے طور پر ہے۔ ورنہ اصل تو یہ ہے حدیث مذکور کو ہمارے مُدعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔

جواب نمبر ۲: یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی اسناد قوی نہیں اِس کا راوی ابراہیم مُنکر الحدیث ہے۔ مظاہر حق ص۵۷ جلد ۲۔ تو احکام میں حدیث مذکورہ سے استدلال دُرست نہیں۔ امام ترمذیؒ کے الفاظ یہ ہیں:

حدیث ابن عباسؓ۔ اسنادہٗ لیس بذالك القوی ابراھیم بن عثمان ھو ابو شیبۃ الواھی۔ مُنکر الحدیث ص۱۳۲ ج ۱، مطبع مجیدی

جوابِ دلیل نمبر ۱۷۔ مجموعہ خانی ہمارے پاس اور مدرسہ کے کُتب خانہ میں موجود نہیں کہ اسکی اصل عبارت کو دیکھ لیا جاتا کہ اِس میں کیا لکھا ہے۔ ہمیں حوالہ مذکور کی صحت میں شُبہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ علامہ صفدر صاحب گکھڑوی نے منہاج الواضح میں ص۱۹۶ میں مجموعہ خانی سے دُعاء بعد الجنازہ کی مُمانعت پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے

اور فقہ کی مشہور کتاب مجموعہ خانی میں ہے:

"دعاء نخواند و فتویٰ بریں قول ست"۔ (مجموعہ خانی قلمی ص۳۲۹)

پس جب تک یہ محقق نہ ہو جائے کہ اصل میں صحیح عبارت کون سی ہے، تب تک فیصلہ مُشکل ہے۔ البتہ دُوسرے فقہاء کی تصریحات جو عدمِ جوازِ دُعاء مذکور کے بارہ میں ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ان کے پیشِ نظر صحیح عبارت وہی معلوم ہوتی ہے جو منہاج الواضح میں نقل کی گئی ہے۔ اگرچہ ان عبارات میں یہ تصریح نہیں کہ فتویٰ عدمِ جوازِ دعاءِ مذکور پر ہے لیکن فقہاء کے جمِ غفیر کا دعاء بعد الجنازہ کے عدمِ جواز کو نقل کرنا یہ خود اس پر دال ہے کہ معمول بہ اور مفتیٰ بہ یہی قول ہے بلکہ فقہاء کے ہاں اس کے مقابلہ میں سرے سے کوئی دوسرا قول موجود ہی نہیں حقیقت یہ ہے تو اس کے مفتیٰ بہ ہونے کا کیا معنی؟ پس دُرست وہی عبارت ہے جو منہاج الواضح میں منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

اور اگر بالفرض یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے کہ صحیح عبارت دعاء بخواند ہے تو بھی یہ عبارت حُجت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ کتب فقہ کا معتد بہا ذخیرہ جو اہل علم کے مابین متداول ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تصریحات موجود ہیں کہ لا یدعوا ان الدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ مکروہ وغیرہ وغیرہ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے مذکور کے استحباب یا سُنیّت کا سرے سے کوئی قول ہی موجود نہیں۔ تو اس صُورت میں صرف صاحب مجموعہ خانی کے یہ تحریر کرنے سے کہ بخواند۔ دیگر فُقہاء کی تصریحات سے آنکھیں بند کر لینا کیسے دُرست ہے۔ نیز تمام فقہاء کی تصریحات کے علی الرغم صرف مجموعہ خانی کوئی ایسی کتاب نہیں جسے حنفیہ کے متون معتبرہ اور شروح متداولہ نیز کُتب فتاویٰ کے ہم پلہ قرار دیا جاسکے۔ پس اس کا کوئی نقل قابلِ قبول نہیں ہے۔ جو کتب مشہورہ متداولہ کے خلاف ہو۔

جوابِ دلیل نمبر ۱۸: نہر الفائق مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔ اور فتاویٰ نظامیہ کسی غیر معروف شخص کا ہے اس کے علم و دیانت کے بارہ میں ہمیں تحقیق نہیں کہ وہ کس پایہ کے ہیں لہٰذا نقل حوالہ مذکورہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ تا وقتیکہ اصل کتاب کو نہ دیکھ لیا جائے۔ بشرطِ ثبوت اس کا محمل ہمارے نزدیک انفرادی دعاء ہے تاکہ دُوسرے فُقہاء کی تصریحات کے ساتھ اس کا تعارض نہ ہو۔

تفصیلِ بالا سے یہ واضح ہوگیا کہ استفتاء مذکورہ کی عبارت میں سے صرف ایک دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے دعاء بعد الجنازہ کے جواز کا شبہ ہو سکتا تھا جن کا بحمدہ تعالیٰ شافی جواب دیا جاچکا ہے۔ باقی عبارات کو متنازعہ فیہ دُعاء سے قطعاً کوئی تعلق نہیں محض عوام کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے انہیں استفتاء میں درج کیا گیا۔ مگر جیسا کچھ تھا ان کا جواب تحریر ہو چکا۔ اور اس کے مقابلہ میں دُعائے متنازعہ فیہ کے عدمِ جواز میں ۲۱ دلائل پیش کئے گئے جو ایک منصف مسلمان کے لئے کافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل موجود ہے کہ یہ دُعا آپ نے نہیں فرمائی۔ حضراتِ صحابہؓ نے یہ دُعاء نہیں کی ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت نہیں۔ مذاہبِ اربعہ کی فقہ اس سے خالی ہی نہیں بلکہ اس دُعاء کی ممانعت اور اسکی کراہت کے بارے میں تصریحات ہیں۔

تو کیا یہ ایک مسلمان کے لئے کافی نہیں، واللہ کافی ہے پس سب اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ اس طریقۂ سُنّت کو اپنائیں اور اسی کو اپنا معمول بنائیں اور اس کے مقابلے میں جو سلام پھیرنے کے بعد دُعاء مانگنے کی بدعت رواج پکڑ گئی ہے اُسے مٹانے کی کوشش کریں۔

اس زمانۂ فساد میں سُنّتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر مضبوطی سے قائم رہنا اجرِ عظیم رکھتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ہے:

من تمسك بسُنّتي عند فساد اُمّتي فله اجر مائة شهيد۔ او

كما قال وما علينا الا البلاغ۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

خیر محمد مہتمم خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح،

عبداللہ غفرلہٗ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

حاشیہ نمبر ۱: مطلب یہ ہے کہ اگر "ف" کے مقتضی تعقیب ہونے کی وجہ اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو میّت کے لئے اخلاص سے دُعاء کرو۔ تو یہی "ف" اس آیت میں بھی موجود ہے۔ اذا قمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهكم۔ تو آپ کے قول کے مطابق ترجمہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ جب تم کھڑے ہو چکو نماز کے لئے تو اس وقت وضوء کرو۔ نیز اس

آیت میں بھی ویسی "ف" موجود ہے۔ اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ تو اس کا ترجمہ یہ ہونا چاہیئے کہ جب تم قرآن پڑھنے سے فارغ ہو چکو تو اللہ کی پناہ پکڑو اور اسی طرح واذا سألتموهن۔ کا ترجمہ ایسے ہونا چاہیئے کہ تم ان سے کوئی چیز مانگ چکو تو ان سے پسِ پردہ مانگو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب تراجم غلط اور خلافِ مقصود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ "ف" کو تعقیبِ مذکور لازم نہیں۔ اور اگر کوئی تاویل ان آیات کے ترجمہ کے لئے کی جاتی ہے تو وہی تاویل اس حدیث میں بھی پھر کی جائے گی۔

حاشیہ نمبر ۲: کبھی فریقِ مخالف کی طرف سے امام فضلی کا قول لا بأس به بطورِ دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بھی دیا جاتا ہے اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ لا بأس به کے معنی یہ نہیں کہ دعا بعد الجنازہ سُنّت یا مستحب ہے بلکہ یہ ہیں کہ اس میں کراہیت تنزیہی ہے اگرچہ جواز ہو اور مکروہ تنزیہی بھی قابلِ ترک ہی ہے اگرچہ واجب الترک نہ ہو۔ پس اس سے بھی ترکِ دُعاء کا اولیٰ ہونا مفہوم ہوا، نہ کہ دُعاء کا اولیٰ ہونا۔

ثانیاً یہ ہے کہ امام فضلی کا یہ قول تمام فقہاء کے سامنے تھا مگر اس کے باوجود پھر اُنہوں نے اس دُعاء کی ممانعت یا کراہیت کی تصریح کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امام فضلی کا یہ قول قابلِ اعتماد اور لائقِ عمل نہیں۔ بلکہ مرجوح اور ناقابلِ التفات ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس قول کو اپنی کتابوں میں نقل کرنے تک سے احتراز کیا ہے پس ایسا قول ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔

ثالثاً یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امام فضلی کے زمانہ کے اندر دعاء بعد الجنازہ کے بارے میں عوام اس جہالت میں مُبتلا نہ ہوں۔ جس جہلِ مرکب میں آج کل کے لوگ مُبتلا ہیں کہ اسے ضروری سمجھتے ہیں اور تارک پر نکیر شدید کرتے ہیں۔ اور ان کے زمانہ میں اپنے طور پر کوئی شخص دُعاء کرے یا نہ کرے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ تو ایسے حالات میں آپ نے لا بأس به فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

مپندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

کِتَابُ الزَّکوٰۃ

انّما الصدقٰت للفقراء والمسٰکین والعٰملین علیہا والمؤلّفۃ قلوبھم وفی الرّقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السّبیل ط فریضۃ من اللہ ط واللہ علیمٌ حکیم ۝ (سُورۃ توبہ)

خیرُ الفتاوٰی

(جلد سوم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام کا نظامِ ربوبیّت

عہدِ جاہلیت میں غریب پروری کا کوئی نظام تو کُجا زیردستوں، کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی اَدا نہیں کی جاتی تھی۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا ابتدائی تعارف ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ عامہ سے کرایا ہے۔ الحمدُ للہ ربِ العلمین رحمانیت اور رحیمیّت بھی ربوبیّت کی فروع ہیں۔ جسمانی نشوونما اور روحانی تربیت جس کے لیے سلسلۂ نبوّت جاری ہُوا۔ یہ سب حق جلّ شانہٗ کی ربوبیتِ عامہ کے مظاہر ہیں۔ اس وقت جسمانی ربوبیت پیشِ نظر ہے ——

تمام عالم کی ربوبیت کا جو غیبی نظام ہمارے سامنے آرہا ہے۔ وہ بالکل کامل اور مکمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے مناسب تربیت پھر اس کی بقاء و نشوونما کے اسباب و وسائل مہیا فرمائے۔ دورِ حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ غریب پروری ہے۔ سرمایہ داری کے ردِّ عمل کے طور پر کمیونزم اور سوشلزم وجود میں آئے جس کی بنیاد پر بلند بانگ دعوے کئے گئے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی زیردستوں کے مزید استحصال اور ان پر مظالم کی ایک شکل ہے۔ جن ممالک میں کمیونزم اور سوشلزم رہا ہے۔ ان ممالک کی تاریخ نے یہ بتایا کہ کمیونزم اور سوشلزم بھی غریب و مزدور کو بے وقوف بنانے کی اور اسے غریب سے غریب تر اور مجبور سے مجبور تر کرنے کی ایک صورت ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

ے خواب سے بیدار ہوتا ہے محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے جبکہ غریب کی حمایت کا تصور ہی خال خال تھا۔ غریب پروری کا ایسا مکمل نظام دیا کہ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو حقیقت میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جن حکمرانوں نے حقیقتاً اسلام کو نافذ کیا ان کے دور میں قدرت کی طرف سے اس قدر فراوانی ہوئی کہ لوگ صدقات و زکوٰۃ کا مال اٹھائے پھرتے تھے اور کوئی مصرف نہ ملتا تھا۔ خلافتِ اسلامیہ کے دور کی تاریخ

اس کا شاہد بین ہے۔ اسلام نے اپنے احکام کے تمام ابواب میں غریب کو کبھی فراموش نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طرح اس کی معاونت کی راہ پیدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر اتنی زکوٰۃ فرض فرمائی ہے اگر صحیح طور پر اس کو ادا کردیں تو کوئی بھوکا رہے نہ ننگا رہے۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ مَا جَاعُوْا وَلَا عَرُوْا

موجودہ غربت و افلاس ظاہری اسباب میں مالداروں کے بخل کی وجہ سے ہے۔ (ہم مختصراً یہاں اسلام کے نظام غریب پروری کو اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں :-

۱ —— حق جل شانہٗ نے تمام مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سونا، چاندی زیورات، اموالِ تجارت اور نقدی کا ۲/۱ حصہ غریبوں کو دینا فرض قرار دیا۔ بازار اور منڈیاں، کارخانے اور فیکٹریاں، کروڑوں اربوں کے اموالِ تجارت سے بھری ہوئی ہیں۔ اگر ہر سال صحیح طور پر ان کا ۲/۱ حصہ بطور زکوٰۃ غرباء کو دے دیا جائے تو شاید ہی بھوک سے کوئی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔

۲ —— شریعت نے پورے ملک میں لاکھوں ایکڑ میں پھیلی ہوئی زرعی پیداوار میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا۔ ارشاد باری ہے : وآتوا حقہٗ یوم حصادہٖ (سورۃ الانعام)

حدیث پاک میں ہے : ما اخرجت الارض ففیہا العشر۔

جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس کا عُشر غریب کو دینا ضروری ہے۔

باغات کی اربوں کی آمدنی میں بھی غریب کو شریک ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا ۱۰/۱ غریب کا ہے حتیٰ کہ پھل کے مکمل پکنے سے پہلے اگر مالک کسی ضرورت کے لئے کچھ پھل توڑے یا فصل کاٹے تو اس میں سے بھی غریب کا حصہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔

۳ —— جنگلوں میں چرنے والے جانور بھیڑ بکریاں، گائے بھینس، اونٹ وغیرہ ان سب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نظامِ ربوبیت کے تحت غریبوں کو ان کا حصہ دینا ضروری قرار دیا۔ ایسے ہی مختلف دھاتوں کی قدرتی کانوں میں بھی غریب کو شریک ٹھہراتے ہوئے اس کا ایک حصہ متعین کیا گیا۔ یہ نوع بنوع جزئیات کا ایک معروف اجمالی خاکہ تھا۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ابوابِ فقہیہ میں غریب پروری کی کوئی نہ کوئی صورت موجود ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ میں ہے کہ جو آدمی بیوی سے حالتِ حیض میں مباشرت کر بیٹھے وہ ایک دینار (اشرفی) صدقہ کرے۔ ایسے ہی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ اگر کسی کی نمازیں رہ جائیں اور وہ مرتے وقت فدیہ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو غریب کو اس کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ جس کی صرف ایک ماہ کی مقدار

تقریباً نو من گندم بنتی ہے۔ ایسے ہی کتاب الصوم میں ہے کہ جس کے روزے رہ جائیں یا وہ کسی عذر سے روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جیسے شیخ فانی یا مریض مایوس تو اس پر روزوں کا فدیہ دینا واجب ہے جو غریبوں کو ادا کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کوئی روزہ رکھنے کے بعد عمداً اسے توڑ دے تو غلام آزاد نہ کر سکنے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کتاب النکاح میں ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ مسنون ہے۔ اس ولیمہ میں بھی غرباء کو شریک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور شریک نہ کرنے کی صورت میں اس کھانے کو بدترین کھانا کہا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا۔

شر الطعام الولیمۃ یدعیٰ لہا الاغنیاء ویترک لہا الفقراء

کتاب الطلاق میں کفارہ ظہار کا حکم ہے جس میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے

کتاب الاعتاق میں معمولی معمولی بات پر غلام کو آزاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ ایسے ہی تمام کفارات میں مثلاً قسم کا کفارہ، قتلِ خطاء کا کفارہ، یا عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ۔ ان میں بھی بنیادی چیز غلام کو آزاد کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ایسے ہی بیوع میں تمام ارباح فاسدہ کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ یہ بھی غریبوں ہی کو ملیں گے۔ مالِ مغصوب کے منافع کو بھی غریب ہی کے لئے مختص کیا گیا۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت کا بھی غریب کو دینا ضروری قرار دیا گیا۔

اضحیہ کے بعد کتاب الوصایا آتی ہے۔ گو اب تو لوگوں میں یہ معمول نہیں رہا مگر متمول مسلمانوں کی تاریخ ماضی دیکھیں تو تقریباً سب ہی کا یہ معمول تھا کہ اپنے مال سے کچھ نہ کچھ مال کی غرباء، مدارس، مساجد، مسافر خانے اور کنوؤں وغیرہ کے لئے وصیت کر جاتے تھے، کسی وقت میں بنگال کے صرف اوقاف کی آمدنی پوری حکومت کے سالانہ بجٹ کے برابر یا کچھ کم ہوتی تھی جس کا اکثر حصہ غرباء اور مساکین کے لئے مختص ہوتا تھا۔ عید کی خوشیوں میں غریبوں کو شریک کرنے کے لئے مالداروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کر کے جائیں۔ یہ تو ابوابِ فقہ کا ایک سرسری جائزہ تھا۔ اگر کوئی صاحب غور سے تتبع کریں تو سیکڑوں ایسی مثالیں اور بھی مل سکتی ہیں۔

ان تفصیلات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنیٰ میں اسلام ہی غریب پرور مذہب ہے۔ رب العالمین نے اپنی کمزور اور ضعیف مخلوق کو کسی حال میں بھی فراموش نہیں فرمایا۔ اور مختلف نوع کے احکام کے ساتھ غریب پروری کو منسلک فرما دیا۔ یہ اسلام کی حقانیت کی ایک بین دلیل ہے۔ اور اسی میں کمیونزم اور سوشلزم جیسے نظریوں

ہاحقیقی تو موجود ہے۔ اسلام نے غریبوں کے لیے مخص مال کو اللے تللے میں اُڑانے کی اجازت نہیں دی۔ ایسے ہی تعمیرات اور مٹی گارے میں صرف کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس مال سے ٹی اے۔ ڈی اے اور بھتے بنانے کی اجازت نہیں دی بلکہ واضح طور پر حکم دیا کہ یہ پیسہ غریب کے ہاتھ پر رکھا جائے اور اسلامی تعلیمات کا حسن ہے کہ اس پیسے کے ذریعے سے طبقاتی منافرت پیدا ہونے سے تحفظ کی صورت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ دینے والوں کو یہ تصور دیا گیا اور یہ حقیقت ذہن نشین کرائی گئی کہ تم یہ مال خدا کو دے رہے ہو۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ الا الطیب فان اللہ یتقبلھا بیمینہ ثم یربیھا لصاحبھا کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف)

نیز یہ تصور بھی دیا کہ جو کچھ غریب کو دے رہے ہو وہ درحقیقت اپنے ہی کو دے رہے ہو۔ اور جو نہیں دیتا وہ اپنے ہی کو محروم کرتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ واللہ الغنی وانتم الفقراء وفی مقام آخر من یبخل فانما یبخل عن نفسہ

اسلئے شریعت نے غریب کو منع کیا کہ تم براہ راست کسی سے مت چھینو اور نہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرو۔ جب انسان کسی کو مال دیتا ہے تو ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کو اپنا زیرِ احسان سمجھ کر اس سے شکریہ کا اُمیدوار رہتا ہے اس پر احسان جتلاتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس دینے کے مقابلے میں غریب سے بیگار لی جاتی ہے۔ اسلام نے دونوں باتوں سے صراحۃً منع کر دیا اور فرمایا:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (الآیۃ)

کہ ایسا کرنے سے تمہارے صدقات ضائع ہو جائیں گے۔ جو کہ صدقہ کے موضوع کے خلاف ہے مگر انسانی انفسیات کے پیشِ نظر یہ کہا گیا کہ وہ شکریہ کے ساتھ ساتھ دینے والے کے لئے دُعائے خیر بھی کرے۔ اس طرح سے طبقاتی منافرت کے پیدا ہونے کا بیج ہی ختم کر دیا۔

نیز یہ جملہ امور اسلامی تعلیمات کے من جانب اللہ ہونے کی بیّن دلیل ہیں۔

مرکزی وزارتِ مالیات

کی طرف سے زکوٰۃ و عشر سے متعلق انتالیس سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ

محترمی السلام علیکم۔

جیسا کہ آنجناب کو علم ہوگا کہ حکومتِ پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے۔ کمیٹی شکرگزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنایت فرمائیں گے۔ چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے۔ لہٰذا درخواست ہے کہ آنجناب ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارتِ مالیات حکومتِ پاکستان

زکوٰۃ کا لغوی و اصطلاحی معنیٰ اور اس سے متعلق کچھ توضیحات

سوال نمبر ۱: زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کے لغت میں دو معنی مشہور ہیں۔ "طہارت" اور "نماء" یعنی پاکیزگی اور افزائش (زیادتی) اور اصطلاحِ شریعت میں زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ ایک مسلمان عاقل، بالغ اپنے اس مال میں سے جو شرعی نصاب کو پہنچ چکا ہو ایک حصۂ معینہ جو شریعت میں ۱/۴۰ مقرر ہے کسی ایسے مسلمان فقیر اور محتاج کی تملیک کرے جو نہ تو سید ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو۔ اور اس کا یہ خرچ کرنا بنیتِ ادائیگی زکوٰۃ ہو۔ اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت بالکل مقصود نہ ہو۔ "در مختار: ج ۲ ص ۳" میں ہے۔

"وھی تملیک جزء مال عیّنہ الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ

لغوی وشرعی معنیٰ میں مناسبت اس طرح سے اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنے سے مال پاک ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتا بھی ہے اس لئے اس فعل کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے ۔

توضیحات ۱ : عاقل ، بالغ ، اور مسلم کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دیوانے ، نابالغ اور کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں ۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحرية ۔ (درمختار ، مع الشامیۃ ، ج ۲ ص ۴

۲ : شرعی نصاب کی قید سے وہ مال خارج ہوگیا جو نصاب کو نہ پہنچا ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ۔

۳ : حصۂ معینہ کی قید سے صدقاتِ نافلہ خارج ہوگئے کیوں کہ ان میں تعیین نہیں ہوتی ۔

۴ : مسلمان فقیر کی تملیک کرنا جو نہ ہاشمی ہو اور نہ اس کا آزاد شدہ غلام ہو ۔ اس عبارت سے کافر خارج ہوگیا ۔ اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن فقیر نہ ہو بلکہ غنی ہو اسے بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ۔ اسی طرح جو مسلمان ہو لیکن سید ہاشمی ہو ، یا اس کا آزاد کردہ غلام ہو وہ بھی بوجہ اپنی عظمت وحرمت کے زکوٰۃ نہیں لے سکتا

تملیک کے لفظ سے واضح ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ وغیرہ کو ضروری ہے کہ کسی فقیر کی تملیک کیا جائے ۔ لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ہر اس جگہ جہاں تملیک اور قبض نہ ہو خرچ نہیں ہوسکتا مثلاً مسجد پر براہِ راست خرچ نہیں ہوسکتا ۔ اس لئے کہ مسجد میں اہلیتِ قبض وتملیک نہیں ۔ ایسے ہی یہ روپیہ کسی میت پر کفن وغیرہ میں خرچ نہیں ہوسکتا ۔ کیوں کہ میت اہلِ تملک وقبض نہیں ہے ۔

۵ : خرچ کرنا بہ نیتِ ادائیگیٔ زکوٰۃ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادات بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتیں ۔

۶ : اور تملیک کرنے والے کو اس تملیک میں ذاتی منفعت مقصود نہ ہو ۔ اس قید سے اس طرف اشارہ کیا گیا کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے اصول (والد ، دادا ، والدہ وغیرہم) اور اپنے فروع (بیٹا ، پوتا ، اور بیٹی ، نواسا وغیرہم)[لہ] کو نہیں دے سکتا ۔ اسی طرح کوئی

لہ اور اسی طرح زوجین باہم ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے (مرتب)

شخص اپنے غلام کو تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں دے سکتا ۔ کیونکہ اس میں زکوٰۃ دہندہ کی ذاتی غرض پائی جاتی ہے ۔

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط سوال ۲ : کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ اس سلسلہ میں عورتوں نابالغوں ، مسافروں ، فاتر العقل افراد مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چار شرطیں ہیں ۔ عقل ۔ بلوغ ۔ اسلام ۔ حریت بناءً علیها ۔

ا : عورت و مرد کے درمیان وجوبِ زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں ۔ جیسے مرد پر زکوٰۃ فرض ہے ایسے ہی عورت پر بشرطیکہ صاحبِ نصاب ہو ۔

ب : نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں بوجہ فقدانِ شرط نمبر ۲ ۔

ج : قیدی جب کہ صاحبِ نصاب ہو اور شرائطِ مذکورہ بالا اس میں پائی جاتی ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے ۔

د : مسافر پر بھی فرض ہے ۔ جب کہ وہ غنی اور صاحبِ نصاب ہو ۔

ہ : فاتر العقل (مجنون) لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔ بوجہ فقدانِ شرطِ اوّل ۔

و : اگر مستأمن سے مراد وہ کفار ہیں جو اسلامی ملک میں رہتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔ بوجہ شرطِ اسلام کے نہ ہونے کے اور اگر مسلمان مراد ہیں جو غیر اسلامی ملک میں امان لے کر مقیم ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے ۔

وجوبِ زکوٰۃ کیلئے حدِّ بلوغ سوال ۳ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیئے ؟

الجواب اگر علاماتِ بلوغ جو مرد کے لئے احتلام واحبال وغیرہ اور عورت کے لئے حیض وغیرہ ہیں ظاہر نہ ہوں تو عمر کے لحاظ سے پندرہ سال قمری یعنی چاند کے اعتبار سے مقرر ہیں ۔ عالمگیری : ج ۳ : ص ۶۰۲ ۔

بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجارية بالحيض او الاحتلام او الحبل وفي الدر المختار والتبيّن

الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ اذا انتہیا الیہ خمس عشرۃ سنۃ عند ابی یوسف ومحمد وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ وعلیہ الفتوی ۔ (حوالہ ۳)۔

زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے

سوال ۴ : زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب زیورات کے اندر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حدِ نصاب کو پہنچ جائیں چاہے وہ استعمال کے ہوں یا تجمل اور زیب و زینت کے لئے رکھے ہوں۔

در مختار مع حاشیہ ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۱ ۔ واللازم فی کل منہما ومعمولہ ولو تبرا وحلیًا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقۃ لانہما خلقا اثمانا فیزکیہما کیف کانا۔ (حوالہ ۴)۔

کمپنیوں کے اموال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۵ : کیا کمپنیوں کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فردًا فردًا زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے ۔؟

الجواب شریعت میں ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادات میں سے ہے ۔ جیسے نماز ہے ۔ اور کوئی عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے ہر مکلف پر لازم ہوگا کہ وہ زکوٰۃ خود ادا کرے ۔ اور ادا کرتے وقت یا مال کو زکوٰۃ کے لئے جدا کرتے وقت نیت کرے ۔ دوسری چیز اس باب میں یہ بھی ہے ۔ کہ زکوٰۃ میں نیابت جاری ہو سکتی ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو ادائے زکوٰۃ کے لئے وکیل اور نائب بنادے تو یہ بھی جائز ہے ۔ لیکن نیابت جاری ہونے کے لئے انابت ضروری ہے ۔ یعنی صاحب زکوٰۃ کسی شخص کو مثلاً کمپنی کے کسی حصہ دار یا مینجر کو اجازت دے دے کہ تم میرے مال میں سے زکوٰۃ ادا کردو ، تو یہ بھی جائز ہوگا ۔ حاصل یہ ہے کہ کمپنی اور اس کے ڈائریکٹر زکوٰۃ ادا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں مالکان حصص خود ذمہ دار ہیں ۔

کارخانوں اور تجارتی اداروں سے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال ۶ : کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے ۔!

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ کی حیثیت ایک عبادت کی ہے اس کی حیثیت ٹیکس کی نہیں جو کہ ہر کارخانہ اور تجارتی ادارہ پر لازم کر دیا جائے ۔ لہذا سوال کے اندر کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوٰۃ کے وجوب اور اس کے حدود کا دریافت کرنا بے معنی ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر کارخانہ یا تجارتی ادارہ جس کا مال حدِ نصاب کو پہنچ جائے اور اس کا مالک شرائطِ وجوبِ زکوٰۃ کا حامل ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے ۔

کمپنیوں کے قابلِ انتقال حصص کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۷ : جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخیصِ زکوٰۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ خریدکنندہ پر یا بیچنے والے پر ؟

الجواب احتمالِ اول اگر حصہ اتنی مالیت کا ہے کہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ بائع پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ اتنی مالیت رکھتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے ۔ اور اگر بیچ رہا ہے تو اس کے بدلے میں بھی مال لے رہا ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ لازم رہے گی ۔ لیکن ادائیگی زکوٰۃ بعد گزرنے سال کے واجب ہوگی ۔ ہاں اگر وہ سال کے گزرنے سے پیشتر فقیر ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی مشتری پر زکوٰۃ اس لئے واجب ہوگی کہ وہ غنی ہے ۔ اور اتنی مالیت رکھتا ہے جس سے وہ ایسا حصہ خرید رہا ہے جو نصاب شرعی کو پہنچ سکتا ہے ۔ لہذا وہ جب سے غنی ہوا ہے اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی ۔ اور خریداری حصہ سے اس کی مالیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ پہلے اس کی مالیت نقدی کی تھی اب تجارتی سامان میں منتقل ہو گئی ۔ لہذا زکوٰۃ کا وجوب جو غنائے شرعی پر ہے ۔ قائم رہے گا ۔ اگر کمپنی کا حصہ یا حصے جو فروخت میں آرہے ہیں اتنی تھوڑی رقم کے ہیں جو نصاب شرعی کو نہیں پہنچ سکتے ۔ مثلاً پچیس پچیس کا حصہ ہے یا پندرہ پندرہ کے دو حصے ہیں کل تیس روپے کے حصے ہیں جو آج کل کے حساب سے نصاب کو نہیں پہنچ سکتے تو اندریں صورت اگر بائع اور مشتری کے پاس اور کوئی مال نہ ہو تو زکوٰۃ کسی پر بھی لازم

نہ ہوگی۔ نہ بائع پر نہ مشتری پر۔

کن کن اموال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

سوال ۵ : کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالت کے پیش نظر کن کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔؟

بالخصوص

ان چیزوں کے بارے میں یا ان سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی؟

ا : نقدی، سونا، چاندی۔ زیورات اور جواہرات۔

ب : دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

ج : بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی چیزیں لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے مرہونہ جائیداد، اور ایسی جائیداد جو قابلِ ارجاع نالش ہو۔

د : عطیات

ھ : بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

و : مویشی، شیرخانہ کی مصنوعات، زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل، اور پھول۔

ز : معدنیات۔

ح : برآمد شدہ دفینہ۔

ط : آثارِ قدیمہ۔

ی : جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

ک : مچھلی، حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

ل : پٹرول۔

م : درآمد، برآمد۔

الجواب

شرائط وجوبِ زکوٰۃ جو مال کی طرف راجع ہوتے ہیں، باعتبارِ قواعد کے درج ذیل ہیں۔

۱ : شرطِ اوّل یہ ہے کہ مال مملوک ہو، وقف کے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۲ : مِلک کامل ہو یعنی یدًا و رقبۃً مملوک ہو۔ پس مالِ ضمار پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مالِ ضمار کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ مال کہ جس سے انتفاع حاصل کرنا قدرت سے خارج ہے اگرچہ مِلک کے اندر داخل ہے۔ مثلاً بھاگا ہوا غلام، گم شدہ مال وغیرہ۔

۳ : مال کا نامی ہونا یعنی سونے چاندی کے سوا میں تجارت اور اسامت کے ذریعہ سے مُعَدّ للاستفادہ ہونا یا بلفظِ دیگر سونے چاندی کے سوا میں حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔ پس جو مال کہ ضروریات و حاجاتِ اصلیہ میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

۴ : حولانِ حول یعنی سال کا گزر جانا۔ پس اگر کسی کے پاس مال آگیا تو مال حاصل ہوتے ہی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ بعد از سال۔

۵ : نصاب کو پہنچنا۔ شریعت میں کچھ مقدار مقرر ہے۔ جب مال اس مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے ان قواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔

الف : نقدی، سونا، چاندی، زیوارت پر زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ مملوک بملک تام ہوں کیونکہ یہ اشیاء خلقۃً مالِ نامی ہیں۔ البتہ جواہرات مثلاً لعل، یاقوت، زمرد وغیرہ اور موتی اگر تجارت کی نیت سے نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور بہ نیت تجارت جب نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔

"درمختار ج ۲ ص ۱۴ - ولا زکوۃ فی اللآلی والجواهر وان ساوت الفا الا ان تکون للتجارۃ اھ (حوالہ ۵)

ب : دھات کے تمام سکے سونا چاندی وغیرہما اور نوٹ یعنی کاغذی سکے، سب میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن سونے اور چاندی میں زکوٰۃ باعتبار وزن کے واجب ہوگی۔ اور باقی سکوں میں باعتبار مالیت۔ یعنی ان کی مالیت اتنی ہو کہ ان کی قیمت نصابِ زکوٰۃ کو

پہنچ جائے۔

واذاکان الغالب علی الورق الفضة فهو فی حکم الفضة و اذا کان الغالب علیها الغش فهو فی حکم العروض یعتبر ان تبلغ قیمته نصابا ۔ (شرح ہدایہ)۔ (حوالہ ٦)۔

ج : بینکوں میں جمع شدہ رقوم۔ بینکوں یا کسی دوسری جگہ حفاظت میں رکھی ہوئی رقوم اور زیورات، اور سامانِ تجارت، اور ہر وہ مال جو قابلِ زکوٰۃ ہے اور دوسرے مقام میں امانۃً رکھا ہوا ہے اگرچہ اپنے پاس نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

"لئے ہوئے قرضے، دیئے ہوئے قرضے"

اس میں یہ تفصیل ہے کہ لیا ہوا قرضہ اگر اتنا ہے کہ اس کے ادا کرنے کے بعد مال نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہے تو قرضہ کی رقم مستثنیٰ کرکے باقی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی۔

دیا ہوا قرضہ اگر قابلِ وصول ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

اور اگر ایک شخص ایسا ہے جس نے قرضہ دیا ہوا ہے اور کسی سے خود لیا بھی ہے۔ تو اس صورت میں اس کے لئے ہوئے اور دیئے ہوئے قرض کو مقابلہ کرنے کے بعد اگر رقم قابلِ زکوٰۃ حدِ نصاب کو پہنچنے والی بن سکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

مرہونہ جائیداد (متنازعہ فیہ جائیداد الخ)۔

جائیداد دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو بغرضِ تجارت نہ ہو بلکہ بغرضِ سکنی ہو یا کرایہ پر دے رکھی ہو۔ اور دوسری وہ جو بغرضِ تجارت ہو۔ یعنی ایک شخص جو زمینوں کا کاروبار کرتا ہے۔ خرید کرتا ہے، پھر نفع پر فروخت کرتا رہتا ہے۔ اس کی زمین بغرضِ تجارت ہے تو وہ جائیداد جو بغرضِ تجارت ہے اس کی قیمت اور منافع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اور جو جائیداد بغرضِ تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

فی الدر المختار ولا ثیاب البدن و اثاث المنزل ودور السکنی ونحوها۔ قوله ونحوها کثیاب البدن الغیر المحتاج الیها وکالحوانیت و العقارات ۔ (ج ٢ ص)(حوالہ ٧)

البتہ مرہونہ جائیداد اگر تجارتی ہے تو اس قرضہ کو منہا کیا جائے گا اس کے بعد اس میں

زکوٰۃ واجب ہوگی۔

د : عطیات سرکاری یا غیر سرکاری اگر نقود کی قسم سے ہوں تو بعد حولانِ حول کے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اگر اراضی اور جاگیر کی قسم سے ہوں تو بغیر نیتِ تجارت زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور اگر عروض اور سامان کی قسم سے ہوں جیسا کہ جہیز میں عورتوں کو دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

لیس فی دور السکنی وثیاب البدن و اثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوة۔

(شرح الهدایة ۔ ج ٢ ص ١٦٩)(حوالہ ٨)

ھ : بیمہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے جو اصل رقم ہے اور جو رقم سود کی، کمپنی کی طرف سے ملتی ہے وہ حرام ہے۔ اس کو لے کر اپنے استعمال میں بھی لانا جائز نہیں اور نہ اس پر زکوٰۃ ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ پراویڈنٹ فنڈ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جو کہ تنخواہ سے کاٹ کر ہر ماہ سرکار کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اس حصہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ نہیں[1] اور دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جو کہ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملازم کو عطا کرتی ہے۔ وہ عطیات کے حکم میں ہے۔ عطیہ اور ہبہ بغیر قبض کے تام نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ ملازم کے ملک میں تب آئے گا جب کہ اس کا قبض ہوگا۔ جب پراویڈنٹ فنڈ وصول ہوگا اس وقت سے اس پر بعد گزرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

و : مویشی شیرخانہ کی مصنوعات۔ زرعی پیداوار مع اناج، سبزیاں، پھل۔

ا : واضح رہے کہ مویشی چند قسم پر ہیں۔ ایک وہ کہ جو جنگل میں اس مقصد کے لئے چرائے جاتے ہیں کہ ان کی نسل بڑھے اور دودھ حاصل ہو۔ سو ایسے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اور

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
رسالہ "پراویڈنٹ فنڈ" مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع رح
(مرتب خیر الفتاویٰ)

وہ زکوٰۃ تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ سے مختلف ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

٢ : دوسرے وہ مویشی جو بغرضِ سواری، بار برداری اور گوشت حاصل کرنے کے لئے پالے جاتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

٣ : تیسرے وہ مویشی جو تجارت اور خرید و فروخت کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس طریق سے جو کہ مالِ تجارت میں ہوتی ہے۔ ١/٤٠ حصہ ان کی قیمت سے ادا کرے۔

اما صفة نصاب السائمة فله صفات منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسيمها للدَّرِّ والنسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامي وهو للعد للاستنماء والنماء في الحيوان بالاسامة إذ بها يحصل النسل ويزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة۔

(بدائع ج ٢ صـ٣٠، (حوالہ ٩)

شیر خانہ کی مصنوعات

اگر شیر خانہ اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دودھ، مکھن، بالائی اور دودھ کی مصنوعات، مٹھائیوں وغیرہ کی تجارت کی جائے تو اس میں یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بوجہ مالِ نامی اور معد للتجارۃ ہونے کے۔

زرعی پیداوار مع اناج سبزیاں اور پھل

واضح رہے کہ عشری زمین سے جو پیداوار ہو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور اس زکوٰۃ کو عرفِ شرع میں "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے یہاں اس قدر بیان کافی ہوگا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے۔ یا پانی مفت ہے مگر کنوئیں کے پانی سے کھینچ کر آبپاشی کرتا ہے تو اس صورت میں کل پیداوار کا ١/٢٠ حصہ دینا واجب ہے۔

اور اگر بارش کے پانی سے آب پاشی کرتا ہے تو اس صورت میں ١/١٠ حصہ دینا واجب ہے۔ یہ عشر اناج، ساگ، ترکاری، پھل، پھول، میوہ وغیرہ ہر چیز میں واجب ہے۔ چاہے

پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ۔ مثلاً دس من سے ایک من اور دس سیر سے ایک سیر۔

معدنیات

واضح رہے کہ معدنیات دو قسم کے ہوتے ہیں مستجمد (جماد)۔ مائع (بہنے والے) پھر مستجمد دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو گلانے پگھلانے سے گل پگھل جائے۔ اس قسم میں سونا، چاندی۔ لوہا، قلعی۔ پیتل وغیرہ آجاتے ہیں۔ اسے اصطلاح میں "مایذوب بالاذابة" کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو گلانے اور پگھلانے سے نہیں گلتے۔ اس قسم میں یاقوت۔ بلور، عقیق زمرد۔ فیروزہ، سرمہ، ہڑتال، چونہ ہیں انہیں "مالایذوب بالاذابة" کہتے ہیں۔

مائعات کے ذیل میں تیل مٹی، پٹرول وغیرہ جو زمین سے برآمد ہوتے ہیں، داخل ہو جاتے ہیں۔

احکام

حکم قسم اوّل یعنی مستجمد "مایذوب بالاذابة" سونا، چاندی، لوہا وغیرہ اگر یہ معدنیات دارالاسلام میں ارض غیر مملوکہ کے اندر برآمد ہوں تو برآمد کرنے والا تمام اخراجات کان کھدائی وغیرہ کے ادا کرے گا۔ اور برآمد شدہ سے بغیر منہا کرنے مصارف کھدائی وغیرہ کے صرف پانچواں حصہ شرعی بیت المال کو دینا ہوگا۔ باقی چار حصے پانے والے کے ہوتے ہیں۔ اس میں سے وہ ماہرینِ زمینی معلومات اور مزدوروں کے اخراجات ادا کرے گا اور باقی سے خود منتفع ہوگا۔ اس برآمد شدہ مال میں مسلم اور غیر مسلم برابر ہیں۔ چار حصے جس طرح مسلمان لے سکتا ہے، غیر مسلم بھی لے سکتا ہے۔ لیکن ایک غیر ملکی کافر جو کہ امان لے کر آیا ہے۔ اور اس نے اسلامی ملک کو وطن نہیں بنایا ہوا، اس کو کوئی معدن مل جائے تو اسے نہیں دی جا سکتی بلکہ تمام برآمد شدہ مال واپس لیا جائے گا۔ اِلَّا یہ کہ امام المسلمین اس کے ساتھ معاہدہ کر چکا ہو تو پابندی عہد لازمی ہوگی۔

ب : نیز صورتِ مذکورہ بالا میں سال کا گزرنا، نصاب کا ہونا اور دیگر شرائطِ زکوٰۃ کا بھی اعتبار نہیں۔ جو کچھ بھی ازیں قسم کان سے برآمد ہو، قلیل ہو یا کثیر یہ مال بمنزلہ مالِ غنیمت قرار دے کر خمس اس مال کا نکالنا لازم ہوگا۔

ج : یہ مال برآمد کنندہ اپنے والدین اور اپنی اولاد، فقراء پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

د : اگر کان کھودنے والا یا معدنیات کا پانے والا مفلس ہے اور برآمد شدہ مال کے ٤/٥ حصے اس کو کفایت نہیں کرتے تو ١/٥ حصہ اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

حکم قسم دوم : یعنی مستجمد (مالایذوب بالاذابة) جیسا کہ سرمہ، بلور، عقیق وغیرہ

یہ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا کوئی خُمس اور پانچواں حصہ لازم نہیں ۔

حکم قسم سوم مٹی کا تیل وغیرہ مائعات ان تمام چیزوں میں بھی کوئی خمس اور پانچواں حصہ واجب نہیں۔ تمام کا تمام پانے والے کا ہوگا۔ **پارہ** اگر برآمد ہو تو امام اعظمؒ کے نزدیک اس میں خمس واجب ہے۔

نوٹ : یہ تمام احکام کتاب " البدائع الصنائع " سے لئے گئے ہیں جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔

برآمد شدہ دفینہ دارالاسلام میں برآمد شدہ دفینہ دو قسم کا ہے

۱ : **الف** : جو کسی کو اپنی مملوکہ زمین کی کھدائی کرنے سے حاصل ہو۔

۲ : **ب** : جو غیر مملوکہ زمین مثلاً پہاڑ، جنگل وغیرہ سے مل جائے۔ پھر یہ دفینہ باعتبارِ علامات بھی دو قسم ہے۔

۱ : **الف** : " ما فیہ علامۃ الاسلام " جس میں اسلامی علامات مثلاً نقشِ کلمۂ طیبہ، مسجد کی تصویر وغیرہ ہو۔

۲ : **ب** : " ما فیہ علامۃ الکفر " جس میں زمانۂ کفر کے علامات ہوں۔ بت یا مندر، یا صلیبِ نصاریٰ وغیرہ کل چار قسمیں ہوگئیں۔

زمین غیر مملوکہ میں حاصل ہونے والا		زمین مملوکہ سے حاصل ہونے والا	
جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو	جس پر علامت کفر ہو	جس پر اسلامی علامت ہو
اسکا حکم غنیمت کا ہے پانچواں حصہ نکال کر باقی حصے پانیوالا خود لے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرے یا خود فقراء پر تقسیم کرے۔ دلیل علیہ صراحۃ ما قال صاحب الدر المختار ج ۲ ص ۴۸ دفن صاحب رکازا وسواء ان تصدق بخمسہ علی المساکین الی قولہ کزکوۃ الاموال الباطنۃ ۔	یہ بمنزلہ لقطہ کے ہے کیوں کہ یہ مال مملوکہ مسلمین ہے غنیمت نہیں بن سکتا۔ اور لقطہ کے تو مسائل آگے تحریر کئے جاتے ہیں ۔	اسکا خمس نکال کر باقی مختط لہ الاسلام کو دیا جائے یعنی وہ پہلا پہلا مالک جسکو یہ زمین بادشاہ اسلامی نے تقسیم کی تھی اگر وہ مرگیا ہو تو اسکے وارثوں کو دیجائے اگر وہ اور اسکے وارث غیر معلوم ہوں تو اقصیٰ مالک للارض فی الاسلام یعنی اس موجودہ مالک سے پہلا اور اس سے پہلا جہاں تک بھی تحقیق ختم ہوجائے اور اسکے بعد پہلے مالک کا علم نہ ہوسکے تو اسکو دے دیا جائے ۔	یہ بھی بمنزلہ لقطہ ہے۔ کما یدل علیہ عبارۃ البدائع والدر المختار وشرحہ ۔

یہ چار صورتیں ان دفینوں کی ہیں جو دارالاسلام میں پائے جائیں اور جو دارالحرب میں پایا جائے۔ اس کی تفصیلات اور ہیں۔ چونکہ وہ نادر الوقوع ہیں اس لئے ان کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جاتی ۔

مسائل لُقطہ ۱ : " لقطہ " اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی غیر محفوظ جگہ پر پڑی ہو۔ اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

۲ : اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھا لینا بہتر ہے۔

۳ : ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے۔

۴ : اس نیت سے اٹھانا کہ خود استعمال کریں گے حرام ہے۔ اس طرح اٹھانے میں ضمان واجب ہے۔

۵ : اٹھاتے وقت گواہ بنانا اپنے آپ کو ضمان سے بچانے کے لئے ضروری ہے۔ اگر گواہ نہ بنائے تو جب تک مالک تصدیق نہ کرے ضمان سے نہیں بچ سکتا۔ گواہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ لوگوں میں کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ میرے پاس مال لقطہ موجود ہے جس کا سامان گم ہوا ہو لے میری طرف روانہ کیا جائے۔

۶ : اٹھانے کے بعد اس مال کی تشہیر کرنا ضروری ہے۔ مساجد کے دروازوں اور عام مجمعوں میں بھی اعلان کرنا ضروری ہے۔

۷ : " دس درہم " (تقریباً اڑھائی روپیہ) اور اس سے زائد کی مالیت کے لئے ایک سال تعریف کی جائے۔

۸ : تین درہم سے دس درہم تک، ایک ماہ تک۔ ایک درہم سے تین درہم تک، ایک ہفتہ۔ اور اس سے کمتر ایک دن۔ اور ایک پیسہ پانے کی صورت میں ادھر ادھر دیکھ کر فقیر کو دے دینا کافی ہے۔

۹ : بعد تعریف کے اگر مالک نہ ملے، تو فقراء پر خرچ کر دے۔ اگر خود فقیر ہو تو اپنے اوپر بھی صرف کر سکتا ہے۔ لیکن اگر بعد میں مالک آگیا تو واپس کرنا لازم ہوگا۔

آثارِ قدیمہ واضح رہے کہ آثارِ قدیمہ سے مراد اگر پرانے کھنڈرات ہیں تو ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اور نہ اس کا کتابوں میں مستقل کوئی ذکر آتا ہے۔ البتہ اگر ان سے

نوٹ: دس درہم سے مراد دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کی مالیت مراد ہے جس دور میں اسکی جو بھی قیمت ہو (مرتب خیر الفادی)

کچھ مال ومتاع برآمد ہو تو اس کا حکم "برآمد شدہ دفینہ" کے ذیل میں آچکا ہے۔

جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد شہد کے اندر چاہے وہ جنگلی مکھی کا ہو یا پالتو مکھی کا عشر واجب ہے بشرطیکہ زمینِ عشری سے برآمد ہو۔ اگر شہد زمینِ خراجی سے برآمد ہو اس میں عشر واجب نہیں۔

ثم انما یجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر فاما اذا کان فی ارض الخراج فلا شیٔ فیه - (بدائع - ج ۲ ص ۶۲)۔

جنگلی اور پالتو مکھی کے اندر فرق تتبع روایات سے معلوم نہیں ہوتا، دونوں میں عشر واجب ہے۔ امام اعظم رح کے نزدیک شہد کے اندر دیگر زروع و ثمار کی طرح نصاب شرط نہیں، قلیل وکثیر میں عشر واجب ہے۔

مچھلی، موتی اور پانی سے نکلنے والی دوسری اشیاء۔

ان اشیاء میں جو سمندر سے برآمد ہوتی ہیں، مثلاً موتی، مونگا، عنبر وغیرہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اسی طرح مچھلی بھی از قسم شکار ہے اس میں بھی کوئی عشر یا خمس واجب نہیں۔

فاما المستخرج من البحر کاللؤلؤ والمرجان والعنبر وکل حلیة تستخرج من البحر فلا شیٔ فیه فی قول ابی حنیفة رح ومحمد رح وهو للواجد وعند ابی یوسف رح فیه الخمس۔

(شامی ج ۲ ص ۶۸)۔

پٹرول اس کا ذکر ہم پہلے بھی کرچکے ہیں۔ پٹرول، مٹی کا تیل اور ہر وہ چیز جو زمین سے نکلے اور وہ مائع (بہنے والی) ہو وہ بالکلیہ پانے والے کے لئے ہوتی ہے اس میں کوئی خمس وغیرہ نہیں۔

واما المائع کالقیر والنفط فلا شیٔ فیه ویکون للواجد لانه ماء وانه مما لا یقصد بالاستیلاء فلم یکن فی ید الکفار حتی یکون من الغنائم فلا یجب فیه الخمس۔

(بدائع ج ۲ ص ۶۷)۔

درآمد، برآمد مال کی درآمد اور برآمد پر جو ڈیوٹی اور کسٹم موجودہ زمانہ میں حکومتوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے۔ اس کی نظیر ہمیں شریعت میں نہیں ملتی۔ اور نہ اس کے جواز کے لئے کوئی ثبوت ہاتھ میں آتا ہے۔ البتہ کتبِ فقہ میں یہ ملتا ہے۔

ا: اگر اس کا مالک مسلمان ہے تو اس سے ۱/۴۰ حصہ بطور زکوٰۃ وصول کرلیا جائے اور اسے مصارفِ زکوٰۃ پر خرچ کیا جائے۔ اس کے مال سے اس سال کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی۔

ب: اگر اس کا مالک ذمی ہے تو اس سے ۱/۲۰ حصہ وصول کیا جائے۔ اگرچہ اس لینے میں شرائطِ زکوٰۃ کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ لیکن اس کا صرف مصارفِ خراج پر ہوگا۔

ج: اگر اس کا مالک حربی ہے تو اس سے وہی ٹیکس لینا چاہئے جو کہ وہ ہمارے مسلم تجار سے لیتے ہوں۔ اگر ۱/۱۰ لیں تو ہم بھی ۱/۱۰ لے سکتے ہیں۔ اگر وہ ۱/۲۰ لیں تو ہمیں بھی یہی لینا چاہئے۔ اگر ان کے متعلق علم نہ ہوسکے تو ۱/۱۰ وصول کرلیا جائے۔

(بدائع: ج ۲: ص ۳۸)۔

جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ تاقیامت وہی رہیں گے جو ابتداءِ اسلام میں تھے

سوال ۹: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی کیا خلفاءِ راشدین رض نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

الجواب آنحضرت علیہ السلام کے زمانہ میں جن املاک پر زکوٰۃ واجب تھی حضرات خلفاءِ راشدین رض نے بھی انہی املاک پر زکوٰۃ کو عائد کیا۔ اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف تجاوز نہیں کیا۔ اور یہ حضرات اس معاملہ میں اپنی رائے سے دخل دے بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے یہ کوئی ٹیکس نہیں ہے کہ جس کے اندر زمانہ اور مصلحت کے لحاظ سے تبدیلی اور تغیر ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ یتیم کے مال پر نہیں۔ جو املاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھیں حضرات خلفاءِ راشدین رض کے زمانہ میں بھی مستثنیٰ رہیں۔

رائج الوقت سکّوں کی زکوٰۃ کے بارے میں تفصیل

سوال نمبر۱: کیا نکل کے سکّوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکّوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ جو سکّے رائج نہیں رہے ، جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں ، یا جو دوسرے ملکوں کے سکّے ہیں ، ان کا بھی اس سلسلہ میں شمار ہونا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

۱ : وہ سکّے جن میں سونا چاندی بھی ہے اور دوسری دھات بھی ہے ، لیکن غالب اجزاء سونا اور چاندی ہیں تو اسے سونا اور چاندی تصور کیا جائے گا۔

فی الهداية واذا كان الغالب على الورق الفضة فهو فی حكم الفضة ۔اھ

۲ : وہ سکّے جن میں سونے اور چاندی کی مقدار کم ہے اور دوسرے اجزاء زیادہ ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکّے ہیں یا بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اور اگر وہ اصطلاح اور عرف میں مروّج سکّے نہیں ہیں اور نیت تجارت کی بھی نہیں ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے ۔ البتہ ان سکّوں میں اگر چاندی مخلوط ہے ، وہ اگر اتنی مقدار کو پہنچ جائے جو چاندی کا نصاب ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ " بدائع ، ص ۱۷ ، میں ہے ۔

وان كان الغالب هو الغش والفضة مغلوبة فان كانت اثمانا رائجة او كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها فان بلغت قيمتها مائتى درهم من ادنى الدراهم التى تجب فيها الزكوة وهى التى الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكوة والا فلا وان لم تكن اثمانًا رائجة ولا معدّة للتجارة فلا زكوة فيها الا ان يكون ما فيها من الفضة يبلغ مائتى درهم بان

كانت كبيرة لان الصفر لا تجب فيه الزكوة الا بنية التجارة ۔ (بدائع ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۷) ۔

۳ : وہ سکّے جو خالص پیتل ، تانبے قلعی وغیرہ دھاتوں کے ہیں ان میں سونے چاندی کی بالکل ملاوٹ نہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔

ا : عرف اور اصطلاح میں مروّج سکّے ہیں اور لین دین میں کام آتے ہیں ۔

ب : اب عرف اور اصطلاح میں مروّج سکّے نہیں رہے ، کسی زمانہ میں تھے ۔

قسم اوّل کا حکم یہ ہے کہ اگر بغرض تجارت جمع کر رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اگر ان کی قیمت نصاب شرعی چاندی کے برابر ہو جائے ۔ یعنی دو سو درہم کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ۔

اسی طرح قسم دوم کے سکّے بھی عروض کے حکم میں ہیں ۔ اگر نیت تجارت کے ساتھ جمع کر رکھے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں ۔ حوالہ کے لئے دیکھیں بدائع ، ج ۲ ، ص ۱۷ ۔

وكذا روى عن الحسن عن ابى حنيفة فيمن كانت عنده فلوس او دراهم رصاص اونحاس ومموهة بحيث لا يخلص فيها الفضة انها ان كانت للتجارة يعتبر قيمتها فان بلغت مائتى درهم من الدراهم التى تغلب فيها الفضة ففيها الزكوة وان لم تكن للتجارة فلا زكوة فيها لما ذكرنا ان الصفر ونحوه لا تجب فيها الزكوة مالم تكن للتجارة الى قوله وان لم تكن اثمانا رائجة فان كانت سلعا للتجارة تعتبر قيمتها ايضًا وان لم تكن للتجارة ففيها الزكوة بقدر ما فيها من الفضة ان بلغت نصابا او بالضم الى ما عنده من مال التجارة ۔

۴ : نوٹ : ا : جو پاکستانی نوٹ ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ اس حیثیت سے نہیں کہ یہ نوٹ خود مال ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک چیک اور سند اور وثیقہ مال ہے

جس شخص کے پاس اتنے نوٹ جمع ہو جائیں جن سے دو سو درہم چاندی حاصل ہو سکتی ہے تو اس مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔

ب : غیر ملکی نوٹ اگر کسی کے پاس جمع ہوں تو ان کو پاکستانی نوٹوں کے ساتھ تبادلہ کر کے یا تبادلہ کا اندازہ کر کے حسب دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔

اموال ظاہرہ و باطنہ کی تعریف

سوال ۱۱ : مال ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے ؟ اس سلسلہ میں بنکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ جو کہ قرآن و حدیث کے ماہر ہیں فرماتے ہیں کہ اموال زکوٰۃ دو قسم ہیں ۔ ظاہرہ ۔ باطنہ ۔

ا : اموال ظاہرہ سے مراد مواشی (اونٹ ، بکریاں ، گائے وغیرہ) ہیں ۔ جو جنگل میں چرتے ہیں ۔ اور وہ اموال تجارت ہیں جو تجار کے ملک میں اور سرکاری شرعی عامل کے پاس سے گزرتے ہیں ۔

ب : اموال باطنہ سے مراد سونا ، چاندی اور وہ تجارتی مال ہے جو کہ دوکان یا موضع تجارت میں رکھا ہوا ہو ۔ قسم اول کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام اور اس کے نائبوں کو حاصل ہے چند شرائط کے ساتھ ، جن کی تفصیل کا اور مقام ہے ۔

قسم دوم کی زکوٰۃ ارباب اموال کے سپرد ہے وہ خود ادا کریں ۔ اور اگر وہ اپنی زکوٰۃ امام کی طرف لے آئیں تو امام کو قبول کرنے کا اختیار ہے

والدلیل علی ذالک ما فی البدائع ۔ ج ۲ ۔ ص ۳۵ ۔

" اما الاول فمال الزکوٰۃ نوعان ظاھر وھو المواشی والمال الذی یمر بہ التاجر علی العاشر وباطن وھو الذھب والفضۃ و اموال التجارۃ فی مواضعھا اما الظاھر فللامام و نوابہ وھم المصدقون من السعاۃ و العشار ولایۃ الاخذ ______ ثم قال

بعد اسطر اما المال الباطن الذی یکون فی المصر فقد قال عامۃ مشائخنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طالب بزکوتہ و ابو بکرؓ و عمرؓ طالبا و عثمانؓ طالب زمانا ولما کثرت اموال الناس ورأی ان فی تتبعھا حرجا علی الامۃ وفی تفتیشھا ضررا بارباب الاموال فوض الاداء الی اربابھا و ذکر امام الھدی الشیخ ابو منصور الماتریدی السمرقندی رحمہ اللہ لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبۃ المسلمین بزکوۃ الورق و اموال التجارۃ ولکن الناس یعطون ذالک ومنھم من کان یحمل ذالک الی الائمۃ فیقبلون منہ ذالک و لا یسألون احدا عن مبلغ مالہ ولا یطالبونہ بذالک وقال فی ص ۳۶ لان زکوۃ الاموال الباطنۃ مفوض الی اربابھا اذا کانوا یتجرون بھا فی المصر ۔ (بدائع) ۔

اس سلسلہ میں بینک میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ کے ذیل میں داخل ہو جاتی ہیں ۔ کیونکہ یہ رقوم شہروں میں اور مواضع تجارت میں ہوتی ہیں ۔

اور اموال ظاہرہ میں شرط مرور علی العاشر موجود ہے ۔ جو یہاں مقصود ہے ۔ علاوہ ازیں بینکوں میں جمع شدہ رقوم کی حیثیت امانت علیؒ کی ہوتی ہے ۔ اگر ایک شخص کا روپیہ کسی کے پاس امانت ہو تو امانت کے اندر ہونا اس کے باطن ہونے میں مخل نہیں ۔ لہذا بنکوں میں جمع شدہ رقوم اموال باطنہ ہیں ۔ ؎ بنکوں میں جمع رقم کو عرفاً امانت کہا گیا ہے ورنہ حقیقۃً وہ دین ہے ۔ (محمد انور ، مرتب)

مال نامی سے کیا مراد ہے

سوال ۱۲ : اعراض زکوٰۃ کے لئے مال نامی (نمو پذیر) کے حدود بیان کیجئے ! کیا صرف مال نامی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟ ۔

الجواب زکوٰۃ کے وجوب کے لئے تقریباً نو شرطیں ہیں۔ بعض شرطیں مالک کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، اور بعض مال کے ساتھ۔

مکلف کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:- حریت ۔ ۲: اسلام ۔ ۳:- بلوغ و عقل

مال کے ساتھ تعلق رکھنے والی شرطیں۔

۱:- مال کا نصاب ہونا۔

۲:- ملک تام ہونا۔

۳:- مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا۔

۴:- مال کا دَین سے فارغ ہونا۔

۵:- حولانِ حول ہونا۔

۶:- مال کا نامی ہونا۔

مال کا نامی ہونا ان شرائط میں سے ہے جن کے بغیر مال پہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمو دو قسم ہے۔ نمو حقیقی۔ نمو تقدیری۔

۱۔ نمو حقیقی: وہ ہے جو مویشی اور مال تجارت میں پایا جاتا ہے۔ سال کے بعد حقیقۃً مویشی بذریعہ توالد و تناسل بڑھ جاتے ہیں۔ اور مال تجارت بھی بوجہ منافع کے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے۔

۲۔ نمو تقدیری: وہ ہے کہ مال اس کے پاس یا اس کے نائب (امین، وکیل) کے پاس رکھا ہو۔ اگر وہ چاہے تو استثمار کرسکتا ہے۔ پھر ہر ایک ان میں سے دو قسم پر ہے۔ خلقی، عملی۔

۱۔ خلقی: وہ ہے جو پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی۔ ان دونوں دھاتوں کو اللہ تعالیٰ نے صفتِ "نما" کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے ساتھ نفع اٹھانا بالاعیان ممکن نہیں جب تک کہ ان کی فروخت نہ کی جائے۔ لہٰذا ان دونوں دھاتوں میں جب "نما" خلقی ہوا تو اب دونوں میں زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ چاہے نیتِ تجارت کرے یا نہ کرے۔

۲: نماء عملی یا فعلی، وہ ہے جو ان دونوں کے ماسواء باقی تمام اشیاء میں ہوتا ہے

مویشیوں میں بہ نیتِ اسامت ہوتا ہے اور اموال تجارت میں تجارت کی نیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

تنبیہ نیت تجارت و اسامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ فعل تجارت، اور اسامت کے ساتھ متصل ہو۔ پھر نیتِ تجارت صراحۃً ہوتی ہے یا دلالۃً۔ صراحۃً کی مثال یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ میں اس سامان میں تجارت کروں گا۔ اور دلالۃً یہ ہے کہ خرید کرتے وقت ارادہ کچھ نہ ہو لیکن خرید و فروخت عروض سے تجارت میں واقع ہو۔ پس نمو کی چار قسمیں ہوگئیں جن کی وضاحت کے لئے نقشۂ ذیل معاینہ فرما دیں۔

نمو حقیقی		نمو تقدیری	
خلقی	عملی	خلقی	عملی
اس کی مثال وہ سونا چاندی ہے جو تجارت میں لگایا گیا ہو اس کا نمو حقیقی ہے کہ تجارت کی وجہ سے حقیقۃً بڑھ جاتا ہے اور خلقی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی کو وصفِ نماء کے ساتھ پیدا فرمایا ہے	اس کی مثال عروض تجارت ہے جو سونا چاندی کے ماسوا ہو یا سوائم ان کا نماء حقیقی ہوتا ہے لیکن ہمارے ارادہ اور نیت اور عمل تجارت یا اسامت کو اس میں دخل ہوتا ہے۔	سونا چاندی جو تجارت میں مشغول نہیں ہے اس کا نماء تقدیری ہوتا ہے یعنی مالک استثمار پر قادر ہے اگر تجارت پر لگا دے۔	سوائم اور عروض تجارت جن کے اندر نیت تجارت یا اسامت تو کرچکا ہے لیکن حقیقۃً ابھی تک نماء نہیں ہوا۔

واضح رہے کہ بغیر وصف نماء کے مال کے اندر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ یہ تمام مسائل "فتاویٰ عالمگیری" سے لئے گئے ہیں۔

کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۳: جو مکان، زیورات دوسری چیزیں کرایہ پر دی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

الجواب جو چیز کرایہ پر چلائی جائے مثلاً مکانات ، شامیانے ، دیگیں ، سائیکل ، موٹر گاڑی وغیرہ اسی طرح ملمع کے زیورات جو کرایہ پر دینے کے لئے تیار کئے گئے ہوں ان سب پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ البتہ ان سب کی آمدنی سے جو سرمایہ جمع ہوگا اس پر بعد حولان حول زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ ہاں اگر ایک شخص ان کو تجارت کے لئے خریدتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی ۔ لیکن اگر پھر کرایہ پر دینا شروع کر دے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی ۔

البتہ سونے چاندی کے زیورات اگرچہ وہ کرایہ پر بھی دیئے جائیں تب بھی ان پر زکوٰۃ واجب ہے ۔ کیونکہ جب استعمال کرنے سے سونے اور چاندی کے زیورات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوئی تو کرایہ پر دینے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو سکتی ۔ حوالہ قاضی خان : ج ۱ ص ۲۹۱ ۔

ولو اشترى الرجل دارا او عبدا للتجارة ثم اجره يخرج من ان يكون للتجارة لانه لما اجره فقد قصد المنفعة ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها او يواجرها لا تجب الزكوة ۔

جانوروں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱۲۸ : کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے ؟ اس سلسلہ میں بھینسوں ، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے ؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کی شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جا سکتی ہے ۔ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیئے ؟

الجواب زکوٰۃ تمام جانوروں میں سے صرف مندرجہ ذیل جانوروں پر مع ان شرائط کے جو درج ذیل ہیں واجب ہوتی ہے ۔

ا : اونٹ : ان میں عربی ، بختی ، ہر قسم کے اونٹ داخل ہیں ۔

ب : گائے : اس میں بیل ، بھینس ، سب شامل ہیں ۔

ج : بکری : اس میں بھیڑ ، دنبہ ، سب شامل ہیں ۔

ان کے ماسوا اور کسی جانور پر مرغی ، کبوتر ، گدھا وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ جن جانوروں (اونٹ ، گائے ، بکری) پر زکوٰۃ واجب ہے اس کے لئے حسب ذیل شرائط ہیں ۔

۱ : ان جانوروں کو جنگل میں چرایا جاتا ہو ۔ اگر گھر میں چرایا جاتا ہے اور چارہ ڈالا جاتا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ۔ پہلی قسم کو " سائمہ " اور دوسری قسم کو اصطلاح میں " علوفہ " کہتے ہیں ۔ اگر یہ صورت ہو کہ سال کے کچھ عرصہ میں گھر کے اندر چارہ ڈال کر چرایا جاتا ہے ۔ اور کچھ حصہ سال میں جنگل کے اندر چرایا جاتا ہے تو اکثر کا اعتبار ہوگا ۔ اگر اکثر حصہ سال کا جنگل میں چرتے ہیں ، اور تھوڑے دنوں گھر میں تکلیف برداشت کی جاتی ہے تب تو یہ " سائمہ " ہیں ورنہ " علوفہ " ۔

فان كانت تسام فى بعض السنة وتعلف فى البعض فان اسيمت فى اكثرها فهى سائمة والا فلا ۔ كذا فى المحيط (عالمگیری ج ۱ ص ۹۰)

۲ : ان جانوروں کو جنگل میں چرانا (جسے اصطلاح فقہاء میں " اسامت " کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) بغرض نسل کشی اور دودھ ہو ۔ لہٰذا جن جانوروں کی اسامت بغرض حمل ، رکوب اور گوشت ہوگی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ۔ عالمگیری ج ۱ ص ۹۰ ۔ میں ہے ۔

" حتى لو اسيمت للحمل والركوب لا للدر والنسل فلا زكوة فيها كذا فى محيط السرخسى وكذا لو اسيمت للحم "

بدائع ج ۲ ص ۳۰ ، میں ہے ۔

لا منها ان يكون معدا للاسامة وهو ان يسيمها للدر او النسل لما ذكرنا ان مال الزكوة هو المال النامى وهو المعد للاستنماء والنماء فى الحيوان بالاسامة اذ بها يحصل النسل فيزداد المال فان اسيمت للحمل او الركوب او اللحم فلا زكوة فيها ولو اسيمت للبيع والتجارة ففيها زكوة مال التجارة لا زكوة السائمة ۔

۳ : تیسری شرط یہ ہے کہ جنس واحد ہو ۔ مثلاً اونٹ اگر ہوں تو پورے نصاب کو پہنچ جائیں اسی طرح اگر گائے ہو تو بھی نصاب کو پہنچ جائے ۔ ایک جنس کا نصاب دوسری جنس سے پورا نہ کیا جائے گا ۔ بدائع ، ج ۲ ۔ میں ہے ۔

"ومنها ان یکون الجنس فیه واحدا من الابل والبقر" (ھدایہ)۔

(زکوٰۃ کے اندر جانور بھی دیا جاسکتا ہے اور نقد رقم بھی دی جا سکتی ہے۔)

"واداء القیمة اداء مال مطلق مقدر بقیمة المنصوص علیه بنیة الزکوٰة فیجزئه الی قوله بخلاف الهدایا والضحایا لان الواجب فیها اراقة الدم اھ۔ (بدائع۔ج ۲۔ص ۲۶)۔

(اونٹوں کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کم از کم پانچ مقرر ہے۔ پانچ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اس کے بعد جب اونٹوں کی تعداد بڑھتی جائے تو زکوٰۃ کی مقدار بھی بڑھتی جاتی ہے۔ زیادہ تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

بکریوں کی زکوٰۃ کے لئے کم از کم تعداد شریعت میں چالیس مقرر ہے۔ اس سے کم تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ جب بکریاں چالیس کی مقدار کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک بکری متوسط درجہ کی واجب ہو جاتی ہے۔

گائے بیل بھینس کے لئے نصاب مقررہ تیس ۳۰ ہے۔ جب ان کی تعداد تیس ۳۰ ہو جائے تو ان میں ایک بچھڑا جس کی عمر ایک سال ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، دینا لازم ہے۔ اسے اصطلاح میں تبیع کہتے ہیں۔)

کس مال میں کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۵ : جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے؟

الجواب جانوروں کے متعلق ابھی ابھی تحریر ہو چکا ہے۔ سونا چاندی، اموالِ تجارت پر $\frac{1}{40}$ زرعی پیداوار پر بعض حالات میں $\frac{1}{10}$ اور بعض حالات میں $\frac{1}{20}$ واجب ہوتا ہے۔ اور "معادن" وغیرہ میں $\frac{1}{5}$ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی کو شرحِ زکوٰۃ میں تبدیلی کی اجازت نہیں

سوال ۱۶ : خلفاءِ راشدین کے دور میں نقدی، سکوں، مویشیوں، سامانِ تجارت زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی

وجوہ بیان کیجئے۔

الجواب ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ حضرات خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مقادیرِ زکوٰۃ میں اپنی رائے سے تبدیلی کی ہو۔ بلکہ مقادیر سب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمودہ ہیں۔ فی خمس ذود من الابل شاة۔ اور ازیں قسم جو مقادیر اس باب میں ہیں سماعی ہیں ان میں کوئی قیاسی نہیں۔ جس طرح کہ تعدادِ رکعات فرض وغیرہ سب منقولات سے ہیں۔ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ از قسم عبادات ہے نہ کہ از قسم ٹیکس و خراج۔ اس لئے اس میں سیاسی مصالح کو اور اپنی رائے کو دخل نہیں۔ حضرات خلفاءِ راشدین رضہ نے شرحِ زکوٰۃ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

(دو سو ۲۰۰ درہم رائج الوقت سکہ کے لحاظ سے کتنے بنتے ہیں)

سوال ۱۷ : نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دو سو ۲۰۰ نقرئی درہم اور بیس ۲۰ طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے۔ اناج کی صورت میں "صاع و وسق" پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

الجواب (حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز "بہشتی زیور" کے اندر ارشاد فرماتے ہیں کہ "دو سو ۲۰۰ درہم کا وزن روپیوں کے حساب سے ۵۶ روپے ۲ رتی چاندی۔ اور ساڑھے ۱۲ رتی بھر سونا بیس ۲۰ مثقال سونے کا وزن ہوتا ہے۔ اور صاع کا وزن اسی ۸۰ تولہ کے سیر سے تین ۳ سیر، نو ۹ چھٹانک ہوتا ہے۔ اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک وسق میں پانچ ۵ من تیرہ ۱۳ سیر بارہ ۱۲ چھٹانک وزن آئے گا۔)

نصاب اور مقدارِ واجب میں تبدیلی کا حکم

سوال ۱۸ : کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

الجواب موجودہ حالات اور ماضیہ ومستقبلہ حالات میں بھی کوئی وجہ جواز ان نصابہائے زکوٰۃ اور شرح میں تبدیلی کی پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب یہ ایک تعبدی تشریعی حکم ہے، کوئی سیاسی اور مبنی بر مصلحت نہیں تو اس میں تبدیلی کیسی؟

کتنی مدت گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال ۱۹ : مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور جن پر نہیں ان کی شرح مدت تفصیل سے گزر چکی ہے۔

سال میں جتنی پیداوار اُٹھائی جائیں ہر پیداوار سے عشر دیا جائے

سوال ۲۰ : اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

الجواب حولان حول یعنی سال گزرنے کی شرط زرعی پیداوار کے علاوہ اور چیزوں کے لئے ہے۔ زرعی پیداوار تو جب بھی اٹھائی جائے گی اس وقت اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔ اگر سال میں دو مرتبہ پیداوار اٹھائی جائے تو دو دفعہ عشر دینا ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ "وآتوا حقہ یوم حصادہ" الآیۃ

زکوٰۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے یا شمسی کا

سوال ۲۱ : زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہئے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہئے؟

الجواب زکوٰۃ اور دیگر امور کے اندر مثلاً خیار بلوغ وغیرہ میں قمری سال کا اعتبار ہے زکوٰۃ کا وجوب بھی قمری سال سے ہوگا۔ جس دن سے ایک شخص نصاب کا مالک ہوتا ہے۔ اس دن سے قمری سال پورا کرکے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوجائے گی اور سال میں کوئی خاص مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ زکوٰۃ کا وجوب ملک نصاب سے ہوتا ہے

جب غنا کے لئے اور ملک نصاب کے لئے کوئی ماہ مقرر نہیں تو وجوب ادا کے لئے تعیین ماہ کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سال کے مختلف حصوں میں زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل

سوال ۲۲ : زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہئے؟

الجواب زکوٰۃ کے لئے مندرجہ ذیل مصارف ہیں۔

۱:۔ فقیر : اصطلاح شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس تھوڑا بہت مال ہے لیکن اتنا نہیں کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے۔ یا اتنا مال واسباب ہے کہ اس کی مالیت نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے لیکن وہ حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہی رہے گا۔ اور مستحق زکوٰۃ ہوسکے گا۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶)

مثلاً ایک شخص کے لئے رہنے کا گھر اور پہننے کے لئے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر چاکر اور گھر کا اثاثہ جو اکثر کام میں تصرف آتا ہے، موجود ہے۔ لیکن ان چیزوں کے علاوہ کوئی نقدی رقم جو نصاب کو پہنچے یا زیور جو نصاب کو پہنچ جائے، نہیں ہے۔ یا ہے لیکن قرض کے ساتھ مشغول ہے۔ ایسی صورت میں یہ شخص اصطلاحاً فقیر ہے۔

لابأس ان یعطی من الزکوٰۃ من لہ سکن وما یتأثث بہ فی منزلہ وخادم وفرس وسلاح وثیاب البدن وکتب العلم لاھلہ ۔ (شامی، ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)۔

۲: مسکین ، اصطلاح شریعت میں "مسکین" اُسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ مانگ کر کھاتا ہے۔ یہ شخص فقیر سے زیادہ محتاج اور مفلوک الحال ہوتا ہے۔

"ومنھا المسکین وھو من لا شئ لہ فیحتاج الی المسئلۃ لقوتہ او ما یواری بدنہ ویحل لہ ذالک بخلاف الاول حیث لا تحل لہ المسئلۃ فانھا لا تحل لمن یملک قوت یومہ بعد سترۃ بدنہ کذا فی الفتح۔

(عالمگیری ج ۱۔ ص ۹۶)

۳ : " عامل " : اصطلاحِ فقہاء میں " عاملین " انہیں کہتے ہیں جن کو امام نے بغرضِ وصولِ صدقات وعشر مقرر کیا ہو۔ ایسے شخص کو ان ہی صدقات میں سے جنہیں وہ وصول کرکے لایا ہے بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔ (عالمگیری ، ج ۱ ص ۹۶) ۔

متعلقات : ا : واضح رہے کہ فقیر اور مسکین کا استحقاق بحیثیتِ حاجت ہے اور عامل کا استحقاق بحیثیتِ عمالہ ہے ۔ لہٰذا عامل اگر غنی ہو تو بھی دینا درست ہے ۔

ب : عامل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بحیثیتِ عمالہ ہے ۔ اس قید سے واضح ہوجانا چاہئے کہ جو کچھ اسے ملتا ہے یہ اجرت نہیں کیوں کہ اجرت میں جہالت مفسدِ عقد ہوتی ہے ۔ یہاں جہالت مضر نہیں ہوتی ۔ امام اس کی ضروریات کو مدِّنظر رکھ کے اسی زکوٰۃ میں سے کچھ حصہ نکال کر دے دیتا ہے جو کہ اسے کافی ہوجائے ۔ لیکن اگر اس کی ضروریات اتنی زیادہ ہوں جو اس کی وصول کردہ تمام زکوٰۃ کو محیط ہوجائیں تو اس صورت میں نصف سے زائد نہ دیا جائے گا ۔

(عالمگیری نقلاً عن البحر ۔ ص ۷۶)

ج : عامل کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی وصول کردہ زکوٰۃ سے دیا جائے گا ۔ حتیٰ کہ اگر اس کی وصول کردہ زکوٰۃ ضائع ہوگئی تو اس کی عمالہ بھی ضائع ہوجائے گی ۔

۴ : فکُّ الرقاب : چوتھا مصرفِ زکوٰۃ " فکِّ رقاب " ہے ۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ کسی ایسے غلام کی امداد کی جائے جس نے اپنے مولیٰ کے ساتھ عقدِ کتابت کیا ہوا ہے ۔ اور روپیہ جمع کرکے اپنے مولیٰ کو دے کر اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا ہے ۔ سو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ۔ اگرچہ وہ غنی ہو ۔ کیوں کہ اس کا غنیٰ مشغول بالحاجت ہے ۔

(ومنها الرقاب . هم المكاتبون و يعاونون فى فك رقابهم كذا فى محيط السرخسى ويجوز الدفع الى مكاتب غنى علم بذالك اولم يعلم كذا فى العالمكيرى ج ۱ ۔ ص ۹۶) ۔

۵ : الغارمین : غارمین غارم کی جمع ہے ۔ اصطلاح میں غارم اسے کہتے ہیں جس پر قرضہ کا بوجھ ہو اور وہ نصاب کا مالک نہ ہو ، یا نصاب کا مالک تو ہے لیکن وہ نصاب قرض کے اندر مشغول ہے ۔ (عالمگیری ۔ ج ۱ ۔ ص ۹۶)

۶ : وفی سبیل اللہ : اس کی تفسیر میں " صاحبِ بدائع " نے تحریر فرمایا ہے کہ " فی سبیل اللہ " سے تمام انواعِ خیر اور جہاتِ عبادت مراد ہیں ۔ اس میں حج یا غزوہ کی تخصیص مناسب نہیں ۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو اطاعتِ الٰہی میں اور وجوہِ خیر میں کوشش کرنے والا ہو ، مثلاً طلباءِ علومِ دینیہ اور مبلغینِ اسلام کو زکوٰۃ دینی جائز ہے بشرطیکہ محتاج ہوں ۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس سے مراد فقراءِ غزاۃ ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک منقطع حجاج مراد ہیں ۔

۷ : وابن السبیل : وہ مسافر جس کا سفر میں زادِ راہ ختم ہوگیا ۔ اگرچہ وطن میں مال موجود ہے اور غنیٰ رکھتا ہے ۔ لیکن چونکہ فی الحال یہ فقیر ہے لہٰذا اس کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے ۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے

سوال ۲۳ : قرآنِ حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ ان کی حدود بیان کیجئے ۔ بالخصوص اصطلاح فی سبیل اللہ کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کیجئے ۔

الجواب

سوال نمبر ۲۲ ۔ میں مصارف دریافت کئے گئے تھے اس کے جواب میں آیتِ شریفہ " انما الصدقات للفقراء الآیۃ کے اندر جو مستحقین اور ان کے انواع مذکور ہیں ۔ ہم نے ان کی تشریح کردی ہے بحمداللہ تعالیٰ ۔ اب دو امر باقی ہیں ۔ " مؤلفۃ القلوب " جو قرآن میں مذکور ہے مگر ہم نے مصارف میں نہیں لکھا ، اور " فی سبیل اللہ " کی وضاحت ۔

" مؤلفۃ القلوب " : یہ رؤساءِ قریش میں چند وجاہت والے لوگ تھے جیسے ابوسفیان بن حرب ، صفوان بن امیہ ، اقرع بن حابس ، عیینہ بن حصن وغیرہ ان لوگوں کو شان وشوکت حاصل تھی اور ان کے اتباع کثیر تھے ۔ بعض ان میں سے حقیقۃً اسلام لے آئے تھے اور بعض علی وجہ النفاق مسلمان ہوچکے تھے ۔ ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات میں سے کچھ حصہ دیتے تھے تاکہ اسلام میں مضبوط ہوجائیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر حضرات ان میں سے مخلص مسلمان بن گئے ۔

صفوانؓ بن امیہ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے پہلی مرتبہ مال مجھے عطا فرمایا تو آپؐ میرے نزدیک ابغض الناس تھے ۔ پھر آپ مجھے ہمیشہ دیتے رہے حتیٰ کہ آپ میرے نزدیک محبوب ترین خلائق ہوگئے ۔

یہ حصہ مؤلفۃ القلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تھا۔ بعد وفاتِ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام ان کا حصہ ساقط ہوگیا۔ چنانچہ خلافتِ صدیقی میں یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک فرمان لکھوا کر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس لائے کہ " ہمیں زکوٰۃ دی جائے " حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وہ خط لیکر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ لوگوں کو دینا تطییبِ قلب کے لئے تھا تاکہ تم لوگ سلام پہ جمے رہو۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے سلام کو قوت اور شوکت عطا فرمائی ہے۔ اگر اسلام پہ قائم رہوگے تو فبہا، ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ اس بات کو سن کر یہ لوگ واپس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ خلیفہ آپ ہیں یا حضرت عمرؓ ؟ تو حضرتِ صدیق رضؓ نے فرمایا " ان شاء هو " یہ جملہ فرما کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرتِ عمر رضؓ کے فعل کی تصویب فرمائی۔ اور تمام صحابہ رضؓ اس پر متفق ہوگئے۔ اس طرح یہ اجماع قائم ہوگیا۔ واضح رہے کہ یہ سقوطِ سہم از باب انتهاء الحكم بانتهاء العلة ہے۔

(بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جو کسی علت کے ساتھ معلول ہوتے ہیں اور معلق ہوتے ہیں جب علت ختم ہوجائے تو حکم بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اس چیز کی معرفت حضراتِ صحابۂ کرام رضؓ یا تابعین رحؒ کو تھی۔)

فی سبیل اللہ فی سبیل اللہ کے متعلق پہلے بیان ہوچکا ہے کہ امام ابو یوسف رحؒ کے نزدیک اس سے مراد فقیر غازی و مجاہد ہے۔ کیونکہ سبیل اللہ کا اطلاق عرفِ شرع میں جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحؒ کے نزدیک وہ شخص ہے جو حج کو گیا لیکن بوجہ اتلافِ زادِ راہ منقطع ہوگیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس پر حاجی کو سوار کرو۔

لیکن " صاحبِ بدائع " فرماتے ہیں کہ اس کو عام رکھنا مناسب ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے دین کے لئے سعی کرتا ہے اور عبادات میں سرگرم رہتا ہے، مثلاً طلباءِ علوم دینیہ اور مبلغین دین۔ اگر یہ محتاج ہوں تو ان کو دینا فی سبیل اللہ ہوگا۔

(مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی ایک مصرف کو بھی ساری زکوٰۃ دے سکتے ہیں !)

سوال ۲۴ ، کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے۔ یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآنِ مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے ؟

الجواب (مالکِ نصاب پر یہ پابندی نہیں کہ وہ تمام مصارفِ مذکورہ فی القرآن پر زکوٰۃ صَرف کرے۔ ویسے بھی اس پابندی میں سخت حرج اور تنگی ہے۔ بلکہ حکمِ شرعی جو سنت اور اجماعِ صحابہ رضؓ سے ثابت ہے وہ تعمیم اور اختیار ہے۔ اگر چاہے تو ان تمام اصناف پر برابر تقسیم کرے یا کمی بیشی کے ساتھ یا مصلحت کا لحاظ رکھتے ہوئے بعض مصارف کو ترجیح دے اور دوسرے بعض میں خرچ نہ کرے۔)

" بدائع ، ج ۲ - ص ۴۶ - میں ہے۔ " ولو صرف الى واحد من هذه الاصناف يجوز عند اصحابنا "

تعریفِ غنی جسکے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا منع ہے نیز سادات و بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال ۲۵ ، مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے ، پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ " سیدوں ، بنی ہاشم " سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے ؟

الجواب (مصارفِ زکوٰۃ کے ضمن میں یہ بیان ہوچکا ہے کہ آٹھ قسموں میں سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں " مؤلفۃ القلوب " کا سہم ساقط ہوچکا ہے باجماعِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ باقی سات قسمیں جو مذکور ہیں ان میں سے عاملین کے ماسواء باقی اقسام کو زکوٰۃ کا استحقاق بحالتِ فقر و احتیاج ہے۔ عاملین کا استحقاق بوجہ عمالہ ہے ، غنی ہونے کے باوجود لے سکتے ہیں۔

۱ : انما الصدقات للفقراء ، بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ نہ بحالتِ غنیٰ۔

۲ : والمساکین ، بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ نہ بحالتِ غنیٰ۔

۳ : والعاملین علیہا ، بحالتِ غنیٰ بھی لے سکتا ہے۔

۴ : والمؤلفۃ قلوبہم ، ساقط ہوگیا۔

۵ : وفی الرّقاب ، مکاتب بحالتِ فقر لے سکتا ہے۔ یہ اگر غنی ہو جائے تب بھی فقیر ہی رہتا ہے جب تک بدلِ کتابت ادا نہ کر دے یا بدلِ کتابت سے زائد رقم نہ جمع ہو جائے۔

۶ : والغارمین ، بحالتِ فقر۔

۷ : وفی سبیل اللہ ، بحالتِ فقر۔

۸ : وابن السبیل ، بحالتِ فقر۔

فائدۂ متعلقہ استحقاقِ زکوٰۃ کن حالات میں ہوتا ہے ؟

واضح رہے کہ ہمارے فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ غنیٰ تین قسم پر ہے۔

۱ : ایک غنیٰ وہ ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حاجاتِ اصلیہ سے زائد دو سو درہم نقد یا کسی نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو۔

۲ : دوسرا غنیٰ وہ ہے کہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی، لیکن صدقہ لینا حرام ہے اور اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایسے اموال کا مالک ہو جو نامی نہیں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن وہ اس کی ضرورت سے زائد ہیں اور دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں مثلاً میزیں، کرسیاں، فرش و مکانات، نوکر چاکر، مال مویشی موجود ہیں جو قدرِ حاجت سے زائد ہیں، لیکن تجارت کے لئے نہیں ہیں۔ تو اس صورت میں زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی لیکن صدقہ اور زکوٰۃ لینا حرام ہوگا۔

۳ : تیسرا غنیٰ وہ ہے کہ سوال کرنا اب بھی حرام ہے لیکن اگر بغیر سوال کے زکوٰۃ و صدقہ مل جائے تو لے لینا جائز ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے اور پہننے کا کپڑا بھی ہے تو ایسی صورت میں سوال کرنا ٹھیک نہیں۔ ہاں اگر کوئی حالات

پر واقف ہو کر از خود دے دے تو لینا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من سأل الناس عن ظہر غنی فانما یستکثر من جمر جہنم قیل یارسول اللہ وما ظہر الغناء قال ان یعلم ان عندہ ما یغدیہم و یعشیہم اھ (ھذا کلہ من البدائع)۔

بنی ہاشم اس سے مراد مندرجہ ذیل افراد ہیں۔ آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل اولادِ حارث بن عبد المطلب۔ ان تمام حضرات کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اگرچہ فقراء اور حاجت مند ہوں۔ اسی طرح ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ وجہ حرمت ان کی عظمت اور رفعتِ شان ہے۔ درحقیقت زکوٰۃ مطہّرِ مال ہوتی ہے، مال کے اندر سے ہر قسم کا خبث اور شبہات وغیرہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کپڑوں کو دھونے کے بعد میل کچیل والا پانی۔ جیسا کہ وہ پینے کے قابل نہیں ہوتا ایسے ہی یہ مال زکوٰۃ درحقیقت اس قابل نہیں کہ استعمال کیا جائے لیکن فقراء کے لئے بوجہ ضرورت اجازت دی گئی ہے۔ مگر بنی ہاشم کو باوجود حاجت کے بھی اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس غنائم مقرر کیا گیا ہے جو کہ اطیب واطہر ہے۔ پاکستان کے حالات بحمد اللہ اچھے ہیں اقتصادی حیثیت سے کسی قسم کی مشکلات پاکستان کو درپیش نہیں۔ جس کی بناء پر ایسی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ساداتِ بنی ہاشم کے لئے دوسرے ذرائع مسدود کر کے زکوٰۃ کے کھانے پر مجبور کیا جائے۔

زکوٰۃ افراد کو دینی ضروری ہے یا اداروں کو بھی دے سکتے ہیں

سوال ۲۶ : کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جا سکتی ہے۔

الجواب دراصل زکوٰۃ کے مصارف تو وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب جو تعلیمی ادارے یا یتیم خانے وغیرہ ان مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ ان کو بحیثیت وکالت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین پر تملیک کے بعد خرچ کرتے ہیں

اس سلسلہ میں دینی درس گاہیں جن میں طلباء علوم عربیہ کی تعلیم پاتے ہیں مقدم ہیں اور صحیح مصرف ہیں۔ کالج اور قومی اسکول جو کہ عام طور پر سرکاری امداد اور طلبائی فیس پر گزارہ کرتے ہیں یہ چنداں استحقاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں تعلیم پانے والے عام طور پر اغنیاء ہیں جو تعلیم کے مصارف کے علاوہ فیس وغیرہ ادا کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں۔ یہ چیز عمومی حالات کے پیش نظر لکھی گئی ہے اگر خصوصیت کے ساتھ بعض اسکول اور کالج ایسے پائے جاتے ہیں جن میں مستحقین تعلیم پاتے ہیں تو ان اداروں میں بھی دینا جائز ہوگا۔ بشرطیکہ ارباب اہتمام اس رقم کو مصرف شرعی میں بعد از تملیک خرچ کریں۔

(زکوٰۃ بطور گزارہ الاؤنس دینے کا حکم)

سوال ۲۷ : کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں، عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جا سکتا ہے؟

الجواب: ان مستحقین کو بوجہ حاجت اور فقر کے دیا جا سکتا ہے۔ یکمشت دیں یا ماہوار لیکن ان باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ا : زکوٰۃ میں قبض و تملیک ضروری ہے۔ اس لئے زکوٰۃ میں نقد رقم یا جنس ہی دی جا سکتی ہے نوٹ کے ذریعہ سے زکوٰۃ دی جائے تو ضروری ہے کہ وہ نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز وغیرہ خرید کر اس پر قابض ہو جائے۔

ب : اس امر کی خبر گیری ضروری ہوگی کہ وہ مستحقین جن کو گزارہ الاؤنس مل رہا ہے ان کا استحقاق دائمی ہو، انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت تنگ دستی، کسی وقت فراخ دستی، اگر کسی وقت ان کو غنیٰ حاصل ہو گیا تو پھر ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(مال زکوٰۃ کو رفاہ عامہ میں لگانے کا حکم)

سوال ۲۸ : کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہ عام کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جا سکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظ مذہب و ملت فائدہ اٹھا سکے۔

الجواب: ان تمام مدات میں جن کا سوال میں ذکر ہے زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ اگر ان مدات میں خرچ کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالےٰ مصارف میں سب سے پہلے ان کا ذکر فرماتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے۔ مگر آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو فرمایا خذها من اغنیاءهم وردها علی فقرائهم۔ اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ نظام معیشت ٹھیک رہے۔ انما الصدقات للفقراء میں جو لام ہے یہ تملیک کے لئے ہے جو اشارہ کرتا ہے اس بات کی طرف کہ زکوٰۃ ایسے مصارف پر صرف کی جائے جو تملک پر قادر ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کی طرف سے تملیک ہو۔

(زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینے کا حکم)

سوال ۲۹ : کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضہ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جا سکتی ہے؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم جب کسی وکیل کے حوالہ کی جائے تاکہ وہ اسے کسی فقیر یا مستحق پر صرف کر دے تو اسے اجازت نہیں کہ وہ اس رقم کو ادھار کے اندر لگا دے کیونکہ یہ رقم اس کے پاس امانت ہے اور امانت میں کسی قسم کا تصرف ٹھیک نہیں۔

(ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسری جگہ کے فقراء کو دینے کا حکم)

سوال ۳۰ : کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے، اسی میں صرف کی جائے۔ یا اس علاقہ سے باہر یا پاکستان سے باہر تالیف قلوب کے لئے یا آفات ارضی و سماوی مثلاً زلزلہ و سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: یہ ضروری تو نہیں لیکن بہتر ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسے وہاں کے مستحقین پر صرف کیا جائے۔ اگر زکوٰۃ کو دوسرے علاقہ میں حتیٰ کہ پاکستان کے باہر بھیجا جائے جب کہ وہاں ضرورت زیادہ ہو یا حادثۂ آسمانی کی وجہ سے مصیبت زدہ لوگ زیادہ حاجت مند ہوں تو جائز ہوگا۔ بشرطیکہ زکوٰۃ کا روپیہ مسلمان فقراء پر صرف ہو۔

متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

سوال ۳۱ ، متوفی کے ترکے زکوٰۃ وصول کرنیکا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔

الجواب واضح رہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کہ مکلف کو از خود ادا کرنی لازم ہے۔ اگر ایک شخص زندگی بھر زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور بغیر وصیت کے مرجاتا ہے تو اب یہ شخص بوجہ تارکِ زکوٰۃ ہونے کے گنہگار ہوگا۔ اور زکوٰۃ اس کے ذمہ سے احکامِ دنیا میں ساقط ہوجائے گی۔ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ البتہ اگر وہ وصیت کرچکا ہے کہ میرے ذمے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے، ادا کی جاوے تو تہائی مال سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوسکتی ہے۔

ایسی تدابیر جن سے لوگ بخوشی زکوٰۃ ادا کرنے لگیں

سوال ۳۲ : ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرسکیں ؟

الجواب سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ حکام اور رعایا قرآن اور اسلام کے دل وجان سے پابند ہوں اور اپنے اندر دینی فکر پیدا کریں۔ اسلام پر صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے عمل نہ کریں۔ جب ایسی زندگی پیدا ہوجائے گی تو پھر انشاء اللہ ضابطوں کی ضرورت نہ رہے گی۔ حضراتِ صوفیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ۱/۴۰ اپنے پاس رکھتے ہیں اور ۳۹/۴۰ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

وصولیٔ زکوٰۃ کا کام وفاقی حکومت کرے یا صوبائی ؟

سوال ۳۳ : زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے یا صوبوں کے ہاتھ میں۔ اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہوں۔ ؟

الجواب زکوٰۃ ہمیشہ مرکز میں جمع ہوتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں زکوٰۃ عاملین مدینہ طیبہ میں لے آتے تھے۔ آپ اسے حسبِ احتیاج لوگوں پر صرف کردیا کرتے تھے اس میں علاقہ جات اور ان کے حصہ جات کی کوئی تقسیم

نہیں۔ اب اگر کچھ ہوسکتا ہے تو ایسا ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ کو ایک مرکز میں جمع کرکے بلا لحاظ[1] صوبہ وعلاقہ صرف مستحقین پر صرف کی جائے اس قسم کا ناپ تول کرنے کی حاجت نہیں کہ فلاں علاقہ سے اتنی زکوٰۃ وصول ہوئی۔ لہٰذا اس علاقہ کا یا صوبہ کا اتنا حصہ متعین کردیا جائے۔ چاہے وہاں کے باشندوں میں مستحقین کی تعداد نہ ہو یا بالکل کم ہو۔ اس میں بڑی خرابی اور نقصان یہ ہوگا کہ ایک علاقہ کے لوگ باوجود استحقاق کے تنگی میں رہیں گے اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کا روپیہ فاضل ہوکر جمع ہوتا رہے گا۔

---

[1] فیہ نظر لما فی حدیث معاذؓ تؤخذ من اغنیائھم و ترد فی فقرائھم اھ وفی کتب الفقہ وکرہ نقلھا ای من بلد الی بلد آخر ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد وانما تفرق صدقۃ کل فریق فیھم لما روینا من حدیث معاذؓ اھ (شامیہ۔ ہدایہ۔ ج ۱ ص ۱۹۰)۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے علیحدہ محکمہ قائم کرنا موزوں ہے

سوال ۳۴ ، آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے ؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے ؟

الجواب ہماری ناقص رائے میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کی بہترین صورت تو یہ ہے کہ پورا نظام خلافتِ راشدہ کی طرز پر چلایا جائے۔ اگر جز کو چھوڑ کر صرف اس ایک شعبہ کی اصلاح مقصود ہو تو موجودہ حالات میں اس کی جو موزوں صورت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ چند دین دار آدمیوں کی ایک امارتِ شرعیہ قائم کردی جائے۔ جس کے قیام وانتخاب کی تمام ذمہ داری حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی جیسے متبحر، متدین عالم پر ڈال دی جائے۔ وہ اس امارتِ شرعیہ کے افراد کا انتخاب فرمائیں۔ پھر وہ زکوٰۃ کے وصول اور خرچ کے معاملہ پر شرعی نکتۂ نظر سے کام کریں۔

زکوٰۃ سرکاری محصول نہیں

سوال ۳۵ : کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے۔؟

الجواب زکوٰۃ ایک عبادت ہے سرکاری محصول نہیں ہے لیکن حکومت جیسا کہ دوسری عبادات کے سلسلہ میں ذمہ دار ہے

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر الاٰیۃ

اسی طرح لوگوں سے زکوٰۃ کی عبادت ادا کرانے کی بھی ذمہ دار ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ادائے عبادات اور اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ حکومت زکوٰۃ کی ادائیگی کرانے اور خرچ چلانے کی ذمہ دار ہے لیکن ٹیکس و محصول کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبادت کی حیثیت سے۔ یعنی لوگوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ زکوٰۃ کی عبادت کو ادا کریں اور ترک نہ کریں۔ اس سلسلہ میں اولین ذمہ داری نماز کی ہے جو اہم العبادات ہے۔ حکومت اس کی زیادہ ذمہ دار ہے۔ کہ کوئی مسلمان ملک میں بے نماز نہ ہو۔ بعد ازاں کوئی بے زکوٰۃ نہ ہو۔

دورِ خیر القرون میں جبراً کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا

سوال ۳۶ : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفائے راشدین رضہ کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے۔ اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا ؟

الجواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں فضاء ایسی بن گئی تھی کہ محصول عائد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ آپ کے زمانہ میں تو صورت یہ تھی کہ جب بھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو آپ مسلمانوں کو جمع فرما کر ذکر کر دیتے تھے پھر ہر شخص اپنی اپنی ہمت اور بساط سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ اور حضراتِ خلفائے راشدین رضہ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ببرکتِ اطاعتِ خدا و رسول بہت فتوحات عطا کیں اور اس کثرت سے اموال و غنائم آئے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس لئے ہمیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضراتِ خلفاء رضہ کے زمانہ میں کوئی ٹیکس نظر نہیں آتا جو جبراً وصول کیا گیا ہو۔

زکوٰۃ کی وصولی کا طریقہ

سوال ۳۷ : اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے ؟

الجواب ابتداءِ اسلام میں تو یہی طریقہ تھا کہ عاملین آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جاتے تھے اور لوگوں سے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ پھر بیت المال سے مستحقین پر صرف کی جاتی تھی۔ یہ نظام حضراتِ خلفاء رضہ کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔ اس کے بعد یہ نظام بگڑ گیا۔ اب موجودہ اسلامی ملکوں کا کوئی خاص نظام ہماری نظر میں نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی وصولی حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں کی جائے

سوال ۳۸ ، کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیئے یا کوئی مجلسِ اُمَنَا، مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیئے ؟

الجواب زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ خلیفہ کا کام ہے اور خلیفہ کے ساتھ اربابِ حل و عقد اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں چونکہ وہ صورت نہیں لہٰذا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کی حکومت کو وہ صورت اختیار کرنی چاہیئے جو "سوال نمبر ۳۱" کے جواب میں عرض کی گئی ہے۔

عمالِ زکوٰۃ کو اموالِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۳۹ ، زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں، الاؤنس، پنشن پراویڈنٹ فنڈ اور شرائطِ ملازمت کیا ہیں ؟

الجواب اگر زکوٰۃ وصول کرنے کا نظام وہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا، تب تو یہی صورت ہو گی کہ عامل کو بطورِ عمالہ اسی کی وصول

کردہ زکوٰۃ سے بقدرِ کفایت دیا جائے گا۔ مگر " قدرِ کفایت " کا لفظ قابلِ غور ہے اگر قدرِ کفایت وصول شدہ سے بڑھنے لگے تو نصف سے زائد دینا جائز نہیں۔ کما فی البحرالرائق وقد ذکرناہ من قبل۔

اور اگر زکوٰۃ کی وصولی کا کوئی اور نظم قائم کیا جائے تو اس عاجز کے خیال میں زکوٰۃ وصول کرنے والے عملہ کو دوسرے سرکاری فنڈز سے تنخواہ، الاؤنس اور پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ دینا چاہیئے یا اس کو امارتِ شرعیہ کی رائے پر چھوڑ دینا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔ ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان، ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

جواب صواب ہے

عبدالشکور غفرلہٗ، مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

بقلم احقر عزیز الرحمان عفا اللہ عنہ، مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان۔

ائمہ مساجد کو بطور تنخواہ اور غنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عامۃ الناس ائمہ مساجد کو صدقاتِ واجبہ کے علاوہ کچھ اور دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر ائمہ مساجد یہ نہ لیں تو مساجد ویران ہو جائیں گی۔ کیا ذیل کی عباراتِ نقلیہ و دلائلِ عقلیہ سے اس اشد ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد پر صدقاتِ واجبہ کے جواز کا استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور ائمہ مساجد میں غنی اور مفلس کا فرق ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوجہ اللہ امامت کوئی نہیں کرتا بحق الخدمت غنی اور مفلس امام دونوں لیتے ہیں۔

واذا عینوا لاماہم شیئا من الاوقاف والصدقات والھدایا

وغیرھا لزمھم اداؤھا۔ (نقل از سلطان الفقہ، ج ۲)۔

اور علامہ ابن حیون رح کی کتاب " وجیز " ص ۴۴ پر ہے۔

" واگر بظاہر نگفتہ اند بوقتِ نصب وتقرر بطریقۂ رسم ورواج وعادتِ بلادِ خود اورا امام کردند پس دریں صورت ہم حصۂ مرسومۂ آں بلاد برایشاں ادا کردن برائے امام خود واجب است۔ لان المعروف کالمشروط اھ " (سلطان الفقہ، ج ۲، ص ۴۱)۔

والعاشر فیعطی ولو غنیا لا ھاشمیا لانہ فرغ نفسہ لھذا العمل فیحتاج الی الکفایۃ والغنی لا یمنع من تناولھا عند الحاجۃ کابن السبیل وبھذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ لعجزہ عن الکسب والحاجۃ داعیۃ الی مالا بدمنہ۔

علماءِ متقدمین کے نزدیک تعلیمِ قرآن، امامت، اذان و تدریسِ کتبِ دین پر اجرت لینا حرام تھا مگر متأخرین نے دیکھا کہ بقولِ شاعر

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زمان میٹ رہا ہے

تو تنخواہ لے کر یہ سب امور کرنے جائز قرار دیئے۔

ایسے ہی ساداتِ بنی ہاشم پر صدقاتِ واجبہ کو حرام قرار دیا گیا مگر جب دیکھا گیا کہ وہ بوجہِ افلاس دریوزہ گری کر رہے ہیں تو علمائے متاخرین نے جائز قرار دے دیا۔

ایسے ہی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ائمہ مساجد کے لئے صدقاتِ واجبہ کو جائز قرار دیا جائے۔ اس لئے کتبِ معتبرہ و فتاوئے مستندہ مثل فتاویٰ اشرفیہ، عزیزیہ، نظامیہ امدادیہ، بحرالرائق، فتح القدیر، شامی، روح البیان، بیان القرآن، سے استنباط کر کے اس اشد ضرورت کو پورا کر دیا جائے۔

مقبول احمد، ایبٹ آباد، ہزارہ۔

الجواب اگر کوئی امام مسجد مفلس و نادار اور مستحق زکوۃ ہے تو اس کو زکوۃ، اور چرم قربانی بحیثیتِ مفلس و مصرف ہونے کے دینے جائز ہیں۔ بحیثیت تنخواہ دینا جائز نہیں۔ فتاوٰی امدادیہ ؛ ج ۱ ص ۱۶۸ - میں ہے - قربانی کی کھال کے متعلق لکھتے ہیں۔

" اور چونکہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل مصارفِ زکوٰۃ کے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں "

اور اگر امام مسجد مال دار ہے تو اسے زکوٰۃ اور چرمہائے قربانی کی رقوم دینا کسی صورت میں ٹھیک نہیں - نہ بطریقِ مصرف ہونے کے اور نہ بطریقِ اجرت و تنخواہ - استفتاء کے اندر جو نقول اور حوالہ جات پیش کئے ہیں اور ائمہ مساجد کو زکوٰۃ کے جواز کے لئے جو قیاس عامل ہاشمی پر کیا گیا، ٹھیک نہیں سب غلطی ہے - کما سنبیّن -

طالبِ علم کو زکوۃ دینا جائز ہے اگر وہ فقیر اور حاجت مند ہو - اسی طرح " ابن السبیل " کے لئے بھی یہی شرط ہے - وهو كل من لا مال له كما فى الشامى -

غنی طالب علم کے لئے اگرچہ بعض علماء نے زکوٰۃ کو جائز قرار دیا ہے - اور علامہ شامی رح نے اس قول کو نقل کیا ہے بگر وہ قول مرجوح اور غیر معتمد ہے -

درمختار میں نقل ہے - ان طالب العلم يجوز له اخذ الزكوة - اه

یہ قول غیر معتمد ہے اس پر فتوٰی دینا یا اس پر قیاس کرنا جائز نہیں -

قال فى الطحاوى وهذا نوع مخالف لا طلاقهم الحرمة فى الغنى ولم يعتمده اه -

ہاشمی کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں - ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ قول یہی ہے - وہ روایت جس میں ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز قرار دیا گیا ہے وہ روایت ابوعصمہ کی ابوحنیفہ سے ہے جو کہ نوادر کی روایت ہے - یہ روایت غیر مفتٰی بہ ہے -

درمختار میں ہے -

ظاهر المذهب اطلاق المنع اه فقول العينى والهاشمى يجوز له دفع زكوته لمثله صوابه لا يجوز - الخ -

تفصیل کے لئے دیکھئے " فتاوٰی مولانا عبدالحی صاحب رح " -

عامل کو جو زکوۃ دی جاتی ہے وہ بحیثیتِ عمالہ کے ہے نہ بوجہ فقر کے اس لئے غنی کو دینا جائز ہے - دوسرا فرق یہ ہے کہ عامل کو زکوٰۃ دینا بوجہ نفس کے ہے اور علت اس کی عمالہ ہے - اس پر کسی مدرس کو قیاس کرنا جائز نہیں - وجیز اور سلطان الفقہ کی عبارت اس بات پر مطلقاً دلالت نہیں کرتی کہ ائمہ مساجد کو زکوۃ و صدقات تنخواہ میں اور بعوض حق امامت دیئے جائیں - بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے وقف میں سے یا صدقات اور ہدایا میں سے امام کے لئے کچھ رقم مقرر کی ہو تو اس رقم کا ادا کرنا واجب ہے - کیونکہ یہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت ادا کرنا واجب ہے - صدقات سے مراد ہدایا - اور صدقات نافلہ لئے جائیں گے - جیسا کہ آگے ہدایا کا لفظ دلالت کرتا ہے نہ کہ صدقاتِ واجبہ - تاکہ یہ روایت دوسری روایتوں کے موافق ہو جائے - اور متاخرین نے جو متقدمین کے خلاف فتوٰے دیا ہے وہ اسی چیز میں ہے کہ متقدمین کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز نہیں تھا - متاخرین نے طاعت پر جائز قرار دیا نہ کہ زکوۃ میں سے ان کو دینا جائز قرار دیا -

البتہ اگر ضرورتِ شدیدہ ہو تو تملیکِ شرعی کے بعد دیئے جا سکتے ہیں جس کا طریقہ زبانی دریافت کر لیا جائے - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۷/۱۲/۱۳۶۹ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

ایک سیاسی جماعت کو زکوۃ دینے کا حکم

ایک مشہور جماعت زکوۃ، چرم قربانی وغیرہ طبی امداد کے لئے اکٹھے کرتی ہے اور منظم طور پر فراہمی کی جد و جہد کرتی ہے اور بلطائفِ حیل وصول کرتے ہیں - اس جماعت کے ارکان چاہتے ہیں کہ ان ذرائع سے سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے - اور ان مدات میں جو کچھ بھی ہو وصول کر کے یہ لوگ سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن، سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں - ان کو مذکورہ صدقات دینا کیسا ہے ؟ اور ان کا یہ استعمال درست ہے یا نہیں ؟

الجواب صدقاتِ واجبہ ، سیاسی مقاصد ، مقدمات ، الیکشن اور سیاسی کارکنوں کی تنخواہوں میں استعمال کرنے جائز نہیں ۔ جو جماعت ان مصارف پر استعمال کرتی ہو اسے یہ صدقات نہ دیئے جائیں ۔ مدارسِ دینیہ ان صدقات کا بہترین مصرف ہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۵ / ۴ / ۱۳۷۰ھ

تحقیق کر کے غنی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی

ایک شخص نے کسی غریب رشتہ دار کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دے دی ۔ دوسرے سال معلوم ہوا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہ تھا ۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں ؟

(قاری) محمد رفیع (صاحب) مہتمم مدرسہ تجوید القرآن ، موتی بازار ، لاہور ۔

الجواب اگر شخصِ مذکور نے اس رشتہ دار کو پورے غور و خوض کے بعد غریب سمجھا اور زکوٰۃ دے دی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ کما فی الدر المختار ۔ ج ۲ ص ۹۲ ، ۹۳ ۔ علی الشامیۃ ۔ دفع بتحرٍ لمن یظنہ مصرفا الی قولہ وان بان غناہ اوکونہ ذمیا الی ان قال لا یعید لانہ اتی بماف وسعہ اھ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔ ۱۴ / ۱۰ / ۱۳۷۰ھ

وکیلِ مستحق نے زکوٰۃ کی رقم خود صرف کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں

زید نے ایک عربی مدرسہ کے طالب علم بکر کو چالیس روپے زکوٰۃ کے دیئے کہ ان کو اپنے مدرسہ میں داخل کردو ۔ طالب علم نے اس خیال سے کہ میں بھی غریب اور مصرفِ زکوٰۃ ہوں اپنے اوپر صرف کرلئے بکر کا یہ فعل بہشتی زیور کی تحریر کے مطابق صحیح معلوم نہیں ہوتا ۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟ اگر

بکر ، مالک زید سے اجازت لے لے تو یہ کافی ہو جائے گا یا نہیں ؟ اگر اجازت کافی نہیں تو بکر اپنے پاس سے دے یا نہیں ؟

مولانا عبد المجید مدرس دار العلوم عیدگاہ کبیر والا

الجواب فی الدر المختار ، ج ۲ ۔ ص ۱۲ ۔ وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا ضعھا حیث شئت اھ ۔

روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسؤلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ اور اب جب کہ وہ رقم خرچ ہو چکی ہے تو مالک اجازت بھی دے دے تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔ اور اگر بکر اپنے پاس سے رقم مدرسہ میں دے دے اور زید کو اس کی اطلاع نہ کرے تو بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ۔ البتہ اگر زید کو پوری تفصیل بتلا کر دوبارہ زید سے اجازت حاصل کر کے رقم جمع کرا دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

مدیون کو زکوٰۃ دینا دوسروں کی نسبت افضل ہے

عبد الرحمن دس ایکڑ زمین کا مالک ہے اس نے اپنی مملوکہ زمین سو روپیہ سالانہ فی ایکڑ کے حساب سے احمد خان کاشت کار کو اجارہ پر دے دی یعنی آپس میں طے کیا کہ احمد خان ایک ہزار سالانہ اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے عوض عبد الرحمن کو ادا کرے گا ۔ معلوم نہیں سالانہ پیداوار زمین کی کم رہی یا احمد خان کے بال بچوں کی کثرت کی وجہ سے وہ ہر سال اجارہ کی پوری رقم ادا کرنے پر قادر نہ ہوتا تھا ۔ ہر سال سو ڈیڑھ سو اس کے ذمہ باقی رہ جاتا ۔ عبد الرحمن بھی وصولی میں سختی نہ کرتا ۔ قریباً دس سال ایسے ہی چلتا رہا ۔ میعادِ اجارہ پوری ہونے پر زمین اس سے واپس لے لی ۔ لیکن مجموعی طور پر احمد خان کے ذمہ نو سو روپے باقی ہیں اگر عبد الرحمن اپنے ذمہ واجب شدہ مال کی زکوٰۃ میں سے کچھ رقم اس احمد خان کو جو فقر و مسکنت کی وجہ سے مصرفِ زکوٰۃ ہے ادا کرے اور پھر اس سے سابقہ قرضہ طلب کر کے وہی رقم اس سے قرضہ میں لے لے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ؟ اشکال کی وجہ یہ ہے جس کی بنا پر فتویٰ حاصل کرنے کیلئے

استفتاء بھیجا جا رہا ہے۔

۲ : اپنی مملوکہ زمین سے عقد اجارہ کے ذریعہ نفع حاصل کرنا اور سالانہ ایک متعین رقم لینا بلاشبہ جائز ہے یا اس میں کوئی شبہ ہے۔ کیا بدلِ اجارہ واجب الاداء دَین ہے؟

۳ : ہر سال رقم اجارہ جو احمد خان کے ذمہ جمع ہوتی رہی تو کیا ہر سال اس سے وصولی نہ کرنا اور نرمی برتنا حکماً ابراء ہو سکتا ہے؟

۴ : احمد خان بالکل مفلس اور تہی دست ہے یہ قرضہ اس سے کسی صورت وصول نہیں ہو سکتا بالکل ایک سوختہ قرضہ ہے اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم اسے تملیکاً دے کر پھر واپس لینا ناجائز حیلہ نہ ہو۔ کیوں کہ عبدالرحمٰن کا مقصد یہ ہے کہ میری جیب سے زکوٰۃ میں کوئی نقد رقم نکل کر نہ جائے اس پرانے قرضہ ہی سے ذمہ داری ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اسے محض ٹالنے والا معاملہ قرار نہ دیں۔

معین الدین، معرفت مفتی سید سراج الدین کاکاخیل۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں برتقدیرِ صحتِ واقعہ اگر عبدالرحمٰن نقد روپیہ احمد خان کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے دے اور پھر وہی روپیہ اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لما فی الدر ج ۲ ص ۱۶ - واعلم ان اداء الدین عن الدین و العین عن العین وعن الدین یجوز و اداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوۃ ثم یأخذھا عن دینہ ۔ اھ ۔

۲ : ائمہ اربعہؒ کے نزدیک زمین کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ نیز دیگر بہت سے فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں (کما فی شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۱۲)۔ اور زمین سے انتفاع کے بعد طے شدہ اجرت واجب ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دیگر سائر دیون۔ والظاھر من اطلاق المؤلف ان الاجرۃ تجب باستیفاء المنفعۃ۔ (تکملہ بحر ص)

۳ : یہ ابراء نہیں۔

۴ : یہ حیلہ محض ٹالنے والا معاملہ نہیں بلکہ اگر زکوٰۃ دہندہ کی نیت براءۃ ذمۂ مدیون ہو تو اس

میں زیادہ ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال فی الاشباہ وھو افضل من غیرہ (الی) لانہ یصیر وسیلۃ الی ابراء ذمۃ المدیون۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ
۲ / ۸ / ۸۷ ۱۳ھ

غنی طالبِ علم کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں راجح قول

ایک مدرسہ ایک انجمن کے تحت چل رہا ہے اس میں کچھ ایسے طالبِ علم بھی ہیں جو غنی ہیں ان کو عشر و زکوٰۃ سے وظیفہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے جیسا کہ شامی نے لکھا ہے

یجوز اخذ الزکوۃ لطالب علم ولو کان غنیا۔

تو فقہاء کرام رح کے عام قاعدہ لا یجوز الزکوۃ للغنی کا کیا جواب ہے؟

الجواب طالب علم شرعی جس کو غناء حاصل ہو لیکن وہ اپنے آپ کو اکتسابِ معاش سے فارغ کر چکا ہو اور افادہ و استفادۂ علم میں مشغول ہو تو اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ شامی، ج ۲، ص ۵۹ - میں ہے -

وبھذا التعلیل یقوی ما نسب الی الواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ -

شامی کا یہ قول فقہاء کے عام قاعدہ لا یجوز دفع الزکوۃ الی الغنی کے مخالف نہیں۔ کیونکہ وہ ایک عام قاعدہ ہے اور یہ ایک استثنائیہ جملہ ہے۔ ہر عموم میں کچھ نہ کچھ مستثنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ فقط

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

تنبیہ حضرات فقہاء کرام نے اگرچہ غنی طالب علم کے لئے اخذ زکوٰۃ کو جائز رکھا ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ غنی طالب علموں کے لئے وظیفہ اور کھانا وغیرہ کسی فقیر اور مستحق کو تملیک کرا کے دینا چاہئے کیونکہ علامہ شامی رح نے دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے

والاوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصا لجواز سواله من الزكوة و غيرها وان كان قادرًا على الكسب اذ بدونه لا يحل له السوال۔ فقط

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

جواب صحیح ہے۔ غنی طالب علم کو بلا تملیک زکوۃ نہیں دینی چاہیئے۔

بندہ عبدالرحمٰن عفرلہٗ

ہذا ہو الاحتیاط وعلیہ الاعتماد ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۰ المحرم ۱۳۶۹ھ۔

چھوٹے بھائی کو زکوۃ دینا افضل ہے

زید کا چھوٹا بھائی نادار ہے زید اسے زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟

الجواب افضل یہی ہے کہ زید اپنے چھوٹے بھائی کو زکوۃ دے۔ و الافضل فی الزكوة والفطر والنذور الصرف اولا الى الاخوة الخ (عالمگیری ج۱۔ ص۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق عفرلہٗ

الجواب صحیح ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ ، ۱۲ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ

زکوۃ حکومت وصول کرے یا لوگ خود ادا کریں

کیا زکوۃ کی وصولی حکومت کا فرض ہے یا اس کو انفرادی طور پر ادا کیا جا سکتا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس کو کن وجوہ کی بنا پر انفرادی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا۔ ؟

الجواب اموال دو قسم پر ہیں۔ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ۔ اول الذکر اموال کی زکوۃ حکومت وصول کر سکتی ہے اور ثانی الذکر اموال کی زکوۃ خود مالک ادا کریں گے۔ کما فی البحر ؛ ج ۲۔ ص ۲۴۸۔

وحاصله ان مال الزكوة نوعان ظاهرة وهو المواشى والمال (الذى) يمر به التاجر على العاشر و باطن وهو الذهب و الفضة و اموال التجارة فى مواضعها اما الظاهر فللامام و نوابه ولاية الاخذ الخ

اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رض کے مبارک عہد میں سونے چاندی کی زکوۃ بھی حکومت وصول کرتی تھی یا نہیں ؟ صاحب بدائع نے شیخ ابو منصور ماتریدی سے نقل کیا ہے۔

لم يبلغنا ان النبى صلى الله عليه وسلم بعث فى مطالبة المسلمين بزكوة الورق واموال التجارة ولكن الناس كانوا يعطون ذالك ومنهم من كان يحمل ذالك الى الائمة فيقبلون منه ذالك . (ج ۲۔ ص ۳۵۔ ۳۶)۔

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ اموالِ باطنہ کی زکوۃ حکومت وصول نہیں کرتی تھی بلکہ اہل اسلام خود ادا کرتے تھے اور بعض لوگ از خود اپنی زکوۃ حکومت کی تحویل میں دے دیتے تھے اور حکومت اسے قبول کر لیتی تھی۔ نیز اس کے وصول کرنے میں حرج اور اضرار بھی ہے کہ لوگوں کی مخفی دولت معلوم کرنے میں سخت تنگی اور دشواری واقع ہو سکتی ہے۔ اور متمول افراد کی مالی حیثیت کی شہرت ان کے اموال کے لئے ایک مستقل خطرہ بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب بدائع نے دوسری رائے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وعثمان طالب زمانا ولما كثرت اموال الناس ورأى ان فى تتبعها حرجا على الامة وفى تفتيشها ضررا بارباب الاموال فوّض الاداء الى اربابها ۔ اھ (ج ۲۔ ص ۳۵)۔

ان وجوہ کی بنا پر سونے چاندی کی زکوۃ کی ادائیگی خود مالک کے ذمہ ڈال دی گئی۔ اور اس معاملہ کو مالک کی دیانت داری پر چھوڑ دیا گیا۔ کیوں کہ اگر ان اموال کی زکوۃ بالفرض حکومت ہی وصول کرتی تو بھی اسے مالک کی دیانت داری پر لازمًا اعتماد کرنا پڑتا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ؛ خیر محمد عفا اللہ عنہ

سادات کو زکوٰۃ نہ دینے کی حقیقی علت

زکوٰۃ کا مصرف سادات کو کیوں نہیں ٹھہرایا گیا۔ حالانکہ اسلام میں ذات پات کی تفریق کا تصور موجود نہیں۔ اور یہ حکم ایک ذات کی برتری ظاہر کرتا ہے۔ دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟

الجواب سادات کو مصرفِ زکوٰۃ نہ ٹھہرانے کی علتِ حقیقی حکمِ خداوندی ہے۔

قال علیہ السلام یا بنی هاشم ان اللہ حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم الخ (هدایة ج ١ - ص ١٨٦)۔

اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ زکوٰۃ مالوں کی میل کچیل ہے۔ قرابتِ نبوی کے احترام کے پیشِ نظر انہیں اس کے استعمال سے ممانعت کر دی گئی۔ باقی یہ کہ اس سے سادات کا محترم ہونا سمجھا جاتا ہے۔ سو اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ سادات کرام بالاتفاق محترم ہیں۔ مگر یہ ہندوانہ ذات پات کی تفریق نہیں۔ کیوں کہ اس میں دوسری ذاتوں کو انتہائی حقیر اور ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ برہمن کے ساتھ اچھوت کھانا نہیں کھا سکتے، ان کے مندروں میں نہیں جا سکتے اچھوت برہمن کے برتن کو ہاتھ لگا دے تو برتن ناپاک سمجھا جاتا ہے۔ باہمی نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسلام نے سادات وغیر سادات میں ان سب احکام کو جائز رکھا ہے۔ کہ باہمی رشتہ داریاں بھی جائز ہیں۔ صرف ایک مسئلہ کی بناء پر اس کو ذات پات کی تفریق نہیں کہا جا سکتا۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۸۶/۲/۲۴ھ	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

صدقاتِ واجبہ سے تیار ہونیوالا کھانا مدرس کو اجرت میں نہیں دے سکتے

مدرسہ میں صدقاتِ واجبہ وغیر واجبہ سے طلباء کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اور مدرسہ میں جو مدرس رکھا گیا ہے اس کو تنخواہ کے ساتھ کھانا بھی مقرر کیا گیا ہے آیا اس کا کھانا مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صرف صدقاتِ غیر واجبہ سے جو کھانا طلباء کھاتے ہیں۔ مثلاً گھر سے کھانا آتا ہے تو اس صورت میں مدرس کھانا لے سکتا ہے یا نہیں؟

مستفتی، عبدالشکور، مدرس مدرسہ اشاعت العلوم، منڈی چشتیاں، ضلع بہاولنگر۔

الجواب صدقاتِ واجبہ وغیر واجبہ کے مجموعہ میں سے جو کھانا پکتا ہے۔ اس کا جتنا حصہ ملازم کو تنخواہ میں دیا جائے گا۔ اس کے حصہ متناسب کے برابر زکوٰۃ و صدقہ واجبہ ادا نہ ہوگا۔ اور اہلِ مدرسہ کا ذمہ اس کے ساتھ مشغول رہے گا۔ البتہ اگر کھانا قیمتاً لیا جائے اور قیمت پھر مستحقین پر خرچ کر دی جائے اور ان کو دے دی جائے تو کھانا لینے کی گنجائش ہے۔ اور صدقہ غیر واجبہ سے اگر اہلِ مدرسہ کسی ملازم کو کھانا دے دیں تو جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
خیر محمد عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان

نو ایکڑ اراضی کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

ایک شخص کے پاس تقریباً آٹھ یا نو ایکڑ اراضی زرعی، مبلغ ڈیڑھ لاکھ روپے کی ہے۔ اور اس کی سالانہ آمد مبلغ پانچ ہزار روپے ہے۔ گھر کے سات آٹھ آدمی ہیں۔ بقول اس کے اس رقم سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔؟ نیز اس کی زمین پر عشر واجب ہوگا؟

الجواب امام محمد رح کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ جب کہ زیورات اور نقدی اس کے پاس نہ ہو۔ اور اگر نہ لے تو بہتر ہے۔ عشر بہر حال اس پر واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹/۱۱/۱۴۰۰ھ

مقروض کو مقدارِ نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

ہمارے ہاں ایک انیس ۱۹ سال کا لڑکا ملازم ہے جو کہ یتیم ہے۔ یہ لڑکا اپنی بیوہ ماں اور دو بہنیں جن کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ اور ایک بہن جو بیوہ ہے اور چھوٹے بچوں سمیت انہی کے ہاں رہتی ہے۔ ان سب لوگوں نے دہلی گیٹ میں گیلانیوں کی خالی زمین پر جھونپڑی کچی پکی سی ڈال رکھی ہے۔ اب گیلانیوں نے ان کو نوٹس دیا ہے کہ ہم نے اس جگہ پر سکول بنانا ہے۔ لہذا تم لوگ جگہ فارغ کرو۔ ظاہر ہے کہ عنقریب یہ لوگ دربدر ہو جائیں گے۔ از روئے

شریعت فتوے صادر فرمائیں کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے پچیس ۲۵ ہزار روپے کا مکان ان کو خرید کرکے دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکا اپنے لئے اور اپنی والدہ کے لئے اس مکان کا سودا کرلے تو مقروض ہو جانے کے بعد لڑکے اور والدہ کو اتنی رقم دینا درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۷/۱۴۰۳ھ

وکیل نے زکوٰۃ کو مصرف میں استعمال نہیں کیا تو کیسے بری ہو گا ؟

مہتمم نے زکوٰۃ کو بغیر شرعی حیلہ کے مختلف مدات میں استعمال کیا تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی ؟ زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی صورت میں کیا صورت اختیار کی جائے ؟

الجواب زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اصل تو یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اگر اس میں مشکلات ہوں تو اتنی رقم معطین کی طرف سے باقاعدہ تملیک کراکے مدرسہ میں خرچ کر دی جائے۔ ایک قول کے مطابق گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

لکن قد یقال تجزی عن الأمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ

(شامیة، ج۲، ص۱۴)

رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق تلک الدراهم فی حاجته ثم ردّ بدلها فی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذالک فان فعل فان عرف صاحب ذالک المال ردّ علیه او سأله تجدید الاذن فیه ان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم فیه ان تعذر علیه فی الاستیجار رجوت له فی الاستحسان ان ینفق مثل ذالک من ماله علی المسجد فیجوز۔ اھ (هندیه، ج۲، ص۲۵۲) - فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۱/۱۳۹۶ھ

مہمان کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں

زید کے ہاں مہمان آیا۔ اس نے تین دن ضیافت کے بعد زکوٰۃ کی نیت سے کھانا دینا شروع کیا اور اس کے ملک کرتا رہا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں ؟

الجواب فلو اطعم یتیما ناویا الزکوۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم لانه بالدفع الیه بنیة الزکوۃ یملکه فیصیر آکلا من ملکه بخلاف ما اذا اطعمه معه۔

(شامی، ج۲، ص۳)۔

جزئیہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ کیوں کہ یہ اباحت ہے تملیک نہیں۔ اور اگر کھانا اس کو بہ نیت تملیک دے دیا ہے خواہ وہ کھائے خواہ بیچے۔ تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ الحاصل بصورت تملیک، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور بصورتِ اباحت ادا نہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ | بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲/۲/۱۳۹۵ھ

غیر مسلم عامل زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہ دی جائے

مصارفِ زکوٰۃ میں اَلعَامِلِینَ عَلَیھَا کے متعلق کیا حکم ہے ؟ یہ عاملین کیف ما اتفق مستحق زکوٰۃ ہیں یا بشرطِ اسلام ؟ احمد شعیب، امیر مجلس الخطباء، ڈی۔ آئی۔ خان۔

الجواب اصل یہی ہے کہ عامل و محصلِ زکوٰۃ مسلمان ہوں۔ کافر مصرفِ زکوٰۃ نہیں۔ قال فی الدر ولا تدفع الی ذمی۔ اھ (شامی، ج۲، ص۹۳)۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۹/۷/۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ بنامِ قرض دینے کا حکم

زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگا۔ عمرو نے دس روپے دے دیئے۔ جب زید دہ روپے واپس دینے لگا تو عمرو

نے کہا کہ میں نے تو بہ نیتِ زکوٰۃ دیئے تھے اور دراقع میں اس نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی تھی۔ زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں ؟

الجواب زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ومن اعطی مسکیناً دراھم وسماھا ھبۃ او قرضا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ وھو الاصح۔

(عالمگیری: ج ۲، ص۳۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲۴/۸/۱۳۸۸ھ

عباسیوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

عباسیوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔؟

حاجی کرم داد، لوئر بازار مری۔

الجواب بنو عباس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ رشتہ دار ہوں۔ ان کی دیگر ذرائع سے امداد کی جاوے۔ ولا یدفع الی بنی ھاشم وھم اٰل علیؓ و اٰل عباس واٰل جعفر واٰل عقیل واٰل حارث بن عبدالمطلب۔اھ۔

(عالمگیری: ج ۱، ص۹۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	۲۹ - ۱۰ - ۱۳۹۶ھ

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

غیر مسلم اگر بالکل غریب ہو تو آیا اس کو صدقہ وخیرات یا زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حافظ حبیب احمد، مکتبہ امدادیہ، ٹی بی روڈ، ملتان

الجواب صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وعشر وغیرہ) کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو دیئے جا سکتے ہیں۔ ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی ویدفع الیہ ماسوی ذالک من الصدقۃ ۔اھ۔ (ھدایۃ ۔ج ۱ ۔ص۱۸۶)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۴/۱/۱۴۰۰ھ

اپنی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

کیا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا درست ہے ؟

الجواب جائز نہیں ہے۔ لا یصرف الی من بینھما ولاد۔اھ۔

(در مختار علی الشامیۃ: ج ۲، ص۸۶)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۷/۹/۱۳۹۶ھ

وکیل نے زکوٰۃ کا پیسہ اپنی ضرورت میں استعمال کرلیا پھر اپنے پاس سے مستحق کو دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

زید نے عمداً یا کسی مغالطہ کی بناء پر زکوٰۃ کو شرعی حیلہ کے بغیر مدرسہ کی ضروریات یا اپنی ضروریات میں صرف کرلیا۔ پھر اتنی رقم مدرسہ میں داخل کردی تو کیا زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟ جب کہ پیسے مدرسہ میں داخل کر دیئے گئے۔

الجواب صحیح صورتِ حال مالکان کو بتلا کر پھر ان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے۔ اور اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ بشرطیکہ تملیک کے بعد مدرسہ میں استعمال کی گئی ہو۔

"لکن قد یقال تجزی عن الاٰمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ"۔ (شامی: ج ۲، ص۱۴)۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق تلک الدراھم فی حاجتہ ثم رد بدلھا فی نفقۃ المسجد لا یسعہ ان یفعل ذالک فان فعل فان عرف صاحب ذالک المال رد علیہ او سألہ تجدید الاذن فیہ وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیہ ذالک رجوت لہ فی الاستحسان ان ینفق مثل ذالک من مالہ علی المسجد فیجوز اھ (ھندیہ ج ۲ ص۲۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۵/۱/۱۳۹۶ھ۔

تعمیرِ مکان کے لئے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ

زید کے پاس تقریبًا پانچ ہزار روپے جمع ہیں جو مکان وغیرہ کی تعمیر اور گائے خریدنے کے لئے جمع کر رکھے ہیں۔ اور زید کے چار چھوٹے بچے، بیوی اور والدہ ہے۔ کیا اس رقم پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ ہوگی یا نہیں ؟ نیز زید کے بیوی بچے جو غریب ہیں اگر انہیں اپنے کوئی رشتہ دار زکوٰۃ دیں تو ان کے لئے لینا درست ہوگا جبکہ زکوٰۃ دہندہ کوئی قریبی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔

الجواب جب تک نقدی کی شکل میں پیسے موجود ہیں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لہٰذا سال کے بعد ادائیگی ضروری ہے۔ اور انشاء اللہ یہ زکوٰۃ ادا کرنا مال میں اضافے کا سبب بنے گا۔ البتہ آپ کی بیوی اور والدہ وغیرہ زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ کوئی دوسرا شخص انہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ آپ کے نابالغ بچے آپ کی وجہ سے زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتے۔

ولا یجوز دفعها الی ولد الغنی الصغیر ۔اھ (عالمگیری ج ۱ ص۱۹۰)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱/۲۴/ ۱۳۹۸ھ

مالِ خبیث میں زکوٰۃ واجب نہیں

ایک شخص بینک میں ملازم ہے اپنی تنخواہ سے کچھ پس انداز کرتا رہا اور یہ رقم نصاب کو پہنچ گئی اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟ مولوی محمد عبداللہ، حاصلپور قدیم۔

الجواب مذکورہ مال نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہ سارا مال واجب التصدق ہے۔ فی القنیة لو کان الخبیث نصابا لا یلزمه الزکوٰة لان الکل واجب التصدق علیه فلا یفید ایجاب التصدق ببعضه ۔اھ۔ (شامیة : ج ۲، ص۳۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح : بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۹/ ۲/ ۱۳۹۷ھ

ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے

ایک آدمی کے پاس ٹریکٹر ہے جو کہ ذریعۂ معاش ہے۔ یعنی لوگوں کی زمینوں میں ہل وغیرہ چلا کر

اس کی آمدن حاصل کی جاتی ہے۔ آیا ٹریکٹر کی قیمتِ خرید پر زکوٰۃ واجب ہوگی ؟

الجواب ٹریکٹر کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اس سے جمع شدہ مالیت نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

" قوله وكذالك آلات المحترفين) ای سواء كانت مما لا تستهلك عینه فی الانتفاع كالقدوم والمبرد اھ ۔ (شامیة : ج ۲ ص۱۱)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/ ۷/ ۱۴۰۰ھ

زکوٰۃ میں دینے کے لئے رکھے ہوئے پیسوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں

ایک آدمی کے پاس زکوٰۃ کے اپنے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ کسی دوسرے آدمی کو ضرورت ہو تو کیا وہ دستی طور پر اسے دے سکتا ہے۔ یعنی جب وہ واپس کرے گا تو وہ مستحق کو پہنچا دیئے جائیں گے ۔؟ حسین علی نقشبندی، مدرسہ موسویہ، ملتان۔

الجواب فقیر کی ملکیت میں پہنچنے سے پہلے پہلے یہ اسی کا مال ہے حسبِ منشاء اس کو صرف کر سکتا ہے۔ ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقیر ۔اھ ۔ (درمختار علی الشامیة ج ۲ ص۱۵)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴/ ۲/ ۱۳۹۸ھ

حکومت جو زکوٰۃ کا پیسہ مدارس کو دیتی ہے وہ لے سکتے ہیں یا نہیں

موجودہ حکومت عشر و زکوٰۃ بالجبر وصول کرتی ہے اور عوام کے اندر تقسیم کرتی ہے۔ اور اس زکوٰۃ کو مدارسِ عربیہ بھی لے رہے ہیں۔ اور اس میں چند امور قابلِ غور ہیں۔

کیا زکوٰۃ و عشر فی الحقیقت صحیح ہے ؟ جب کہ یہ سود فنڈ سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور مالکان

رقوم سے اجازت بھی نہیں لی جاتی۔ کیا یہ زکوٰۃ وعشر کی رقم پبلک اور مدارس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور بعض مدارس والے طیب اور حلال سمجھتے ہیں اور لے لیتے ہیں۔ اور بعض مدارس اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

الجواب حکومت کے طریق کار سے قطع نظر جن مدارس یا اصحاب کو یہ رقم جس نام سے دی جاتی ہے وہ اس کے مصرف ہوں تو ان کے لئے لینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔

وکیل نے زکوٰۃ کے پیسے اپنی مستحق بیوی کو دیدیئے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی!

زید نے خالد کو دس روپے دیئے اور کہا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے ہیں کسی مستحق کو دے دو۔ خالد نے سوچا کہ میری بیوی غریب ہے۔ صاحب نصاب نہیں ہے، اس نے وہ دس روپے اپنی بیوی کو دے دیئے، آیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں۔ اور خالد گناہگار رہا یا نہیں؟

۲: زید کسی مدرسے میں مدرس ہے۔ مکان مدرسہ والوں نے دیا ہے۔ اس مکان میں جو اہل مدرسہ نے دیا ہے زید اس میں رہائش کرتا ہے۔ زید کو کسی نے زکوٰۃ کا روپیہ دیا کہ مدرسہ میں دے دو یا کسی مستحق کو دے دو۔ زید دل میں سوچتا ہے کہ مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کی بجائے اگر اس رقم سے دروازہ خرید کر مکان کو لگا دیا جائے تو مکان چونکہ مدرسہ کا ہے، دروازہ بھی مدرسے کا ہو جائے گا اور مجھے جو تکلیف ہے کہ مکان کا دروازہ نہیں ہے وہ تکلیف بھی رفع ہو جائے گی۔ اگر زید اس زکوٰۃ والی رقم سے دروازہ خرید کر مدرسہ کے مکان کو لگا دے تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب ۱: زکوٰۃ ادا ہوگئی، خالد گناہگار نہیں ہوگا۔ وللوکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حیث شئت۔ (شامی ج ۲، ص ۱۵)۔ ۲: زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ تملیک نہیں پائی گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۰/۳/۲۸ھ	الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

اپنے مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر قرض میں واپس لینے کا حکم

زید نے بکر سے تقریباً تین چار سال قبل مبلغ تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) روپیہ قرض حسنہ لیا تھا اور جب بکر نے واپسی کا مطالبہ کیا تو وہ کہتا ہے کہ میں جلدی دے دوں گا۔ لیکن اسی دوران میں زید نے ایک پلاٹ اپنی بیوی کے نام خرید کیا۔ کچھ اپنا پیسہ اور کچھ دوستوں سے لے کر، جب مکان بنانے کا مرحلہ آیا تو زید نے کارپوریشن سے پلاٹ گروی رکھ کر سود پر قرض لیا۔ جو تقریباً ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) کے قریب ہے۔ بکر نے جب زید سے اپنے تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) روپے کا مطالبہ کیا تو زید نے اپنی مجبوریاں ظاہر کرنی شروع کر دیں کہ میری اتنی، ماہوار تنخواہ ہے۔ میرے گھر کا خرچہ مشکل سے پورا ہوتا ہے۔ بچے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور تقریباً دس گیارہ بچے ہیں۔ کیا بکر اپنی زکوٰۃ میں سے یہ پیسے کاٹ سکتا ہے جب کہ بکر موجودہ قرضہ سے کہیں زیادہ خدا کے فضل سے زکوٰۃ دیتا ہے۔

الجواب زید کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی صورت میں بکر اپنی زکوٰۃ زید کو دے سکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک روپے والے نوٹ کی صورت میں زید کو زکوٰۃ دی جائے۔ پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کر لی جائے۔

وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یاخذها عن دینه اهـ۔ (درمختار علی الشامیة، ج ۲ ص ۱۶)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴۰۲/۸/۸ھ	الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہذا

بر سر روزگار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

زید کے پاس کسی قسم کی مالیت کا نصاب نہیں، لیکن برسر روزگار ہے۔ کیا زید کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جا سکتا ہے؟

قاری غلام نبی۔ ممتاز آباد: ملتان

الجواب زید کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ بیک وقت نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ نہ دی جائے۔

ھو فقیر وھو من له ادنی شیء ای دون نصاب او قدر

نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة ۔ اھ (درمختار علی الشامیۃ ج ۲ ص)

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۳۹۹/۱۲/۲۰ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

قومی اتحاد کو زکوۃ دینے کا حکم

آج کل موجودہ تحریک جو کہ قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چل رہی ہے اس تحریک کے بارے میں علماء نے جہاد کا فتویٰ دیا ہے آیا اس میں زکوۃ دینا جائز ہے ۔ ؟ ۔

حاجی محمد حنیف ، صدر انجمن تاجران شہر بہاولنگر ۔

الجواب زکوۃ و صدقات کا مصرف عام فقراء و مساکین ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث او فقہ میں مذکور ہے ۔ قومی اتحاد ہر چند کہ علمبردار جہاد ہے مگر یہ کوئی وجہ استحقاق زکوۃ نہیں ہے ۔ زکوۃ تب ہی ادا ہوگی جب اس کے مصرف کو دی جائے ۔ جب کوئی سیاسی یا دینی جماعت زکوۃ و صدقات کی اپیل کرے ، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوۃ کو مصرف تک پہنچا دیں گے ۔ ظاہر ہے کہ جلسہ و جلوس کا انتظام اور کارکنان کو تنخواہ مال زکوۃ سے نہیں دی جاسکتی ۔ البتہ جماعت میں جو فقراء شامل ہوں وہ مستحق زکوۃ ہیں ۔ ویسے ہی جو زخمی ہوں اور مصرف زکوۃ ہوں ، ان کی ادویات وغیرہ خرید کر زکوۃ کے مال سے دی جاسکتی ہیں ۔

الحاصل اگر کسی جماعت کے ہاں زکوۃ کو اس کے صحیح مصرف تک پہنچانے کا انتظام ہو ، اور کارکنان پر اعتماد ہو کہ وہ اس میں سستی نہیں کریں گے تو زکوۃ دی جاسکتی ہے مگر اس کا اہتمام کم ہوتا ہے (" آتوا الزکوٰۃ " کا مطلب صرف جیب سے پیسہ نکال دینا نہیں ہے بلکہ صحیح مصرف تک پہنچا دینا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے ۔) فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

خیر المدارس ملتان ۱۳۹۷/۵/۱۵ھ

بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں

۱ ، قریشی ۔ ۲ ، ہاشمی خاندان کو زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ ۲ ، اگر لاعلمی سے زکوۃ دے

دی گئی ہو تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ۱ ، باستثناء بنو لہب ، بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ۔ درمختار میں ہے

ولا الی بنی ھاشم الا من ابطل النص قرابتہ و ھم بنو لھب فتحل لمن اسلم منھم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاھر المذھب المنع اھ۔

شامی میں ہے ۔

عبد المطلب اعقب اثنی عشر تصرف الزکاۃ الی اولاد کل اذا کانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس و حارث و اولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل قہستانی اھ (ج ۲ ص۹)۔

۲ ، زکوۃ ادا ہوگئی مگر علم ہونے کے بعد نہ دے ۔

عملا علی روایۃ ابی عصمۃ تسھیلا علی المزکی اھ (امداد المفتین ج ۱ ص ۳۱۱)

باستثناء مذکورین قریش کو زکوۃ دینا جائز ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۸ / ۳ / ۱۳۹۶ھ

زکوۃ کے پیسے امام مسجد کو دینے کا حکم

ائمہ مساجد کو زکوۃ و عشر و صدقۃ الفطر اور چرم قربانی وغیرہ دیئے جاتے ہیں ۔ عام ماحول عرف اور خود تجربہ کے پیش نظر چند امور پیش خدمت ہیں تا کہ ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب سے مستفید فرمائیں ۔

۱ ، اول یہ کہ روز اول تقرر امام کے وقت ایجاب و قبول صریحی بھی حقیقی اجرت کا نام اجرت نہیں ذکر کیا جاتا ۔

۲ ، اگر یہ لوگ زکوۃ نہ دیں یا ان میں بعض نہ دیں تو اگرچہ امام کا گزارہ ہوتا ہے مگر امام ان سے مطالبہ کرتا ہے اور ناراض ہوتا ہے بلکہ جواب دے کر امامت چھوڑ دیتا ہے ۔

۳ ، امام اگر اپنے فرائض میں کمی کرے یا نہ کرے جو بہت سارے فرائض ہیں ، تو لوگ بھی زکوۃ وغیرہ

کچھ نہیں دیتے، بلکہ جواب دے دیتے ہیں

۴:۔ بستی کے لوگ اگر کسی اور فقیر یا کسی عالم وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں تو پوچھا کرتے ہیں یا اگر امام کو پتہ چلتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عوام وخواص کی نظر میں امام فقیر نہیں اس لئے مصرف زکوٰۃ نہیں مگر لوگ اجرت کے طور پر تنخواہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس صورت میں امام اجرت کے طور پر زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب اور تفصیلی حکم سے مستفید فرمائیں۔

عبدالحفیظ: شریک دورۂ حدیث، مدرسہ بحرالعلوم
نند سریاب کسٹم مستونگ روڈ، کوئٹہ، بلوچستان

الجواب

زکوٰۃ کی رقم بطور اجرت امام صاحب کو نہیں دے سکتے۔ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ کیوں کہ زکوٰۃ کی تعریف یہ ہے۔

تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى: (عالمگیری ج۱ ص۱۷۰)

مال زکوٰۃ بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ دینے والے کی کوئی منفعت اس مال سے متعلق نہ ہو۔ مستاجر ملازم سے اس مال کے عوض منفعت حاصل کر چکا ہے۔ ہندیہ میں ہے۔

"لو نوى الزكاة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان الخليفه بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزأه والا فلا۔ (ج۱ ص۱۹۰)

اس جزئیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ استیجار کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ نیز چرم قربانی کی قیمت کا حکم زکوٰۃ کی مثل ہے۔ اس قیمت کو ذابح یا قصائی کو بطور اجرت نہیں دے سکتے۔ ہندیہ میں ہے۔ ولا ان يعطى اجر الجزار والذابح منها۔ (ج۴ ص۸۳)۔

الحاصل اگر لوگ امام مسجد کو زکوٰۃ کی رقم بطور تنخواہ کے دیتے ہوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ایسے لوگ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ ۱/۳/۱۴۰۸ھ

اندازہ میں غلطی کی وجہ سے مقدار واجب سے زیادہ زکوٰۃ دے دی تو زائد کو آئندہ سال کے حساب میں شمار کر سکتے ہیں

اگر کوئی شخص اندازے سے زکوٰۃ کاٹے اور بعد میں حساب کرنے پر معلوم ہو کہ سات آٹھ روپے زائد نکال دیئے۔ تو کیا اس زائد مقدار کو اگلے سال کی زکوٰۃ میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

الجواب

زکوٰۃ سے زائد رقم کو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔ شامی میں بحوالہ ولوالجیہ منقول ہے۔ ولو كان عنده اربعة مائة درهم فادى زكوة خمس مائة ظانا انها كذالك كان له ان يحسب الزيادة للسنة الثانية لانه امكن أن يجعل الزيادة تعجيلا۔ (ج۲ ص۱۷)۔

الجواب صحیح	فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔

مقروض معترف ہو تو زکوٰۃ واجب ہے

ایک شخص نے قرضہ لیا اس کا اقرار کرتا رہا۔ آخر چودہ سال گزر گئے۔ مالک پر کتنے سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے؟

الجواب

اگر یہ رقم بقدر نصاب ہے تو گزشتہ چودہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وفى مقر به تجب مطلقا سواء كان مليا او معسرا۔اھ (هنديه، ج۱، ص۹۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ: ۲۲/۴/۱۳۹۵ھ

نوٹوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر ایک شبہ کا جواب

آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ مال نہیں بلکہ ایک قسم کا چیک اور حوالہ ہے جب

نوٹ مال نہیں تو پھر نوٹوں پر زکوۃ فرض ہی نہیں ؟

ہاں آپ نے لکھا ہے کہ کاغذ کے بدلے حکومت نقد روپیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہے ۔ تو پھر یہاں سے معلوم ہوا کہ اصل مال کا جب وہ مالک بنے گا تو پھر اس پر زکوۃ فرض ہوگی ، وگرنہ ہرگز نہیں ۔ کیوں کہ اس کے پاس تو ایک قسم کا چیک ہے اصل مال نہیں ۔ جب اصل مال نہیں تو زکوۃ بھی لازم نہیں ۔ ؟

تیسری بات یہ ہے کہ جیسے آپ نے لکھا ہے کہ " اگر خدانخواستہ وہ نوٹ فقیر کے ہاتھ سے گر کر گم ہو جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی "

معترض نے اس پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک شخص غلہ خرید کرتا ہے ۔ وہ نوٹوں کی ایک رقم ادا کرتا ہے مگر گیرندہ جب وصول کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس سے وہ گم ہو جاتے ہیں تو جو شخص رقم ادا کر رہا ہے وہ ابھی قرض دار رہا ۔ کیوں کہ اصل چیز ادا نہیں کی ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ زکوۃ دہندہ غلہ یا کپڑا وغیرہ بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب پہلے آپ یہ بتائیں کہ اگر کسی کا کسی پر قرض ہو تو جو قرض میں مال دیا ہوا ہے اس کی مالک پر زکوۃ ہے یا نہیں ؟ جب اس میں زکوۃ ہے تو نوٹ کا معاملہ تو قرض سے بھی زیادہ اہم ہے ۔ کیونکہ قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بہت سے مقدمات طے کرنے پڑتے ہیں ۔ بلکہ قرض پر قبضہ اختیاری بھی نہیں ، وہ دوسرے کے اختیار میں ہوتا ہے ۔ بخلاف نوٹ کے کہ جب چاہے جس وقت چاہے بینک سے ، بازار سے ، جہاں سے چاہے نوٹ دے کر مال پر قبضہ کر سکتا ہے ۔

باقی آپ کا جو غلے والا شبہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مشتری بائع کو اصل مال نہیں دیتا بلکہ ایک چیک دیتا ہے اور حکومت کا حوالہ دیتا ہے کہ میرے حکومت کے ذمہ اتنے روپے ہیں تم وصول کر لینا ۔ اور حکومت نے پہلے ہی سے حوالہ قبول کیا ہوا ہے ۔ کیونکہ نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اتنے روپے عند المطالبہ سرکاری خزانہ سے دے دیئے جائیں گے ۔ اور جب بائع وہ نوٹ لے لیتا ہے تو یہ بھی گویا اس کو قبول کر لیتا ہے ۔ تو جب حوالہ تام ہو جائے پھر محتال کو محیل پر رجوع کا حق نہیں ہوتا ۔

ہاں اس وقت رجوع کا حق ہوتا ہے جب محتال علیہ سستی کرے ۔ اور یہاں تو محتال علیہ یعنی

حکومت کی طرف سے کوئی سستی نہیں ۔ اور بعد حوالہ کے تام ہونے کے محیل دَین سے بری ہو جاتا ہے

اذا تمت الحوالة برئ المحيل من الدين بالقبول ۔ (ہدایہ ج۳ ص۱۱۳)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ بائع اگر نوٹ گم کر دے تو اس کو دوبارہ مشتری پر رجوع کا حق نہیں ۔ اور نہ ہی مشتری اس کا مقروض متصور ہوگا ۔ اور زکوۃ میں غلہ و کپڑا وغیرہ ادا کرنا جائز ہے اس سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ اصغر علی عفرلہٗ
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ	۲۶ محرم الحرام ۱۳۷۶ ھ

تنخواہ وصول ہونے سے پہلے نصاب میں شمار نہیں ہوگی

ایک شخص کچھ رقم کا مقروض ہے ۔ اس سے کم اس کے پاس نقد موجود ہے ۔ لیکن مستاجر پر اس کی تنخواہ واجب ہے ۔ کیا اس تنخواہ کو جو مہینہ ختم ہونے سے اس کا حق ہو چکی ہے مستاجر پر قرض شمار کر کے صاحبِ نصاب ہونے یا نہ ہونے میں یا مقدارِ زکوۃ کا حساب لگانے میں اس کو شمار کیا جائے گا یا نہیں ؟

اور کیا جتنے دن مہینے کے گزر گئے ہوں اتنے دن کی تنخواہ کا بھی حساب لگانا چاہیئے ؟

آفتاب احمد حال وارد خیر المدارس ملتان

الجواب تنخواہ بدلِ منافع ہے اور عبد للتجارت کی اجرت کو دینِ ضعیف یا متوسط سے قرار دیا گیا ہے ۔ بلکہ ایک روایت دینِ قوی کی بھی ہے ۔ (کمافی الشامیة ، ج ۲ ، ص ۵) ۔

لیکن منافعِ حر کو مال قرار دینا دشوار ہے لہذا منافعِ حر کا معاوضہ دینِ ضعیف میں داخل ہوگا ۔ اور دینِ ضعیف کا حکم بعد قبضہ جب کہ دوسرا مال بھی موجود ہو وہی ہے جو مالِ مستفاد فی اثناء الحول کا ہے ۔ کما فی الشامیة ، ج ۲ ص ۲۹ ۔

وهذا كله اذا لم يكن له مال غير الدين فان كان له غير ما قبض فهو كالفائدة فيضم اليه "

پس صورتِ مسئولہ میں اختتامِ سال پر تنخواہ کو وصول شدہ تصور کرتے ہوئے نصاب کی تکمیل کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ تاوقتیکہ وصول نہ ہو جائے۔ البتہ بعد الوصول دوسرے مال کو ملا کر فوراً نصاب شمار ہو گا۔ جب کہ دوسرا مال موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۸۲/۹/۱۲ھ

پاکستانی دوسو روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں

علمائے چترال نے سونا چاندی نہ ہونے کی صورت میں دوصد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب کر رکھی ہے۔ برسوں سے اس پر عمل جاری ہے۔ جب ان سے سند مانگی گئی تو انہوں نے بیچ ذیل عبارت بطور سند پیش کی۔

وقالوا لو الجی ان الزکوۃ تجب فی الغطارفة اذا کانت مأتین لانها الیوم من دراهم الناس وان لم تکن من دراهم الناس فی الزمن الاول وانما یعتبر فی کل زمان عادة اهل ذالك الزمان اهـ (بحر الرائق ج ۲ - ص ۲۲۷)۔

نوٹ! غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

الجواب دوصد پاکستانی روپے پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ بلکہ جب اتنی مقدار کو پہنچ جائے جن سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے تب زکوٰۃ واجب ہو گی۔ کیوں کہ ان میں چاندی معدوم ہے تو یہ مثل فلوس ہوئے۔ اور فلوس جب سکہ رائجہ ہو تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جب ان کی قیمت ادنیٰ نصاب کو پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ شامی میں ہے۔

فی الشرنبلالیة الفلوس ان کانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزکاة فی قیمتها والا فلا۔ (ص۳۲ مصری)۔

اور یہ حکم یعنی معمولی تفاوت کے ساتھ دراہم مغشوشہ کا ہے جن پر کھوٹ غالب ہو۔ جیسے ستوقہ بحر میں ہے۔

ان غلب الغش فلیس کالفضة کالستوقة فینظر ان کانت رائجة او نوی التجارة اعتبرت قیمتها فان بلغت نصابا وجبت فیها الزکوة والا فلا۔ اهـ (ج ۲ - ص۲۲۵)۔

الحاصل پاکستانی روپیہ معدوم الفضہ ہو یا مغلوب الفضہ ہو، دونوں صورتوں میں اس کا حکم معلوم ہو گیا اور ولوالجی کا جو قول بحوالہ بحر سوال میں مذکور ہے، اوّلاً تو وہ مقید ہے اس قید کے ساتھ کہ ان کی مالیت عہد نبوی کے دوصد اصغر الدراہم سے کم نہ ہو۔ فتح القدیر میں اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

الا انی اقول ینبغی ان یقید بما اذا کانت لهم دراهم لا تنقص عن اقل ماکان وزنا فی عهده صلی الله علیه وسلم وهی ما تکون العشرة وزن خمسة لانها اقل ماقدر النصاب بمأتین حتی لا تجب فی المائتین من الدراهم المسعودیة الکائنة بمکة وان کانت دراهم قوم۔ (بحر، ج ۲ ص۲۲۵)۔

ثانیاً یہ کہ قول ولوالجی مرجوح ہے۔ بحر الرائق، ج ۲، ص ۲۲۵ - پر ہے۔

”فاما الغطارفة فقیل یجب فی کل مائتین منها خمسة منها عددا لانها من اعز الاثمان والنقود عندهم وقال السلف ینظر ان کانت رائجة او سلعا للتجارة تجب الزکوة فی قیمتها کالفلوس وان لم تکن للتجارة فلا زکوة فیها لان ما فیها من الفضة مستهلك لغلبة النحاس علیها فکانت کالستوقة وفی البدائع قول السلف اصح - اهـ

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غطارفہ میں بھی چاندی ہوتی ہے۔ گو مغلوب ہو۔ تو یہ لکھنا درست نہیں کہ غطارفہ اس سکہ کو کہتے ہیں جس میں چاندی نہ ہو۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۲۲/۸/۱۳۹۸ھ

دینی اداروں کے مخلص و جان نثار کارکن جب ضعف و پیری کے سبب خدمات سرانجام دینے کے قابل نہ رہیں تو ادارہ زکوٰۃ سے ان کی مُستَقِل اِمداد کر سکتا ہے

علمائے کرام نے مغلیہ دور کے بعد انگریزی دور میں تقسیمِ ملک کے بعد پاک و ہند میں ہر قسم کی مصائب و مشکلات کے باوجود تبلیغی اور تدریسی سلسلہ جاری رکھا اور دین کے بقا کے لئے جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ اوّل تو معاوضہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر معاوضہ مل بھی گیا تو بہت قلیل مقدار میں لیکن تبلیغِ اسلام اور دینی تعلیم اور تربیت میں خلاء پیدا نہ ہونے دیا اور یہ دینی خدمات محض حسبۃً للہ انجام دیں۔ معاوضہ کے بارے میں نہ کبھی اضافہ کا اظہار کیا، اور نہ کمی کا گلہ کیا۔

بہر حال زندگی بھر رضائے الٰہی کے لئے کام کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ایثار پیشہ لوگ سلف میں تو بہت پائے جاتے ہیں لیکن اس دورِ قحط الرجال میں تو ایسے بزرگوں کا وجود شاذ و نادر ہے۔ تاہم کچھ بزرگ آج بھی موجود ہیں جو دینی درس گاہوں اور تبلیغی اداروں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور قلیل مشاہرے کی وجہ سے پس انداز نہیں کر سکتے۔ اور جب دینی خدمات کے قابل نہیں رہتے اور ضعف و پیری وغیرہ کے سبب کوئی کام بھی نہیں کر سکتے جو اس وقت قوت لایموت کا ذریعہ بن سکے۔ تو کیا ایسے حالات میں ان علمائے کرام کو جنہوں نے اپنی تمام زندگی دینی درس گاہوں یا تبلیغی اداروں میں کام کیا ہو، اور کام کی نوعیت بھی اکابر کی طرح خلوص و ایثار پر مبنی ہو، اور کام بھی جانفشانی کے ساتھ ہو، اور کوئی اولاد یا قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اور کوئی پس انداز رقم یا جائیداد بھی نہ ہو، جو ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفیل ہو سکے۔ اور ان کی حالت بھی دورانِ کام یہ رہی ہو کہ جو مل گیا اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھا۔

آیا ایسے کارکنوں کو ادارہ جس میں انہوں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ از روئے شریعت کسی قسم کی مالی امداد دے سکتا ہے؟ اس کی مقدار کیا ہو اور طریقِ ادائیگی کیا ہو؟

مستفتی: (حضرت مولانا) محمد علی جالندھری (رحمہ اللہ تعالیٰ)
ناظم مرکزیہ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت: تغلق روڈ، ملتان

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ادارہ ایسے مخلص کارکنوں کی کئی صورتوں سے امداد کر سکتا ہے۔

۱:- تخفیفِ کار اور تقلیلِ مشاہرہ۔ یعنی سابقہ کام کی نوعیت تبدیل کر کے شخصِ مذکور کو ایسا کام دیا جائے جو بآسانی کر سکتا ہو۔ اور مناسب قلیل مشاہرہ طے کر لیا جائے جو بقدرِ کفایت ہو۔

۲:- اگر یہ مبلغ اس قابل بھی نہ ہو، تو بشرطِ فقر زکوٰۃ سے اس کی اعانت کی جاسکتی ہے۔ جب کہ تملیک کرا کے تعمیرات و مشاہرات پر رقم صرف ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے اولیٰ یہ ہے کہ بدون حیلہ زکوٰۃ اپنے مصرف میں صرف ہو جائے۔

۳:- ایسے مخلص کارکنان کی کفالت و سرپرستی کی مناسب صورت اور قابلِ تحمل شرح تجویز کر کے اپنے ضوابط و آئین میں اس امر کا اضافہ کر لیں۔ چندہ دہندگان اور عوام الناس میں جب یہ مشہور و معلوم ہو جائے گا تو اس مد پر خرچ بھی جائز ہو جائے گا۔ جیسے کہ دوسری مدات میں خرچ کیا جاتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۲۶/۱۱/۱۳۹۰ھ	بندہ محمد اسحاق غفر لہٗ ۲۵/۱۱/۱۳۹۰ھ

صرف بے آباد زمین ملکیت میں ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے

سائل مشتاق احمد ٹانگوں سے معذور ہے کسی قسم کی نقدی اور مال میرے پاس نہیں ہے تھوڑی سی بے آباد زمین ہے جس سے کسی قسم کی آمدنی نہیں ہوتی۔ کیا بندہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

الجواب: سائل کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ مثل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوة (شامی ۲/۳۴۳)

فقط واللہ اعلم۔ محمد انور عفا اللہ عنہ ——— الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مزدوری سے جمع شدہ غلہ کو تجارتی غلہ میں شامل نہیں کیا جائے گا

ایک شخص کے پاس ماہِ جنوری ۱۹۶۳ء میں نصابِ زکوٰۃ کی نقدی جمع ہوگئی۔ مالک نے اس نقدی کا غلہ گندم برائے تجارت لے کر رکھ دیا۔ پھر قبل از حولانِ حول اپنی مزدوری کا جمع شدہ غلہ بیس من ہوگیا۔ اب ماہِ جنوری ۱۹۶۴ء میں زکوٰۃ دینی ہے کیا مستفاد غلے سے بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

الجواب مستفادِ مذکورہ (مزدوری کے غلہ) میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگرچہ اسے فروخت کرنے کی بھی نیت ہو۔

" وفی اول الاشباہ ولو قارنت النیۃ مالیس بدل مال بمال لا تصح علی الصحیح۔ (درمختار۔ ج ۲۔ صـ۱۰ شامی)۔ پہلے غلہ میں زکوٰۃ واجب ہے۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۳۸۴/۷/۲۵ھ

نوٹ! ذیل کا جواب اس صورت میں ہے۔ جب کہ مزدوری میں بعینہ غلہ حاصل کیا گیا ہو اور اگر مزدوری یا تنخواہ کی رقم سے بغرضِ تجارت غلہ مستفاد خریدا گیا تو اس صورت میں غلہ مستفاد پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جائے۔ فقط

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

رہائش کیلئے خریدے ہوئے پلاٹوں کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ دیگر پلاٹ وغیرہ بھی ہیں۔ جنہیں خریدتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ وہ یہ پلاٹ اپنے بھائیوں یا بچوں میں تقسیم کرے گا۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کو ان پلاٹوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب مسئولہ پلاٹوں کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ اگر اس کی کچھ آمدنی ہو۔ مثلاً کرایہ وغیرہ آتا ہے۔ تو آمدنی میں صاحبِ نصاب پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے۔" ولا فی ثیاب البدن واثاث المنزل ودور

السکنی ونحوھا۔

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔

قولہ ونحوھا ای کثیاب البدن الغیر المحتاج الیھا وکالحوانیت والعقارات اھ (شامیۃ ج ۲ صـ۱۰)۔ وکذا فی فتاوی دارالعلوم۔ ج ۶۔ ص ۱۴۲)۔

فقط واللہ اعلم	الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نصاب سے کم سونے کو چاندی کیساتھ کیسے ملایا جائے

ایک شخص نصابِ چاندی ۵۲½ تولہ کا مالک ہے اور پانچ تولہ سونا علاوہ چاندی کے ہے۔ کیا اس سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا؟ اور زکوٰۃ ہوگی یا اتنی مقدار سونے پہ زکوٰۃ نہیں ہے؟ احمد یار، دین پور متصل بہاولنگر

الجواب اس سونے کو چاندی سے قیمت کے لحاظ سے ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔ یعنی سونے کی قیمت لگا کر اس چاندی میں ملا لیا جائے گا۔

وقیمۃ العروض للتجارۃ تضم الی الثمنین لان الکل للتجارۃ وضعا وجعلا ویضم الذھب الی الفضۃ وعکسہ بجامع الثمنیۃ قیمۃ۔ (درمختار علی الشامیۃ۔ ج ۲۔ ص ۴۵)۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

کون کون سی اشیاء حوائج اصلیہ میں شمار ہوں گی

۱:۔ ضروریاتِ زندگی سے زائد سامان جو بقدرِ نصاب ہو، اس پر صدقہ فطر و قربانی کے وجوب کے فقہاءِ کرام قائل ہیں اس کی تفسیر کیا ہے۔

۲:۔ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک کی شرط پر غالباً اجماع ہے۔ لیکن مولانا عثمانی رحمہ اللہ " وفی الرقاب"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یا خرید کر آزاد کئے جائیں یا فدیہ دیا جائے ۔ یہ بظاہر اجماع اور کم از کم فقہ حنفی کے خلاف ہے ۔ اس کی توجیہ سے مطلع فرمائیں ۔

الجواب

۱ ۔ ضروری سامان بظاہر وہی ہے جو عام طور پر زیر استعمال رہتا ہے اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہوتی ہے ۔ مراقی الفلاح میں ہے ۔

وهي مسكنه واثاثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة اه

وفي الشامية لا بأس ان يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأثث به في منزله وخادم وفرس اه ۔ (ج ۲ ۔ ص ۸۸) ۔

ابن ملک نے حاجت اصلیہ کی تفسیر یہ کی ہے ۔

هو ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا كالدين ۔ اه

بہشتی زیور میں ضروری سامان کی تشریح میں لکھا ہے ۔

" اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے " (ج ۳ ص ۳۶) نیز ج ۳ ص ۳۲ پر ہے " رہنے کا گھر پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لئے نوکر اور گھر کی گرہستی جو اکثر کام میں رہتی ہے یہ سب ضروری سامان میں داخل ہیں " اھ

تشریحاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ ضروری سامان کی تعریف میں زیر استعمال ہونا اور اس کے نہ ہونے سے تکلیف ہونا ، داخل ہے ۔ اس ضرورت و استعمال سے مراد اضطرار نہیں ، بلکہ نفس حاجت ہے ۔ اور مباح الاستعمال ہونا بھی لازم ہے ۔ ہاں اس میں تقدیر نہیں کفایت کا اعتبار ہے

قال في المراقي والمعتبر فيه الكفاية لا التقدير ۔ اه

جو اشخاص و حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے ۔ مثلاً ایک کیلئے سائیکل کافی ہے دوسرے کے لئے موٹر کار ضروری ہے ۔ لیکن وجوب اضحیہ کا مدار قدرت ممکنہ پر ہے ۔ اس لئے اس میں زیادہ توسیع منشائے شارع اور تصریحات فقہاء کے خلاف ہوگی ۔ عبارات فقہاء رحمہم اللہ کا لحاظ ضروری ہے ۔ کپڑوں کے تین جوڑے ضروری ہیں ۔ زائد کو غیر ضروری قرار دیا ہے ۔ کسان کے لئے ایک جوڑا بیلوں کا ضروری ہے ۔ زائد غیر ضروری ہے ۔ اسی طرح اس کے لئے بھینس کو

غیر ضروری زائد قرار دیا ہے ۔

رئیس قریہ کے لئے ایک گھوڑا حاجت ہے ۔ زائد نہیں ۔

یہ جزئیات عالمگیری میں موجود ہیں ۔ عبارات بالا اور ان جزئیات میں کہیں اس امر کا نشان نہیں کہ جس سامان کا فقدان باعثِ عار ہو ۔ وہ بھی حوائج اصلیہ میں داخل ہے ۔ اس لئے موجودہ معاشرہ میں دلہن کے تمام جہیز مروج کو سامانِ ضرورت قرار دینا مشکل ہے ۔ ہاں جہیز میں اس جیسی دلہن کیلئے جو چیزیں زیر استعمال رہیں گی وہ ضروری ہیں ۔ اور اس سے زائد کا حساب کیا جائے گا ۔ جو بغرض زینت و نمائش اور تفاخر دی جاتی ہیں ۔

علامہ شامی رح لکھتے ہیں ۔

وسئلت عن المرأة هل تصير غنية بالجهاز الذي تزف به الى بيت زوجها والذي يظهر مما مر ان ما كان من اثاث المنزل وثياب البدن واواني الاستعمال مما لا بد لامثالها فهو من الحاجة الاصلية وما زاد على ذالك من الحلي والاواني والامتعة التي تقصد بها الزينة اذا بلغ نصابا تصير به غنية ۔ اه (ص ۹۹)

۲ ۔ " وفي الرقاب " کی تفسیر میں دو قول ہیں ۔

۱ ۔ اس سے مراد مکاتب ہیں ۔ زکوٰۃ مکاتب کو دی جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر سکے ۔ اس میں تملیک متحقق ہو جاتی ہے ۔ جمہور اسی کے قائل ہیں ۔ اور بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔

۲ ۔ عام مراد ہے ۔ مکاتب ہو یا دوسرا غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ۔ امام مالک رح و احمد رح و اسحاق رح اسی کے قائل ہیں ۔

" واما الرقاب فروي عن الحسن البصري ومقاتل ابن حبان وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير والنخعي والزهري وابن زيد انهم المكاتبون وروي عن ابي موسى الاشعري نحوه وهو قول الشافعي والليث رضي الله عنهما وقال ابن عباس والحسن لا بأس ان تعتق الرقبة من الزكوة وهو مذهب اسحق ومالك واحمد اي ان

الرقاب اعم من ان یعطی المکاتب او یشتری رقبۃ فیعتقها استقلالاً ۔ (ابن کثیر، ج ۲، ص ۳۶۵)۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانی رح نے یہ مسئلہ ابن کثیر رح سے لیا ہے اور اسی کے مطابق تحریر فرمایا ہے ۔ راجح و مرجوح کی بحث سے الگ ہو کر حضرت عام تفسیر فرما رہے ہیں ۔ باقی یہ درست ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اعتاق کی صورت میں زکوۃ ادا نہ ہوگی ۔

ولا الی ثمن ما ای قن یعتق لعدم التملیك ای یعتقه الذی اشتراہ بزکوۃ ماله ۔ اھ (درمختار و شامی، ج ۲ ص ۸۶)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۳۹۵/۵/۲۲ ھ

سال کے شروع و آخر میں صاحبِ نصاب ہو تو زکوۃ فرض ہے اگر درمیان میں مال بالکل ختم نہ ہوا ہو

ایک شخص کو ہر مہینہ کے شروع میں زکوۃ کے نصاب سے زائد رقم ملتی ہے لیکن اخیر مہینہ میں نصاب سے کم رہ جاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی ۔ اسی طرح سال گزر جاتا ہے ۔ اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب جب یہ شخص شروع مہینہ میں صاحبِ نصاب ہو گیا تو اس وقت سے اس کو حساب لگانا چاہئے ۔ اگر اس کے پاس آخر سال تک ایسے ہی رقم آتی جاتی رہی لیکن بالکل ختم نہیں ہوتی تو آخر سال میں نصاب کے برابر رقم موجود ہوتی تو زکوۃ واجب ہو گی ۔ درمیان میں نصاب کی کمی و بیشی سے فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ کسی وقت مال بالکل ختم نہ ہوا ہو ۔ لکن هذا الشرط یعتبر فی اول الحول واخرہ لافی خلاله اھ بدائع (ج ۲ ص ۱۵)۔ وفیه ولا یعتبر فی هذا النصاب صفة زائدة علی کونه فضة الی قوله اذا بلغت مائتی درهم وسواء کان یمسکها للتجارة او للمنفعة او للتجمل اولم ینو شیئا اھ بدائع ص ۱۷۔

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۳۷۰/۵/۴ ھ

بندہ محمد صدیق غفرلہٗ
معین مفتی خیر المدارس ملتان

سالہائے گزشتہ کی زکوۃ دیتے وقت سونے چاندی کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا یا یومِ وجوب کی قیمت کا ؟

ایک شخص کے ذمہ قربانی و زکوۃ واجب ہوئی مگر کئی سال گزرنے کے بعد ادا کرنے کا ارادہ کیا اب وہ قربانی کی قیمت اور زکوۃ والے سونے کی قیمت ادا کرنا چاہتا ہے تو قیمت یوم الوجوب کی معتبر ہوگی یا یوم الاداء کی ؟ نیز اگر سونا ہی زکوۃ میں دیوے تو مثلاً چالیس تولہ سونا میں سے پہلے سال کی زکوۃ ایک تولہ ہوگی ۔ دوسرے سال انتالیس ۳۹ تولہ کا چالیسواں حصہ ادا کرے ۔ یا چالیس تولوں کا چالیسواں حصہ ؟ صورت یہی ہے کہ کئی سالوں کی زکوۃ اکٹھی ادا کرنا چاہتا ہے ۔

اسی طرح قربانی میں مثلاً دس سال کی قربانی اس کے ذمہ ہے ۔ تو ایک مکمل گائے کی قیمت اور دوسری گائے کی قیمت کا تین سبع (۳/۷) کافی ہوگا یا نہیں ؟

محمد سرور ، مدرس جامعہ اشرفیہ ، نیلا گنبد لاہور

الجواب صاحبین رح کے نزدیک یوم الاداء کی قیمت لگائی جائے اور امام اعظم رح کے نزدیک یوم الوجوب کی ۔ صاحبین رح کا قول انفع للفقراء ہے اور امام اعظم رح کا قول انفع لصاحب المال ہے ۔ کیونکہ آج کل قیمت بڑھی ہوئی ہے ۔ اور یوم الوجوب زمانہ ماسبق میں قیمت کم تھی ۔ مستفتی احتیاط پر عمل کرنا چاہے تو احوط قول صاحبین رح کا ہوگا ۔ اور ثانی میں چالیس تولہ کی زکوۃ میں ایک تولہ نکال کر دوسرے سال انتالیس ۳۹ تولہ کی ۔ وعلی ہذا الی آخرہ نکالنی ہوگی ۔

دلیل المسئلة الاولی وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعا وهو الاصح ۔ (درمختار ج ۲ ص ۳۰)۔

ودلیل المسئلة الثانیة المفهوم من عبارة البحر ودین الزکوۃ

مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب - (ج ۲ ص ۲۴۰)-

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ : ۱۳۷۶/۲/۱۱ ھ

حوائج اصلیہ خریدنے کے لئے جمع کردہ روپے میں زکوٰۃ کا حکم

ایک شخص کے پاس رہائشی مکان نہیں، سواری کے لئے سائیکل نہیں ہے، جہاد کے لئے اسلحہ نہیں ہے، کاریگر ہے مگر کاریگری کے آلات نہیں ہیں، اس نے کچھ پیسہ جمع کیا تاکہ یہ حوائج اصلیہ خرید سکے۔ ان پیسوں پر اگر یہ نصاب سے زائد ہوں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب مذکورہ بالا صورت میں جب کہ یہ پیسے حوائج اصلیہ کے لئے تیار کئے گئے ہوں سال گزرنے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ "طحطاوی علی مراقی الفلاح" فقہ حنفی کی مشہور کتاب کے صفحہ ۴۳۰ - میں ہے۔

فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية كثيابه المحتاج اليها لدفع الحر والبرد و كالنفقة و دور السكنى والات الحرب والحرفة اه الى قوله فاذا كان عنده دراهم اعدها لهذه الاشياء وحال عليها الحول لا تجب فيها الزكوة -

رد المحتار جزء ثانی میں ہے۔

وفارغ عن حاجته الاصلية وفسره بذالك اى فسر المشغول بالحاجة الاصلية والاولى فسرها وذالك حيث قال وهى ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى والات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والبرد او تقديرا كالدين فان المديون محتاج الى قضائه بمافى يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك فاذا كان له دراهم مستحقة ليصرفها الى تلك الحوائج صارت

كالمعدومة كما ان الماء المستحق يصرفه الى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم -

علامہ شامی رہ کی عبارت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اس رقم کو معدوم سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ حوائج اصلیہ میں مستغرق ہے۔

بحر الرائق، ج ۲، ص ۲۰۶ - میں ہے۔

وشرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول بها كالمعدوم وفسرها فى شرح المجمع لابن الملك بما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرا فالثانى كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى الخ

اس عبارت کا بھی وہی مقصد ہے جو علامہ شامی رہ کی عبارت میں گزرا ہے۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے یہی صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے جس کا مال حوائج اصلیہ ضروریہ میں مشغول ہو۔ اگرچہ اس پر سال گزر جائے۔

البتہ ایسے شخص کے لئے جس کا مال حوائج اصلیہ مذکورہ بالا میں مستغرق ہو زکوٰۃ کا لینا جائز نہیں جیساکہ طحطاوی، ص ۴۳۳ - باب المصرف میں ہے۔

وهو الفقير من يملك مالا يبلغ نصابا او يملكه وهو مستغرق فى حاجته الاصلية فمن تحقق فيه هذا او هذا فهو فقير

فقط هذا ما عندى والله اعلم بالصواب -

ہذا ہو الحق	محمد شیر بن خطیب مسجد شیخاں
ابو الوفاق محمد اسحاق خطیب، ایبٹ آباد	راولپنڈی

مجوزہ استفتار کا جواب متذکرہ بالا بالکل صاف اور صحیح مسائل شرعیہ پر مبنی ہے۔ اور بالکل صحیح اور درست ہے۔ فاضل مجیب نے جن کتب فقہیہ کا حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح فقہ حنفیہ کی دیگر کتب معتبرہ متداولہ تبیین الحقائق۔ زیلعی فتح القدیر وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ لہذا میرے نزدیک فاضل مجیب مذکورہ بالا فتوٰے دینے میں مصیب وصائب ہے۔

مولوی محمد شعیب ڈسٹرکٹ خطیب مردان، نگران مفت روزہ قیادت مردان

الجواب صحیح والمجیب مصیب : محمد یوسف کان اللہ لہٗ مفتی دارالعلوم اکوڑہ خٹک پشاور

جو مال حاجتِ اصلیہ میں مستغرق ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

عبدالشکور غفرلہٗ مفتی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک

ہذا ہو الحق وما ذا بعد الحق الا الضلال ۔ عبدالواحد خطیب صدر راولپنڈی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایسا روپیہ جو نصاب کو پہنچا ہو یا نصاب سے زائد ہو اگر کسی شخص نے اس نیت سے جمع کر رکھا ہو کہ وہ اس روپیہ کو حوائج اصلیہ میں صرف کرے گا لیکن ابھی تک حوائج اصلیہ میں صرف کرنے نہیں پایا تھا کہ حولانِ حول ہو گیا تو اس روپیہ کے اندر وجوبِ زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جیسا کہ علامہ شامی رح نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ صاحبِ بحرالرائق و بدائع اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ جمہور کا مسلک یہی ہے لہٰذا جواب محررہ بالا سے ہمیں اختلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴/۱۲/۱۳۷۶ھ

مالِ مضاربت میں زکوٰۃ کے مسائل

زید نے عمرو کو کچھ رقم بطورِ مضاربت دی۔ اب اس کے متعلق چند سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

۱۔ کیا زکوٰۃ صرف رب المال پر عائد ہوگی یا مالِ تجارت پر قبل از تقسیمِ منافع عائد ہوگی۔ اور حصہ رسدی اس میں سے عمرو بھی ادا کرے گا۔؟

۲۔ اگر تجارت میں بالفرض سارا پیسہ نہ لگایا جاتے اور رب المال نے ساری رقم کارکن کے سپرد کر دی ہو تو جو رقم تجارت میں لگی ہوئی نہیں ہے اور کارکن کے قبضہ میں ہے کیا اس کی زکوٰۃ مشترک ہوگی یا صرف رب المال پر یا صرف کارکن پر ؟

الجواب اگر مضاربت میں نفع نہیں ہوا صرف راس المال ہی ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہے۔ مضارب پر نہیں۔ اور اگر نفع ہو چکا ہے تو راس المال کی زکوٰۃ صرف رب المال پر واجب ہوگی۔ اور منافع کی زکوٰۃ علی قدر الحصص دونوں پر ہوگی۔ لیکن

رب المال کا حول راس المال کے وقت سے شروع ہوگا۔ درمیان سال میں جو نفع ہوتا رہا وہ راس المال کے ساتھ شامل ہوتا رہے گا۔ اور مضارب کا حول اس وقت سے شروع ہوگا جبکہ نفع مقدارِ نصاب کو پہنچا۔ وہاں سے اس کا حول شروع ہوگا۔ کما ھو المفھوم من قواعد الفقھاء۔

۲۔ صرف رب المال پر۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ : ۹/ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مختلف اموال ملک میں ہوں تو سب کی قیمت لگا کر مجموعہ سے ادا کرے

میں جوتوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ باہر اور ملتان سے مال خرید کر پرچون میں فروخت کرتا ہوں۔ دوکان میں اچھا اور پرانا سبھی قسم کا مال رکھتا ہوں۔ زکوٰۃ نکالنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔؟

المستفتی، محمد عبدالحفیظ مالک پاک شو سٹور ملتان چھاؤنی

الجواب دوکان میں جتنا مال موجود ہے اس کی قیمت لگا کر رقم مشخص کر لی جائے اس میں مزید نقدی اور زیورات وغیرہ (اگر ہوں) کی قیمت، نیز جو آپ نے قرضہ جات لینے ہیں ان سب کو جمع کر لیا جائے۔ پھر اس مجموعی رقم سے چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ نکال دیں اگر کوئی قرضہ آپ کے ذمہ ہو تو یہ قرضہ مندرجہ بالا رقمِ مجموعی سے وضع کر کے پھر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

پراویڈنٹ فنڈ میں زکوٰۃ نہیں ہے

بندہ ایک ریلوے ملازم ہے اور بندہ کو زکوٰۃ کے بارے میں مندرجہ ذیل فتوٰی درکار ہے۔

۱۔ ہر ریلوے ملازم کے مستقل ہو جانے کے بعد پراویڈنٹ فنڈ ہر ماہ تنخواہ سے لازماً کاٹ لیا جاتا ہے اور اس فنڈ کو ملازم اپنی ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔ کیا ایسی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی ؟ البتہ ہر سال جتنی رقم کٹ جاتی ہے اس کا میزانیہ بتلا دیا جاتا ہے۔

۲ :- آج کل بیمہ کمپنیاں زندگی وغیرہ کا بیمہ کرتی ہیں اور ماہانہ یا سہ ماہی قسط وصول کرتی ہیں۔ کیا بیمہ کرانا جائز ہے ؟

۳ :- کیا بیمہ شدہ رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ رقم بیمہ کی مدت ختم ہونے سے قبل نہیں مل سکتی۔

۴ :- حکومت ہر ریلوے ملازم کو ریٹائرڈ ہونے کے بعد مذکورہ بالا پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ بونس (حق ملازمت) اور دونوں کا زائد سود بھی دیتی ہے۔ کیا یہ سود لینا جائز ہے ؟ اگر لیا جائے تو کیا مصرف ہے ؟

الجواب

پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ روپیہ پر زکوٰۃ نہیں۔

۲ :- بیمۂ زندگی کرانا جائز نہیں ہے دو وجہ سے۔ (الف) یہ سود ہے۔ (ب) یہ قمار وجوا ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔

۳ :- اس رقم پر زکوٰۃ ہے۔ ۴ :- پراویڈنٹ پر بونس کا ملنا اور وصول کرنا جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ

عشر ادا کرنے کے بعد غلہ بیچا تو اس کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

فصل کا عشر نکال دیا گیا باقی جنس فروخت کردی گئی تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟

عبد الباری خان احمد پور شرقیہ

الجواب

اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ اس پر سال گزر جائے۔ یا کسی دوسری رقم پر سال گزر جائے جو اس شخص کے پاس پہلے سے موجود ہو۔ ففی البدائع او کان له طعام فادی عشره الخ ثم باعها يضم الى اصل النصاب اھ (ج ۲ ص۱۴)

فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳ / ۱۰ / ۱۴۰۰ھ

سونا چاندی جس شکل میں بھی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے

کیا سونے کی کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ جس میں زکوٰۃ نہ لگے اور استعمال میں آنے والے سونے کا کیا حکم ہے۔ آیا اس پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں ؟ اور کتنی مقدار سونے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ؟

الجواب

احناف کے نزدیک استعمال کے زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ جب کہ نصاب کو پہنچ جائیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ لیکن یہ نصاب اس صورت میں ہے جب کہ صرف سونا یا صرف چاندی ہو۔ دونوں موجود ہونے کی صورت میں یا ان کے ساتھ کچھ نقدی ہو تو پھر مجموعہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔

درمختار میں ہے۔ ومعموله ولو تبرا او حليا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقا اثمانا فيزكيهما كيف كان (شامی، ج ۲، ص۳۰)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۵/۶/۱۴۰۰ھ

رائج الوقت سکہ ½۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے

زید کے پاس پانچ نوٹ ہزار ہزار کے موجود ہیں جن پر حولان حول بھی ہو چکا ہے۔ زید کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیوں کہ نوٹوں پر زکوٰۃ اس وقت ہے جب کہ اس سے ½۵۲ تولہ چاندی خریدی جاسکے لہٰذا جب اتنی مقدار کے نہیں تو زکوٰۃ بھی نہیں۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ کیوں کہ سونا چاندی کی تعیین اس زمانے کے ساتھ خاص تھی جب کہ درہم و دنانیر تھے۔ اس زمانے میں وہ نہیں، اس لئے نوٹوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ ارشاد فرمائیں کہ کس کی بات صحیح ہے۔

الجواب

رائج الوقت سکہ جب ادنیٰ مقدارِ نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور خود زید کے کہنے کے مطابق بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ کیونکہ پانچ ہزار روپیہ ۵۰۰۰ ½۵۲ تولہ چاندی کی مالیت سے کہیں زیادہ ہے۔ اور نوٹوں کا اپنا کوئی نصاب نہیں۔ بلکہ ان کی مالیت کا اعتبار ہے۔ چاندی، سونے کی مالیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور نوٹوں کی مالیت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

الفلوس ان كانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزكوة في قيمتها والا فلا۔ (شامی ج ۲ ص۳۴) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
محمد صدیق غفرلہٗ مدرس خیرالمدارس ملتان۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۲۰-۱۰-۱۳۹۸ھ

ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ نہیں

ایک دوکاندار نے برائے تجارت شامیانے قناتیں دسترخوان، کرسیاں، میز اور دیگیں ٹب، ڈش پلیٹیں، ڈونگے، جگ اور گلاس، چمچے چھوٹے اور بڑے، دریاں، یعنی ٹینٹ ہاؤس کا سامان برائے شادی بیاہ، کرایہ کے لئے دوکان کھولی ہے۔ تو کیا اسکی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا کہ سالم سامان کی قیمت کرکے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ کیوں کہ سامان کرایہ پر چلنے سے پرانا ہوگا۔ اور اگر سالم قیمت پر زکوٰۃ ہے تو مالک سامان بظاہر نقصان میں ہوگا۔

الجواب ٹینٹ کے سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ اس سے ملنے والی آمدنی پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ ولو اشتری قدورا من صفر یمسکها ویواجرها لا تجب فیها الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ۔ (ج ۱ ص ۱۸۰)۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۸/۹/۱۴۰۰ھ

اَقَل نصاب وزن دوصد درہم از نقرہ است

چہ مے فرمایند علمائے کرام ومفتیانِ عظام دریں مسئلہ مہمہ۔ درہم شرعی کہ دوصد درہم ازاں نصاب وجوبِ زکوٰۃ و دہ ہزار درہم دیت قتل خطاء است آیا معیارِ خاص دارد کہ کمی وبیشی را دراں راہ نیست یا اینکہ باعتبار ہر زمان و ہر مکان باتفاوت قیمتِ نقرہ متفاوت میگردد۔

در امداد الفتاویٰ، جلد دوم، ص ۶۔ کتاب الزکوٰۃ می آرد کہ دوصد درہم ۵۲ تولہ نقرہ میشود پس اگر قیمتِ آن باعتبار ہر زمان و مکان است۔ پس فی الحال دریں ولایتِ ما یک تولہ نقرہ با سہ روپیہ نوٹ برابر است۔ پس باین حساب ۵۲½ تولہ نقرہ کہ نصابِ زکوٰۃ است برابر ۱۵۶ روپیہ نوٹ مے شود و دہ ہزار درہم کہ دیت قتل خطاء است ۲۶۰۰ تولہ نقرہ و آن برابر ۷۸۰۰ روپیہ

نوٹ مے شود و اگر قیمت را اعتبار نیست و تولہ نقرہ با روپیہ برابر حساب مے شود پس دوصد درہم نصابِ زکوٰۃ کہ ۵۲ تولہ نقرہ است ۵۲ روپیہ نوٹ مے شود و دہ ہزار درہم کہ دیتِ قتل خطاء است بآن حسابِ مذکور ۲۶۰۰ تولہ نقرہ مے شود پس دیت ہم ۲۶۰۰ نوٹ مے شود۔ در الجوہرۃ النیرۃ کتاب الدیات ص ۱۹۳ می آرد۔

قال ابو یوسف ومحمد ومن البقر مائتا بقرۃ ومن الغنم الفا شاۃ الخ

پس اگر در بقر وغنم قیمت ہر زمان و ہر مکان اعتبار کردہ شود فعلاً قیمتِ یک گاؤ دریں ولایت تقریباً ۵۰۰ روپیہ است کہ مجموع قیمت دوصد گاؤ صد ہزار روپیہ مے شود وہم چنیں قیمت یک گوسفند ۵۰ روپیہ کہ مجموع قیمت دو ہزار گوسفند صد ہزار روپیہ مے شود۔ خلاصہ اینکہ در بارۂ تحقیق قیمت درہم شرعی ومقدارِ نصاب زکوٰۃ ومقدارِ دیتِ خطاء از نوٹ مروج وقت ہر چہ تحقیق علمائے کرام ومفتیانِ عظام است تحریر فرمایند کہ موضوع خیلے مہم ومشکل است چراکہ درہم شرعی فعلاً موجود نیست و در تمام معاملات تقویم اشیاء مروج شدہ است۔

(مولانا) عبدالعزیز خطیب جامع مسجد زاہدان۔ ایران

الجواب باید دانست کہ درہم عبارت از مخصوص قطعۂ نقرہ معلومۃ الوزن است وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں دوصد قطعات نقرہ را نصاب زکوٰۃ مقرر فرمود ووزن ایں قطعہ در عہدِ رسالت معروف بود۔ وحضراتِ فقہاء ایں وزن را ضبط کردہ اند۔ علماء محققین تحقیق کردہ فرمودہ اند کہ بحساب اوزان رائج الوقت ۵۲½ تولہ نقرہ مے باشد۔ پس گویا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نصابِ زکوٰۃ از نقرہ ۵۲½ تولہ را تعیین فرمودہ اند۔

پس ایں مقدار نقرہ برائے نصابِ زکوٰۃ معیارے است کہ کمی وبیشی را دراں ہیچ راہ نیست نیز معلوم گشت کہ نصابِ نقرہ ۵۲½ تولہ نقرہ است نہ کہ ۵۲ نوٹ و روپیہ نیم در نوٹ زکوٰۃ واجب است۔ لیک در وجوب زکوٰۃ قیمتش اعتبار کردہ شود۔ یعنی چوں در ملک کسے جمع آیند کہ از قیمتش ۵۲½ تولہ نقرہ خرید تواں کرد بعد حولانِ حول زکوٰۃ در آنہا واجب شود ورنہ واجب نہ شود وہم چنیں در دیت باید فہمید کہ معتبر در آں وزن دہ ہزار درہم نقرہ است کہ مساوی ۲۶۰۰ تولہ باشد ایں مقدار از نقرہ یا قیمتش از نوٹ در دیت ادا کردن واجب

است نہ دہ ہزار درہم روپیہ نوٹ دلبس ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
۱۸ - ۱۱ - ۱۳۸۶ھ

سفراء کو زکوٰۃ کے پیسے سے قبل از تملیک تنخواہ دینا درست نہیں اور سفیر کو عامل پر قیاس کرنا صحیح نہیں

ایک سفیر جو ادارے کا تنخواہ دار ہے ۔ ادارہ اس کو چندہ وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھیجتا ہے ۔ وہ مختلف جگہوں سے زکوٰۃ وعشر وغیرہ کے پیسے ادارہ کے لئے جمع کرتا ہے ۔ تو کیا تملیک سے پہلے اس رقم سے تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں ؟ زید کہتا ہے کہ میں نے (فتاوی دارالعلوم ج ۱ ص ۷۹) میں پڑھا ہے کہ زکوٰۃ سے کسی سفیر کو تنخواہ دینا جائز نہیں اور وہ عاملین علیہا میں داخل نہیں۔

الجواب قبل از تملیک مال زکوٰۃ سے سفیر کو تنخواہ دینا درست نہیں ۔ جیساکہ "فتاوی دارالعلوم" میں تحریر ہے ۔ اور سفراء کو عاملین پر قیاس کرنا درست نہیں ہے ۔ کیوں کہ عاملین صدقات فقراء کے وکیل ہوتے ہیں اور سفراء اصحاب اموال کے وکیل ہوتے ہیں۔ نیز بعد از حیلہ تملیک اسے مال زکوٰۃ کہنا ہی درست نہیں ۔

لانہ یتبدل الحکم بتبدل الملک ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی
۳۰ / ۱۱ / ۱۳۹۸ھ

ارباب مدارس ، مطبخ اور وظائف وغیرہ میں صدقات واجبہ احتیاطاً بدون تملیک استعمال نہ کریں !

ایک بچے کے والدین زکوٰۃ دینے کے قابل ہیں ۔ اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں ۔ اوران کا بچہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے ۔ یعنی اپنے شہر سے کہیں دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے ۔ تو وہ طالب علم

مدرسہ سے کھانا اور کپڑا ، وظیفہ بھی لیتا ہے کیا یہ چیزیں اس کے لئے لینا جائز ہیں ؟

الجواب جس طرح غنی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ایسے ہی غنی کی نابالغ اولاد بھی صدقات واجبہ کا مصرف نہیں ۔ لہذا اگر یہ اشیاء ثلاثہ (کھانا ، کپڑا ، وظیفہ) صدقات واجبہ سے دی جاتی ہیں اور وہ بچہ نابالغ ہے تو لینی درست نہیں ۔ اگر وہ بچہ بالغ ہے اور صاحب نصاب نہیں تو لے سکتا ہے ۔ بہتر یہ ہے کہ اشیاء مذکورہ مدرسہ میں تملیک کے بعد استعمال کی جائیں ۔ تاکہ سبھی مستفید ہوسکیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۹/۱/۱۴۰۱ھ

تملیک کی بہتر صورت

ایک مدرسہ میں عطیات وغیرہ سے کام نہیں چلتا ۔ تو ارادہ ہوا کہ صدقات واجبہ بھی لئے جائیں ۔ اور ان سے تنخواہیں پوری کی جائیں ۔ زید کہتا ہے کہ تملیک وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ۔ بلا تملیک تنخواہ دینا جائز ہے بکر کہتا ہے کہ تملیک کے ساتھ بھی جائز نہیں ۔ عمرو کہتا ہے کہ شرعی تملیک ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں ۔ تملیک کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب جو مستحق زکوٰۃ ہوں اس سے مدرسہ کے لئے چندہ لیا جاتا ہے ۔ اس کے پاس نہ ہو تو وہ قرض لے کر دیتا ہے ۔ پھر اس کو زکوٰۃ کے پیسے دے دیئے جائیں ۔ یا وہی زکوٰۃ کے پیسے دیں اور وہ اپنی خوشی سے مدرسہ کو دے دے ، کیا حکم ہے ۔؟

محمد صدیق ، انوار العلوم جھنگ صدر

الجواب عمرو کا قول صحیح ہے ۔ اور تملیک کی پہلی صورت اختیار کی جائے ۔ "وحیلة التکفین بها التصدق علی الفقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی بناء المسجد ۔ (درمختار) ۔

اور فتاوی دارالعلوم جدید ، جلد ۶ ص ۱۰۴ میں اسی حیلہ سے زکوٰۃ وغیرہ کو تنخواہوں میں صرف کرنا جائز لکھا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲/۱۲/۱۳۹۴ھ

کپاس میں بھی عشر واجب ہے

فتاویٰ عالمگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ کپاس میں عشر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی بتلایئے کہ کن فصلوں پر عشر ہے اور کن پر نہیں ؟

۲ ۔ جو زمین ٹھیکے (مستاجری) پر دی گئی ہو، اس کا عشر مالک پر ہے یا اس کو کاشت کرنیوالے پر؟ ۱/۱۰ یا ۱/۲۰ ہوگا جب کہ زمین نہری ہو۔ اور کاشت کار کو ٹھیکہ ادا کرنے کے بعد بھی کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔

الجواب ۱ ۔ کپاس روئی وغیرہ میں بالاتفاق زکوٰۃ وعشر واجب ہے۔ البتہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا مقدارِ نصاب میں اختلاف ہے۔

قال ابویوسف رح فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته خمسة أوسق من ادنیٰ ما یوسق الخ وقال محمد رح ویجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه ۔ (هداية - ج ۱ - ص ۱۸۴)۔

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ روئی وغیرہ میں عشر واجب ہے۔ (امام اعظمؒ کے نزدیک ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین اگائے)۔

" لقوله علیه السلام ما اخرجت الارض ففیه العشر (هدایه ج ۱ ص ۱۸۳)۔

فتاویٰ عالمگیری میں شجر قطن کی نفی ہے ثمر قطن یعنی کپاس کی نفی نہیں ہے۔ (ج ۱ ص ۹۵)۔

۲ ۔ اللباب ص ۵۵ ۔ پر ہے کہ ۔

العشر علی الموجر کالخراج الموظّف وقالا علی المستأجر قال فی الحاوی وبقولهما نأخذ اقول لکن الفتویٰ علی قول الامام وبه افتی الخیر الرملی والشیخ الاسماعیل الحائك وحامد افندی العمادی وعلیه العمل لانه ظاهر الروایة ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مالک پر واجب ہوگا کیونکہ مکمل ٹھیکہ وصول کرلیتا ہے نہری زمین میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کیا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

عشر کل پیداوار سے دیا جائے

ایک آدمی نے گندم اڑھائی ایکڑ بیجی اور اس کی گندم کل چالیس من ہوئی۔ اور اس نے پھر حساب لگایا۔ مزدوری سات من اسی وقت نکل گئی۔ کھاد، بجائی اور ٹریکٹر کا خرچ، سولہ من گندم وہاں خرچ ہوئی۔ نقد پیسے اور آب پاشی بھی آئے گی۔ پھر اس گندم کا عشر کیسے نکالا جائے۔

الجواب مذکورہ زمین کی کل پیداوار سے نصف عشر ۱/۲۰ بطور عشر دیا جائے۔

ویجب نصفه فی مسقی غرب ودالیة بلا رفع مؤن ای کلف الزرع ۔ (درمختار علی الشامیة ۔ ج ۲ ۔ ص ۶۹)۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نابالغ کی جائیداد میں بھی عشر واجب ہوگا

نابالغ کی جائیداد میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ کی مملوکہ زمین کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا۔ وفی الشامیة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر اھ ۔ (ج ۲ ص ۶۷)۔ فقط واللہ اعلم۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
۴ - ۲ - ۱۳۹۸ ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

لانی میں عشر نہیں

ہمارے علاقہ میں خودرو پودا ہوتا ہے۔ جس کو لانی کہتے ہیں۔ اس سے کپڑے دھونے کی کھار بناتے ہیں اور کافی آمدنی ہوتی ہے۔ تو کیا اس کھار پر عشر ہے یا نہیں ؟

الجواب چونکہ عام طور پر اسے کاشت نہیں کیا جاتا، اور اس کے ذریعہ سے زمین کی آمدن مقصود نہیں ہوتی۔ لہذا اس میں عشر نہیں۔

الا فیما یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان اھ

(درمختار علی الشامیۃ - ج ۲ ص ۶۸) -

البتہ اگر کسی کی زمین میں مستقل پودے ہوں اور وہ ان کی حفاظت کرتا ہو، گوڈی وغیرہ کرتا ہو پک جانے پر کھار تیار کر کے بیچتا ہو تو اس پر عشر آنا چاہیئے -

وفی الدر المختار حتی لو اشغل ارضہ بھا - ای بالمذکورات) یجب العشر اھ (درمختار علی الشامیۃ - ج ۲ - ص ۶۸) - فقط

الجواب صحیح	واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۰۰/۷/۲۱

باغ کا پھل خریدنے کی صورت میں عشر بائع پر ہوگا یا مشتری پر

زید اپنے باغ کا میوہ ایسے وقت میں فروخت کرتا ہے کہ جب ظاہر ہو چکا ہوتا ہے مگر ابھی تک پختہ نہیں ہوا - اور فروخت کے وقت کوئی شرط نہیں لگاتا کہ بائع کے درختوں پر مشتری کا میوہ پختہ ہونے تک چھوڑا جائے گا بلکہ عقد مطلق ہوتا ہے - البتہ بائع خود مشتری کا میوہ پکنے تک اپنی رضا سے چھوڑ دیتا ہے - تو اس صورت میں میوہ کا عشر بائع پر ہے یا مشتری پر ؟ اگر مشتری پر ہے جیسا کہ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے -

"- ولو باع الزرع قبل ادراکہ فعشرہ علی المشتری والا فعلی البائع"

تو بائع کو اس رقم کی زکوۃ کب ادا کرنی پڑے گی - اور اگر بائع کے پاس اس مبلغ سے پہلے بھی کچھ رقم تھی تو کیا اس میوہ والی رقم کو ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوۃ دے سکتا ہے ؟

عبدالواحد ، ملتان

الجواب صورت مسئولہ میں عشر مشتری پر ہے جیسا کہ جزئیہ مسطورہ سے معلوم ہوا اور بدائع الصنائع سے بھی - البتہ مشتری کو چاہیئے کہ وہ خریدتے وقت یہ خیال کرے کہ عشر کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور اتنی مقدار ثمن کم مقرر کرے مشتری سے وصول درحقیقت بائع سے ہی وصول ہے - کیونکہ مشتری سے جب حکومت جبراً عشر وصول کر لے گی تو لازماً خریدتے وقت وہ یہ گنجائش رکھ کر خریدے گا کہ مجھے عشر بھی ادا کرنا ہے اور ثمن کم لگا دے گا -

۲ - بائع اس رقم کو سابقہ نقدی کے ساتھ ملا کر مال مستفاد کے طور پر زکوۃ ادا کرے گا اس کے لئے الگ سال پورا کرنے کی ضرورت نہیں - بلکہ جب عشر بائع پر ہو تو ادائے عشر کے بعد جو ثمن ملے گا یہ بھی مال مستفاد کی طرح اصل نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا -

" ولو کان لہ عبد للخدمۃ فادی صدقۃ فطرہ او کان لہ طعام فادی عشرہ ...... ثم باعھا یضم ثمنھا الی اصل النصاب "

(بدائع ج ۲ ص ۱۳) - فقط واللہ اعلم -

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان ، ۱۳۹۸/۱۱/۲۹ ھ

بھوسہ میں عشر ہے یا نہیں

بھوسہ میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب اس میں تفصیل ہے - اگر زمین میں گندم کی کاشت بھوسہ حاصل کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر ہوگا - اور اگر کاشت گندم حاصل کرنے کے لئے کی تھی لیکن ساتھ ہی بھوسہ بھی برآمد ہوا تو گندم میں عشر ہوگا بھوسہ میں نہیں -

لما فی الشامیۃ والبحر (قولہ وتبن) بالباء الموحدۃ قال فی الفتح غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ صار ھو المقصود - وعلی ھذا کل ما لا یقصد بہ استغلال الارض لا یجب فیہ العشر مثل السعف والتبن - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ	الجواب صحیح
الجواب صحیح ، خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان	بندہ محمود عفا اللہ عنہ مفتی قاسم العلوم ملتان

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳۷۶/۷/۱۵ ھ

عشر میں نصاب نہیں ہے

۱ - پیداوار غلہ پر عشر کتنی مقدار پر واجب ہے ؟ پیداوار کی کوئی حد وزن پیمانہ بھی مقرر ہے یا جتنا غلہ

پیدا ہو سب پر عشر واجب ہے ؟

۲ ۔ تمام پیداوار پر عشر واجب ہے یا مزارع وغیرہ کے اخراجات اور دیگر اخراجات نکال کر دیا جائے ؟ حافظ محمد یوسف تونسہ ڈی جی خان ۔

الجواب ۱ ۔ بچپس من غلہ پر عشر واجب ہے ۔

۲ ۔ عشر زمیندار پر ہے ۔ بچپس من غلہ جب نکلے پہلے عشر نکالا جائے باقی اخراجات بعد میں نکالے جائیں گے ۔ فقط واللہ اعلم

--------- ------- قاضی ڈیرہ غازیخان

الجواب ۱ ۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک عشر میں نصاب نہیں ہے ۔ جملہ پیداوار پر عشر واجب ہے ۔ لقوله عليه السلام ما اخرجت الارض ففيه العشر ۔ (هدايه ج ۱ ۔ ص ۱۸۳) ۔

۲ ۔ مزارعت کی صورت میں زمیندار پر عشر اس کے حصہ میں آنے والی پیداوار پر آئے گا اس حصہ سے دیگر اخراجات وضع کرنے سے پہلے عشر ادا کرے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ / ۲ / ۱۴۰۰ ھ

جن زمینوں کا آبیانہ دیا جاتا ہو ان میں ۱/۲۰ واجب ہوگا

عرصہ تقریباً ۵۰ سال گزر چکا ہے کہ لائل پور کی زمین گورنمنٹ برطانیہ نے کچھ سستی اور کچھ گراں قیمت پر لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دی تھی ۔ کیا اس زمین میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟ جبکہ حکومت آبیانہ اور مالیہ دونوں قسم کے مطالبات وصول کرتی ہے ۔

مولوی عبدالغنی نائب مہتمم مدرسہ ربانیہ ، ضلع لائلپور

الجواب آبیانہ اور مطالبہ مال کی ادائیگی کی وجہ سے ان زمینوں کے عشری ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا ۔ البتہ ان زمینوں میں جب کہ مشقت اور محنت زیادہ ہوتی ہے دسویں حصے کی بجائے بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا ۔ لان العلة فى العدول عن العشر

الى نصفه فى مسقى غرب ودالية هى زيادة الكلفة كما علمت وهى موجودة فى شراء الماء اھ (شامية ج ۲ ص ۶۶) ۔

الجواب صحیح بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان	فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ ۲۸ / ۱۲ / ۱۳۸۳ ھ

قرض وجوب عشر سے مانع نہیں

مالک زمین یا مزارع مقروض ہے تو وہ زمین کی پیداوار سے قرض ادا کرے یا عشر ؟

الجواب قرض وجوب عشر سے مانع نہیں ۔ اس کے باوجود ہر ایک اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کرے ۔ ولا يمنع الدين وجوب عشر وخراج وكفارة اھ (در مختار على الشامية ۔ ج ۲ ص ۷) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ	احقر محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۱۴ / ۷ / ۱۴۰۰ ھ

قدرتی پانی سے سیراب کھیتوں میں ۱/۱۰ واجب ہے

چترال میں گرمیوں کے موسم میں برف کا پانی ندیوں اور وادیوں میں بہتا ہے ۔ لوگ ان سے نہریں نکالتے ہیں اور اپنی اراضی کو پانی دیتے ہیں ۔ یہ نہریں ایک فرلانگ لمبی ، کہیں میل کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں ۔ پھر سردیوں میں یہ نہریں خراب ہو جاتی ہیں تو لوگ بعض جگہ تقریباً بیس ۲۰ دن تک ان کی اصلاح کرتے رہتے ہیں پھر اس نہر میں پانی جاری کرنے کے بعد تقریباً ۱½ ماہ تک دو آدمی نہر کی دیکھ بھال کرتے ہیں تاکہ کہیں ٹوٹ نہ جائے ۔ اب اس پانی سے جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں ان میں عشر ہوگا یا نصف عشر ۔ در مختار وغیرہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشر ضروری ہے ۔ جب کہ حکومت آبیانہ وغیرہ بھی نہیں لیتی ۔

مولوی فضل مولیٰ ۔ چترال

الجواب آپ کی اراضی میں عشر ہی واجب ہوگا ۔ چند دن نہر کی کھدائی میں لگ جائیں اور پھر دو ماہ تک اس سے سیرابی ہوتی رہے تو اسے مؤنت کبیرہ قرار نہیں دیا جا سکتا

خصوصاً جب کہ آپ کے ہاں سابقہ تعامل بھی عشری ہی کا ہے۔

وتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنهر اھ

معلوم ہوا کہ نہر سے سیراب شدہ فصل پر عشر ہوگا۔ اور اس کی عمومی صورت یہی ہوتی ہے کہ نالی کاٹ کر لائی جاتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱/۱/۱۳۹۵ھ

تھل (ضلع میانوالی) کی زمینیں عشری ہیں

زید نے آج سے تقریباً بارہ ۱۲ سال قبل حکومت اسلامیہ پاکستان سے ضلع میانوالی میں چار مربع زمین بسلسلہ آبادکاری اجرت (یعنی قیمتاً) لی تھی مگر قیمت ابھی تک ادا نہیں کی گئی۔ بلکہ ہر سال بارہ ۱۲ روپے ایکڑ کے بدلے میں حکومت کو ادا کرتے ہیں۔

۱۔ تو کیا یہ زمین عشری ہے یا خراجی؟

۲۔ اگر خراجی ہے تو عشر ادا کیا جائے یا نہیں؟

۳۔ اگر خراجی ہے تو مالیہ بارہ روپے فی ایکڑ کی صورت میں جو حکومت لے رہی ہے اس کی کیا صورت ہوگی۔ یہ خراج ہے یا عشر مستقل دینا پڑے گا۔؟

۴۔ اب تک اس زمین کو عشری سمجھ کر جو عشر ادا کیا گیا اس کی بنا پر علاقہ کے غرباء میں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ یہ لوگ عشر دینے والے ہیں۔ اب عشر چھوڑنے کی صورت میں اس کا کیا ہوگا؟

اگر اراضی عشریہ اور خراجیہ کی شرائط بھی بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

۲۔ اسی طرح فیصل آباد اور کشن خان تحصیل چشتیاں میں کچھ زمین آباء و اجداد کے ورثہ میں ملی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟ وہ عشریہ ہے یا خراجیہ؟

۳۔ اراضی خراجیہ کی صورت میں اگر حکومت خراج نہ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

۱۔ غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ یہ زمین عشری ہے۔ جب کہ بارانی ہو یا ٹیوب ویل یا حکومت پاکستان کی نکالی ہوئی نہروں سے سیراب کیا جاتا ہو۔ کیوں کہ یہ سب عشری پانی ہیں۔ اور مالک بھی مسلمان ہیں۔ اور "الیق بحال المسلم" عشر ہی ہے۔ بے آباد زمینوں

کے بارے میں ضابطہ یہ لکھا ہے کہ۔ اگر انہیں حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک اس سے قریبی زمینوں کا حکم دیا جائے گا۔ اگر عشری کے قریب ہے تو عشری۔ اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی۔ جب کہ آباد کرنے والا مسلمان ہے۔

اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے۔ اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی۔ جیسا کہ ہدایہ و درمختار وغیرہ میں مصرح ہے۔

اور ایک مقام پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالے لکھتے ہیں۔

"اس طرح جن زمینوں کو حکومت پاکستان نے پانی پہنچانے کے ذرائع مہیا کر کے آباد کیں اور مسلمانوں کو بلا قیمت یا بہ قیمت تقسیم کیا جیسا کہ پنجاب میں تھل کا علاقہ، اور سندھ میں کوٹری کا علاقہ، ان سب زمینوں پر چونکہ ابتداء ملکیت مسلمانوں کی ہوئی، اس لئے یہ بھی عشری قرار پائیں گی۔ بشرطیکہ ان کی آبپاشی سندھ و پنجاب کے بڑے بڑے دریاؤں سے ہوتی ہو۔ (جواہر الفقہ، ج ۲ ص ۲۵۸)

پس یہ زمین عشری ہے تو خراج سے متعلقہ سوالات کی حاجت نہیں۔

۲۔ جو زمین ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آرہی ہو اس میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا جاتا ہے۔ پس ان میں سے بھی عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا۔

۳۔ اگر لگان مسلمان حکومت وصول کرتی ہے تو اس کی ادائیگی میں خراج ادا کرنے کی نیت کی جا سکتی ہے۔ اور اگر حکومت لگان وصول نہیں کرتی یا بہت کم وصول کرتی ہے تو اپنے طور پر خراج کو مصارف خراج میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ کذا فی جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۰)۔

اور مصارف خراج میں سے علماء، طلباء، مفتیوں، قاضیوں کو دینا بھی جائز ہے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱۴/۵/۱۴۰۱ھ

پاکستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی

پاکستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ اگر عشری ہیں تو زمیندار اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصص میں عشر واجب ہے یا فقط زمیندار پر، اور اگر دونوں پر واجب ہے تو زمیندار معاملہ سرکاری نکال کر، اور مزارع آبیانہ نکال کر باقی دے گا۔ یا معاملہ و آبیانہ نہیں نکالنا پڑے گا؟

اگر نکال کر باقی دینا ہے تو اگر کچھ نہ بچے تو دیوے یا نہ دیوے ۔ اگر پانچ وسق سے کم ہے تب بھی عشر نکالے یا نہیں ۔ اگر صاحبین کے قول پر پانچ وسق کے کم سے نہ نکالے تو مجرم ہے یا نہیں ۔ اگر امام اعظم رح کے قول پر ہر چیز سے نکالنا ہے تو سبزیاں مثل کریلے وغیرہ سے کیسے نکالے ، چھوٹی بڑی قلیل کثیر سب کا حساب سخت مشکل ہے ۔

اور جو زمینیں نہر سرکاری یا عوام کی نہر سے آب پاشی ہوتی ہیں ان کا دسواں حصہ نکالنا ہے یا بیسواں سیلابی اور بارشی زمین کا کتنا حصہ نکالنا ہے ؟

الجواب پاکستانی زمینیں عشری ہیں کیوں کہ اسلامی بادشاہوں کے زمانہ سے مسلمانوں پر تقسیم ہوتی چلی آئی ہیں یا یہاں کے باشندے مسلمان ہوئے ہیں ۔ اور ایسی ہر دو قسم کی زمینیں عشری ہیں ۔ البتہ کافر سے خریدی ہوئی زمین عشری نہ ہوگی ۔ (بہشتی زیور)

عشر صاحب پیداوار پر ہے ۔ زمیندار اور مزارع ، ہر ایک اپنے حصہ کا عشر نکالے ۔

(بہشتی زیور)

جس زمین کا آبیانہ سرکاری ادا کیا جاتا ہے اس کی پیداوار پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم ہے ۔ لہٰذا کل پیداوار کا بیسواں حصہ دینا ہوگا ۔ کیوں کہ ادائیگی آبیانہ کی وجہ سے عشر میں تخفیف ہو کر بیسواں حصہ لازم ہو چکا ہے ۔

عبادات میں مطلقاً امام اعظم ابو حنیفہ رح کے قول پر فتوےٰ ہے ۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پیداوار قلیل ہو یا کثیر دسواں یا بیسواں حصہ ضرور نکالے ، سبزیوں کا عشر بھی نکالے جس وقت پیداوار دستیاب ہو کل وزن کر کے دسواں یا بیسواں حصہ تول کر فقراء میں تقسیم کر دے ۔ بیس سیر سبزی میں سے ایک یا دو سیر نکالنا کوئی مشکل نہیں ہے ۔ (بہشتی زیور)

نہری یا چاہی پانی میں چونکہ مؤنت زیادہ ہے اس لئے اس میں بیسواں حصہ عشر ہے ۔ اور بارشی پانی میں مؤنت کم ہے اس لئے اس میں عشر (دسواں حصہ) لازم ہے ۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان	خیر محمد عفا اللہ عنہ ۔ ۴ صفر ۱۳۷۴ ھ

خراجی زمین کی تعریف

زمین کی دو قسمیں ہیں ۔ عشری اور خراجی ۔

عشری کی وضاحت یہ ہے کہ جو زمین یا علاقہ کفار سے لڑ کر حاصل کیا جائے ۔ اور حاصل شدہ زمین کو مسلمان بادشاہ مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دے وہ عشری ہے ۔ مزید تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل جو بھی زمینیں کلیم اور الاٹمنٹ کی صورت میں تقسیم ہوتی ہیں سب کی سب عشری ہیں ۔ اس میں بارانی اور چاہی کی صورت میں ۱/۱۰ اور ۱/۲۰ کا عشر ہونا چاہئے ۔ یا ایسی عشری زمین باپ دادا سے وراثتاً چلی آتی ہے اور اس کو کوئی دوسرا مسلمان خرید لے تو بھی اس میں عشر ہوگا ۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ کفار کی زمین جو کہ مالِ غنیمت یا فدیہ میں ملی ہو جب تک وہ مسلمانوں کی وراثت میں رہے گی بے شک بیسیوں دفعہ فروخت ہو (مسلمانوں میں) عشری ہی رہے گی ۔ تا وقتیکہ اس کو کوئی غیر مسلم خرید لے ۔ بندہ نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق یہ مفہوم عرض کر دیا ہے ۔ اگر اس میں غلطی ہو تو ، اصلاح فرمائی جائے ۔

اور خراجی زمین کے بارے میں تفصیلاً وضاحت کی جائے کہ خراجی زمین کون سی ہے ۔

عزیز برادرز غلہ منڈی چشتیاں ۔

الجواب عشری زمین کے بارے میں جو آپ نے سمجھا ہے صحیح ہے ۔ اور خراجی زمین کی تعریف اور تشخیص اس طرح ہے کہ ۔ جو اراضی کفار سے لڑ کر حاصل کی جائیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم نہ کی جائیں ۔ یا کوئی علاقہ صلحاً فتح ہو جائے ، وہ زمینیں خراجی ہیں ۔ البتہ مکہ مکرمہ اگرچہ لڑ کر فتح ہوا ہے لیکن مکہ کی زمینیں عشری ہیں خراجی نہیں ۔ اس لئے کہ مکہ مکرمہ جزیرۂ عرب سے ہے ۔ در مختار میں ہے ۔ ج ۲ ۔ ص ۲۶۲ ۔ شامیة) ۔

وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيش الا مكة سواء اقر اهله
عليه او نقل اليه كفار اخر او فتح صلحا خراجية ـ

اسی طرح جو زمین کافر سے خریدی جائے وہ بھی خراجی ہوگی ۔ اور جو زمینیں مسلمانوں نے انگریز گورنمنٹ سے خریدی ہیں اگر وہ پہلے سے عشری نہیں تھیں تو وہ زمینیں بوجہ استیلاء سرکار کی ملک ہو گئی تھیں ۔ اس لئے وہ اب بھی عشری نہیں ہوں گی ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح : خیر محمد عفا اللہ عنہ — بندہ محمد اسحاق عفرلہٗ ۷/۶/ ۱۳۸۸ ھ

اجرت کم ہو تو عشر کاشت کار پر ہے

مسئلۂ عشر کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جواب تحریر فرمادیں ۔ اجناس مثلاً گندم ، نخود ، چاول وغیرہ میں عشر ہے یا نہیں ؟ نیز یہ ٹھیکہ کی زمین کی پیداوار ہے تو اس کی کل آمدنی پر عشر ہوگا یا ٹھیکہ منہا کرنے کے بعد عشر ادا کیا جائے گا ؟

الجواب فی الدر المختار والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما نأخذ اھ وفی الشامیة قلت لکن افتی بقول الامام جماعة من المتأخرین (الی ان) لکن فی زماننا عامة الاوقاف من القری و المزارع لیرضی المستأجر بتحمل غرامات ومؤنها یستأجرها بدون اجر المثل ۔اھ (ج ۲ ۔ص ۷۵)۔

روایت بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر زمیندار پوری اجرت لے اور کاشتکار کے پاس بہت کم بچے تو عشر زمیندار کے ذمہ ہے اور اگر زمیندار اجرت کم لے اور کاشتکار کے پاس زیادہ بچے تو عشر کاشت کار کے ذمہ ہے لیکن ہمارے دیار میں جب کہ اجرت کم لی جاتی ہے ۔اس لئے کاشتکار پر وجوب عشر کا فتوے دیا جائے گا ۔ کما فی امداد الفتاوی ، ج ۲ ص ۵۱ آبیانہ ، ٹیکس ، لگان وغیرہ آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا ۔ لیکن ایسی زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوتا ہے ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ نائب مفتی
خیر محمد عفا اللہ عنہ	خیر المدارس ملتان ۱۲/۱۱/ ۱۳۸۶ھ

بارانی اور نہری زمینوں کی پیداوار میں مقدار عشر کے فرق کی وجہ

زید کے پاس ایک ایکڑ زمین ہے اور اس سے گندم کی فصل حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔ کچھ خرچ اس کے بیجنے سے فصل پکنے تک ، اور کچھ خرچ فصل پکنے پر کٹوانے اور دلے

نکوانے کے لئے ادا کرنے پڑتے ہیں ۔اس طرح اسے انیس ۱۹ من گندم حاصل ہوتی ہے جس میں سے کٹوائی نکوائی ادا کر کے پندرہ من گندم بچتی ہے ، آیا عشر کتنی گندم کا دینا ہوگا ۔؟

۲ : دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جتنی گندم کاٹی جاتی ہے اس کا سولہواں حصہ فصل کی کٹائی میں دیدیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد تھریشر سے دلنے نکلوائے جاتے ہیں اس میں کتنا عشر دینا ہوگا ۔

۳ : زید کے پاس چار گائیں ، دو بیل ہیں وہ مزارعت پر کام کرتا ہے ۔ اور صاحب نصاب بھی نہیں غریب آدمی ہے ، کیا زید کو عشر دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ جب کہ اس کے جانوروں کی قیمت تقریباً دس ہزار کے قریب ہے ۔

الجواب کل پیداوار یعنی انیس ۱۹ من سے نصف عشر یعنی $\frac{1}{20}$ ادا کرنا ہوگا ۔ کیونکہ ایسی زمینوں کی پیداوار کے عشر میں انہی اخراجات کو مد نظر رکھ کر تخفیف کی گئی ہے اور بجائے عشر کے نصف عشر واجب کیا گیا ہے ۔ بارانی زمین میں اخراجات کم ہوتے ہیں اس لئے اس میں عشر واجب کیا گیا ہے ۔ اگر یہ اخراجات وضع کرنے کے بعد باقی بچ رہنے والی پیداوار میں عشر واجب ہو تو بارانی اور نہری کے عشر میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی ۔

یجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری الانهار اجرة الحافظ ونحو ذالك ۔ "درر" قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الکل لانه علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة کان الواجب واحدا وهو العشر دائما فی الباقی لانه لم ینزل الی نصفه الا للمؤنة والباقی بعد رفع المؤنة لا مؤنة فیه فکان الواجب دائما العشر لکن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا انه لم یعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوی للمؤنة اصلا ۔ اھ (شامی ج ۲ ص ۶۹)

ب ۔ کٹائی کی اجرت میں دی جانے والی گندم کا عشر بھی ادا کرنا ہوگا نیز اس کی کاٹی ہوئی گندم کو

اجرت میں مقرر کرنا درست نہیں۔ کما ہو المعروف۔

۲ : زید کی گزر اوقات اگر ان گایوں پر موقوف نہیں تو ان کی وجہ سے اسے غنی سمجھا جائے گا، زکوٰۃ وعشر کا مستحق نہیں۔ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۴ میں ہے۔

والمزارع بثورین و اٰلة الفدان لیس بغنی وببقرة واحدة غنی۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ،،

دُکان پر رکھے ہوئے اَموال بھی اَموالِ باطنہ ہیں

مالِ تجارت پر زکوٰۃ تو لازم ہے مگر اسکی وصولی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ اموال باطنہ میں سے ہے اس لئے یہ حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بھیڑ، بکری جو جنگل میں چرتی ہے یہ تو اموال باطنہ میں سے نہیں مگر جو مالِ تجارت کھلے بازاروں میں پوری روشنی میں فروخت کے لئے پیش ہو رہا ہے کیسے اموالِ باطنہ میں سے ہوا؟ اسکی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ نیز یہ کہ کیا اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی قانوناً مجاز ہے یا نہیں ؟

الجواب اندرونِ شہر جو مال پائے جاتے ہیں انہیں اموالِ باطنہ کہا جاتا ہے جیسے سونا چاندی اموالِ تجارت ہیں جب تک کہ وہ شہر کے اندر ہوں اور بیرونِ شہر پائے جانے والے اموال، مال ظاہر ہیں۔ عربی زبان میں "ظاہر البلد" بیرونِ شہر کو کہتے ہیں اسی سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے۔

(۲) :۔ اسلامی حکومت یہ زکوٰۃ جمع کرنے کی مجاز نہیں مگر خاص حالات میں مالکان کو زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔ فقط ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۹ ر شعبان سنہ ۱۴۱۰ھ

دِفاعی فنڈ میں زکوٰۃ دینے کا حکم :

صدرِ پاکستان نے ہنگامی حالات شروع ہونے پر قومی دفاعی فنڈ

کا آغاز کیا ہے۔ کیا اس فنڈ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے ؟ جبکہ زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے تو اس صورت میں یہ شرط کیسے پوری ہو گی ؟

الجواب زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے لہذا تملیک کے بغیر زکوٰۃ کا روپیہ دفاعی فنڈ میں جمع کر کے خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی البتہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ کسی مسکین کو دے دیا جائے پھر وہ مسکین اپنی خوشی سے اس روپیہ کو دفاعی فنڈ میں جمع کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ وہ روپیہ نوٹوں کی شکل میں نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صواب

محمد اسحاق غفرلہ،

خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۲۳/۶/۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے کا حکم

کیا صاحبِ نصاب پر سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا کچھ دن کی تاخیر بھی ہو سکتی ہے ؟

الجواب سال پورا ہوتے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بلا عذرِ معقول تاخیر نہ کی جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

فیاثم بتاخیرها بلا عُذر (درمختار) قولہ فیاثم بتاخیرها الخ ظاهره الاثم بالتاخیر ولو قل لیوم او لیومین لانهم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم اھ (شامیہ) فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام وتمامه فی الفتح (درمختار) (قولہ وتمامه فی الفتح الخ) حیث قال بعد مامر فتکون الزکوٰة فریضة وفوریتها واجبة فیلزم بتاخیرها من غیر ضرورة الاثم کما صرح به الکرخی والحاکم الشهید فی

المنتقی الخ (شامی ص ۱۴ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ

مسجد و مدرسہ کا جو پیسہ جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں

مسجد و مدرسہ کا پیسہ جو جمع رہتا ہے اور اس پر سال بھی گزر جاتا ہے ۔ کیا اس کی زکوٰۃ متولی کو ادا کرنا ضروری ہے یا اس مال پر زکوٰۃ نہیں ہے ؟

الجواب ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ وسببہ ای سبب افتراضھا ملک نصاب اھ (درمختار) (قولہ ملک نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم الملک اھ (شامی ص ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ۔

محمد انور غفرلہ ۔

حکومت زکوٰۃ کو انہی مصارف میں صرف کرنے کی پابند ہے جن کا قرآن حکیم میں ذکر آیا ہے

کیا مسلمان حکومت اپنی مرضی اور منشاء سے زکوٰۃ و عشر خرچ کر سکتی ہے ؟ اس سلسلے میں اسلامی احکامات کیا ہیں ؟

الجواب زکوٰۃ و عشر کے مصارف قرآنِ حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں انہی مصارف میں استعمال کرنا ضروری ہے کسی بھی حکومت کو اِن مصارف کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے صدقہ مانگا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملہ کو اللہ نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے اور خود مصارف متعین فرما دیئے ہیں اگر تم اُن مصارف میں سے کسی قسم میں آتے ہو تو میں تمہیں دے سکتا ہوں ورنہ نہیں ۔

عن زیاد بن الحارث الصدائی قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبایعتہ فذکر حدیثا طویلاً فاتاہ رجل فقال اعطنی من الصدقۃ

فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لم یرض بحکم نبی ولا غیرہ فی الصدقات حتی حکم فیھا ھو فجزأھا ثمانیۃ اجزاء فان کنت من تلک الاجزاء اعطیتک اھ (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۶۲ ج ۱)

عالمگیری میں بیت المال میں جمع ہونے والے مال کی اقسام اور ان کے مصارف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ و عشر کو صرف انہی اُن مصارف میں خرچ کیا جائے جن کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے ۔

ما یوضع فی بیت المال اربعۃ انواع الاول زکوٰۃ السوائم والعشور وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیہ ومحلھا ذکرنا من المصارف الخ (ص ۱۹۰ ج ۱)

قال الشرنبلالی انہ یجب علیہ (ای علی الامام) ان یجعل لکل نوع منھا (ای من الصدقات بیتاً یخصہ ولا یخلط بعضہ ببعض اھ (شامی ص ۶۳ ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس ۔ ملتان

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۲ / ۱۱ / ۱۴۰۹

کتابت کے بلاکوں پر زکوٰۃ نہیں :

ایک شخص نے قرآن مجید کی طباعت کے لئے عکسی بلاک بنوالئے ۔ ایک بار طباعت کے بعد ان کو اس لئے محفوظ کر لیا کہ آئندہ ان کے ذریعہ طباعت کرتے رہیں گے ۔ اب وہ صرف قرآن پاک کی تجارت کرتا ہے اور بلاک کو اپنے کام کے لئے بطورِ آلات رکھا ہوا ہے ۔ ان کو تجارت سے کوئی تعلق نہیں ۔ کیا ان بلاکوں کی زکوٰۃ بھی شرعاً اس کے ذمہ ہے یا نہیں ؟

(حضرت قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ مقیم خیر المدارس ملتان)

الجواب اگر شخص مذکور نے ان بلاکوں کو بغرض تجارت نہیں رکھا تو ان پر زکوٰۃ نہیں لگے گی ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۳ / ۱۱ / ۱۴۰۹ھ

صاحبِ نصاب لوگوں سے زکوٰۃ لیتا رہا تو اب تلافی کی صورت

زید مستحق زکوٰۃ ہے اس کے اکثر احباب کو علم ہے اسے حج کے لئے کسی نے تیرہ سو روپیہ دیا۔ زید نے یہ سمجھا کہ یہ روپیہ تو حج کے لئے دیا گیا ہے حج پر خرچ کردوں گا۔ نیز زید اپنے آپکو مصرفِ زکوٰۃ ہی سمجھتا رہا چنانچہ صدقاتِ واجبہ بھی وصول کرتا رہا۔ اور ایک مدرسہ عربیہ کے مہتمم صاحب بھی زید سے مدرسہ کی رقم تملیک کرلتے رہتے تھے باوجودیکہ مہتمم صاحب کو ۱۳۰۰ روپے حج والے کا علم تھا، زید کو بدستور غریب ومسکین سمجھتے رہے، اب زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ تیرہ سو روپیہ حج کے لئے تم کو جو دیا گیا ہے وہ تمہاری ملک ہے۔ اگرچہ دینے والے نے حج کے لئے دیا ہے مگر اس نے تمہارے حج کے لئے دیا ہے۔ حج بدل کے لئے نہیں دیا ہے تو وہ روپیہ تمہارا ہوگیا۔ اسوجہ سے اب تم مصرف زکوٰۃ نہیں تھے اب زید پریشان ہوا کہ لوگوں کی زکوٰتیں وصول کرکے اپنے مصرف میں لاچکا ہوں۔ اور زیادہ فکر مدرسہ کی رقم کا ہے اب کیا کیا جائے۔

الجواب صورتِ مسئولہ میں غلطی کی شکل یہ ہے کہ ان مدات سے جن میں زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں تھا مثلاً تعمیر ومشاہرات اس میں سے مقدار زکوٰۃ نکال کر صحیح مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرے مثلاً مستحق طالب علموں کو نقد وظائف وغیرہ دیئے جائیں اور جو رقم اس صاحب نے جو درحقیقت مالکِ نصاب تھے اپنی ذات پر خرچ کرلی وہ مالکان کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ لوگوں نے اسے حسبِ سابق مصرف سمجھتے ہوئے تملیک کی تھی ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

فی الدر المختار دفع بتحرٍّ من یظنه مصرفاً فبان انه عبده اومکاتبهٗ اوحربی ولو مستأمناً اعادها لما مر وان بان غناه او کونهٗ ذمیاً اوانهٗ ابوهٗ اوابنهٗ او امرأتهٗ او هاشمی لا یعید لانهٗ اتی بما فی وُسعه حتی لو دفع بلا تحرٍّ لم تجز ان اخطاء۔

اور اگر ان رقوم بالا میں سے کچھ بقایا موجود ہو تو وہ مالکان کی طرف واپس کردے

یا صدقہ کردے۔ فقط بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیرالمدارس۔

الجواب صحیح، خیر محمد مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ۲۰ / ۵ / ۱۳۸۳ ھ

پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ دینا:

جو شخص زکوٰۃ کا مال عام فقیروں کو دے جو تمام سال گداگری کا پیشہ کرتے ہیں۔ انکی کیفیت کسی کو معلوم نہیں کیا زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں؟

الجواب جس شخص کے بارے میں غنی ہونے کا ظن ہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے قبل ازیں اگر ان لوگوں کی فقیرانہ حالت کے پیشِ نظر انہیں مسکین سمجھتے ہوئے زکوٰۃ دے دی گئی تھی تو وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ کذا فی الشامیہ (صفحہ ۹۲ ج ۲)

الجواب صحیح، عبدالستار غفرلہٗ، نائب مفتی خیرالمدارس

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲ / ۱۰ / ۱۳۸۳ ھ

علہ وعبارتہ دفع بتحرٍ لمن یظنه مصرفاً فبان انه عبده اومکاتبهٗ اوحربی ولومستامناً اعادها لما مر وان بان غناه او کونه ذمیا او انه ابوه او ابنه او امرأتهٗ او هاشمی لا یعید لانه اتی بما فی وسعه حتی لو دفع بلا تحر لم یجز ان اخطاء اھ

فقیر محمد انور، مرتب خیرالفتاوی

جس کو بطورِ تملیک زکوٰۃ دی گئی اس سے جبراً واپس نہیں لے سکتے

اگر تملیک کرنیوالے کو ساری صورت سمجھادی جائے لیکن زکوٰۃ وغیرہ ہاتھ میں لینے کے بعد اگر وہ واپس دینے سے منکر ہو جائے اور ہو بھی صاحبِ ضرورت تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب تو یہ رقم اس صاحب ضرورت غریب کی ملک ہوگی زبردستی اس سے

واپس نہیں لی جاسکتی۔ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۱/۱۳۹۷ھ

مہتمم زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہوتا ہے:

عوام الناس اپنے مال کی زکوٰۃ کسی مسکین کی تملیک نہیں کرتے بلکہ ایک مہتمم مدرسہ کو دے دیتے ہیں اور وہ مہتمم ضروریاتِ مدرسہ پر خرچ کرتا رہتا ہے مثلاً سالن، تیل، روٹی وغیرہ تو کیا یہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہ ؟

الجواب (مہتمم مدرسہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ زکوٰۃ کا پیسہ بصورتِ نقدی یا روٹی وغیرہ طلباء مستحقین کی تملیک کرے اگر وہ ایسا کرے گا تو لوگوں کی زکوٰۃ اَدا ہو جائے گی اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنخواہ میں خرچ کر دیا یا اس کو تعمیر مدرسہ پر یا کسی اور مقام میں خرچ کیا جس میں تملیک نہیں ہوئی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ اَدا نہیں ہوئی اور اگر ایسے مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو فقیر کی تملیک کرا کے پھر مدرسہ میں داخل کیا جائے پھر اس کو حسبِ منشاء خرچ کر سکتے ہیں) فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۲۲ / ۱ / ۱۳۷۰ھ

(بلانیتِ زکوٰۃ صدقہ کرتے رہے تو وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا)

بعض لوگ زکوٰۃ اَدا نہیں کرتے مگر ویسے صدقات دیتے رہتے ہیں کبھی کسی گداگر کو کچھ دے دیا کبھی کسی غریب و مسکین کو دے دیا کبھی کسی نیک کام میں چندہ دے دیا، مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کرتے تو کیا ایسے لوگوں کی زکوٰۃ اَدا ہو جائے گی ؟

الجواب جو کچھ یہ لوگ گداگروں کو دیتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ و عشر کی نیت نہیں ہوتی تو یہ سب صدقات نفلیہ سے شمار ہوں گے یہ زکوٰۃ اور عشر سے

محسوب ہوں گے۔ البتہ اگر زکوٰۃ و عشر والا مال علیحدہ کیا ہوا ہو اور اس مال سے فقراء اور مساکین کو تھوڑا تھوڑا دیتا ہے تو پھر یہ زکوٰۃ و عشر سے محسوب ہوگا۔

الجواب صحیح ، بندہ محمد اسحاق غفرلہ، ۲۹ / ۲ / ۱۳۷۸ھ

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۲۹ / ۳ / ۱۳۷۸ھ

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

۱۔ زکوٰۃ کے لئے نصاب موجودہ وقت میں قیمت کے لحاظ سے چاندی کو رکھا جائے یا سونے کو۔ ۲۔ کاروبار کیلئے مستعمل اشیاء وغیرہ میں زکوٰۃ ہے یا نہیں ۳۔ دفاعی فنڈ میں جو ہم تنخواہ کٹواتے ہیں یہ اس میں شمار کی جائے یا نہیں ۴۔ اگر اپنے بھائی سے کچھ رقم لینی ہو تو وہ بھی اس میں شمار ہو جائے گی یا نہیں۔؟ ۵۔ کاروبار میں جو رقم دوسروں کے پاس اُدھار ہوتی ہے وہ وقتاً فوقتاً رلتی رہتی ہے تو اس کو اس میں داخل کیا جائے یا نہیں ۶۔ اپنی سوتیلی والدہ جبکہ بیوہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں جبکہ خرچہ کا خود کفیل ہو۔

الجواب ۱۔ چاندی کی قیمت لگا کر نصاب ہونا معلوم کیا جائے اور اگر سونا ہی پاس ہو نہ سامان تجارت ہو نہ چاندی نہ قرضہ تو ایسی صورت میں صرف سونے کے وزن ہی کا اعتبار ہوگا۔ ۲۔ برتنوں اور آلات کی قیمت زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی۔ ۳۔ زرِ ضمانت زکوٰۃ کی رقم میں شمار کریں پراویڈنٹ فنڈ نہیں۔ ۴۔ کی جائے۔ سال پورا ہونے پر آپ جب زکوٰۃ کا حساب کریں تو اُدھار والی رقم کو بھی اپنے پاس موجودہ نقد رقم میں شمار کر لیا کریں۔ اور اس کی بھی زکوٰۃ نکال دیا کریں۔ ۵۔ اگر یہ مسکینہ ہو صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو خرچہ اور معالجہ کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۱۹/۷/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ،

جس کے پاس گھر کا سال کا خرچ موجود ہو اسے زکوٰۃ دینا

اگر کسی کے پاس اپنی ضروریات کے لئے رہنے کا اپنا گھر اور روزانہ استعمال کے برتن اور چارپائیاں اور بستر اور سامان خوراک مثلاً گندم نمک مرچ مصالحہ تقریباً ایک سال کے لئے ہیں اور کپڑے سینے کی مشین ہے جس کی آمدن سے اپنے اہل وعیال کا گزارہ کرتا ہے ایسے شخص کو مالِ زکوٰۃ، قربانی، نذر، صدقہ فطر، فدیہ، کفارہ اور عشر دینا جائز ہے اگر کسی نے جائز سمجھ کر دے دیا تو دوسری دفعہ زکوٰۃ وغیرہ کا دینا واجب ہے یا نہیں۔ نیز اس شخص سے جس کو غلطی کی وجہ سے دے چکا ہے واپس لینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وفی رد المحتار ص۸۸ ج۲ وفیہا سئل محمدؒ عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء وعلیه الفتوی۔ وعندهما لا یحل وفی الدر المختار ص۹۳ ج۲ دفع بتحرٍ لمن یظنه مصرفاً فبان انه عبده او مکاتبه او حربی ولو مستأمناً اعادها لما مر وان بان غناه او کونه ذمیاً او ابنه او امرأته او هاشمی لا یعید۔

شخص مذکور فی السوال کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ بنا بر روایت در مختار سئل محمدؒ اور جس شخص کو دی جا چکی ہے۔ اگر اپنی طرف سے تحقیق کر کے فقیر یا مستحق سمجھ کر دی گئی تو اعادہ واجب نہیں ورنہ اعادہ ضروری ہے۔ بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، ۳/۶/۱۳۷۶ھ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی تقسیم کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے رجسٹر خریدنا

زید نے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو محض رقوم زکوٰۃ وفطرانہ لوگوں سے وصول کرنے

کی اپیل کرتا ہے پھر بمشورۂ اہل محلہ مستحق لوگوں پر تقسیم کی جاتی ہے اور قیدیوں میں بھی تقسیم کی جاتی ہے۔ قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ اس ادارہ کو رسید بک و اشتہار و رجسٹرات و قلم دوات اس فنڈ سے رکھنا اور بنانا درست ہے یا نہ۔ اور کیا اس فنڈ سے قیدیوں کے پڑھنے کے لئے دینی اور مذہبی کتابیں خرید کر کے لائبریری جیل خانہ میں داخل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: زکوٰۃ وفطرانہ وغیرہ کے مال سے ادارہ مذکورہ کے حساب وکتاب کے لئے رجسٹر اور قلم دوات وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی کتابیں خرید کر کسی لائبریری میں داخل کرنا جائز ہے اس طرح زکوٰۃ وغیرہ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ لہذا زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی تب ہوگی جب کسی مسکین کو اس کا مالک قابض بنا دیا جائے۔ بندہ اصغر علی غفرلہ ۱۳/۹/۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح، محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۲/۹/۱۳۷۸ھ

جب آپ نے ایک نیک مقصد کے لئے ادارہ قائم کیا ہے تو رجسٹر وغیرہ کے لئے اپنی لوگوں سے جو زکوٰۃ دیتے ہیں دیگر چندہ لیں کیونکہ اس طرح ان کی زکوٰۃ صحیح مصرف پر صرف ہوگی اور ان کو تحقیق مصرف وغیرہ کی مشقت سے کفایت حاصل ہو جائے گی۔ نیز زکوٰۃ کا روپیہ نقد بنا کر فقراء کی تملیک کیا جائے اور جو رقم کسی سے زکوٰۃ کی وصول کی جائے وہ فوری طور پر فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ کی رقم ہفتوں یا دنوں تک آپ کے پاس پڑی رہے۔ کوشش یہ ہو کہ رات آنے سے پہلے روز کی روز ٹھکانے لگ جائے۔ اس قسم کی اور بھی ضروری احتیاطات اور مسائل ہیں جو کہ آپ اہل علم سے دریافت کر سکتے ہیں۔ والجواب صحیح، محمد عبداللہ غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح،
خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۲/۹/۱۳۷۸ھ

عیالدار مستحق کو نصاب سے زیادہ بھی دے سکتے ہیں

زید نے خالد کو مبلغ ۱۵۰ روپے زکوٰۃ کے دیئے کیا خالد کو بکر بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ خالد صاحبِ نصاب بن گیا۔؟

الجواب خالد اگر عیالدار ہے تو اسے مزید زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے تاوقتیکہ اس کے کنبے کے ہر فرد کے پاس تقریباً ۱۰۰ روپے کی مالیت کی مقدار نہ ہو جائے۔[1] بندہ عبدالستار عفااللہ عنہٗ نائب مفتی خیرالمدارس

الجواب صحیح ، بندہ عبداللہ عفااللہ عنہٗ مفتی خیرالمدارس ملتان ۳۰/۸/۱۳۸۲ھ

[1] وکرہ اعطاء فقیر نصاباً او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیونا او کان صاحبُ عیال بحیث لو فرّقہ علیہم لا یخص کلاً اھ

(در مختار علی الشامیۃ ص ۷۳ ج ۲)

فقیر محمد انور عفااللہ عنہٗ

مُرتب خیرالفتاوٰی مقیم خیرالمدارس ۔ ملتان

کتنی عمر کے بچے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

اگر کسی نابالغ اور یتیم بچے کو زکوٰۃ دینی ہو تو شرعاً اس کے لئے کوئی عمر کی شرط ہے یا نہیں؟

الجواب نابالغ مستحق کم ازکم اتنی عمر کا ہو کہ وہ قبضہ کو سمجھتا ہو یعنی لے یہ سمجھ ہو کہ یہ چیز مجھے مالکانہ طور پر دی جا رہی ہے۔ اسے پھینک کر بھاگ نہ جائے کم ازکم چھ سات سال کی عمر کے بچے میں اتنی سمجھ ہوتی ہے۔

ولو کان الصبی مراھقاً او یعقل القبض بان کان لا یرمی بہ ولا یخدع عنہ یجوز اھ (فتح القدیر ص ۲۱ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفااللہ عنہٗ

زکوٰۃ میں آئے ہوئے کپڑے کو مہتمم نے کم قیمت پر بیچ دیا تو کتنی زکوٰۃ ادا ہوئی؟

ایک شخص نے پچاس روپے کے کپڑے لیکر بمد زکوٰۃ مدرسہ میں داخل کئے مہتمم نے تیس روپے کے فروخت کر کے رقم مدرسہ میں داخل کر لی تو زکوٰۃ تیس روپے کی ادا ہوئی یا پچاس کی؟

الجواب باوجود تلاش کرنے کے صریح جزئیہ تو کوئی نہیں ملا البتہ دو فتوے فتاوٰی امدادیہ میں مل گئے ہیں اگرچہ وہ بھی باحوالہ نہیں، تاہم ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں تیس روپے کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر ان کپڑوں کی قیمت پچاس روپے ہو تو مہتمم بیس روپے کا ضامن ہوگا۔ زکوٰۃ دینے والے سے دوبارہ اجازت حاصل کر کے مہتمم صاحب اپنی طرف سے بیس روپیہ مدرسہ میں داخل کرے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد اسحاق عفااللہ عنہٗ ، نائب مفتی خیرالمدارس ملتان

الجواب صحیح

خیر محمد عفااللہ عنہ ۲۷/۷/۱۳۸۵ھ

زکوٰۃ کی رقم ملکی قرضہ میں ادا کرنا:

گورنمنٹ پاکستان نے غیر ملکوں کا بہت قرض دینا ہے، جس کی وجہ سے مہنگائی ہے اور ملک مالی لحاظ سے کمزور ہو رہا ہے۔ اور دن بدن قرض میں اضافہ ہو رہا ہے ـــــ سود کی ادائیگی کے قابل بھی ملک نہیں ہے ـــــ، کیا ان حالات میں حکومت جو زکوٰۃ وعشر جمع کرتی ہے، وہ اس قرض کی ادائیگی میں استعمال ہو سکتا ہے اور کیا قربانی کی کھالیں حکومت جمع کر کے اس قرض کی ادائیگی کر سکتی ہے اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟

الجواب زکوٰۃ وعُشر غُربا کا حق ہے۔ لہو ولعب اور نمائش پر خرچ ہونے والا

مذکورہ قرضہ زکوٰۃ وعشر سے ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں انما الصدقات للفقراء الآیۃ زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں تملیکِ فقیر ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو مسجد، پل، سڑک، حج، جہاد وغیرہ ابوابِ خیر میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے ھندیہ میں ہے ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل ما لا تملیک فیہ اھ (۱۸۸/۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۴۰۹/۱۰/۱۲

کافر کو زکوٰۃ کمیٹی کا چیئرمین نہ بنایا جائے

ہمارے چک نمبر ۳۲۱/E-B میں موجودہ زکوٰۃ وعشر کمیٹیوں کی سلیکشن کی صورت میں ایک شخص نور محمد ولد عزیز بخش کو زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بنا دیا گیا جو کہ مرزائی ہے۔ بظاہر وہ اپنی ذات کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن حقائق سے معلوم ہوا کہ وہ مرزائی ہے۔ کیا یہ شخص زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے۔؟

الجواب: مرزائی ممبر مسلمانوں کے مال میں تصرف کا شرعاً مجاز نہیں ہے خصوصاً جبکہ نظامِ زکوٰۃ کے اصول میں ہے کہ شیعہ اور مرزائی عشر و زکوٰۃ کمیٹی کا ممبر و عہدیدار نہیں بن سکتا نیز قرآن کریم میں واضح اعلان ہے کہ کافر مسلمان پر کسی قسم کی فوقیت کا اہل نہیں۔ ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا الآیۃ ھدایہ میں ہے۔ لا تقبل شھادتہ (ای الکافر علی المسلم) ص ۱۶۳/۳

فقط واللہ اعلم، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۱۲/۱۰/۱۴۰۹ھ

سال گزرنے سے پہلے حکومت جبراً زکوٰۃ نہیں کاٹ سکتی۔

میری بیوی راشدہ بیگم نے ——— مرکزی قومی بچت نیشنل سیونگ سنٹر ملتان میں مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۸۵ء کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ جمع کرا دیا تھا اس مئی کے مہینہ میں صرف ۲۰ دن بعد اڑھائی ہزار روپے زکوٰۃ فنڈ میں کاٹ لئے گئے کیا یہ زکوٰۃ کی کٹوتی صحیح ہے۔؟

الجواب: مالکِ نصاب کے مالِ نامی پر جب ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس سے پہلے زکوٰۃ کاٹنا خلاف ضابطۂ شرعیہ ہے

فقط واللہ اعلم، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲، شعبان سنہ ۱۴۱۰ھ

جس سے تملیک کرائی جائے اس کو بھی ثواب ملے گا؟

بعض مدارس میں تملیک کا معمول ہے تو جس سے تملیک کرائی جائے۔ جب وہ رقم مدرسہ کو دیدے تو اسے بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: اسے بھی ثواب ملے گا بشرطیکہ تملیک صحیح طریقہ پر ہوئی ہو۔ وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد اھ (درمختار) (قولہ فیکون الثواب لھما) ای ثواب الزکاۃ للمزکی وثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضاً لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کماً وکیفاً ط قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدئ

من غير ان ينقص من اجره شیٔ اھ (شامیہ ص۱۳ ج۲)

فقط واللہ اعلم ، فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ

انجمن سپاہِ صحابہؓ کو زکوٰۃ دینے کا حکم: زکوٰۃ کی رقم انجمن سپاہِ صحابہؓ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جبکہ انجمن اس کو ایک دینی پروگرام پر خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً عظمتِ صحابہؓ کے لئے۔؟

(سائل مولانا عبداللہ صاحب۔ بہاولپور)

الجواب: زکوٰۃ ہر دینی کام پر خرچ نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ جس کو دی جائے وہ فقراء و مساکین میں سے ہو۔ نیز کسی کام یا عمل کے معاوضہ میں نہ دی جائے۔ اگر انجمن سپاہِ صحابہ کے کارکن جن کو زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں وہ اس مسئلہ سے بخوبی واقف ہوں اور ان پر اعتماد ہو کہ وہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں ادائیگی زکوٰۃ کی شرائط کا اہتمام کریں گے تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ورنہ دیگر عطیات سے اُن کا تعاون کردیں۔ فقط واللہ اعلم ، محمد انور ۱۲ / ۸ / ۱۴۱۰ ھ

مختلف شہروں کے سفیروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

رمضان المبارک میں مختلف شہروں سے مدارس کے سفیر حضرات زکوٰۃ لینے کے لئے آجاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اپنے شہر والوں کا حق زیادہ ہے شرعاً اُن سفیروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب: یہ درست ہے کہ اپنے شہر والوں کا حق مقدم ہے اور اُن کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں زکوٰۃ بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے مگر چند صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً اگر اپنے رشتہ دار ضرورتمند ہوں اور دوسرے شہر رہتے ہوں تو بلا کراہت اُن کی طرف بھیجنا درست ہے۔ ایسے ہی علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بھی دوسرے شہروں میں زکوٰۃ

بھیجنا درست ہے۔ وكره نقلها إلا الى قرابة بل فى الظهيرية لا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدأ بهم فيسد حاجتهم او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمين او من دار الحرب الى دار الاسلام او الى طالب علم وفى المعراج التصدق على العالم الفقير افضل اھ (درمختار)

وفى الشامية (قوله وكره نقلها) اى من بلد الى بلد آخر لان فيه رعاية حقوق الجوار فكان اولى زيلعى والمتبادر منه ان الكراهة تنزيهية تأمل فلو نقلها جاز لان المصرف مطلق الفقراء درر اھ (ص۲۵ ج۲) وفيها (قوله افضل) اى من الجاهل الفقير قهستانى اھ (ص۲۵ ج۲)

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم ،
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ کے بیٹے بھی اُتنا ہی مال لے سکتے ہیں جتنا کہ عام طالب علم

زید کا اپنا مدرسہ ہو اس میں مسافر طلباء اور زید کے اپنے بچے بھی پڑھتے ہیں جس طرح عام طالب علموں کی ضروریات کا مدرسہ کفیل ہوتا ہے کیا زید کے لڑکوں کو بھی وہی مراعات و ضروریات مدرسہ سے دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ زید مسکین و غریب بھی نہیں۔

الجواب: ضرورت نہ ہونے کی صورت میں بہتر یہ ہے کہ نہ لے، اور اگر لینا چاہیں تو جتنا ایک عام مقامی طالبعلم کو مدرسہ کیطرف سے دیا جاتا ہے اُتنا لینے میں

گنجائش ہے ۔ مہتمم مال مدرسہ کا امین ہے، مالک نہیں ۔ محض اہتمام کی بناء پر اس کے بیٹے مال مدرسہ لینے کے مجاز نہیں ۔ اور اجازت صرف ان بچوں کے لئے ہے جو باقاعدہ مدرسہ کے طالب علم ہوں ۔ نیز غنی کے نابالغ بچوں کو صدقاتِ واجبہ دینے جائز نہیں، دیتے وقت اِس مسئلہ کو بھی ملحوظ رکھا جاوے ۔ نیز اگر مقامی طلبہ کو امداد نہیں دی جاتی تو مہتمم کے لڑکوں کو بھی نہ دی جائے ۔ محمد انور عفا اللہ عنہ،

نائب مفتی خیر المدارس ۵/۱۱/۱۳۹۸ھ

الجواب صحیح ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ۔ ملتان

کمپنیوں کے حصہ دار زکوٰۃ کیسے ادا کریں ؟

ایسی صنعتی کمپنیاں جس کے مختلف حصہ دار ہوں وہ اصل اور نفع کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں؟

الجواب اگر اصل رقم کا کوئی حصہ تعمیر یا مشینری پر خرچ نہیں ہوا تو زکوٰۃ اصل اور نفع دونوں پر ہوگی ، در مختار میں ہے ۔

وثمنیۃ المال کالدراھم والدنانیر لتعینھما للتجارۃ باصل الخلقۃ فتلزم الزکاۃ کیفما امسکھا ولو للنفقۃ اھ (شامی ص ۱۱/ج ۲) ۔

اگر رقم کا کچھ حصہ مشینری پر خرچ ہو چکا ہے تو باقی مال اور نفع پر زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ کیونکہ آلات اور مشینری پر زکوٰۃ نہیں آتی ولو اشتری قدوراً ولیوجرھا لا تجب فیھا الزکوٰۃ کما لا تجب فی بیوت الغلۃ (کذا فی قاضی خان و عالمگیری ص ۹۲/ج ۱) فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۴/۱۱/۱۴۰۷

کمپنی کے شیئرز کی زکوٰۃ اسوقت کی قیمت کے اعتبار سے ادا کیجائے

کمپنی یا بینک سے (SHARES) شیئرز خریدے جب خریدے تھے تو اسکی قیمت چار ہزار روپے تھی اور اب ہم اس کو فروخت کریں تو اسکی قیمت آٹھ ہزار روپے ہے تو انکی زکوٰۃ موجودہ قیمت کی ادا کریں یا بوقت خرید کی زکوٰۃ ادا کریں ؟

الجواب بازار میں اسوقت جو اسکی قیمت ہوگی زکوٰۃ اسی حساب سے ادا کی جائے گی ۔ درمختار میں ہے ۔ وتقیمت القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء اجماعاً وھو الاصح اھ (ص ۳۰/ج ۲) ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد اسحاق عفا اللہ

کسی کی طرف سے بلا اجازت زکوٰۃ دے دی تو اسکی طرف سے ادا نہیں ہوگی

ایک عورت پر زیور کی زکوٰۃ واجب تھی مگر نقد رقم موجود نہ تھی ۔ اسکی بیٹی نے اپنی ذاتی رقم سے والدہ سے اجازت لئے بغیر والدہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی کیا وہ زکوٰۃ ادا ہو گئی ۔ ؟

الجواب صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ۔ لو ادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز اھ (شامی ص ۲/ج ۲)

فقط واللہ اعلم ، محمد انور عفا اللہ عنہ، ۶/۱/۹۹

الجواب صحیح ۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

متوفاۃ نے اپنی زندگی میں زکوٰۃ نہ دی ہو تو ترکہ سے نکالنے کا حکم

ہندہ مر گئی اور کچھ زیورات چھوڑ گئی ۔ اپنی زندگی میں اس نے ان زیورات وغیرہ

کی زکوٰۃ پوری پابندی سے نہ دی اب وفات کے بعد کیا ورثاء مال میں سے اسکی زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ اور ان پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہ۔ اور زکوٰۃ اسکے مال سے نکال کر ترکہ تقسیم کریں یا کیسے کریں اگر ایک وارث اپنی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وارث کی ادائیگی زکوٰۃ سے ہندہ سے فرض اتر جائے گا یا نہ؟

الجواب اگر ورثاء تمام بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے متوفاۃ کی طرف سے زکوٰۃ نکال سکتے ہیں۔ ان پر واجب نہیں —— اگر ان میں سے ایک بھی زکوٰۃ دینا چاہے تو یہ بھی جائز ہے حق تعالیٰ سے اسکو ثواب ملنے کی پوری امید ہے اور اس متوفاۃ سے بوجھ کم ہونے کی توقع ہے۔ اگر سب وارث راضی ہوں تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں ورنہ بعد از تقسیم ہر شخص اپنے حصہ سے اگر چاہے نکال کر ثواب حاصل کرے۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ،

خیر محمد عفا اللہ عنہٗ مہتمم خیر المدارس ملتان ۱۳۷۶/۷/۱۴ھ

مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا :

ایک غریب مستحق زکوٰۃ کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے۔؟

الجواب درست ہے۔ مگر بیک وقت اتنی نہ دی جائے کہ وہ غنی ہو جائے ویکرہ ان یدفع الی واحدٍ مائتی درھم فصاعداً وان دفع جاز اھ (ھدایۃ ج ۱)۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہٗ ۲۴/ ۸/ ۱۳۹۸ھ

بلیک کے ذریعہ حاصل کردہ مال پر زکوٰۃ کا حکم :

جو نقدی بذریعہ بلیک حاصل کی جائے اسسے قربانی و فطرانہ دینا جائز ہے یا نہیں —— ؟

الجواب یہ مال اگرچہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوا ہے لیکن باوجود اسکے وہ اسکا مالک بن گیا ہے اس وجہ سے اس کو قربانی اور فطرانہ اور اسکی زکوٰۃ یہ تمام امور ادا کرنے ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ

معین مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفرلہٗ

نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۱۲/ ۱۱/ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح ، محمد عبد اللہ غفر اللہ لہٗ مفتی خیر المدارس۔ ملتان

بھانجا ماموں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے ؟:

ماموں اپنے بھانجے سے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ جبکہ ماموں از حد غریب ہے نہ نقدی ہے اور نہ سونا چاندی؟ کسی دینی جماعت کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب اگر ماموں میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو عام لوگوں کی بہ نسبت ان کو دینا زیادہ ثواب کا سبب ہے۔ ایسے ہی اگر وہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے میں مصارف کا پورا پورا خیال رکھتے ہوں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم ،

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۹/۷/۱۴۰۶ھ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار غفرلہٗ

حکومت کو مالیہ ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا

زمین کی پیداوار پر گورنمنٹ ٹیکس (مالیہ) ادا کرنے کے ساتھ شرعی حق دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۸۶ میں مرقوم ہے اگر زمین عشری ہے تو سرکاری محصول دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ فیما بینہ و بین اللہ

فقراء کو دسواں یا بیسواں حصہ دینا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح　　بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،
خیر محمد عفا اللہ عنہ،　　۱۰ رجب ۱۳۷۰ھ

زکوٰۃ کا پیسہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنا :

زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنا جائز ہے یا نہیں یا بیمہ ہو سکتا ہے ؟

الجواب منی آرڈر سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے اور اسی طرح بیمہ سے بھی روپیہ زکوٰۃ بھیجا جا سکتا ہے۔ (کذا فی الفتاویٰ امدادیہ ص ۱۳۹ ج ۱) لیکن واضح ہے کہ اگر ڈاک خانہ سے مرسل الیہ کو زکوٰۃ کا روپیہ بصورتِ نوٹ کے حاصل ہو تو اس کو نقد بنا کر قبضہ کرانا ضروری ہے۔ یعنی مرسل الیہ کو لکھ دیا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اس رقم کے اگر نوٹ ڈاک خانہ سے حاصل ہوں تو نقد بنا کر لو۔ اور نقد رقم کو اپنے صرف میں لاؤ۔　　فقط واللہ اعلم ،　　بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح ،　　۴ / ۱۰ / ۱۳۷۰ھ
بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ،

مقروض بھی اپنی زمین کی پیداوار کا عُشر دے

میری تنخواہ مبلغ ۸۰ روپے ماہوار ہے۔ کنبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے گذر ہوتا ہے اور پس انداز کچھ بھی نہیں ہوتا کہ اس سے شرعی طور پر زکوٰۃ دی جا سکے۔ اس وقت مجھ پر ۵۰۰ روپے قرض ہے۔ اور زمین سے دس من گندم ملی ہے کیا اس گندم پر شرعاً عُشر واجب ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب عشر کا وجوب زمین سے حاصل شدہ چیز پر ہے۔ اس میں یہ ضروری نہیں کہ عشر دینے والا غنی ہو۔ پس آپ پر ضروری ہے کہ آپ ایک من عشر ادا کریں۔ زمین اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ دینا ہوگا اور اگر چاہی یا نہری ہو جس کا پانی معاوضہ سے خریدا گیا ہو تو بیسواں حصہ یعنی بیس سیر عشر ہوگا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ،　　۲۴ / ۱۱ / ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہ،　　۲۴ / ۱۱ / ۱۳۷۶ھ
الجواب صحیح　　عبد اللہ غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان

بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم :

بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بہن مستحق ہو تو اسے زکوٰۃ دینا دُرست ہے بلکہ دُہرا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم ،　　محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔
۵ / ۹ / ۱۴۰۰ھ

جانوروں کی زکوٰۃ کے لئے ان کا سائمہ ہونا ضروری ہے

ایک شخص کے پاس اسی بھینسیں ہیں۔ جو کہ تجارت کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کا دُودھ فروخت کرتا ہے۔ جس کی آمدنی ہر ماہ تقریباً سوا لاکھ روپیہ ہے۔ کیا بھینسوں پر زکوٰۃ ہوگی۔ یا آمدنی پر جبکہ وہ باہر چرنے نہیں جاتیں۔ بلکہ گھر پر ہی خرید کر چارہ ڈالا جاتا ہے۔ ؟

الجواب بر تقدیرِ صحتِ واقعہ صورتِ مسئولہ میں بھینسوں پر زکوٰۃ واجب نہیں

کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے سال بھر ہونا ضروری ہے۔ البتہ ان سے جو آمدنی ہوتی ہے اِس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار غفرلہٗ

داخلہ حج میں دیئے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ :

میرا سالِ زکوٰۃ ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں پورا ہوتا ہے مگر میں نے یکم رجب کو داخلہ حج بھر دیا ہے، سال پورا ہونے پر اِس رقم پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں ؟

الجواب: جب سال یکم رمضان کو پورا ہوتا ہے اسوقت تک روپیہ استعمال میں نہیں آیا تو وجوب زکوٰۃ کل رقم پر ہوگا۔ لہٰذا داخلہ حج میں دیا ہوا روپیہ وجوب زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

کما یفہم من الدر علی ھامش الرد ص ۶ ج ۲ بخلاف دین نذر وکفارۃ وحج لعدم المطالب الخ۔ فقط واللہ اعلم، محمد اسحٰق عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح، خیر المدارس۔ ملتان ۶/۷/۹۲ جو

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ خیر المدارس۔ ملتان ۶/۷/۹۲ جو

زکوٰۃ کے پیسہ سے اَدویات خرید کر دینا

زکوٰۃ کے روپیہ سے ادویات خرید کر لوگوں کو تقسیم کر سکتے ہیں یا کسی مدرسہ میں جو گورنمنٹ سے گرانٹ حاصل کر رہا ہو اس میں اَدویات خرید کر دے سکتے ہیں ؟

الجواب: زکوٰۃ کے روپے سے ادویات خرید کرکے فقراء ومساکین کو جو مستحق ہوں اور شرعی مصرف ہوں تملیک کر دینا جائز ہے۔ اِسی طرح سکول کے مستحق طلبہ کو ادویات تملیک کرنا جائز ہے۔ چاہے سکول کو گورنمنٹ سے گرانٹ

بھی ملتی ہو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ سے خرید شدہ ادویات مستحق اور نادار طلبہ کو ہی تملیک کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم،

محمد عبداللہ غفر اللہ لہٗ
مفتی خیر المدارس۔ ملتان
۱۴/۵/۱۳۷۸ جو

زکوٰۃ کے پیسے علیحدہ رکھے تھے کہ چوری ہو گئے

زکوٰۃ کے دو سو روپیہ زائد حساب کرکے نکالے اور ان زکوٰۃ کے روپیوں کو علیحدہ رکھ دیا۔ مدارس وغیرہ میں بھیجتے رہے۔ کچھ روپے ابھی تقسیم نہیں کئے تھے کہ کسی نے وہ ڈبہ گھر کی الماری سے چُرا لیا۔ اس کمرے سے ہی ہمارے پہلے بھی کچھ پیسے کسی نے چُرا لئے تھے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ والے روپیوں کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ یا دوبارہ دینے پڑیں گے۔؟

الجواب: جتنی مقدار فقراء کو نہیں دی گئی اتنی مقدار ادا نہیں ہوگی۔ دوبارہ دینی لازم ہوگی۔ (درمختار ص ۱۶ ج ۲) (ولا یخرج عن العھدۃ بالعزل فلو ضاعت لا تسقط عنہ الزکوٰۃ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح،
خیر محمد عفا اللہ عنہٗ مہتمم جامعہ ہذا ۳/۱۲/۱۳۷۱ جو

ایک ہی شخص کو اتنے پیسے دینا کہ وہ غنی ہو جائے

کوئی آدمی زکوٰۃ کے پیسے سے ایک غریب آدمی کو حج بیت اللہ شریف کرا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: مالک بننے کے بعد فقیر کو اختیار ہے کہ اس پیسے کو جہاں چاہے صَرف کرے لیکن کسی مستحق کو غنی کرنا یک وقت نصاب سے زائد

دینا مکروہ ہے) ویکرہ ان یدفع الی واحدٍ ماتئی درہم فصاعداً وان دفع جاز (ھدایہ باب الزکوٰۃ) ۔ فقط واللہ اعلم ،

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،

مفتی خیرالمدارس ملتان ۹/۱۲/۱۳۹۷ھ

جس قرض کے ملنے کی اُمید نہ ہو اسکی زکوٰۃ کا حُکم

جو مال کسی کو قرض پر دیا ہے یا رقم قرضہ پر دی ہوئی ہے لیکن ملنے کی اُمید نہیں ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہ ۔ پھر یہی قرضہ اگر کئی سالوں کے بعد بالفرض مل جائے تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہ ؟

الجواب اگر مقروض منکر تھا اور قرض دینے کے گواہ بھی موجود نہیں تھے تو اس صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ۔ درمختار میں ہے ودین کان جحدہ المدیون سنین ولا بینۃ لہٗ علیہ (ص ۹ ج ۲) لیکن اگر مقروض مقر تو ہے مگر حصول پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نا اُمیدی ہے تو اس صورت میں بھی گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ۔ (شامیہ باب المصرف) ملنے کی اُمید اور مقروض کے اقرار یا اس پر گواہ ہوں تو کل صورتوں میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے ۔ درمختار میں ہے ۔ ولو کان الدین علی مقر ملیٍ او معسر او مفلس او جاحد علیہ بینۃ او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ما مضیٰ ۔ (شامیۃ ص ۲۷) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح ؛ ۲۷ / ۵ / ۱۴۰۶ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

واجب التصدق رقم اپنی بالغ اولاد کو دے سکتا ہے

ایک آدمی کے پاس سُود کی رقم ہے وہ خود تو اپنے اُوپر خرچ نہیں کرتا اسکی ایک لڑکی ہے جس کی شادی کی تھی تو اس کے خاوند نے طلاق دے دی کیا وہ والد سود کی رقم اپنی اس لڑکی کو دے سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

الجواب اگر لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے تو یہ رقم اس کو دے سکتا ہے مگر زکوٰۃ وغیرہ نہیں دے سکتا ہے ۔ وفی کراھیۃ الھندیۃ ان تصدق بہ علی ابیہ یکفیہ ولا یشترط التصدق علی الاجنبی

فقط واللہ اعلم ، محمد انور غفرلہٗ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

(شیعہ کو عُشر دینا جائز نہیں) :

ایک شخص صاحب مال ہے اور عشر دینا چاہتا ہے اس کا ایک رشتہ دار قریبی شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے ۔ کیا اس پر عشر لگتا ہے یا نہیں ؟

الجواب جائز نہیں ۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۲۴/۱۱/۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح ، محمد عبداللہ غفر اللہ، مفتی خیرالمدارس ۔ ملتان

افیون کی تجارت سے حاصل ہونے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم :

ایک شخص افیون بیچتا ہے اس میں منافع اتنا ہوا کہ اس کے پاس دو تین ہزار روپیہ جمع ہو گیا ۔ وہ چاہتا ہے کہ اس میں سے زکوٰۃ ادا کروں اور نماز بھی پڑھوں اور حج بھی ادا کروں اور یہی کام آئندہ بھی کرتا رہوں جس طرح شریعت کا حکم

ہو تحریر فرما دیں ۔؟

الجواب افیون کی تجارت کرنا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر کوئی اور کاروبار مل جائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کمائے ہوئے روپے کی زکوٰۃ بھی دیوے اور اس سے حج بھی کرے ۔ فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ، بندہ اصغر علی غفر اللہ لہٗ

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ ۲۲ / ۱۲ / ۱۳۷۴ھ

زکوٰۃ میں جانوروں کی ایک جنس کو دُوسری کے ساتھ مِلایا نہیں جائیگا

ایک آدمی کے پاس ۳۵ بکریاں اور دس گائے اور تین اونٹ، پانچ بھینسیں ہیں ۔نقدی بھی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟ اور گھوڑوں کی زکوٰۃ ہے یا نہ ؟ اگر ہے تو نصاب کیا ہے ؟

الجواب مولیشی مختلف اقسام کے جمع ہو جائیں اور نصاب کسی کا پورا نہ ہوتا ہو تو کسی قسم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ جمع نہ کیا جائے گا۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ بنا بر قول مفتیٰ بہ ، فی الدر المختار ولا شئ فی خیل سائمۃ عندھما وعلیہ الفتویٰ وفی الرد قال الطحاوی وھٰذا احب القولین الینا ورجحہ القاضی ابو زید فی الاسرار وفی الینابیع وعلیہ الفتویٰ ۔ وفی الجواھر والفتوای علی قولھما اھ ۲۶/۲ ج ۲ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ خادم الافتاء ۔ خیر المدارس ۔ ملتان ۱۸ ر شعبان ۱۳۷۰ھ

الجواب صحیح ،

خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۴ ر شعبان ۱۳۷۰ھ

صاحبِ نصاب وکیل اپنی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

زید صاحبِ نصاب نے اپنی دختر کی شادی عمر صاحبِ نصاب سے کی ۔کچھ عرصہ بعد عمر نے لڑکی کو ناشزہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی اور کچھ مہر و نفقہ نہ دیا ۔ لڑکی اپنے باپ کے گھر عدت گزار رہی ہے ۔ اور اس کا خرچ اب اس کا باپ برداشت کرتا ہے ۔ اور وہ اب بھی صاحبِ نصاب ہے ۔بکر نے زید کو کچھ رقم مد زکوٰۃ کی دی اور یہ کہا کہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کر دو ۔ کیا زید اس رقم کو اپنی مطلقہ دختر پر خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب زید اگر بکر کے مال کی زکوٰۃ کو اپنی بیٹی کبیرہ پر صرف کر دے تو جائز ہوگا یعنی باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے ۔ وکذا الی البنت الکبیرۃ اذا کان ابو ھا غنیا لان قدر النفقۃ لا یغنیھا اھ (عالمگیری ص ۱۸۹/ج ۱) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہٗ ۸ / ۹ / ۱۳۷۰ھ

مالِ عُشر دُوسرے شہر لیجا کر فروخت کرے تو بھی مجموعہ قیمت سے عُشر دے

کسی آدمی نے ٹماٹر وغیرہ کاشت کئے ہیں ۔ وہ شخص ان کو اسی جگہ بیچنا چاہتا ہے ، مگر نرخ کی کمی کی وجہ سے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہے ۔ اب اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے بصورت دیگر اگر اس زمیندار نے ٹماٹر دوسرے شہر کو ارسال کر دیئے وہاں پر ۱۰۰ روپے کا مثلاً بِک گیا جب تمام خرچہ وغیرہ نکال دیا گیا تو صافی صرف ستر یا اسّی روپے رہ گئے ۔ اب عشر خام بکری سے ادا کرے یا صافی بکری سے ۔

الجواب در مختار میں ہے ویقوم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں ۔

فلو بعث عبد التجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد ص۳۰/۲

اِس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے۔ خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

رائج الوقت نوٹ عروضِ تجارت کے حکم میں ھیں

میرے اور میری گھر والی دونوں کے پاس پانچ پانچ تولے سونا ہے۔ زوجہ کے پاس گھر کا کچھ سامان بھی ہے۔ جو کہ والدین نے ان کو تملیک کر دیا ہے۔ جو تقریباً تین صد روپیہ کا ہے۔ لیکن میرے پاس سوائے پانچ تولہ سونے کے اور کچھ بھی نہیں ہے آیا اِس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اور اسی طرح میری بیوی پر بھی ان مذکورہ بالا میں سے کچھ واجب ہے یا نہیں نیز بندہ ۸۰ روپے کا ملازم ہے۔ لیکن ۸۰ روپے سارے کے سارے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ تین سو روپیہ قرضہ بھی دینا ہے۔ جواب تک ادا نہیں کیا۔ بالفرض اگر قرضہ نہ بھی دینا ہو تو پھر بھی صدقۃ الفطر وغیرہ واجب ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب: رائج الوقت نوٹ اور روپے عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔ اور ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ الفلوس ان کانت اثمانا رائجة او سلعا للتجارة تجب الزکوٰة فی قیمتها والا فلا (شامی ص۳۲/۲) جب آپ نے تنخواہ وصول کی تو اس کا ضم مع الذہب کرنے کی وجہ سے نصاب فضہ کی مالیت سے یہ مجموعہ زائد ہو گیا تو سال شروع ہو گیا۔ آئندہ سال اگر اس تاریخ میں ایک روپیہ یا اٹھنی چونی یا آنہ بھی موجود ہوا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ایام قربانی میں بھی اگر ایک روپیہ یا اٹھنی یا چونی وغیرہ موجود ہوئی تو قربانی واجب ہوگی۔ ورنہ نہیں یہی حکم صدقۂ فطر کا

ہے۔ بیوی کے بارے میں بھی یہی تفصیل ہے کہ جس دن کوئی روپیہ اسکی ملکیت میں آیا اسی روز سے اس کا سال شروع ہو جائے گا الخ۔ البتہ اسکے ملکیتی برتن اگر استعمال میں نہ آتے ہوں ویسے پڑے رہتے ہوں تو اس صورت میں صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ واجب ہوگی۔ خواہ مزید کوئی روپیہ اسکی ملک میں آئے یا نہ آئے۔ اور اگر استعمال ہوتے ہوں تو یہ برتن وغیرہ انکی مالیت نصاب میں محسوب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۱۱/۱/۱۳۹۳ھ

زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کر لی اور مالکان کو بتانا بھی مشکل ہو تو....

اگر کوئی زکوٰۃ کی رقم اپنی کسی ضرورت میں خرچ کر بیٹھے اور پھر اپنی طرف سے اِتنی رقم مدرسہ میں خرچ کر دے تو کیا زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔؟

الجواب: اصل یہ ہے کہ صورتِ حال بتلا کر مالکان سے اجازت لی جائے اور پھر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جائے اگر اس میں مشکلات ہوں تو ایک قول کے مطابق صورتِ مسئولہ میں ہی گنجائش ہے امید ہے کہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لکن قد یقال تجزی عن الآمر مطلقا لبقاء الاذن بالدفع اھ (شامیہ ص۱۴/۲) لیکن یہ رقم ویسے ہی مدرسہ میں خرچ کرنا کافی نہیں ہوگا۔ بلکہ معطین کی طرف سے تملیک کرنی ہوگی۔ رجل جمع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق تلک الدراهم فی حاجته ثم رد بدلها فی نفقة المسجد لا یسعه ان یفعل ذالک فان فعل فان عرف صاحب ذالک المال رد علیه او سأله تجدید الاذن فیه وان لم یعرف صاحب المال استأذن الحاکم وان تعذر علیه ذالک رجوت له فی الاستحسان ان ینفق مثل ذالک من ماله علی المسجد فیجوز اھ کذا فی الذخیرة (هندیة ص۲۵۲/۲)۔ فقط واللہ اعلم، بندہ عبد الستار غفرلہ، ۱۵/۱/۱۳۹۲ھ

اُدھار کی زکوٰۃ کیسے دے ؟

زید کپڑے کا کاروبار کرتا ہے ۔ اور زید چاہتا ہے کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کروں ۔ زید کا مال تین قسم کا ہے ۔ اولاً جو کپڑا دوکان میں موجود ہے ثانیاً جو نقد رقم زید کے پاس ہے ثالثاً وہ رقم جو مختلف اشخاص کے پاس بطور اُدھار ہے ۔ اب ان تینوں قسموں پر زکوٰۃ ہے یا نہ یا پہلی دو قسم پر زکوٰۃ ہے ۔ ؟

الجواب: جو اُدھار تجارت کے سلسلہ میں ہو یعنی لوگ دکان سے مال لے گئے ہوں یا نقد روپیہ کسی کو دیا ہو اُس کی زکوٰۃ جیسے جیسے وصول ہوتا جائے ادا کی جاتے ۔ باقی دو کی ابھی دے دیں ۔

فتجب عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض وبدل مال التجارۃ فکلما قبض اربعین درھما یلزمه درھم

(درمختار علی الشامیة) ۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۴/۴/۱۴۰۹ھ

بیٹے کی بیوی کو زکوٰۃ دینے کا حکم :

عثمان نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا کہ مَیں زکوٰۃ اپنی بہو کو دینا چاہتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں ؟ مولوی صاحب نے تبلایا کہ من حیث الزکوٰۃ دینا جائز ہے پھر عثمان نے دوسرے مولوی صاحب سے معلوم کیا تو دوسرے مولوی صاحب نے عدم جواز کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کا نفع ونقصان مشترک ہے اس لئے دینا جائز نہیں واضح رہے کہ عثمان کی بہو عاقلہ بالغہ اپنے شوہر کے سمیت عثمان کے گھر سکونت پذیر ہے ، عثمان اور اس کا بیٹا کھیتی کرتے ہیں ۔ اور عثمان مذکور تمام مرد وزن صغیر و کبیر کا خرچہ خود کرتا ہے ہر چیز کا مشترک کمائی سے ایسے حالات میں عثمان اپنی زکوٰۃ اپنی بہو کو شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: کتب فقہ میں زوجۂ ابن یعنی بہو کو زکوٰۃ دینے کا جواز مصرح ہے اور

کسی طرح بھی اصولِ شرع کے تحت بہو کو مصرفِ زکوٰۃ سے خارج کرنے کی صورت نہیں نکلتی ، لہٰذا بہو کو زکوٰۃ دینی جائز ہے اگر وہ مسکینہ ہو ۔ باقی فقہاء نے باپ کی زکوٰۃ بیٹے کو یا علی العکس یا زوجہ کی زوج کو وعلی العکس کے عدمِ جواز کے لئے بطورِ دلیلِ عقلی یہ دلیل پیش کی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اُٹھانے میں چونکہ آزاد ہوتے ہیں تو یہ زکوٰۃ گویا دوبارہ زکوٰۃ دینے والے کی ضرورت میں استعمال ہو رہی ہے ۔ وغیر ذلک اس قسم کے دلائلِ عقلیہ جنہیں فقہاء پیش کرتے ہیں مسئلہ کا مدار نہیں ہوتے اس طرح کہ اگر یہ دلیل اجنبی میں پائی جائے اور کوئی شخص کسی غریب قریب کے ساتھ اس قسم کا دوستانہ برتاؤ اور حسنِ تعلق رکھے کہ وہ ایک دوسرے کے مال کو آزادی سے استعمال کریں تو وہاں حکم عدمِ جواز کا دیا جائے یا کوئی لڑکا اپنے باپ سے علیحدہ ہے اور بیٹے کا مال کامل الانقطاع ہے ۔ کسی قسم کا نفع ایک دوسرے کے مال سے نہیں اُٹھاتے تو وہاں جوازِ زکوٰۃ کا حکم دیا جائے اس طرح کا عمل صحیح نہیں ۔ دلائلِ عقلیہ کو فقہاء ، صرف تقریبِ ذہن کے لئے پیش کرتے ہیں دراصل مصارفِ زکوٰۃ حدیث شریف میں منصوص ہیں ، باپ کی زکوٰۃ بیٹے پر منع ہے ۔ حدیث شریف میں اب یہ منع مطلق ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو اور بہو کے لئے جواز ہے لہٰذا یہ بھی مطلقاً ہوگا خواہ نفع مشترک ہو یا نہ ہو ۔ البتہ اگر کوئی نیت فاسد رکھتا ہو اور بہو کو دینا حیلہ بنا رہا ہو فی الواقعہ مقصود یہ ہو کہ اس طرح زکوٰۃ سے دوبارہ فائدہ اُٹھاؤں گا تو اِس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔ انما الاعمال بالنیات الخ اگر نیت فاسد ہے تو عمل فاسد ہوگا لیکن فقہی حکم کا تعلق ظاہر سے ہوتا ہے باطنی نیّات سے نہیں لہٰذا فقہی حکم صرف جواز کا ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم ،

محمود عفا اللہ عنہ
مُفتی قاسم العلوم ۔ ملتان
۱۸ / ۲ / ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح ،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

سادات کو زکوٰۃ دینا کسی زمانہ میں جائز نہیں

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خمس نہ ہونے کی وجہ سے موجودہ زمانہ میں جائز ہے۔ یہ قول کہاں تک درست ہے۔؟ احادیث صحیحہ اور معتبر فقہاء اس کے حق میں ہیں یا خلاف۔ درست صورتِ حال اور مفتی بہ قول درکار ہے۔

الجواب: کسی زمانہ میں بھی سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور سادات کو ہر زمانہ میں زکوٰۃ لینا حرام ہے خواہ خمس ہو یا نہ۔ وفی البحر الرائق واطلق الحکم فی بنی هاشم ولم یقید بزمانٍ ولا بشخص للاشارة الی رد روایة ابی عصمة من الامام انه یجوز الدفع الی بنی هاشم فی زمانه لان عوضها وهو خمس الخمس لم یصل الیهم لاهمال الناس امر الغنائم وایصالها الی مستحقیها واذا لم یصل الیهم العوض عادوا الی المعوض وللاشارة الی رد الروایة بان الهاشمی یجوز له ان یدفع زکوٰته الی هاشمی مثله لان ظاهر الروایة المنع مطلقا ص۲۶۶ ج۲ نیز جس ایک روایت کے پیشِ نظر جواز بتلایا جا رہا ہے، وہ دلیل کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔ فقہاء معتبرین کا مفتی بہ قول بھی عدمِ جواز کا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،

آلِ علیؓ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں :

ایک شخص اپنے آپ کو علوی بتاتا ہے۔ کیا اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔؟

الجواب: اگر واقعۃً وہ آلِ علیؓ سے ہے تو اس کو صدقاتِ واجبہ براہِ راست نہیں دے سکتے۔ (قوله ولا الی بنی هاشم) درمختار) اعلم ان عبد مناف وهو الاب الرابع للنبی صلی الله علیه وسلم اعقب اربعة وهم هاشم والمطلب ونوفل وعبد شمس ثم هاشم اعقب اربعة انقطع نسل الكل الا عبد المطلب فانه اعقب اثنا عشر تصرف الزکوٰة الی اولاد كل اذا كانوا مسلمین فقراء الا اولاد عباس وحارث واولاد ابی طالب من علی وجعفر وعقیل اھ شامیة ص۷۲ ج۲۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور ۳۰/۹/۱۴۰۷ھ

برادری کے مالداروں سے لیکر انہی کے فقراء پر تقسیم کرنیکی شرائط

ہماری ایک برادری جو کہ پانچ چھ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ جس میں مالی اعتبار سے ہر طرح کے افراد شامل ہیں یعنی امیر و غریب۔ برادری کی ایک قومی کمیٹی تمام برادری کے اتفاق و اتحاد سے بنی ہوئی ہے جس کا مقصد اب یہ ہے کہ برادری کے امیر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں اور اپنے پاس جمع کر کے اپنی برادری کے یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ایسے افراد جن کا گزارہ نہیں ہوتا ہے ان پر تقسیم کریں۔ اگر یہ جائز ہے تو قومی کمیٹی کس طرح سے ان افراد میں زکوٰۃ کو تقسیم کرے۔؟

الجواب: کمیٹی اس طرح زکوٰۃ جمع کر سکتی ہے اور انکو دے سکتی ہے جن کے پاس تقریباً ایک سو پندرہ روپے کی مالیت کا سامان مع نقدی زیورات موجود نہ ہو۔ جو سامان کہ زائد از حاجت ہو۔ ہر یتیم، بیوہ مستحق زکوٰۃ نہیں۔ مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے ۱:۔ کسی وسیع النظر عالمِ دین سے مسائل پوچھ کر زکوٰۃ ادا کرنا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہی نہ ہو ۲:۔ شرعاً مسکین و غریب کس کو کہتے ہیں اسکی صحیح تحقیق معلوم کرنا ۳:۔ رقم جمع ہوتے ہی جلد از جلد مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرنا جمع کرنے میں بہت ضروری ہے۔ کہ ہر سال کے سال یہ فنڈ ختم ہو جایا کرے ۴:۔ اگر دشواری نہ ہو تو فقراء کی فہرست تیار کر کے ایک طرف لیتا جاوے اور دیتا جاوے کہ جمع کی نوبت ہی نہ آوے ۴:۔ مساکین میں اپنی ہی برادری کی تخصیص کرنا اچھا نہیں دوسرے مساکین کو بھی دیتے رہیں۔ ۵:۔ کسی

غیر مقروض مستحق کو ایک ہی مرتبہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت سے کم دیں۔ تقریباً سو روپیہ سے زیادہ نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، ۲۵/۸/۱۳۸۲ھ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان

کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

کپاس چُنائی میں مزدوری کپاس ہی سے دیا گیا ہے اور اگر یوں ہی کیا جاوے تو جو مقدار مزدوری میں چلی جاوے گی اس کا عشر بھی واجب ہوگا، نیز اسکی آمدنی سے خرچہ نکال کر عشر واجب ہوگا یا خرچہ نکالنے سے پہلے، نیز کپاس کی لکڑیوں میں عشر ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ کہا جائے کہ جو کپاس چُنوگے، اس سے اُجرت دی جائے گی تو درست نہیں اور اگر یوں کہا جاوے کہ دس سیر کپاس چُننے پر ایک سیر دی جائے گی تو درست ہے پھر چاہے اسی سے دے دی جائے۔

لو استأجر رجلا یجنی هذا القطن بعشرة امناء من القطن ولم یقل من هذا القطن جاز (عالمگیری ص۵۲۲ ج۴)

جو مقدار مزدوری میں دی جاوے عشر اس میں بھی واجب ہے کیونکہ وہ بھی منجملۂ پیداوار ہے کپاس کی لکڑی میں عشر نہیں ہے عشر خرچہ وغیرہ نکالنے سے پہلے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔ فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ،
الجواب صحیح، مفتی خیر المدارس۔ ملتان
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس۔ ملتان ۲/۱/۱۳۹۸ھ

غنی نابالغ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے:

ایک یتیم لڑکا جو نصاب کا مالک نہیں تھا، کچھ عرصہ سے نصاب سے زائد اس کے پاس ہے۔ اب اس کو زکوٰۃ، عشر، قربانی کے چمڑے کی رقم صدقۃ الفطر وغیرہ دے سکتے ہیں!

نہیں اور وہ خود نصاب کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بچے کو زکوٰۃ دینے کی اجازت نہیں نابالغ کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں، درمختار میں ہے۔ وشرط افتراضها عقل وبلوغ و اسلام وحریة (ص۴ ج۲) قربانی کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہے اصح عدم وجوب ہے درمختار میں ہے۔ ویضحی عن ولده الصغیر من ماله وقیل لا صححه فی الکافی قال ولیس للاب ان یفعله من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت وهو المعتمد (شامی ص۲۰۱ ج۵)۔ بچے کی زمین میں عشر واجب ہے۔ ھندیہ میں ہے۔ یجب العشر فی ارض الصبی والمجنون (ص۹۵ ج۱)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ،
عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۳/۸/۱۴۰۸ھ

زکوٰۃ وعشر میں مال کی قیمت کا تعین قریبی شہر وبستی کے لحاظ سے کیا جائے

ہمارے علاقہ میں خربوزے ہوتے ہیں اور جب خربوزے پک جاتے ہیں تو خربوزہ کو کاٹ کر کوئٹہ کراچی وغیرہ میں فروخت کے لئے لے جاتے ہیں۔ مذکورہ جگہوں میں لے جانے سے بہت خرچہ ہوتا ہے۔ یعنی لاری کرایہ ماڈلی ومحصول دلالی وغیرہ اور زمیندار عشر روپیوں سے نکالتا ہے اب عشر خرچ کے ساتھ ادا کریں یا کہ بغیر خرچ کے مذکورہ جگہوں میں خربوزے کی کل قیمت پانچ ہزار ہے اور مختلف خرچہ پانچ سو روپیہ ہے تو اب عشر پانچ ہزار کے حساب سے ادا ہو یا کہ ساڑھے چار ہزار کے حساب سے ۲۔ اور بعض زمیندار ایسے کرتے ہیں جب خربوزہ کاٹ لیتے ہیں تو اس وقت کریٹ بھر کر کے عشر کیلئے چند کریٹ متعین کر لیتے ہیں مثلاً کل چالیس کریٹ خربوزے سے بھر گئے تو اس زمیندار نے چار کریٹ عشر کے لئے متعین کر لئے اور کسی مسکین کے قبضہ میں نہیں دیئے اور اپنے کریٹوں کے ساتھ کوئٹہ لے گئے

تاکہ وہاں بیچ کر مشترکہ رقم کو اپنے شہر کے مساکین پر تقسیم کریں ایسی صورت میں خرچہ دینا مالک کے ذمہ ہوگا۔ یا کہ عشر کے کریٹوں کی قیمت سے وصول کیا جائے۔؟

الجواب ۱۔ خربوزہ کا کھیت کاٹ لیا تو اسپر عشر کی ادائیگی لازم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ واٰتوا حقّہ یوم حصادہ الآیۃ لہٰذا عشر کو جُدا کرکے فقرا کو دیدے اور عشر میں شریعت نے مالک کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اصل جنس کے بجائے اسکی قیمت ادا کرے۔ وجاز دفع القیمۃ فی زکاۃ وعشر وخراج اھ۔ وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء وفی السوائم یوم الاداء اجماعاً وھو الاصح ویقوّم فی البلد الذی المال فیہ ولو فی مفازۃ ففی اقرب الامصار الیہ (شامی ص۲۲ ج۲)

اس لئے مالک اگر چاہے تو اپنی بستی یا قریبی شہر کے بھاؤ کے مطابق عشر کی قیمت لگا کر یہ قیمت بطورِ عشر ادا کرے اور مال جہاں چاہے لیجا کر فروخت کرے چاہے جس بھاؤ پر فروخت کرے کرایہ وخرچہ اسپر ہوگا۔ عشر کے ساتھ تعلق نہ ہوگا عشر جو متعیّن کرلیا ہے وہ دیدے ۲۔ جب عشر کے کریٹ متعین کئے تو اپنی بستی وشہر کی قیمت کے اعتبار سے وہ روپے اپنے ذمہ لگالے پھر بعد میں دیدے۔

فقط واللہ اعلم ، احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح ،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ
۲۲ / ۱ / ۱۴۰۹ ھ

ضرورت کی کُتب نِصاب میں شمار نہیں ہوں گی

علماء حضرات کے پاس جو مختلف درسی یا غیر درسی کتابیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے رکھی ہوئی ہوں تو خواہ انکی ضرورت اکثر وبیشتر ہوتی ہو یا مہینوں تک کبھی کبھی ضرورت پیش آتی ہو، جب انکی قیمت نِصاب تک پہنچ جائے تو ان کی وجہ سے اس نِصاب کے مالک پر صَدقہ فطر اور قُربانی کا وجُوب ہوتا ہے۔

یا نہیں اور ایسے شخص کے لئے صدقات لینا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز طب وفلسفہ کی کتابیں بھی جبکہ اپنی ضرورت کے لئے ہوں نِصاب کو پہنچ جائیں تو ان کا حکم بھی مذہبی کتابوں جیسا ہے یا ان سے مختلف ؟

الجواب کتب درسیہ وغیر درسیہ اگر تفسیر وحدیث، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، نحو وصرف کی ہیں تو پھر اگرچہ انکی قیمت نِصاب تک پہنچ جائے تب بھی مالک کے لئے (جبکہ وہ عالم ہو) اخذِ زکوٰۃ جائز ہے بشرطیکہ اس کے پاس ان کتب کے علاوہ دیگر کوئی نِصاب موجود نہ ہو لہٰذا ایسے شخص پر صدقہ فطر وقربانی واجب نہیں۔ کما فی الدر ص۱ ج۲ وکذا الکتب وان تکن لاھلھا اولم تنو للتجارۃ غیر ان الاھل لہٗ اخذ الزکوٰۃ وان ساوت نصباً البتہ اگر ان میں سے بعض کتب دو دو نسخوں سے زائد ہوں اور زائد نسخوں کی قیمت نِصاب تک پہنچ جائے تو پھر یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ نہیں ہوگا۔ اور اس پر قُربانی اور صدقہ فطر واجب ہوگا۔ کما فی الدر او تزید علی نسختین اسی طرح کتبِ طب اگر طبیب کے لئے ہیں اور اس کو انکی ضرورت پڑتی ہے تو وہ کتب اس کے لئے اَخذ زکوٰۃ سے مانع اور صدقہ فطر وغیرہ کے لئے موجب نہیں ہوں گی کما فی الشامیۃ وان کتب الطّب للطبیب یحتاج الی مطالعتھا ومراجعتھا لا تمنع لانھا من الحوائج الاصلیۃ کآلات المحترفین یعنی یہ بھی فقیر کا حکم رکھتا ہے منطق وفلسفہ ودیگر کتب مثلاً کتب شعر، تاریخ، عروض کی قیمت اگر نِصاب تک پہنچ جائے تو پھر وہ شخص غنی سمجھا جائے گا۔ قربانی وصدقہ فطر اس پر واجب ہوگا۔ کما فی الشامیۃ والذی یقتضیہ النظر ایضا ان ارید بالادب الظرافۃ کما فی القاموس وذالک کتب الشعر والعروض والتاریخ ونحوہ تمنع الاخذ۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ نائب مفتی
خیر المدارس۔ ملتان
۲۷ / ۲ / ۱۳۸۴ ھ

الجواب صحیح ،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ
مفتی خیر المدارس ملتان

مروّجہ کمیٹیوں میں زکوٰۃ کا حکم : ایک شخص نے بذریعہ قرعہ اندازی پندرہ آدمیوں سے پندرہ ۱۵۰۰۰ ہزار روپے کی رقم لی جس میں ایک ہزار اس کا ہے اور چودہ ہزار باقی ساتھیوں کا۔ بطورِ قرض جو اس نے واپس کرنا ہے اب بتائیں اسکی زکوٰۃ کس کے ذمّہ ہوگی ؟

الجواب برتقدیرِ صحت واقعہ صورتِ مسئولہ میں زید پر جو رقم قرض ہے اسکی زکوٰۃ اس کے ذمّے واجب نہیں ہے ہر حصّہ دار اپنی رقم کی زکوٰۃ خود ادا کرے کیونکہ جس قرض کے ملنے کی قوی اُمید ہے اس کو بھی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً مامور بہ ہے۔ فقط واللہ اعلم ،

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ، ۲۶ / ۷ / ۱۴۰۶ ھ

مالِ ضمار میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم

بکر نے تجارت کا مال افغانستان میں خریدا اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں خطرناک جنگ جاری ہے ہر جگہ پکڑے جانے کا اور جان سے مار دینے کا خطرہ ہے اب بکر کو معلوم نہیں کہ اس کا مال اب موجود ہے یا ہلاک ہوگیا ؟ کیا اس صورت میں بکر کا یہ مال ، مال ضمار ہے یا نہیں ؟ افغانستان میں امن وامان ہو جانے کی صورت میں بکر کو جب مال مل جائے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے یا نہیں ؟

الجواب یہ مالِ ضمار ہے۔ مل جائے تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

۲۶ / ۷ / ۱۴۰۰ ھ

مجنون پر زکوٰۃ واجب نہیں : اگر نابالغ ، مجنون کا حصّہ الگ ہو تو کیا ان کے کفیل شخص کو ان کے زیرِ تحویل قابلِ زکوٰۃ مال سے انکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب نابالغ اور مجنون بچّے کے مال میں زکوٰۃ نہیں جبکہ سال بھر مجنون رہتا ہے۔ فلیس الزکوٰۃ علی صبی ومجنونٍ اذا وجد منہ الجنون فی السنۃ کلھا ھکذا فی الجوھرۃ۔ ہاں اگر کچھ وقت کے لئے اسے بالکل افاقہ ہو جاتا ہے تو مالکِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فلو افاق فی جزءٍ من السنۃ بعد ملک النصاب فی اولھا وآخرھا قل او کثر یلزمہ الزکوٰۃ اھ (ھندیۃ ص۱۷۲ ج۱)

فقط واللہ اعلم ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ،

۱۰ / ۸ / ۱۴۰۰ ھ

کالجوں کے طلبہ بھی زکوٰۃ لے سکتے ہیں ؟ : گورنمنٹ جو فنڈ زکوٰۃ میں سے کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کو بطورِ وظیفہ دیتی ہے طلباء کو اس اعتبار سے لیناکر تبدل ملک سے تبدل عین لازم آتا ہے کی رُو سے یہ عنصر از گورنمنٹ کا جزو ہوگیا اور حکومت اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے یا صرف زکوٰۃ کے مستحقین ہی اسے حاصل کر سکتے ہیں شریعت کی رُو سے فتویٰ صادر کیا جائے۔ ؟

الجواب اگر حکومت زکوٰۃ فنڈ سے وہ وظائف دیتی ہے تو لے وہی طلبہ لیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں اور حکومت انہیں بطورِ ملک نہیں لیتی بلکہ زکوٰۃ دھندگان کے وکیل یا نائب کی حیثیت سے لیتی ہے لہٰذا تبدلِ ملک نہ ہوا۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ ، ۳۰ / ۶ / ۱۴۰۶ ھ

زکوٰۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ لکھنا

زید نے این، آئی، ٹی میں اپنی رقم جمع کرائی ہوئی ہے۔ سُنا ہے کہ ان کا طریق کار صحیح ہے۔ علماء دیوبند نے اسکی اجازت دی ہے۔ بر محکمہ زکوٰۃ کاٹ کر حکومت کے خزانہ میں جمع کرا دیتا ہے۔ زید چاہتا ہے کہ اپنی زکوٰۃ اپنے رشتہ داروں میں دے۔ اگر زید خود کو شیعہ لکھ دے تو کٹوتی سے بچ جائے گا تو کیا کٹوتی سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ کہنا درست ہے؟

الجواب: موجودہ دور کے شیعہ جو تحریفِ قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں کافر ہیں۔ اسی لئے ان کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ کافر پر زکوٰۃ نہیں ہوتی اسلئے زید اپنے آپ کو ہرگز شیعہ نہ لکھے اگر لکھ چکا ہو تو توبہ و استغفار کرے۔ ایمان و نکاح کی تجدید کرے

فقط واللہ اعلم،

محمد انور، ۱۹/۶/۱۴۰۹ھ

فقیر نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

زید نے ایک لڑکا عمرو چھوڑا اور اتنا مال بھی کہ جس سے عمرو صاحبِ نصاب بن جائے اور بکر نے نابالغ بچہ وارث چھوڑا اور اتنا مال نہیں کہ جس سے اس کا بیٹا خالد صاحبِ نصاب بن سکے تو کیا دونوں لڑکے زکوٰۃ کے مصرف ہوں گے؟ ۲۔ یتیم کا قبضہ کافی ہے یا اس کے کسی وارث کو قبضہ کرانا چاہئے اور پھر اس وارث کے لئے صاحبِ نصاب ہونا تو شرط نہیں؟

عبدالحلیم جامعہ رحیمیہ۔ جھنگ

الجواب: عمرو (یتیم غنی) مصرفِ زکوٰۃ نہیں لہٰذا اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں خالد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ در مختار میں ہے وطفل الغنية فيجوز لانتفاء المانع کہ مالِ زکوٰۃ یتیم کو دینا جائز ہے البتہ اگر یتیم چھوٹا ہے کہ خود قبضہ نہیں کر سکتا تو

اس کے اولیاء یتیم کے لئے قبضہ کر سکتے ہیں اور اولیاء کا فقیر ہونا بھی شرط نہیں کما يفهم من اطلاق در المختار وان وهب له اجنبي يتيم يقبض وليه

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم، بندہ محمد اسحاق غفرلہٗ

عبداللہ غفرلہٗ معین مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان ۱۳/۱۱/۰۷ھ

خودرو گھاس کی دیکھ بھال کی جاتی ہو تو عُشر بھی واجب ہوگا

جانوروں کے چارہ کے لئے جو گھاس اُگائی جاتی ہے جیسے برسین جوار، مٹر وغیرہ اس پر عشر ہے یا نہیں؟، اور فقہ میں جس حشیش کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ کون سا گھاس ہے۔؟

الجواب: جس گھاس سے آمدنی مقصود ہو جیسے جوار برسین وغیرہ اس پر عشر واجب ہے خودرو گھاس پر عشر واجب نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص خودرو گھاس کی دیکھ بھال شروع کر دے اور بیچ کر کمائی کرے تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا۔ ہندیہ میں ہے۔ فلا عشر في الحطب والحشيش الخ ولو كان يقطعه ويبيعه يجب فيه العشر۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ ۲۲/۱۰/۱۴۰۷ھ

درختوں میں عُشر نہیں ہے:

زمین میں سے جو درخت فروخت کیے جاتے ہیں اُن پر عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: درختوں میں عُشر واجب نہیں ہے ولا عشر فيما هو تابع

لاارض کالنخل والاشجار (ہندیہ ص ۹۵/۱ ج) فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

افیون اور تمباکو کی پیداوار میں عُشر کا حکم:

جو لوگ افیون وتباکو کی زراعت کرتے ہیں ان پر حاصل شدہ افیون وتمباکو میں عشر دینا واجب ہے یا نہ؟

الجواب: وجوب عشر وعدم وجوب عشر کا مدار اس پر ہے کہ جو چیز زمین کی کاشت سے مقصود ہوتی ہے اس چیز میں عُشر واجب ہوتا ہے۔ اور جو چیز اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہو جائے اس پر عشر واجب نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ گندم میں عشر واجب ہے اور بھوسہ میں عُشر نہیں، کیونکہ زمین کی کاشت گندم ہی کے لئے کی جاتی ہے، بھوسہ اس کے ساتھ تبعاً حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی نے گھاس ہی کے لئے زمین کی کاشت کی ہے تو پھر اس میں عشر واجب ہوگا، پس اس اصول کے تحت تباکو اور افیون میں بھی عشر واجب ہے کیونکہ ان ہی کے لئے زمین کی کاشت ہوئی ہے (وکل ذالک فی الشامیة ص ۵۵/۲ ج) اِنَّ الارض المعدة لا یخلو عن احدی الوظیفتین وایضاً فیہ بعد سطور اِنَّ المَدَارَ علی القصد حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر کما صرح بہ بعدہٗ: فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہٗ ۱۳/۹/۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح،

بندہ عبداللہ عفا اللہ عنہٗ ۱۴/۹/۱۴۰۸ھ

اسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ کرنے کا حکم

مسماۃ خالدہ کے پاس ۱۲ تولہ سونے کے زیور ہیں، میری دو بیٹیاں ہیں ایک کی عمر چار سال اور دوسری کی سات سال ہے، میری ذاتی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ زیور کی زکوٰۃ ادا کرسکوں، میری بیوی زیور فروخت کرنے کو اس لئے تیار نہیں ہے کہ یہ زیور بیٹیوں

کی شادی میں زیور بنانے کے کام آئے گا۔ وہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے گناہ سے بھی بچنا چاہتی ہے۔ اگر ۱۲ تولہ زیور میں سے پانچ یا چھ تولہ بڑی بیٹی جس کی عمر سات سال ہے اس کے لئے زیور بنا کر رکھ لیا جائے یا اس کی ملکیت کر دیا جائے تو کیا اس صورت میں میری بیوی پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب: حسبِ ضابطہ شرعیہ بچیوں کو دینے کے بعد مسماۃ خالدہ پر اس زیور کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بچیوں پر بھی بلوغ تک زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بلوغ کے بعد اگر وہ صاحبِ نصاب ہوگئیں تو زکوٰۃ شروع ہو جائے گی، ھدایہ میں ہے ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ ص ۱۴۲/۱ ج لیکن بعض حضرات فقہاء نے اسقاط زکوٰۃ (ختم کرنا زکوٰۃ) کے لئے حیلہ کو مکروہ قرار دیا ہے، فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہٗ

الجواب صحیح،

بندہ عبدالستار عفی عنہٗ ۱۳/۸/۱۴۰۴ھ

شراب اور ہیروئن پینے والے کو زکوٰۃ دینا:

شراب اور ہیروئن کے عادی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مفلس بھی ہو۔

الجواب: مسلمان چاہے جیسا بھی بدکار ہو اگر فاقہ زدہ ہو تو اس کی زکوٰۃ سے مدد کرنا جائز ہے۔ خاص کر جبکہ رشتہ دار بھی ہو اور پڑوسی بھی ہو۔ اور نرمی کے ساتھ اس کو سمجھا بھی دیا جائے اور نصیحت بھی کی جائے کہ یہ کام چھوڑ دو اور نیک کام کرو تو یہ نحوست فقر وفاقہ کی دور ہو جائے گی اور جہنم کے عذاب سے بھی نجات ہوگی۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اگر یہ شخص اس پیسے سے شراب پیتا ہے اور ہیروئن میں یہ رقم استعمال کرتا ہے تو اس میں اعانت ہے ایک گناہ کی۔ اس لئے اس صورت میں اس کو حرکات شنیعہ سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر یہ باز نہ آئے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہٗ ۴/۸/۱۴۱۱ھ

پس منظر

حضرت مفتی عبد الستار صاحب دامت برکاتہ

حکومت کی طرف سے ۱۳۹۹ھ میں زکوٰۃ وعشر آرڈی نینس کا مسودہ مختلف حضرات علماء کی خدمت میں لغرض تبصرہ بھیجا گیا۔ اس میں ایک بُنیادی بحث اموالِ ظاہرہ اور باطنہ بھی تھی۔ اِس مُسودے میں بینک اکاؤنٹس اور دیگر ایسے مالی اثاثوں کو جو حکومت کے پاس جمع ہوں۔ مال ظاہر قرار دیا گیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے اِس پر مجلس تحقیق[1] مسائل حاضرہ کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ میں غور وخوض کیا۔ اور اپنے فیصلے میں لکھا :

"کہ ہم مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اِس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اموالِ ظاہرہ اور اموال باطنہ کی یہ تعریف (جو حکومتی مسودے میں کی گئی ہے ناقل) ائمہ اربعہ کی متفق علیہ تعریف کے خلاف ہے الخ۔ اور مجلس نے آگے چل کر حکومتی مسودے میں اموالِ ظاہرہ کی اس تعریف کو اصلی تعریف کا "مسخ اور تحریف" قرار دیا۔ (بینات جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

لیکن بعد میں مجلس بالا کا دوسرا اجلاس ہوا جس میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کے بارے میں مجلس نے اپنے پہلے فیصلے کو بدل دیا اور سرکاری مسودے کی تائید کر دی کہ بینک اکاؤنٹس اموالِ ظاہرہ میں شامل ہیں۔ اور پھر دار العلوم کراچی کی طرف سے اِس دوسرے فیصلے کو مختلف مدارس میں بھیجا گیا۔ کئی حضرات نے اِسکی تائید فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور۔ حضرت مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی دار العلوم حقانیہ ضلع سرگودھا محقق دوراں شیخ الحدیث مولانا سرفراز صاحب گوجرانوالہ

اور راقم الحروف نے "مجلس" کے اِس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک اکاؤنٹس اموالِ ظاہرہ نہیں۔ کیونکہ حضرات فقہاء کی تصریح کے مطابق اموالِ ظاہرہ ہیں (کھیتیاں۔ باغات، سوائم اور وہ مالِ تجارت جسے مالک شہر سے باہر لے جائے اور اسے لیکر سفر کرے) اور بینک اکاؤنٹس ان چار میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ شہر میں ہوتے ہوئے کوئی مالِ باطن، مالِ ظاہر میں شامل نہیں ہوسکتا جب شہر سے باہر لیجائیں گے۔ تب وہ مال ظاہر بنے گا اور بینکی

[1] شرکائے مجلس کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی۔ حضرت مفتی ولی حسن۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی۔ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق۔ حضرت مولانا محمد جمیل خاں اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ دامت برکاتہم اجمعین۔

اموال شہر میں ہی موجود ہوتے ہیں۔

مجلسِ تحقیق نے اپنے ایک اجلاس میں پھر ہماری معروضات پر غور کیا اور اِس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی تصریحات کی بجائے بعض آثارِ صحابہؓ سے استدلال کرتے ہوئے اپنی سابقہ اجتہادی رائے "پیش کردہ فقہی جزئیات وتصریحات" کا جواب دینے کی بھی کوشش کی گئی اور اپنے اِس تفصیلی جواب کو "البلاغ" بابت ماہ رمضان وشوال ۱۴۰۱ھ میں شائع کر دیا گیا۔

"البلاغ" میں یہ جواب پڑھ کر حیرت وتعجب ہوا۔ اور ذمہ دار حضرات کو مطلع کیا گیا کہ اِس جواب میں شرعی اور فقہی اعتبار سے بہت سے امور قابلِ اصلاح ہیں جس پر مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم کراچی نے بندہ کو جواب الجواب لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ بندہ نے مفصل جواب تحریر کر کے حضرات اکابر کی تصدیقات کے بعد اسے کراچی بھیج دیا۔ مگر اس کا کوئی مُثبت ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔ علم چونکہ امانت ہے۔ اور بہت سے حضرات نے بار بار اِس آخری جواب کو شائع کرنے کا اصرار وتقاضا بھی فرمایا۔ اِس لئے مجبوراً اسے اشاعت کے لئے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرما دیں۔ آمین !

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کے مسئلے کے بارے میں بہت سے حضرات نے ہمارے اِس آخری جواب کی تصدیق فرمائی ہے جن میں سے بعض کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
۲۔ محقق دوراں حضرت مولانا سرفراز خانصاحب دامت برکاتہم گوجرانوالہ۔
۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مفتی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔
۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد
۵۔ حضرت مولانا خالد محمود صاحب۔ لاہور
۶۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ کراچی
۷۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مفتی قاسم العلوم۔ ملتان
۸۔ حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب استاذ الحدیث دار العلوم۔ فیصل آباد
۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان
۱۰۔ محمد انور مرتب خیر الفتاویٰ

اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تحقیق

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی فقہی اصطلاح اردو اور پنجابی کے لفظ ظاہر سے ماخوذ نہیں بلکہ عربی کے لفظ ظاہر البلد اور بطن البلد سے لی گئی ہے۔ ظاہر البلد بیرونِ شہر کو کہا جاتا ہے اور بطن بلد اندرونِ شہر کو کہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ فقہی اصطلاح وجود میں آئی کہ جو اموالِ زکوٰۃ بیرونِ شہر پائے جائیں ظرفیتِ مکانی کے اعتبار سے انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اموالِ زکوٰۃ اندرونِ شہر پائے جائیں بطن البلد کی نسبت سے انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا گیا ہے۔ گو پوشیدہ ہونے یا ظاہر ہونے کا معنی بھی فی الجملہ ان میں پایا جاتا ہے لغت اور فقہاء کرام کی تصریحات سے مجموعی طور پر یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اہلِ لغت نے ظَہَرَ کا معنی بَرَزَ لکھا ہے چنانچہ قاموس میں ہے ظَهَرَ بَرَزَ بعد خفاءٍ اور بروز اصل کے لحاظ سے خروج الی البراز کو کہتے ہیں اور براز درختوں سے خالی وسیع میدان کو کہتے ہیں (منجد اردو)

اور قضاءِ حاجت کے لئے جنگل میں جانا تبرّز اور میدانِ جنگ میں صفوں سے نکل کر مقابلہ کے لئے باہر آنا مبارزت کہلاتا ہے ان سب استعمالات میں بیرونِ شہر کے معنی ملحوظ ہیں اور ظہر جنگلی راستہ کو کہتے ہیں قریش الظواہر آنہا کہ بظاہر مکّہ فرود آمدند (صحاح)

ابن الاعرابی فرماتے ہیں قریش الظواهر الذين نزلوا بظهور جبال مكة و قريش البطاح الذين هم نزلوا بطاح مكة بطن مكة و البطحاء الرمل.

ترجمہ: قریشِ ظواہر وہ قریش ہیں جو مکّہ مکرمہ کے پہاڑوں کی بلندیوں پر فروکش ہوئے اور قریشِ بطاح وہ ہیں جو اندرونِ مکّہ ریتلی زمین پر اُترے وذلك ان بنی هاشم و بنی امية و سادة قريش نزول ببطنِ مكة ومن كان دونهم فهم نزول بظواهر جبالها۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا "فاظهر بمن معك من المسلمين الى كذا اى اخرج بهم الى ظاهرها و ابرزهم۔

(لسان العرب ص ۵۲۳)

ترجمہ: اپنے لشکروں کو فلاں شہر کے میدان میں لے آؤ۔

البداية والنهاية میں ہے واقام علیؓ بظاهر البصرة ثلاثا ولما دخل البصرة فض اھ (ص ۲۴۴ ج ۷)

حضرت سعید بن جبیرؓ کی قبر کے متعلق لکھا ہے ودفن سعيد بظاهر واسط العراق وقبره بها يزار۔ حضرت سعید کو شہر واسط کے باہر دفن کیا گیا اردو عربی منجد میں ہے ظاهر البلد بیرونِ شہر (منجد اردو)

ظاهر البلد خارجه (منجد عربی)

ایک حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ يخرج من آخر الليل الى البقيع اى بقيع الغرقد وهو موضع بظاهر المدينة فيه قبور اهلها.

(مرقات ج ۴ ص ۱۱۵ امدادیہ ملتان)

ان حوالہ جات سے یہ امر ظاہر ہے کہ ظاہرِ بلد بیرونِ شہر اور بطنِ بلد اندرونِ شہر کو کہتے ہیں اور ظہور اور بروز میں وسیع میدان اور جنگل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس جب تک کوئی مال ظاہرِ بلد (بیرونِ شہر) میں نہیں ہوگا اسے اصطلاحی طور پر مالِ ظاہر قرار دینا اس حقیقتِ لغویہ سے بے خبری ہے اور یہ حقیقتِ لغویہ حضراتِ فقہاء کے بیان کردہ "اموالِ ظاہرہ" پر من وعن منطبق ہے۔ چنانچہ حضراتِ فقہاء نے جو اموالِ زکوٰۃ بیرونِ شہر پائے جاتے ہیں انہیں اموالِ ظاہرہ اور جو اندرون شہر پائے جاتے ہیں۔ انہیں اموالِ باطنہ قرار دیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: والاموال الظاهرة وهى السوائم وما فيه العشر والخراج (اى الزروع والبساتين) وما يمر به التاجر على العاشر

عبارت سے بظاہر تحدید معلوم ہوتی ہے۔ اور تحدید تعریف سے ابلغ ہے۔

امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں: انّ اموال الزكوٰة نوعان ظاهر وهو المواشى وما يمر به التاجر على العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة فى مواضعها اھ۔

"فى مواضعها" یہ "وما يمر به العاشر" کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سونا اور چاندی اور اموالِ تجارت دکانوں یا گھروں میں رکھے ہوئے ہیں تو اموالِ باطنہ میں سے ہیں۔ اور انہیں لیکر عاشر کے پاس سے گزریں تو یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل ہو جائیں گے جنگل اور بیرونِ شہر میں ہونے کی وجہ سے سائمہ اور کھیتوں کو چھپایا

نہیں جاسکتا اور گھریلو اور دکانوں میں پڑے ہوئے اموال کو چھپایا جاسکتا ہے چنانچہ بازار بند ہوتے ہی یہ سب اموال پوشیدہ اور نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی یوں تعریف کی ہے : والاموال المزکاۃ نوعان ظاھرۃ وباطنۃ فالظاھر ما لا یمکن اخفاءہ کالزرع والثمار والمواشی والباطنۃ ما امکن اخفاءہ من الذھب والفضۃ واموالِ التجارۃ (ص۱۱۳)

اِن عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اصل اموالِ ظاہرہ تین ہیں ۔

(۱) :۔ جنگل میں چرنے والے جانور (۲) :۔ کھیتیاں (۳) :۔ باغات اور اموال ظاہرہ کی چوتھی قسم وہ ہے جو در اصل اموالِ باطنہ ہیں یعنی چاندی سونا ، مالِ تجارت اور کرنسی نوٹ جو شہر میں اپنے اپنے مقامات پر رکھے ہوئے ہیں لیکن جب ان اموال کو لیکر کوئی شخص سفر کرے گا (اور اِس طرح سے یہ اموال ظاہر بلد میں آجائیں گے) تو اب یہ اموال اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے ۔

اِس سلسلہ میں حضراتِ فقہاء کی متفقہ تصریحات ملاحظہ ہوں۔ ملک العلماء امام ابوبکر کاسانیؒ اپنی مایۂ ناز تصنیف " بدائع الصنائع " میں لکھتے ہیں ۔

وکذا المال الباطن اذا مر بہ التاجر علی العاشر کان لہٗ ان یأخذ (العشر منہ) فی الجملۃ لانہ لما سافر بہ واخرجہٗ من العمران صار ظاھراً (ص۳۵ ج ۲)

علامہ زین العلماء ابنِ نجیم فرماتے ھیں : لاشک ان السوائم تحتاج الی الحمایۃ بخلاف الاموال الباطنۃ اذا لم یخرجھا المالک من المصر لفقد ھٰذا المعنی۔ (ص۲۲۸ ج۲)

اموالِ باطنہ کو سفر میں لے گیا تو اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے اور اگر شہر سے نہیں نکالے تو بدستور یہ اموالِ باطنہ رہیں گے ۔

علامہ حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں کہ عاشر اموالِ باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرے گا جب کہ مالک انہیں شہر سے باہر نکال لائے کیونکہ اب یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو گئے ہیں ......

والاموال الباطنۃ بعد اخراجھا من البلد لانھا بالاخراج التحقت بالاموال الظاھرۃ فکان الاخذ فیھا للامام (باب العاشر)

اسی مسئلہ کی تعلیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں ۔ لانھا بعد الاخراج التحقت بالاموال الظاھرۃ الخ

علامہ موصوف نے قاضی خاں کی شرحِ جامع صغیر سے نقل کیا ہے ۔

"وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ للامام بعد الاخراج الی المفازۃ (شامی ص۵۳ ج۲)

"اخرجہ من العمران" "اخرجہ من البلد" "سافر بہ" "مایمر بہ علی العاشر" "اخرجہ الی المفازۃ ۔" یہ الفاظ اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تاویل کی ان میں گنجائش نہیں۔ ان عبارات سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ مالِ باطن شہر میں ہوتے ہوئے مالِ باطن ہی رہتا ہے ہاں اموالِ باطنہ کو لیکر جب سفر کیا جائے گا تب یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ اب یہ ظاہر البلد میں آگئے ہیں اور اِس شمول والتحاق کی علت اِن اموال کو لیکر سفر کرنا ہے پورے ذخیرۂ کتب میں ایک جزئیہ بھی اس کے خلاف موجود نہیں۔ جزئیات وتصریحاتِ بالا کی موجودگی میں ہم نہیں سمجھتے کہ کسی اہلِ علم کو مذکورہ بالا علتِ التحاق میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے ۔

الجباية بالحماية

واضح رہے کہ سرکاری سطح پر وصولئ زکوٰۃ کے لئے صرف مالِ ظاہر ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اِس مال کا حکومت کے زیرِ حفاظت آنا بھی ضروری ہے کیونکہ اموالِ ظاہرہ بیرونِ شہر اور جنگلات میں ہوتے ہیں۔

جنگلات اور دُور دَراز کے راستوں پر چوروں سے تحفظ مہیا کرنا صرف حکومت ہی کا کام ہے ایسا تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے اس لئے ان اموال میں وصولئ زکوٰۃ کا حق حکومت کو دیا گیا گویا کہ یہ وصولی کا حق اِس حفاظتِ خاصہ کا معاوضہ ہے تاکہ حکومت زکوٰۃ کا ایک حصّہ اپنے اِس حفاظتی انتظامات کے سلسلہ میں خرچ کر سکے اور اموالِ باطنہ شہر میں ہونے کی وجہ سے اِس تحفظِ خاص کے محتاج نہیں اِس لئے عام حالات میں اموالِ باطنہ کی وصولئ زکوٰۃ میں دَست اندازی کا حق حکومت کو حاصل نہیں۔ یہ وجہ فرق اور

"الجبایۃ بالحمایۃ" کے ضابطے کی تصریح بھی حضراتِ ائمہ کے کلام میں بطریقِ تواتر منقول ہے
بعض عبارات بطورِ نمونہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱):۔ اموالِ ظاہرہ سے وصولئ زکوٰۃ کے سلسلے میں ھدایات دیتے ہوئے حضرت عمرؓ نے
فرمایا: ان کنت لا تحمهم فلا تجبهم، اھ (عنایہ)

(۲ تا ۶):۔ لان الجبایۃ بالحمایۃ اھ (درمختار) بحرالرائق ص۲۴۹ ج ۲، شامی ص۶۶ ج ۲
ھدایہ ص۱۵، فتح القدیر (بالمعنی ص۱۷۱) بحرالرائق ص۲۴۰ ج ۲۔

(۷):۔ مبسوطِ سرخسی ص۱۷ میں ہے ثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجۃ الی الحمایۃ

(۸):۔ ثبت حق الاخذ بالحمایۃ (شامی ص۵۶ ج ۲)

(۹):۔ وشرط ولایۃ الاخذ وجود الحمایۃ من الامام (بدائع)

(۱۰):۔ انما تثبت حق الاخذ للعاشر لحاجته الی الحمایۃ اھ (عنایۃ)

علامہ شامی اس ضابطہ (الجبایۃُ بِالحِمایۃ) کی تشریح میں لکھتے ہیں (ای جبایۃ الامام)
ھذا الماخوذ بسبب حمایته ص۵۲ ج: ۲

حضورِ مالک

سرکاری سطح پر وصولئ زکوٰۃ کے لئے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ مالک کی موجودگی میں
زکوٰۃ وصول کی جائے مالک کی غیر حاضری میں زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ عاشر مالِ مضاربت
مالِ ودیعت اور مالِ بضاعت کی زکوٰۃ وصول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان اموال کا مالک حاضر نہیں ہوتا۔
کذا فی البدائع، سابقہ بحث کی روشنی میں جب ہم بینک اکاؤنٹس کی حیثیت اور ان سے
وصولئ زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو امورِ ذیل واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔

(۱):۔ کہ اصولی طور پر بینک اکاؤنٹس اموالِ باطنہ ہیں کیونکہ یہ اندرون شہر (بطن بلد) میں موجود ہیں۔

(۲):۔ چونکہ انہیں لیکر سفر نہیں کیا گیا لہٰذا (علتِ الحاق کے منتفی ہونے کی وجہ سے) انہیں
اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنا ممکن نہیں۔

(۳):۔ اور پھر یہ اموال حکومت کی اِس خاص حفاظت کے تحت بھی داخل نہیں ہوئے جو تجارتی
اموال کو دورانِ سفر جنگلات وغیرہ میں حاصل ہوتی ہے۔ بینک لوگوں سے قرض لیکر اپنے

مال کی حفاظت کر رہا ہے زید وبکر کے مال کی نہیں۔

(۴):۔ زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی کے وقت مالک پاس موجود نہیں ہوتا۔ پس مندرجہ بالا حقائق اور
شرائط کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے حکومت کو مالِ ظاہر ہونے
کی بناء پر زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات حاصل نہیں۔ اور بدون توکیل بینک کی طرف
سے کاٹی گئی زکوٰۃ شرعاً ادا نہ ہوگی۔

نجی مقامات کی تفتیش

اول الذکر تصریحاتِ فقہاء رحمہم اللہ کی روشنی میں یہ امر بلاشبہ ثابت ہے کہ کسی مال
باطن کے مالِ ظاہر بننے کے لئے علت "اخراج من المصر" ہے لیکن بعض حضرات کا یہ خیال
ہے کہ کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی اُمور ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ
ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے اُن کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات
کی تفتیش کرنی پڑے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں۔ اگر اس معیار
پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ مالکان
نے اپنے اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے، دوسرے یہ کہ حکومت
کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں (البلاغ رمضان ۱۴۰۰ھ)۔

لیکن ان حضرات کا یہ خیال صحیح نہیں اِس میں متعدد خامیاں موجود ہیں۔

(۱):۔ اِس میں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی حقیقتِ لغویہ سے ذھول ہوا ہے۔ اموالِ ظاہرہ کی فقہی
اصطلاح کو اُردو کے لفظِ ظاہر سے ماخوذ سمجھ لیا گیا جیسا کہ "خود حکومت پر ظاہر کر دیا"
کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلط فہمی ہے جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے۔

(۲):۔ اِسی غلط فہمی کی بُنیاد پر مالِ ظاہر و باطن کی حقیقت اور تعریف میں تبدیلی کر دی گئی جس کا
حاصل گویا یہ ہے کہ مالِ باطن وہ ہے جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی
پڑے اور مالِ ظاہر وہ ہوگا جس کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی
حاجت نہ ہو (وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی
ضرورت نہ ہو البلاغ ص۸ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ) گویا کہ مدارِ حکم محتاجِ تفتیش ہونے
نہ ہونے پر ہے حالانکہ ظہورِ مال کا مدار ظاہرِ بلد میں موجود ہونے پر ہے۔ محتاجِ تفتیش ہونا

یا نہ ہونا نہیں۔ ٹرک کے اندر کسی بوری میں سونا رکھا ہے اس کے ہر طرف گندم ہے۔ یہ سونا محتاجِ تفتیش ہے مگر اس کے باوجود یہ سارے ٹرک کا مال اموالِ ظاہرہ میں شامل ہے۔

(۳):۔ دو اور دو چار کی طرح یہ امر واضح ہے کہ حضرات فقہاء کسی مال کے مالِ ظاہر میں تبدیل ہونے کے سلسلہ میں خروج یا اخراج کی جب بات کرتے ہیں تو یقیناً اس سے ان کی مراد مال کو شہر سے باہر لیجانا ہوتا ہے۔ گھر یا دکان سے باہر لے آنا نہیں ہوتا جیسا کہ تصریحاتِ فقہاء، اخرجه من العمران، اخرجه من البلد، سافر به، اخرجه الی المفازة، مایمر به علی العاشر سے قطعی طور پر یہ امر ثابت ہے البلاغ کا یہ تسامح ہے کہ من العمران اور من البلد وغیرہ کو کاٹ کر پھینک دیا گیا ہے اور صرف اخرجہ کو لے لیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ مالکان نے ان اموال کو اپنی حرز سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا۔ (البلاغ ص۱۲ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ) حرز سے نکالنے کی بات حضراتِ فقہاء نے قطعاً نہیں کی نہ اسے ظہورِ مال کی علت قرار دیا ہے یہ سب بے دلیل ہے فقہاء نے صرف شہر سے نکالنے کی بات کی ہے کہ اس سے مالِ ظاہر بنے گا صرف گھر سے نکالنے کو اگر کسی نے ظہورِ مال کی علت قرار دیا ہو تو اسکی نشاندہی کی جائے۔ ورنہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں محض اپنا خیال پیش کرنا بے سُود ہے۔

(۴):۔ جیسے "اخراج من المصر" میں قطع و برید واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اموال کے حکومت کے زیرِ حفاظت آنے کے سلسلہ میں بھی بے جا تصرف کیا گیا ہے (الف) فقہاء کی مُراد یہ تھی کہ یہ اموالِ باطنہ بحالتِ سفر حکومت کے اس خصوصی تحفظ میں داخل ہو جائیں جو تحفظ صرف حکومت مہیا کر سکتی ہے یعنی امن طریق دیگر عبارات کے علاوہ امام قاضی خاں کی ایک تصریح مُلاحظہ ہو: انما تثبت ولایة المطالبة للامام بعد الاخراج الی المفازة (شامیہ طبع مصر ص۵۲ ج۲)

علامہ ابنِ نجیم لکھتے ہیں کہ لا شک ان السوائم تحتاج الی الحمایة بخلاف الاموال الباطنة اذا لم یخرجها المالک فی المصر لفقد هذا المعنی۔ (بحر ص۲۴۸ ج۲)۔ اِن عبارات سے صراحت سے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ زیرِ بحث حمایت سے مُراد حکومت کی طرف سے وہ حفاظت ہے جو جنگلات میں ہوتی ہے۔

اندرونِ شہر والی حفاظت مراد نہیں۔ اسی لئے تصریح کر دی گئی کہ اموالِ باطنہ کو جب تک مالک نے شہر سے باہر نہ نکالا ہو۔ اِس نوعیت کی حفاظت سے انہیں حکومت کے زیر تحفظ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر البلاغ میں حضراتِ فقہاء کرام کی ان متفقہ تصریحات سے اعراض کیا گیا اور شہر کے اندر ہی موجود اموال کو حکومت کے اس تحفظ کے ماتحت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ حضراتِ فقہاء کرام کے خواب و خیال میں بھی یہ معنی نہیں ہوگا۔ البلاغ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں "کہ وہ اموال فی الجملہ حکومت کی حفاظت میں آگئے ہیں"۔ واضح رہے کہ یہ فی الجملہ حفاظت کی شرط لغو ہے۔ کیونکہ فی الجملہ تحفظ تو حکومت کیطرف سے تمام اموال کو حاصل ہوتا ہے تو اس شرط کے ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

"زیرِ حفاظت" زیرِ ضمانت"

(۵):۔ بینکی اموال سے متعلق البلاغ نے لکھا کہ یہ اموال حکومت کے زیرِ حفاظت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں۔ بحث بالا میں زیرِ حفاظت آنے کی تحقیق کی جا چکی ہے کہ اندرون شہر موجود اموال زیرِ بحث حفاظت کے تحت داخل نہیں ہوتے۔ پس بینکی اموال کو زیرِ حفاظت کہنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔

(ب):۔ حکومت کو وصولی زکواۃ کے جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ زیرِ حفاظت آنے پر ہی موقوف ہیں۔ اس کے لئے زیرِ ضمانت آنا کافی نہیں۔ کیونکہ زیرِ ضمانت آنے سے مالکان کے اموال کی حفاظت کا معنی مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے جب اپنا مال بطورِ قرض بینک کو دیا تو اب یہ مال مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں، یا اگر گم یا چوری ہو جائے تو یہ نقصان مقروض کا ہوگا سابقہ مالک کا نہیں۔ تو ایسی صورت میں مقروض اپنے مال کی حفاظت کر رہا ہے نہ کہ سابقہ مالک کے مال کی۔ لہذا مقروض اس حفاظت کے سبب سابقہ مالک سے کسی اُجرت کی وصولی کا استحقاق نہیں رکھتا۔ حالانکہ اموالِ ظاہرہ میں حکومت کو وصولی زکوٰۃ کے اختیارات اسی حفاظت کے سبب حاصل ہوتے ہیں۔ علامہ شامیؒ ضابطہ الجبایة بالحمایة کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جبایة الامام

ھٰذا الماخوذ بسبب حمایتہٖ (شامیہ صہ ۵۲ ج ۲) — الغرض حکومت کے استحقاق وصولی زکوٰۃ کے لئے مال ظاہر کا زیر حفاظت آنا ضروری ہے۔ زیر ضمانت آنا مؤثر نہیں بلکہ لغو ہے۔ مستعیر یا مقروض کا اصل مالک سے معاوضۂ استعمال طلب کرنا احمقانہ تصور ہے کہ میں اس مال کو استعمال کرتا رہا ہوں اس لئے مجھے اس کا معاوضہ ادا کرو اسی طرح کسی مال کے حکومت کے ضمان میں داخل ہوجانے سے (جسے وہ استعمال کر رہی ہے) وصولیٔ زکوٰۃ کا استحقاق حکومت کو حاصل نہ ہوگا۔

الحاصل کسی مال باطن کے اموال ظاہرہ میں شامل ہونے کا مدار اس کے بطن بلد (اندرونِ شہر) سے ظاہر بلد میں آجانے پر ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً لکھا جاچکا) بلاتفتیش معلوم ہونے یا نہ ہونے پر نہیں۔ مالِ ظاہر اور باطن کی ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ بلادلیل ہے بلکہ خلافِ دلیل ہونے کے علاوہ مشاہدات اور بداہت کے بھی خلاف ہے۔ بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اپنے مال کی نمائش و اظہار کی حتی الوسع کوشش کرتا ہے تاکہ گاہکوں کو اپنے مال کی طرف کھینچ سکے۔ حتیٰ کہ دوکان کے باہر بھی مال لگادیا جاتا ہے لائٹ وغیرہ سے زیادہ روشنی کیجاتی ہے۔ فٹ پاتھوں اور ریڑھیوں پر رکھ کر مال فروخت کیا جاتا ہے۔ منڈیوں اور کارخانوں میں کروڑوں کے اموال کھلے بندوں پڑے رہتے ہیں ایسے سب اموال کا علم بلاتفتیش حاصل ہوتا ہے مگر یہ سب اموال بالاجماع اموال باطنہ ہیں اموالِ ظاہرہ نہیں۔ حالانکہ البلاغ کی تعریف کے مطابق یہ سب اموال ظاہرہ ہونے چاہئیں۔

(۲)۔ تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ تاجر نے اگر عاشر کو بتلادیا کہ میرے گھر میں اتنا مال رکھا ہوا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو بھی عاشر اس مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ایسے جزئیات سے ظاہر ہے کہ گھر میں رکھا ہوا مال اقرار کے ذریعہ بلاتفتیش معلوم ہوگیا مگر اس کے باوجود مال ظاہر نہیں بنا حکومت اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کرسکتی حالانکہ البلاغ کے مطابق بذریعہ اقرار یہ مالِ ظاہر بن چکا ہے۔ فی الجملہ حفاظت تو حاصل ہی ہے۔ جزئیاتِ بالا میں بلاتفتیش معلوم ہوجانے کے باوجود یہ اموال مالِ ظاہرہ میں شامل نہیں ہوسکے۔ اور آئندہ صورت اس کے برعکس ہے کہ خروج من المصر پایاگیا مگر عاشر کو اس کا علم نہ ہوسکا تو بھی یہ مالِ ظاہر بن گیا۔ معلوم ہوا کہ مالِ ظاہر بننے کا مدار بلاتفتیش

معلوم ہونے پر نہیں (حوالہ آگے آرہا ہے) دونوں قسم کی جزئیات سے ظاہر ہے کہ البلاغ سے مستفاد اموالِ ظاہرہ کی تعریف جامعیت اور مانعیت دونوں سے عاری ہونے کے علاوہ اجماعِ فقہاء کے بھی خلاف ہے۔

اگر کہا جائے کہ مال کا اس حیثیت سے ہونا کافی ہے کہ بلاتفتیش اس کا علم ہوسکے۔ بالفعل معلوم ہوجانا مالِ ظاہر بننے کے لئے ضروری نہیں لہٰذا آخری جزئیہ البلاغ کے خلاف نہیں — جواب یہ ہے کہ اگر ایسا معلوم ہوسکنا کافی ہے تو بالفعل ایسا علم حاصل ہوجانا تو مالِ ظاہر بننے کے لئے بطریقِ اولیٰ کافی ہوگا۔ پس بازار میں منظرِ عام پر کھلے بندوں رکھے ہوئے اموال بلاشبہ اموالِ ظاہرہ ہوں گے حالانکہ باتفاق فقہاء یہ اموالِ باطنہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایسا علم بالفعل ہو یا بالقوۃ دونوں صورتوں میں یہ مدار نہیں ہے وگرنہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا علم بالقوۃ تو مؤثر بنے اور بالفعل مؤثر نہ ہو۔

ایک صاحب نے شبہ پیش کیا کہ مرور علی العاشر سے اگر مال باطن مالِ ظاہر میں شامل ہوجاتا ہے تو عاشر اگر شہر میں کسی مال کے پاس آجائے تو یہ مالِ ظاہر کیوں نہیں بنتا؟

جواب یہ ہے کہ وجود عاشر فی نفسہٖ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ اس کے سامنے آتے ہی مالِ باطن مالِ ظاہر میں تبدیل ہوجاتا ہو بلکہ اس تبدیلی کی علت "اخراج عن المصر" ہے اس لئے مرور علی العاشر سے تبدیلی ظاہر ہوگی۔ نہ کہ عاشر کے "دخول مصر" سے۔ نیز یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ کسی مال کا بلاتفتیش معلوم ہوجانا ظہورِ مال کے لئے کافی ہے اور اس خیال کی مفصل تردید پہلے کیجا چکی ہے۔

اور یہ شبہ بھی بے بنیاد ہے کہ ظہور مال کی اصل علت علم عاشر ہے عموماً اخراج عن المصر سے چونکہ یہ حکم متحقق ہوجاتا ہے اس لئے فقہاء نے اخراج کا ذکر کیا ہے علم عاشر کی تصریح نہیں کی اس شبہ کی تردید بھی آئندہ جزئیہ سے ظاہر ہے جس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی تاجر مال لیکر سفر کرے اور عاشر کو اس کا علم نہ ہو تو بھی یہ مال ظاہر بن جاتا ہے۔ اگر اصل علت علم عاشر ہوتا تو ایسی صورت میں یہ مالِ تجارت مال ظاہر نہیں بننا چاہیئے تھا۔

(۱) ومن مر على العاشر بمائة درهم واخبره ان له مائة اخرى في منزله قد حال عليه الحول لم يزك التي معه لقلتها وما في بيته

لو اخبر بها العاشر فلا یاخذ منها (بحر الرائق)

(۲):۔ ولا یؤخذ من مال فی بیتہ مطلقا (درمختار)

جزئیات بالا سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ گھروں میں رکھے ہوئے مال کا بلا تفتیش بذریعہ اقرار معلوم ہونا اسے مالِ ظاہر میں تبدیل نہیں کرتا۔ اس امر سے البلاغ کے خیال کی چونکہ واضح طور پر نفی ہوتی ہے اس لئے ان جزئیات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ جزوی واقعہ ہے حالانکہ یہ جزوی واقعہ نہیں بلکہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جزوی واقعہ اور فقہی جزئیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے اگر ایسی فقہی تصریحات کو جزوی واقعات قرار دیکر مسترد کر دیا جائے تو اسلامی قانون کے پچاس فی صد حصہ سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

ثانیاً البلاغ نے اسے استثنائی واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ استثنائی واقعہ وہ ہوتا ہے جو عمومی ضابطہ کے خلاف ہو اور یہ فقہی جزئیہ وصولیٔ زکوٰۃ کے عمومی ضابطہ الجبایۃ بالحمایۃ کے تحت مِنْ وعَنْ داخل ہے۔ چنانچہ جزئیہ بالا میں اسکی تصریح موجود ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کو مالِ ظاہر میں اس لئے شمار نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تحت الحمایۃ داخل نہیں ہوا۔ اس تصریح کے باوجود اسے استثنائی واقعہ قرار دینا محض دعویٰ بلا دلیل اور قابلِ تعجب ہے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں۔ لان حق الاخذ انما یثبت باعتبار المال الممرور بہ علیہ لحاجتہ الی الحمایۃ وھذا غیر موجود فی بیتہ وما مرّ بہ علیہ لم یبلغ اھ (مبسوط سرخسی ص ۱۹۹ ج ۲)۔ البلاغ نے اسلامی قانون کی اس دفعہ کا تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کی وصولی کا حق عاشر کو نہیں لیکن امام کو یہ حق حاصل ہے پہلے دونوں جوابوں کی طرح البلاغ کا یہ دعویٰ بھی بلا دلیل ہے۔ حضراتِ فقہاء کی کوئی تصریح ان جوابات کی تائید میں پیش نہیں کی گئی اور ظاہر ہے کہ محض خیال کسی قانون کا جواب نہیں بن سکتا۔

مزید گزارش ہے کہ یہ جواب بھی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے بنیادی ضابطہ واصول الجبایۃ بالحمایۃ سے ذہول بلکہ اسکی مخالفت پر مبنی ہے کیونکہ جب یہ مال امام کے زیر حفاظت ہی نہیں آیا تو امام کا استحقاقِ وصولی اس مال کے ساتھ متعلق ہی نہیں ہوا۔ پس نہ امام اس سے خود زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے اور نہ ہی اسکی نیابت میں عاشر وصول کر سکتا ہے اور فی نفسہٖ یہ امر مستبعد ہے کہ ایک مالِ ظاہر میں امام کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ہو اور عاشر کو یہ حق حاصل نہ ہو۔

علاوہ ازیں یہ ہے کہ حضراتِ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ امام کو بھی مطالبۂ زکوٰۃ کا استحقاق صرف کسی مال کو شہر سے باہر لیجانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں رکھے ہوئے مال کے ساتھ امام کا یہ حق متعلق نہیں ہوتا۔ علامہ شامی نے قاضی خاں سے نقل کیا ہے۔

وفی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان وانما تثبت ولایۃ المطالبۃ للامام بعد الاخراج الی المفازۃ (ص ۵۳ ج ۲)

انما لفظِ حصر اور "لفظِ امام" البلاغ کے دعویٰ کی تردید میں صریح ہیں۔

(ب):۔ فتح القدیر میں ہے۔ وبمجرد خروجہ انتقلت الولایۃ عنہ الی الامام اھ پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے اس عبارت میں مالک سے امام کی طرف ولایتِ اخذِ زکوٰۃ کے منتقل ہونے کو خروجِ مصر پر معلق کیا گیا ہے۔

(ج):۔ اصول الجبایۃ بالحمایۃ کی تشریح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔

جبایۃ الامام ھذا المأخوذ بسبب حمایتہ۔ (ص ۵۲ ج ۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ امام کا استحقاقِ وصولیٔ اموال کو بیرونِ شہر تحفظ مہیا کرنے پر مبنی ہے۔ گھر میں رکھا ہوا مال جب اس تحفظ کے تحت داخل نہیں ہوا۔ تو امام کو اسکی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات بھی حاصل نہیں ہوئے۔ اور اسکی نیابت میں پھر عاشر بھی ایسے مال کی زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا۔ الغرض یہ تفریق بالکل بے بنیاد ہے کہ ایسے مال میں امام کو استحقاقِ وصولی حاصل ہے اور عاشر کو حاصل نہیں۔ ان جزئیات سے ظاہر ہے کہ علم امام یا علم عاشر مال کو ظاہر بنانے کی علت نہیں جبکہ وہ مال گھر میں رکھا ہو۔ لیکن البلاغ کے مطابق یہ مال، مالِ ظاہر بن گیا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ حسبِ تصریحاتِ فقہاء۔ عاشر کو اس سے وصولیٔ زکوٰۃ

کا حق ہے نہ امام کو ؟ کیسی خلافِ ضابطہ بات ہے۔

حکومت کے علم میں نہ آنا : اور اگر اس کے برعکس صورت پیش آئی کہ خروج من المصر پایا گیا لیکن حکومت کو اس مال کا علم نہیں ہوسکا تو یہ مال ظاہر بن گیا ہے۔ اگر بعد میں حکومت کو علم ہوگیا تو وہ اسکی زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے عالمگیری میں ہے : ولو مر حربی بعاشر ولم یعلم بہ العاشر حتی خرج ودخل دار الحرب ثم خرج لم یعشرہ لما مضی کذا فی التبیین ولو مر المسلم او الذمی علی العاشر ولم یعلم بھما ثم علم فی الحول الثانی یاخذ منھما کذا فی محیط السرخسی والسراج الوھاج ۔ (ہندیہ ص ۹۴)

معلوم ہوا کہ مالِ ظاہر بننے کی علت اخراج من المصر ہے۔ علم امام یا علم عاشر کا ہونا یا نہ ہونا نفیاً یا اثباتاً اسکی علت نہیں۔ جیسا کہ جزئیاتِ بالا اس بارے میں صریح ہیں۔

اوّل الذکر جزئیہ (ومن مر علی عاشر بمائتہ درھم الخ) کے جواب میں البلاغ نے ایک بات بھی کہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاجر کے بتلانے سے گھر میں رکھا ہوا مال، مالِ ظاہر تو بن گیا لیکن عاشر کو لگا بندھا اصول بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی شخص تمہارے پاس مال لیکر گزرے صرف اس سے زکوٰۃ وصول کرسکتے ہو۔ گھروں یا دوکانوں پر جو مال ہے اس سے تعرض نہ کرو۔ (البلاغ ص ۲۲ رمضان ۱۴۰۱ھ)۔ اس لگے بندھے "اصول" کا البلاغ نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور شرعی ضابطے کے لحاظ سے بھی یہ "اصول" علی الاطلاق درست نہیں کیونکہ اگر کوئی مال ظاہر مثلاً سائمہ گھر میں موجود ہو اور عاشر کو اس کا علم ہوجائے تو عاشر اسکی بھی زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے جیسا کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ ولو مر بمواشی سائمۃ دون النصاب وفی بیتہ ما یکملہ نصابا اخذ منہ الواجب لان الکل داخل تحت الحمایۃ کذا فی السراج الوھاج (عالمگیری ج۱ ص۹۴)۔ معلوم ہوا کہ وصولی عاشر کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ مالِ ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے۔ خواہ یہ مال عاشر کے پاس سے لیکر کوئی شخص گزرے یا اُس شخص کے گھر میں یہ مال ظاہر موجود ہو۔ عاشر دونوں قسم کے مالِ ظاہر سے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پس البلاغ کا بیان کردہ "اصول" درست نہیں۔ شبہ: کیا جائے کہ مالِ باطن کے مالِ ظاہر بننے کی علت جب "اخراج من المصر" ہے (جیسا کہ تفصیلی

اس پر بحث گزر چکی ہے) تو یہ سائمہ گھر میں اور شہر میں ہوتے ہوئے مالِ ظاہر میں کیسے شمار ہوگئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ علت مال باطن کے مالِ ظاہر بننے کے لئے ہے۔ اور سائمہ تو پہلے ہی سے مال ظاہر ہیں۔ کیونکہ انہیں چرانے کے لئے یقیناً شہر سے باہر لایا جاتا ہے اس لئے کہ ان کا گزارا ہی جنگل میں چرنے پر ہے۔ پس سائمہ کے بارے میں خروج من المصر اور تحت الحمایۃ داخل ہونا دونوں امر پائے گئے۔ اس لئے سائمہ مالِ ظاہر ہی ہیں باطن نہیں ہاں سونا چاندی مالِ تجارت اندرون شہر ہوتے ہوئے مالِ باطن ہیں۔ ان کے مال ظاہر بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ انہیں لیکر سفر کیا جائے۔ اسی بُنیاد پر یہ فرق کیا گیا ہے کہ گھر میں رکھے ہوئے دراہم کو شامل کر کے عامل کے پاس نصاب مکمل نہیں کیا گیا۔ اور سائمہ کو لیکر گزرنیوالے کا نصاب گھر میں موجود سائمہ سے پورا کیا جائے گا اور مجموعے سے زکوٰۃ وصول کی جائیگی۔

مزید یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کسی تاجر نے اپنے مال کی زکوٰۃ شہر میں ادا کردی، اور پھر اس مال کو لیکر سفر کیا۔ تو عاشر اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ وصول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ مالک خود ادا کرنے کا مجاز ہے پس یہ ادائیگی زکوٰۃ معتبر تسلیم کی جائے گی اور اگر تاجر نے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ انہیں شہر سے باہر لانے اور سفر کرنے کے بعد ادا کی ہے تو یہ ادائیگی شرعاً معتبر نہیں۔ عاشر دوبارہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے۔ درمختار شامیہ، ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ وغیرہ تمام کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مالِ ظاہر بننے کا مدار اخراج من المصر پر ہے۔ علم عاشر پر نہیں۔ کیونکہ اگر مالِ ظاہر ہونے کا مدار علم عاشر پر ہوتا۔ تو بوقت مرور علی العاشر یہ دونوں اموال معلوم ہیں اور اس سے قبل دونوں غیر معلوم تھے۔ پس یا تو دونوں صورتوں میں سابقہ ادائیگی معتبر ہونی چاہیئے تھی یا دونوں صورتوں میں غیر معتبر۔ ایک میں معتبر اور دوسرے میں غیر معتبر، یہ تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ مالِ ظاہر بننے کا مدار مال کے شہر سے باہر لانے پر رکھا جائے۔ کیونکہ شہر میں ہوتے ہوئے یہ مالِ باطن تھا تو مالک کی ادائیگی درست ہے اور شہر سے باہر لایا تو مالِ ظاہر بن گیا اب مالک کی ادائیگی زکوٰۃ غیر معتبر قرار پائی۔

الحاصل بطنِ بلد (اندرونِ شہر) میں موجود نقدی و اموالِ تجارت اموالِ باطنہ ہیں۔ اور انہیں لیکر سفر کیا جائے تو یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اور زروع وثمار

اور سائمہ یہ اموال چونکہ بیرونِ شہر (ظاہر البلد میں) پائے جاتے ہیں اِس لئے یہ اموال اصولی طور پر اموالِ ظاہرہ ہیں۔ سابقہ مفصل ابحاث کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ بینکی اموال، اموالِ باطنہ ہیں۔ انہیں بینک میں ہوتے ہوئے قطعاً مالِ ظاہر قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حضراتِ فقہاء کی ذکر کردہ متفقہ تصریحات کو کسی اجتہاد سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اِس امر میں تو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دلائلِ شرعیہ کے علاوہ ملکی و بین الاقوامی بینکنگ نظام کے ضوابط کے تحت بینکی اموال کو مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک شخص کے اموال کو دوسرے پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بعض ممالک میں تو حکومت بھی کسی کھاتہ دار کا بینک بیلنس معلوم کرنے کی مجاز نہیں۔ اور اُصولی طور پر بینکی اموال کو زیادہ سے زیادہ محفوظ پیٹیوں اور تالوں میں بند کر کے رکھا جاتا ہے ایسے مخفی مقفل کمروں آہنی الماریوں مضبوط تجوریوں میں بند اموال کو مالِ ظاہر قرار دینا مشاہدہ، بداھت اور شریعت کے یکسر خلاف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجلسِ تحقیق مسائلِ حاضرہ کراچی نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ میں "زکوٰۃ وعشر آرڈیننس" میں ذکر کردہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تعریف کو ائمہ اربعہ کی مُتفق علیہ تعریف کے خلاف بلکہ اسکو مسخ قرار دیا تھا۔ کیونکہ اِس آرڈیننس میں بینکی اموال کو اموالِ ظاہرہ میں شُمار کیا گیا تھا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "بینات" کراچی بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ)

"البلاغ" کے دلائل کا جواب

اب ہم "البلاغ" کے پیش کردہ دلائل پر مختصر گزارشات پیش کریں گے۔ اموالِ ظاہرہ کی اپنی بیان کردہ تعریف کے سلسلہ میں البلاغ میں نہایت اہم دو عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔

(۱):- فلما ولی عُثمان وظهر تغیر الناس کرہ ان یفتش السعاۃ علی الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الی الملاک نیابۃ" عنہ اھ (فتح القدیر ص۴۸۶)

(۲):- لم یبلغنا انه بعث سعاۃ علی زکاۃ الاموال کما بعثهم علی صدقات المواشی و الثمار فی ذلک لان سائر الاموال غیر ظاهرۃ للامام وانما تکون مخبوۃ فی الدور والحوانیت والمواضع الحریز" ولم یکن

جائزاً للسعاۃ دخول احرازهم...... ولما ظهرت هذہ الاموال عند التصرف بها فی البلدان اشبهت المواشی فنصب فیها عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوٰۃ۔ (احکام القرآن للجصاص ص۱۵۵ ج۳)

استدلال: ان تصریحات سے واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں..... لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں۔ (البلاغ سنہ ۱۴۰۰ھ ص۱۲)

جواب: اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تعریف کے بارے میں عباراتِ بالا سے استدلال کرنا کئی وجوہ سے مخدوش ہے اولاً اس لئے کہ اس امر میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابنِ ہمام اور امام جصاصؒ رازی کا مقصود ان عبارات سے اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی تعریف کرنا نہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اِس خاص اعلان کی صرف حکمت اور مصلحت بتلانا پیشِ نظر ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا حق مالکان کے سُپرد کرنے میں انہیں مُحصّلین کے تفتیش سے بچانا مطلوب تھا (باقی اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی تفصیل اور ان کے علل یہ اپنے مقام پر مفروغ عن البحث ہیں)۔ البلاغ کے استدلال میں بُنیادی کمزوری یہ ہے کہ بیانِ حکمت کو بیانِ علّت سمجھ لیا گیا اور پھر اس سے اولاً اموالِ باطنہ کی تعریف اَخذ کی گئی اور پھر اس کے تقابل سے اموالِ ظاہرہ کی تعریف کر دی گئی۔ حالانکہ بیانِ حکمت و مصلحت سے کسی حکم کی تعریف کرنا دُرست نہیں۔

عِلّت اور حکمت میں فرق: (۱):- عِلّت پر حکم نفیاً و اثباتاً دائر ہوتا ہے اور کسی حکم کی حکمت فی الجملہ ملحوظ ہوتی ہے لیکن مدارِ حکم نہیں ہوتی۔

(۲):- عِلّت میں عموم ہوتا ہے اور سب افراد میں پائی جاتی ہے۔ اِس سے حکم کا تخلف جائز نہیں ہوتا مثلاً شریعت نے بوجہ مشقّتِ مسافر کے لئے قصر و افطار کی اجازت دی ہے کیونکہ سفر میں عموماً مشقّت ہوتی ہے لیکن یہ مشقّت محض حکمتِ تخفیف ہے مدارِ حکم اور عِلّت نہیں۔ عِلّتِ رخصت سفر ہے پس اگر کسی سفر میں مشقّت نہ ہو تو قصر کی شرعی

سہولت بدستور برقرار رہے گی کیونکہ علت پائی گئی ہے گو حکمت منتفی ہے ۔

اگر حکمت کو مدارِ حکم قرار دیا جائے تو بعض اسفارِ شرعیہ میں بھی قصر کی رخصت حاصل نہ ہوگی اگر مُشقت پر حکم دائر کیا جائے تو شاید یہ دعویٰ کرنا بھی مستبعد نہیں ہوگا کہ گھر پر ہوتے ہوئے اگر کوئی مشقت کا کام کیا گیا تو بھی قصر کی اجازت ہونی چاہیئے کیونکہ علتِ رخصت پائی گئی حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کچھ ایسی ہی صُورت البلاغ کے زیرِ بحث استدلال میں پائی جارہی ہے کیونکہ حضرات فقہاء کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ سونا چاندی اور مالِ تجارت کے اموال ظاہرہ کے حکم میں آنے کی علت اخراج مِن المصر ہے لیکن البلاغ نے مضرتِ تفتیش کو (جو فی الواقع حکمت تھی) علت اور مدارِ حکم سمجھتے ہوئے یہ طے کرلیا کہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی اموالِ باطنہ کو اموالِ ظاہرہ قرار دیا جاسکتا ہے یہ ایسے ہی سمجھیئے جیسے بغیر سفر گھر پر ہوتے ہوئے بوجہ مشقت قصر نماز کی اجازت دیدی جائے ۔

احتیاجِ تفتیش حکمت ہے عِلّت نہیں : محتاجِ تفتیش اموالِ باطنہ کو سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھنے کی حکمت ہے

عِلّت نہیں۔ اگر اسے علت قرار دیا جائے تو بازار کھل جانے کے بعد ہر دوکاندار اموال کو ایسے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کرتا ہے جو گاہکوں کے لئے جاذبِ نظر ہو۔ ان تمام اموال کا بلا مبالغہ روزانہ ہزاروں لوگ مشاہدہ کرتے ہیں اور بلاشبہ یہ اموال محتاجِ تفتیش نہیں، اگر محتاجِ تفتیش ہونے کو مالِ باطن بننے کی عِلّت قرار دیا جائے تو یہ سب اموال 'اموالِ باطن' ہونے سے یقیناً خارج ہوجائیں گے حالانکہ حضرات فقہاء کرام نے شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموال کو بالاتفاق مالِ باطن قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ محتاجِ تفتیش ہونا علت نہیں ورنہ معلول اس سے متخلف نہ ہوتا بلکہ حکمت ہے جس سے حکم کا تخلّف جائز ہے جیسے سفر میں عدمِ مشقت کے باوجود رخصتِ قصر برقرار رہی۔ یا گھر پر ہوتے ہوئے مشقت کے کام کے باوجود رخصتِ قصر کی سہولت حاصل نہ ہوسکی۔ یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ رہے بعض بڑی دوکانوں میں گاہکوں کے لئے نشستیں کرسیاں وغیرہ مہیا ہوتی ہیں۔ پس ہر دوکان میں جانے کو مُضرت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صبح سے لیکر بازار بند ہونے تک اموال تجارت بقصد اظہار و نمائش کھلے بندوں رکھے رہتے ہیں۔ ہاں بازار بند ہوتے

ہی یہ سب اموال دوکانوں میں چھپا دیئے جاتے ہیں۔ اب یہ اموال مستور ہوگئے دن میں بالکل ظاہر تھے رات کو بالکل پوشیدہ اور غائب ہوگئے اس سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ اموالِ باطنہ کا مستور اور چھپائے ہوئے ہونا یہ بعض حالات (یعنی رات) کے اعتبار سے ہے ہر وقت کے لحاظ سے انہیں پوشیدہ نہیں کہا جاسکتا اموالِ باطنہ کا گھروں اور دوکانوں میں مستور و مخفی ہونا بعض اموال باطنہ (یعنی سونا، چاندی) کے اعتبار سے ہے کیونکہ انکو گھروں میں مضبوط تالوں وغیرہ میں بند کرکے رکھا جاتا ہے۔ تمام اموالِ باطنہ کے اعتبار سے نہیں۔ علامہ ابنِ ہمامؒ اور امام جصاصؒ نے اپنی عبارات میں اموال باطنہ کے لئے "مستور" وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان الفاظ سے انکی مُراد قطعاً یہی ہے اور ہر مالِ باطن کا ہر حالت میں مستور رہنے کا دعویٰ ان حضرات کی کلام میں ہرگز نہیں اور نہ ان حضرات کی کلام کا یہ مفہوم ہے کہ نقد اور سامان تجارت اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر ہیں اور جب انہیں نجی مقامات سے نکال لیا جائے تو مالِ ظاہر میں شامل ہوجاتے ہیں۔ "اسوقت تک" "جب تک" یہ دونوں قیدیں ان حضرات کی کلام میں موجود نہیں پس مستور و پوشیدہ بہرحال محتاجِ تفتیش ہونے کو مالِ باطن کی حقیقت میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے مالِ باطن اور مالِ ظاہر کی تعریف اخذ کرنا محض تساہل ہے حالانکہ علامہ جصاص رازی کی کلام میں واضح اشارہ موجود ہے کہ تقابل مکشوف اور مستور ہونے میں نہیں۔ اور نہ ہی پوشیدہ نجی مقامات میں رکھے ہونے یا ان سے اموال کو باہر لانے میں ہے بلکہ تقابل اس میں ہے کہ یہ اموال مکانوں اور دوکانوں میں اپنی جگہوں میں رکھے ہوئے ہیں یا ان اموال کو شہر سے باہر سفر پر لے جایا گیا ہے۔ پہلی صورت میں یہ اموالِ باطنہ ہیں دُوسری صورت میں یہ اموال ظاہرہ میں شامل ہوجائیں گے۔ چُنانچہ عبارت بغور پڑھیئے،

امام جصاص رازی لکھتے ہیں :

وانما تکون مخبوءة فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزة ..... ولما ظهرت هذه الاموال عند التصرف بها فی البلدان اشبهت المواشی فنصب علیها عمال یاخذون منها ما وجب من الزکوٰة ولذلک کتب عمر بن عبد العزیز الی عماله ان

یاخذوا مما یمر بہ المسلم من التجارات من کل عشرین دینارا
نصف دینار (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۳)

عبارت بالا میں تصریح ہے کہ جب اپنی پوشیدہ اموال کو لے کر دوسرے شہروں میں جائے گا تو یہ اموال (حکومت کے زیرِ حفاظت آنے میں) جنگل میں چرنیوالے مویشیوں کے مشابہ ہو جائیں گے۔ ایسی صورت میں حکومت بذریعہ عاشران اموال کی زکوٰۃ وصول کرے گی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے ثابت ہو رہا ہے۔ حاصل یہ کہ اس صورت میں یہ اموالِ باطنہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یہ وہی بات ہے جو دیگر حضرات فقہاء کی کلام میں پوری وضاحت سے موجود ہے۔ شہر میں اپنی جگہوں پر رکھے ہوئے اموالِ تجارت، نقدی، اموالِ باطنہ ہیں اور جب انہیں لے کر سفر کیا جائے تو یہ اموال مویشیوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اموالِ ظاہرہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ابن ہمامؒ سے بھی ایسی ہی تصریح پہلے ہم نقل کر چکے ہیں۔ شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ کی ادائیگیٔ زکوٰۃ کا حق مالکان کو حاصل ہے اور ان اموال کے شہر سے نکلتے ہی یہ حق امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(باب العاشر ص۱۷۳ ج۲)

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی مال ظاہر و باطن بننے کا مدار مستور و مکشوف ہونے پر نہیں بلکہ اندرون شہر ہونے یا بیرون شہر لے جانے پر ہے اور مستور ہونے کا لفظ بطورِ بیان مصلحت فرمایا ہے ہیں بطورِ بیانِ علت نہیں۔

الغرض جب اموالِ باطنہ کا ہر حال میں مستور ہونا ضروری نہ ہوا کہ بلا تفتیش ان کا علم حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اس کے مفہوم مخالف سے مالِ ظاہر کی تعریف مستنبط کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ ورنہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ٹھہرے گی۔ گویا البلاغ کے اس استدلال میں تین تسامح واقع ہوئے ہیں۔ (۱): حکمت کو علت سمجھ لینا (۲): حکمت و مصلحت کو علت سمجھتے ہوئے اس سے مالِ باطن کی تعریف اخذ کرنا (۳) پھر اس تعریف سے تقابل کے طور پر مالِ ظاہر کی تعریف ترتیب دینا۔

(فائدہ) اموالِ باطنہ اپنے بعض افراد کے اعتبار سے مستور ہوتے ہیں جن سے وصولِ زکوٰۃ کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت پڑ سکتی تھی جس سے مالکان کو ضرر

پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ دفعِ مضرت کے لئے شریعت نے بعض افراد کی سہولت پوری نوع کے لئے عام فرما دی اور مالکان کو عام اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تمام اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کر دیا کریں۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ میں عموماً نوع ہی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ سفر کے بعض افراد میں مشقت تھی لیکن سفر شرعی کے تمام افراد میں رخصتِ قصر وغیرہ کی سہولت کو عام کر دیا گیا۔

"البلاغ" کے پیش کردہ آثار پر ایک نظر

ہماری معروضات کے جوابات میں پھر البلاغ ماہ رمضان ۱۴۰۱ھ میں "مجلس تحقیقاتِ مسائلِ حاضرہ" کا فیصلہ شائع ہوا جس میں مجلس نے اموالِ ظاہرہ و باطنہ کے بارہ میں اپنے سابقہ موقف کو بحال رکھا اسی فیصلہ کے بارہ میں مزید گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

پہلی گذارش یہ ہے کہ خیر المدارس کے جواب میں حضرات فقہاء کی متعدد تصریحات پیش کی گئی تھیں کہ سونا، چاندی، نقدی شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ ہیں۔ جب انہیں شہر سے نکالا جائے گا اور انہیں لے کر سفر کیا جائے گا تب یہ اموالِ ظاہرہ میں شامل ہوں گے۔ اور کسی مالِ باطن کے مالِ ظاہر میں شامل ہونے کی علت اخراج من المصر ہے۔ ملک العلماء امام کاسانیؒ فرماتے ہیں، لانہ لما سافر بہ واخرجہ من العمران صار ظاہرا (بدائع)، در مختار و شامیہ میں ہے: لانہا بعد الاخراج من البلد التحقت بالاموال الظاہرۃ۔ خیر المدارس کے جواب کی تردید کے لئے ایسے فقہی جزئیات پیش کئے جانے چاہیئے تھے جن سے ہماری پیش کردہ تصریحات فقہاء کرام کی مراد مخفی ہوتی لیکن البلاغ کے پورے اس فیصلہ میں ایسا ایک جزئیہ بھی مذکور نہیں اور ظاہر ہے کہ تصریحات فقہاء کرام کے مقابلہ میں کوئی خیال و اجتہاد قابلِ قبول نہیں۔ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے، البحث فی المنقول غیر مقبول (شامی) علامہ قاسم بن قطلوبغا نے اپنے شیخ محقق ابن ہمام کے بارے میں واضح طور پر لکھا ہے:

لا عبرۃ بابحاث شیخنا التی خالف المنقول (یعنی منقول فی المذہب) اسلامی قانون میں

ء کے بعد البلاغ ۱۴۰۱ھ نے موضوعِ بحث میں توسیع فرما دی۔ واضح رہے

کہ اصل زیرِ بحث یہ امر تھا کہ مال باطن مالِ ظاہر کب بنتا ہے؟ اور اس کی علت کیا ہے؟ اور یہ بات کہ گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر کبھی وصول کی گئی ہے یا نہیں یہ بحث ثانوی درجہ کی ہے۔ ہماری ساری بحث اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق و تفصیل و تشریح کے بارہ میں تھی۔ مگر البلاغ ۱۴۰۲ھ میں بنیادی تبدیلی کر دی گئی کہ اصل موضوع کی بجائے دوسری بات سرکاری وصولی کو ہی موضوعِ بحث بنا لیا گیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

غور و تحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ سرکاری سطح پر وصولئ زکوٰۃ کے لئے خروج من المصر کو علت قرار دینا درست نہیں بلکہ اصل علت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی حاجت نہ ہو (البلاغ ص۸) اور پھر اپنے اس جدید دعویٰ کے لئے خلافتِ راشدہ کے بعض آثار سے استدلال کیا کہ خلفائے راشدینؓ نے گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی بھی زکوٰۃ وصول کی۔ واضح رہے کہ ہم نے خروج من المصر کو مال ظاہر بننے کی علت قرار دیا تھا اور اسے سرکاری سطح پر وصولی کی علت قرار نہیں دیا تھا۔ پس اگر کسی دور میں ماضی کے اندر گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی گئی ہو تو یہ وصولئ زکوٰۃ نہ تو علت بن سکتی ہے اور نہ ہی زیرِ بحث مسئلہ میں مفید۔ جبکہ اہلِ فہم پر مخفی نہیں کہ سرکاری وصولی اور مالِ ظاہر ہونے میں تلازم ہے نہ مساوات۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں گھروں میں رکھے ہوئے اموال کی سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی۔ جب کہ یہ اموالِ ظاہرہ نہیں اور اس کے برعکس مال ظاہر ہو اور حکومت کو بوجہ عدمِ حفاظت کے اس سے وصولی زکوٰۃ کے اختیارات نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے جیسے کہ جزئیہ ذیل سے ظاہر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مالِ ظاہر اور سرکاری وصولی میں اتحاد و مساوات نہیں بلکہ مغایرت ہے ——

پس اصل موضوع مالِ ظاہر و باطن کی بحث میں سرکاری وصولی کی بحث چھیڑ دینا۔ اصل موضوع سے گریز و انحراف ہے اور اس سلسلہ میں پیش کردہ آثار اصل موضوع سے غیر متعلق ہیں۔

اصل موضوع یہ تھا کہ کوئی مالِ باطن مالِ ظاہر کے حکم میں کب داخل ہو جاتا ہے۔ ان آثار میں اس کا کوئی نشان و اثر تک موجود نہیں۔ وہاں سرکاری وصولئ زکوٰۃ کا ذکر ہے جس سے ہمیں انکار نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی مال سے سرکاری وصولی یہ اس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل ہے اول تو اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت ہے اور ثانیاً یہ کہ —— اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خلافت راشدہ میں بھی اموالِ ظاہرہ کی ہی زکوٰۃ وصول کی گئی ہے۔ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سرکاری طور پر کبھی وصول نہیں کی گئی اور نہ ہی کبھی وصول کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب کسی مال کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو وہ مال ظاہر بن جائے گا حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ سرکاری طور پر اموالِ باطنہ کی وصولئ زکوٰۃ خلافت راشدہ کے دور میں مسلّم امر ہے۔

لکھتے ہیں کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی ——

اور ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ جس مال کی حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی وہ مال ظاہر بن جاتا ہے گویا کہ اسلامی قانون میں مالِ ظاہر کا کوئی تشخص اور پہچان موجود نہیں۔ مالِ ظاہر بننے کا مدار سرکاری وصولی زکوٰۃ پر ہے۔ گذارش یہ ہے کہ کس فقیہ نے مالِ ظاہر کے متعلق یہ تحقیق ذکر کی ہے؟ ایک نام بھی اس سلسلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حضرات فقہاء نے اموالِ ظاہرہ کا مستقل تشخص اور ان کی تعداد تک بتلائی ہے جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں ——

الغرض خلافتِ راشدہ میں اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن اس سے یہ اموالِ ظاہرہ میں تبدیل نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں البلاغ کے پیش کردہ آثار کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما لوگوں میں جب سالانہ وظائف تقسیم فرماتے تو آپ وصول کنندہ سے دریافت کرتے کہ تیرے پاس کوئی اور ایسا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو۔ اگر وہ شخص اثبات میں جواب دیتا تو اس مال کی زکوٰۃ وظیفہ کی رقم میں سے کاٹ کر باقی وظیفہ اس کے حوالے کر دیتے ——

(ب) —— حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما وظیفہ کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے ——

(ج) —— حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے واپس کرتے وقت ایک ایسے مال کی بھی زکوٰۃ وصول کی جو سابقہ حکمرانوں نے ظلماً مالک سے لے لیا تھا۔ البلاغ نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"—— اس طریقہ کار سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شامل ہونے اور اس سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہر سے باہر لے جانا ضروری نہیں"

گذارش یہ ہے کہ ان آثار میں سرکاری سطح پر وصولئ زکوٰۃ کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ان اموال کے اموالِ ظاہرہ بن جانے کا کوئی ذکر ان میں نہیں پایا جاتا۔ ہم نے بار بار غور کیا لیکن "بات بالکل واضح ہونے کی بجائے ان آثار میں کوئی اشارہ تک ایسا نہیں مل سکا جو ان اموال کے مالِ ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی فقہی صریح جزئیہ پیش کیا گیا۔

حالانکہ اصل اس سلسلہ میں فقہی جزئیہ ہی مطلوب تھا۔ گھر میں رکھا ہوا مال بذریعہ اقرار مالِ ظاہر میں تبدیل نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور مالِ باطن ہی رہتا ہے اسی لئے عاشر اس سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے نہ امام۔ جیسا کہ اس کی مفصل تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔ اور صرف سرکاری وصولی کو مالِ ظاہر کی دلیل سمجھ لینا تساہل ہے۔ (اس کی تردید پہلے کی جا چکی ہے) خصوصاً جبکہ یہ مسلّم ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے اموالِ باطنہ کی بھی زکوٰۃ وصول کی

ہے۔ اور البلاغ کے مطابق حکومت کو ان کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اب بھی باقی ہے —— جب یہ ہے تو سرکاری وصولی زکوٰۃ کو کسی مال کے مال ظاہر ہونے کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ جبکہ سرکاری وصولی البلاغ کے مطابق مالِ باطن سے بھی ہو سکتی ہے اور مالِ ظاہر سے بھی —— چنانچہ البلاغ میں ہے:

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کا حقِ اخذ بالکلیہ ساقط ہو گیا۔ اور اب وہ زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا" (یعنی ایسا نہیں) (البلاغ ۱۴۰۱ھ ص۲۱)

وصول کرانے میں نہ معلوم البلاغ کو کیا دلچسپی ہے۔؟ سیدھی بات فرما دیتے کہ مضرتِ تفتیش نہ ہونے کی صورت میں ماضی کے اندر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کی گئی۔ بینکی اموال بھی اسی نوعیت کے ہیں بقولِ البلاغ "جب اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ سے بجز مضرتِ تفتیش کوئی مانع نہیں۔ تو بینکی اموال کو "مالِ باطن بنا کر" ہی زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔ انہیں خواہ مخواہ اموالِ ظاہرہ بنانے کا تکلف کیوں فرما رہے ہیں؟ اور البلاغ کے پیش کردہ مواد کا حاصل بھی یہی ہے کہ اُن اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی گئی لیکن یہ اموالِ ظاہرہ بھی تھے؟ —— یہ امر ان کے پیش کردہ مواد سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ حالانکہ اصل موضوع سرکاری وصولی نہیں بلکہ اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی تحقیق ہے۔

وظائف وعطایا پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم

البلاغ میں وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ کو بار بار اپنے استدلال کی بنیادی دلیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ "اموالِ وظائف سے سرکاری سطح پر چونکہ زکوٰۃ وصول کی گئی ہے لہٰذا یہ مالِ ظاہر ہیں۔ پس بینکی اموال بھی چونکہ اسی نوعیت کے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بھی مالِ ظاہر ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے۔"

اس استدلال میں ایک بنیادی کمزوری تو یہی ہے کہ سرکاری وصولی کو مالِ ظاہر ہونے کی دلیل بنا لیا گیا ہے دوسری کمزوری یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وظائف میں زکوٰۃ واجب ہے۔ نہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جا سکتی ہے نہ ان حضرات نے وظائف کی زکوٰۃ وصول کی اور ائمہ متبوعین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ کو خلافِ اجماع

قرار دیا گیا ہے (کما سیأتی) پس ایسے خلافِ اجماع امر کو بنیاد بناتے ہوئے جس مسئلے کو اس پر متفرع کیا جائیگا وہ بھی خلافِ اجماع ہوگا۔ پس بینکی اموال سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ خلافِ اجماع ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کا یہ طرزِ عمل گزر چکا ہے کہ یہ حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (موطا امام مالکؒ) سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ ہمارے وظائف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح جاری ہوتے تھے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں لی جاتی تھی تا آنکہ ہم خود ان کی زکوٰۃ نکالتے تھے۔ —

(کتاب الاموال ص۱۶۳)

شارح موطا علامہ باجیؒ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:

واما ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلم یکونوا یاخذون منہا (ای من الاعطیۃ) الزکاۃ لانہا لم یتحقق ملکہ من اعطیہا الا بعد الاعطاء والقبض (اوجز)

مذہبِ علی رضی اللہ عنہ کی تحقیق

خلفائے ثلاثہ کے اس طرزِ عمل کو البلاغ میں بھی تسلیم کیا گیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ وہ تنخواہوں اور وظائف کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ (البلاغ ص۵۱) مگر نہ البلاغ میں اس کا کوئی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ ہی ہماری تحریری مراجعت کے جواب میں کسی ایسے حوالے کی نشاندہی کی گئی ہے صحیح یہ ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے۔ اولاً اس لئے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اول من اخذ من الاعطیۃ الزکاۃ معاویۃ بن ابی سفیان (موطا امام مالک)

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت تمام خلفاء راشدین عطیہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

ثانیاً — اس لئے کہ یہ عطاء، وظیفہ مالِ مستفاد ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مالِ مستفاد میں حولان حول سے قبل وجوبِ زکوٰۃ کے قائل نہیں۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال من استفاد مالاً فلیس فیہ الزکاۃ حتیٰ یحول علیہ الحول — (مصنف عبدالرزاق ص۷۵ ومصنف ابن ابی شیبہ)

ثالثاً —— اس لئے کہ مغنی ابن قدامہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا مذہب (کان عبد اللہ یعطینا ویزکیہ) نقل کرنے کے بعد خلفاء راشدین کا مذہب اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے۔؟

چنانچہ فرماتے ہیں: —— وجمہور العلماء علی خلاف ھذا القول منہم ابو بکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم اجمعین (ص ۶۲۶)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے۔

رابعاً —— اس لئے کہ وظیفہ سے وصولیٔ زکوٰۃ خلافِ اصولِ شرعیہ اور جمہور ائمہ وعلماء کے خلاف ہے۔ تو جب تک اس کا کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہ مل جائے اس کی نسبت خلیفہ راشد کی طرف کرنا درست نہ ہوگا۔

خامساً: —— اس لئے کہ وصولیٔ زکوٰۃ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب خلفاء ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہ نسبت تخفیف وتسہیل پر مبنی تھا نہ کہ تشدید وتضییق پر، جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے ——

ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تو خزانہ سے وظیفہ بھی وصول کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے اس کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور فرمایا:

لانجمع علیک ان لا نعطیک ونأخذ منک فامرہ ان یقسمہا (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹ ج ۳ طبع ملتان) —— ان وجوہ اور ابن قدامہ کی تصریح سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مذہب متحقق ہوا کہ آپ وظیفہ کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے ——

الحاصل حوالہ جات بالا سے یہ ثابت ہو گیا کہ خلفاء راشدین نے وظائف وعطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کی۔ اور جمہور صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اور علماء وفقہاء اُمّت کا یہی مذہب ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ اور ناقابلِ التفات ہے حضرات ائمہ اہلِ فتویٰ نے کبھی اسے قابلِ اعتناء نہیں سمجھا۔ امام ابن عبد البر وظیفہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق لکھتے ہیں ——

ھذا شذوذ لم یعرج علیہ احد من العلماء، ولا قال بہ احد من ائمۃ الفتویٰ۔ اھ ——

علامہ باجیؒ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرزِ عمل (وظیفہ کی وصولیٔ زکوٰۃ) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

ثم انعقد الاجماع علی خلافہ قالہ الزرقانی۔ (کذا فی الاوجز ص ۱۴۵ ج ۳)

اس تفصیل وتحقیق سے قارئین کرام نے محسوس کر لیا ہوگا کہ البلاغ کا دعویٰ ثابت نہیں بلکہ وظیفہ کی وصولیٔ زکوٰۃ خلفائے راشدین کے متفقہ طرزِ عمل اور اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے —— پس اس کے خلاف کسی کا شاذ قول ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ——

قابلِ تعجب

تشریحاتِ بالا کی موجودگی میں نہ معلوم البلاغ والے ایک خلافِ اجماع شاذ روایت کو اپنا مستدل بنا کر کیسے مطمئن ہو بیٹھے۔ یہ امر ناقابلِ فہم ہے کہ ہزار سالہ قدیم فقہاء کے اجماعی مؤقف کے خلاف شاذ اور خلافِ اجماع اثر مل جانے کو ہی کافی سمجھ لیا جائے۔ آخر عصرِ حاضر کے متجددین اور اہلِ حق میں کیا فرق باقی رہ جائے گا۔؟ کسے معلوم نہیں کہ ہر ضعیف بلکہ غلط خیال کے لئے بھی کوئی نہ کوئی شاذ قول مل ہی جاتا ہے۔ حلّتِ ربوا جوازِ متعہ وغیرہ تک جیسے مسائل میں کیا کیا اقوال نہیں ملتے۔ اہلِ انصاف کے نزدیک اس مسئلہ میں خلفاء راشدین کا اجماع اور ائمہ اربعہ کا اتفاق کافی ہے کہ وظائف سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ پس اسے زیرِ بحث مسئلے میں مستدل نہیں بنایا جا سکتا ہے

اثرِ ابنِ مسعودؓ کی توجیہ

حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کے طرزِ عمل کے متعدد جوابات ہو سکتے ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ اس اثر کے ثبوت میں ہی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ہبیرہ بن مریم ہے۔ جس کی توثیق میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ نے اسے "لا بأس بہ" کہا ہے۔ امام نسائیؒ فرماتے ہیں "لیس بالقوی" وقال ابن الخراش "ضعیف" وقال ابو حاتم شبیہ بالمجہول (میزان ص ۲۵۱ ج ۲) اور اس کی تائید امام زہری کے قول سے بھی ہوئی۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل وظائف وعطایا سے زکوٰۃ کی وصولی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی (موطا امام مالکؒ)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطایا کی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے تھے یا کم از کم یہ ہے کہ یہ طرزِ عمل ابن مسعودؓ سے معروف نہیں تھا۔ ورنہ امام زہریؒ پر یہ امر مخفی نہ رہتا۔ امام زہریؒ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابنِ مسعودؓ کا طرزِ عمل اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کے خلاف نہ تھا۔ اس کی تائید امام ابو عبیدؒ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ ابنِ مسعودؓ کا زیرِ بحث اثر نقل کرنے کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں میرے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس روایت کی یہی توجیہ ہے۔ جو حضرت ابو بکر وعثمان رضی اللہ عنہما

کی روایات کی ہے۔ یعنی یہ دونوں بزرگ اُس مال کی زکوٰۃ لیتے تھے (جو دوسرے مال پر) ماضی میں واجب الادا تھی نہ کہ وہ جو مستقبل میں ان پر واجب ہونے والی تھی۔ یعنی وظیفہ کی زکوٰۃ (ترجمہ کتاب الاموال صفحہ ۱۶۳/۲)

علاوہ ازیں جب ہم حضرت ابنِ مسعودؓ کی ایک دوسری حدیث دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت بالکل کھل جاتی ہے کہ زیرِ بحث حدیثِ ابنِ مسعودؓ ثابت ہی نہیں یا مؤوّل ہے وہ حدیث یہ ہے کہ عبداللہ ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص مال حاصل کرے تو اس پر پورا سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہو گی۔

(ترجمہ کتاب الاموال صفحہ ۱۶۳ ج ۲)

اس حدیث سے ان کا مذہب ظاہر ہے کہ مالِ مستفاد میں فی الحال زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وظائف مالِ مستفاد ہی ہیں۔

البلاغ ص... میں بھی وظیفہ کا مالِ مستفاد ہونا تسلیم کیا گیا ہے تو ابنِ مسعودؓ وظیفے کی زکوٰۃ جبراً کیسے وصول کر سکتے تھے۔ جبکہ یہ مالِ مستفاد ہے: —

تطبیق

دونوں روایات کو جمع کرنے کے لیے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آپ وظیفے سے جبری کٹوتی نہیں کرتے تھے کیونکہ زکوٰۃ کا فی الحال وجوب ہی نہیں ہُوا۔ ہاں صاحبِ وظیفہ کی رضامندی سے پیشگی زکوٰۃ وصول کر لیتے ہوں تو اس کی گنجائش ہے کیونکہ (مالک اپنی رضا و رغبت سے پیشگی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے) اور اس مبارک دور میں لوگ اپنے مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو غنیمت جانتے تھے۔ چنانچہ بعض سلف کا یہ مذہب لکھا ہے کہ دورانِ سال اگر کسی کو کوئی مال مِل جائے اور اسے حولانِ حول سے پہلے خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا کر دی جائے۔ پھر اسے خرچ کیا جائے (مصنف ابنِ ابی شیبہ صفحہ ۱۶۰ ج ۲)

اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابنِ مسعودؓ کا یہ خصوصی طرزِ عمل ان کے ذاتی اجتہاد پر مبنی تھا جو خلفاء راشدینؓ کے متفقہ طریق کار کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے اور اُمت نے اسے قبول نہیں کیا —

بہرحال زیرِ بحث اثرِ ابنِ مسعودؓ ثابت نہیں یا مؤوّل ہے۔ پس ظاہر پر رکھتے ہوئے یہ اثر قابلِ احتجاج نہیں۔ حضرات ائمہ نے اسے شاذ اور خلافِ اجماع قرار دیا ہے۔ یہی توجیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فعل کی بھی کی جا سکتی ہے —

مالِ مستفاد کی توجیہ

تمام اقوام کے عُرفِ عام سے ثابت ہے کہ وظائف تنخواہ، مہینہ وغیرہ پُورے ہونے کے بعد ہی ادا کی جاتی ہے۔ پس ظاہر یہی ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی عطایا سال پورا ہونے کے بعد ہی تقسیم کیے جاتے تھے

...س قسم مالِ مستفاد کی توجیہ بھی اثرِ ابنِ مسعودؓ میں جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ عموماً طور پر تقسیم ان اموال کا کیا جاتا ہے ...دورانِ سال حاصل ہوئے ہوں نہ ان اموال کا جو سال پُورا ہونے کے بعد مِلک میں آئے ہوں۔ علاوہ ...ازیں اثرِ ابنِ مسعودؓ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وظائف کی زکوٰۃ مستقل حیثیت سے وصول کرتے ...تھے۔ دوسرے اموال کے تابع کر کے نہیں۔ کیونکہ وہ دریافت نہیں فرماتے تھے کہ تمہارے پاس اور مال بھی ...ہے یا نہیں۔ اور مستقل حیثیت میں فوری طور پر مالِ مستفاد کی زکوٰۃ کا وجوب اُمت میں سے کسی امام کا مذہب ...نہیں ہے۔ اگر کوئی قول پایا بھی جائے تو وہ شاذ و مرجوح ناقابلِ احتجاج اور ساقط الاعتبار ہو گا۔

(والمرجوح فی مقابلۃ الراجح بمنزلۃ المعدوم (عقود) —)

وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ

اموال وظائف کی زکوٰۃ کے بارے میں حضرات خلفائے راشدین کا طرزِ عمل آپ پڑھ آئے ہیں کہ ...سب حضرات وظائف کی زکوٰۃ وصول نہیں فرماتے تھے لیکن البلاغ میں ہے:

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے بعد تک جاری ...رہا۔ (صفحہ ۱۲ ۱۳۹۰ھ) کتنا زبردست دعویٰ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی خلیفۂ راشد نے زکوٰۃ وصول ہی نہیں کی ...اور سلسلہ ان حضرات سے شروع ہی نہیں ہُوا۔ بعد تک جاری کیسے رہا۔؟ اور اگر وظائف سے وصولیٔ زکوٰۃ ...کا مطلب ہے کہ وظائف میں سے گھر میں رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ وصول کی جاتی رہی — تو اس سے "وظیفہ" کا مال ...ظاہر ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ حالانکہ سرکاری سطح پر خود وظیفہ کی زکوٰۃ تو وصول ہی نہیں کی گئی —؟ یا البلاغ کا خیال ...ہے کہ جس مال میں سے دوسرے مال کی زکوٰۃ وصول کر لی جائے وہ بھی مال ظاہر بن جاتا ہے۔ فیا سبحان اللہ — بہرحال البلاغ کے اس دعوٰی میں خاصا تساہل پایا جاتا ہے اور وظائف کا مال ظاہر کسی طرح بھی ثابت نہیں ...ہوا —

قطعی دلیل

ہماری گذارش یہ ہے کہ وظائف اور تنخواہیں قانونِ اسلامی کی رُو سے اموالِ ظاہرہ میں شمار نہیں ہیں۔ ...دیگر دلائل کے علاوہ اس کی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ: —

(الف) — عہد خلافتِ راشدہ سے لے کر آج تک حکومتوں کی طرف سے تنخواہ یا وظیفہ دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ (ب) سرکاری خزانہ سے اس مد میں صَرف ہونے والے اموال بلا تفتیش حکومت کے علم میں ہوتے ہیں۔ (ج) اور قطعی بات ہے کہ بارہ صدیوں سے مذکورہ بالا دونوں امور (الف اور ب) حضرات

فقہا کرام (ماہرینِ قانونِ اسلام) کے علم میں ہیں۔ لیکن ان قطعی حقائق کے باوجود قانونِ اسلام کا پورا ذخیرہ ان اموال کے مال ظاہر ہونے کی تصریح سے خالی ہے۔ قانونِ اسلام کی کسی کتاب میں وظائف یا تنخواہوں کا اموال ظاہرہ کی فہرست میں اندراج موجود نہیں ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں کا یہ بجٹ بارہ صدیوں تک حکومت کے قابلِ وصولی زکوٰۃ اثاثوں میں کیوں درج نہیں ہوسکا۔ انتہائی سادگی کی وجہ سے حضرات فقہا کو اس بجٹ کا علم نہیں ہوسکا۔ یا سہواً یہ فروگذاشت ہوتی چلی آئی ہے اور کوئی اس پر متنبہ نہیں ہوسکا۔ یہ سب تو ہمات محض باطل ہیں حقیقت یہ ہے کہ وظائف کے اموال، اموالِ ظاہرہ میں شامل نہیں۔ بلکہ قبل القبض تو سرے سے مملوک ہی نہیں مال ظاہر کیا ہوتے ؟ ——

قاضی القضاۃ امام ابویوسف ؒ نے خاص سرکاری مال گزاری پر مایۂ ناز تصنیف فرمائی۔ ابو عبیدہؒ نے اسی موضوع پر کتاب الاموال لکھی اور جزوی طور پر تمام فقہا کی کتابوں میں کتاب الزکاۃ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری (جو قاضی ابویوسف ؒ کا زمانہ ہے) اس وقت سے لے کر سلطان عالمگیر ؒ تک کسی کتاب میں تنخواہوں کے بجٹ کو اموالِ ظاہرہ میں شمار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے برعکس اس بجٹ کے مال باطن ہونے کی ضمنی تصریح قانونِ اسلامی کے مسلمہ مآخذ میں موجود ہے۔ رائج الوقت نقدی یا کرنسی نوٹ سونا چاندی اموال باطنہ میں سے ہیں۔ جب تک وہ شہر کے اندر ہوں ——

عجیب

دلائل کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے وظیفہ پر صاحبِ وظیفہ کی ملک نہیں آتی۔ ھدایہ، فتح القدیر، بحرالرائق، درمختار، شامیہ وغیرہ تقریباً سب کتب میں وظیفہ کے بارے میں لکھا ہے ——

انه نوع صلة وليس بدين ولهذا سمى عطاء فلا يملك قبل القبض ويسقط بالموت (ھدایۃ ص۵۸۰ ج۲)

البلاغ میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ (تنخواہ) صاحبِ تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے۔ لہ (ص۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ) قابلِ غور امر یہ ہے کہ جب قبضے سے قبل، وظیفہ زید کا مملوک ہی نہیں۔ تو اسے زید کے اموالِ ظاہرہ میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگر شبہ ہو کہ وظیفہ گیرندہ کے ملک میں آنے کے بعد یہ مال ظاہر بن گیا ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ اب یہ مال حکومت کی تحویل سے نکل کر نجی ملکیت وحفاظت میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ البلاغ کے مطابق کسی مال کے مال ظاہر میں شامل ہونے کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ مال حکومت کے زیرِ حفاظت آجائے۔ دو بنیادی امور ضروری تھے۔ ان میں سے ایک یہاں مفقود ہے

وظیفہ کے "متعین الوصول" ہونے کی وجہ سے اس کے مملوک ہونے کا دعویٰ کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام نے اس کی حیثیت کا علم رکھتے ہوئے اسے غیر مملوک قرار دیا ہے۔ بہر حال کسی غیر مملوک

مال کو زید کا ... مال ظاہر قرار دینا عجیب ہے ——

تیسری قسم کا مال،

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ نے سابق حکومت کے غصب کردہ مال کو مالکان کی درخواست پر انہیں واپس کر دیا اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ بھی وصول کر لی —— البلاغ میں اس واقعہ کو بھی بینک اکاؤنٹس کے مال ظاہر ہونے کی دلیل بنایا گیا ہے حالانکہ اس میں سرکاری وصولی کا ذکر ہے۔ مال ظاہر ہونے کا کوئی اشارہ تک اس میں موجود نہیں بس یہ اثر موضوع سے غیر متعلق ہے۔ پھر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وصولی جبری نہ تھی بلکہ مالکان کی رضامندی کے ساتھ تھی۔ کیونکہ خیر القرون میں مسلم معاشرہ کے اندر شعائر اسلام اور فرائض کی پابندی کامل طوع و رغبت کے ساتھ کی جاتی تھی۔ خیر غالب اور شر مغلوب تھا۔ جن مالکان کو اڑھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم مایوسی کے بعد واپس مل رہی ہو۔ انہیں مقدارِ زکوٰۃ کی معمولی رقم ادا کرنے میں کیا ناگواری ہو سکتی ہے۔ جبکہ عدم ادائیگی کی صورت میں وہ خود بھی زکوٰۃ ادا کرتے مری ہوئی اتنی بڑی رقم کی وصولی کے لیے لوگ تو اس کا چوتھائی تہائی حصہ بلکہ نصف تک بطور رشوت دینے کے لیے بخوشی تیار ہو جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اڑھائی فی صد زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی ناخوشی محسوس کریں۔ جو عذاب سے خلاصی اور خداوند قدوس کی رضامندی کا باعث ہے۔ اور رشوت موجبِ عذاب ——

امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کہ جانوروں کی زکوٰۃ از خود غرباء کو دیدی جائے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ امام عادل کو دی جائے جبکہ وہ عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا ہو (مدونہ) گویا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مالیات میں دیانت و امانت ضرب المثل تھی۔ ان حقائق پر غور کرنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ زیرِ بحث واقعہ میں مالکان کا زکوٰۃ ادا کرنا کسی جبر و اکراہ کے تحت نہ تھا بلکہ طوع و رغبت سے تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں ایک عامل نے لکھا کہ فلاں شخص نے ہمارے محصل کو زکوٰۃ نہیں دی۔ تو آپ نے جواب لکھا (دعہ) اسے رہنے دو یعنی جبر نہ کرو۔ (موطا) معلوم ہوا کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ عمومی جبر کے قائل نہ تھے۔ جبکہ معلوم ہو کہ مالک خود ادا کرے گا۔ تو سونے چاندی کی زکوٰۃ بلا رضامندی جبراً کیسے کاٹ لیتے تھے لہٰذا البلاغ میں ذکر کردہ اس واقعہ سے زیرِ بحث مسئلہ پر استدلال صحیح نہیں —— دوسرے یہ ایک جزوی واقعہ ہے اور بقول البلاغ جزوی واقعات کو کلی احکام کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ

ع۵۔ یہ مال مغصوب بیس ہزار درہم تھے (مصنف عبدالرزاق) جن کی مالیت تقریباً کم از کم اڑھائی لاکھ بنتی ہے ——

حضرات فقہاء اور محدثین نے مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس واقعہ سے کسی مال کے مالِ ظاہر میں شمار ہونے پر استدلال کرنے کی اوّلیت البلاغ ہی کو حاصل ہے۔ بارہ صدیوں میں کسی فقیہ یا محدث نے اس سے یہ استنباط نہیں کیا۔ اپنے دَور میں عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مالی اصلاحات کیں۔ غیر اسلامی ٹیکس منسوخ کئے۔ سابقہ حکمرانوں کے غصب کردہ اموال واپس کئے۔ انتہا یہ کہ اپنی اہلیہ کا جہیز شُبہ ہونے کی وجہ سے بیتُ المال میں واپس کر دیا۔ ان اصلاحات کی وجہ سے معاشرے کے قلوب پر ان کی ہر دلعزیزی اور عظمت کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ اس کے اثرات اب تک باقی ہیں۔ ایسا حکمران اگر جان بھی طلب کرے تو عوام دریغ نہیں کرتے چہ جائیکہ فریضۂ زکوٰۃ کی سرکاری وصولی پر کوئی ناخوشی محسوس کرے۔ امام ابوعبید اور دوسرے حضرات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عمومی طرزِ عمل یہی تھا کہ وہ صرف انہی لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے جو بخوشی زکوٰۃ انہیں دینا چاہیں۔ اور اپنے عمّال کو بھی یہی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ امام موصوفؒ فرماتے ہیں :—

”جو صدقہ زکوٰۃ تمہارے پاس لے آئے اس سے تم وہ قبول کر لو اور جو تمہارے پاس نہ لائے۔ اللہ اس سے حساب کرنے والا ہے۔“ (کتاب الاموال ص۲۹۵ ج۲) —

ابھی ابھی موطاء امام مالکؒ کے حوالے سے بھی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایسا ہی واقعہ گزر چکا ہے۔ بہر حال جبری کٹوتی زکوٰۃ کے بارے میں واقعہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے استدلال درست نہیں —

البلاغ نے مزید لکھا ہے کہ علامہ ابنِ ہمامؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک سال کی وصولیٔ زکوٰۃ کا واقعہ لکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال (ضمار) سے ایک سال کی جو زکوٰۃ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وصول فرمائی وہ حنفیہ کے نزدیک بھی معمول بہ ہے۔ ورنہ وہ اس کی توجیہ یا تردید فرماتے (البلاغ ص۹۶)

(جواب) حنفیہ کے مذہب کے بارے یہ بے خبری قابلِ تعجب ہے۔ حالانکہ حنفیہ کی تقریباً تمام شروح و متون میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ کہ مالِ ضمار میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ ھدایہ میں ہے —

ومن لہ علی آخر دین فجحدہ سنین ثم قامت لہ بینۃ لم یزکہ لما مضی ....
وھی مسئلۃ مال الضمار وفیہ خلاف زفر والشافعی اھ —

مالِ ضمار کی زکوٰۃ کے متعلق اوجز میں ہے :—

وعند الشافعی یجب فیہ اذا وجد فی الاحوال کلھا وقال مالک علیہ زکوٰۃ حول واحد لقول عمر بن عبد العزیزؒ وعند ابی حنیفۃ لا تجب فی الضمار (اوجز ص۹۲ ج۵)

امام طحاویؒ کی عبارت سے استدلال درست نہیں،

البلاغ ص۱۰۱ بابت رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ میں امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ ،مصدق بھیج کر امام کو اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے مکمل اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں —

امام طحاویؒ اس پورے باب میں جو احادیث لائے ہیں ان سے بلا کسی اشتباہ کے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ یہ ”حقِ وصولی“ ”عام“ نہیں۔ بلکہ یہ حق اُس سونے، چاندی اور اموالِ تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گذرے۔ اس باب میں امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں :۔

مثلاً ۱ لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی اھل الذمۃ ۲ لا یدخل الجنۃ صاحب مکس یعنی عاشرا ۳ فاعشر المسلمین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انما یعشر الیھود والنصاریٰ ۴ ان عمر بن عبدالعزیز کتب الی ایوب بن شرحبیل ان خذ من المسلمین من کل اربعین دینار دینارا ومن اھل الکتاب من کل عشرین دینار دینارا اذا کانوا یدیرونھا ثم لا تأخذ منھم شیئا حتی رأس الحول فانی سمعت ذلک ممن سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذلک ۵ اثر عمر رضی اللہ عنہ قال انس بن سیرین لانس بن مالک اکتب لی سنۃ عمر قال فکتب خذ من المسلمین من کل اربعین درھم درھما ومن اھل الذمۃ من کل عشرین درھم درھما وممن لا ذمۃ لہ من کل عشرۃ دراھم درھما اھ وغیرہ ذلک من الروایات۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مندرج ہیں۔ بلکہ فقہاء و محدثین میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار یعنی اثرِ عمر بن عبدالعزیزؒ اور اثرِ عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :۔ (بدائع ص۳۵ ج۲) (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۳) (موطا امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروض۔) موطا امام محمدؒ (شرح نقایہ) (کتاب الآثار لمحمدؒ) (شرح مختصر الکرخیؒ) (مبسوط سرخسیؒ) (البحر الرائق ص۲۴۹ ج۲) اوّل الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرر کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محمل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دُور دراز راستوں پر عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا حربی تاجر تمہارے پاس سے گذرے اس سے زکوٰۃ و ٹیکس وصول کرو، بابُ العاشر میں دیگر فقہاء و محدثین نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لا یدخل الجنۃ صاحبُ مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمرؓ سے تقررِ عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لے۔ امام طحاویؒ دلیلِ نقلی پیش کرنے کے بعد حسبِ عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرھن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور ثمار کی وصولیٔ زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموالِ تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرونِ شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں ——

جس دعویٰ کے لئے آثارِ عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو مامرّ علی العاشر کی وصولیٔ زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہ لطریق النظر کی خبر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ مامرّ علی العاشر سے وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموالِ تجارت کا ——

امام طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموالِ تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مالِ ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہِ شبہ اور علّتِ جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں ——

وكذا المال الباطن اذا مرّ به التاجر على العاشر كان له ان يأخذ في الجملة لانه لما سافر به واخرجه من العمران صار ظاهرا والتحق بالسوائم (ص ٣٥/٢)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں :—

ثم المسلم حين اخرج مال التجارة الى المفازة فقد احتاج الى حماية الامام فيثبت له حق اخذ الزكوٰة منه كما في السوائم ——

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مویشیوں پر جس مالِ تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مالِ تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے۔ ہر مالِ تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علّتِ الحاق شہر سے باہر آکر اس مال کا امام کے زیرِ حمایت آجانا ہے اور اموالِ ظاہرہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ الغرض دلالتِ سیاق و سباق و دیگر قرائن کی بناء پر پورے

وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مُراد "مامرّ علی العاشر" ہے۔ شہری اموالِ تجارت اور سونا چاندی نہیں ——

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک محظور یہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی کیونکہ شہری اموال کی وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے عامل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہدِ رسالت و خلافتِ شیخین میں بھی اس غرض کے لئے مصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابوبکر جصاص رازی امام الھدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلافِ اجماع بات کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر اسے امام اعظمؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ —— ان ائمہ ثلثہ کا مذہب روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اندرونِ شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔" بلکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاوی کا اپنے ائمہ ثلثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا۔ تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتبِ فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے ——؟

تو مؤدبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ بالا سب محظورات زیرِ بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں "مامرّ علی العاشر" کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفتِ اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا محظور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب مامرّ علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں ——

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گذریں۔ حدیث :— "لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی الیھود والنصاریٰ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :— ان المسلمین لا یجب علیھم بمرورھم علی العاشر فی اموالھم مالم یکن واجبا

علیھم ولم یمر بھا علیھم لان علیھم الزکوٰۃ علی ای حال کانوا علیھا والیھود والنصاریٰ لولم یمروا باموالھم علی العاشر لم یجب علیھم فیھا شئ فالذی رفع عن المسلمین ھو الذی یوجب المرور بالمال علی العاشر ولم یرفع ذلک عن الیھود والنصاری :———

امام طحاویؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار مرتبہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ اتنی واضح تصریحات ——— کی موجودگی میں امام طحاویؒ کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ لینا باعث حیرانی ہے۔ مرور علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاوی کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر تو راضی نہیں لیکن ایک خیالی قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی مفترتِ تفتیش) اس کے ساتھ طحاویؒ کی عبارت کو مقید فرما رہے ہیں۔ حالانکہ امام طحاویؒ نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاۃ میں صراحۃً تو کجا اشارۃً بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرز عمل ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ سیاق و سباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید برآمد کر لی جائے۔ جس کا امام طحاوی رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں بلکہ اس قید کا وجود خارجی بھی اس وقت تک محل بحث بنا ہوا ہے ———



عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ میں

زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے۔ کیونکہ سورۃ مزمل کی آخری آیت میں واٰتوا الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے لیکن جمہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ ۲ھ میں صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ الحافظ فی الفتح) ابتداء اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لا کر خدمت نبوی (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمتِ نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے ویتخذ ما ینفق قربٰت عند اللہ وصلوٰت الرسول الا انھا قربۃ لھم الآیۃ (توبۃ آیت ۹۹)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرت کر کے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارفِ زکوٰۃ تھے یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیشِ نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقات خدمتِ اقدس میں لا کر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظامِ زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقاتِ واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمتِ نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ لن تنالوا البر آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت طلحہؓ حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ان اللہ تعالیٰ یقول لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مِمَّا تحبون وَاِنَّ اَحَبَّ مالی اِلَیَّ بَیْرَحاءُ وانها صدقة لِلّٰہ تعالیٰ ارجو بِرَّها وذخرها عند اللہ تعالیٰ فضعها یا رسول اللہ حیث اَرَاکَ اللہ الحدیث (مشکوٰة ص۱۶۲ ج۱)

ترجمہ: یارسول اللہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوۂ تبوک سے تخلف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری ملنے کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر کیا: "اِنَّ مِنْ توبتی اَنْ انخلعَ من مالی صدقة اِلی اللہ و رسوله فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اَمْسِكْ علیك بعض مالك فهو خیر لك (مسلم ص۳۶۲ ج۲)

اور حسبِ ضرورت اپنے طور پر بھی حضراتِ صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیتِ زکوٰۃ کے ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی نجی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کئی سالوں کے بعد سنہ ۹ھ میں آیت کریمہ خُذْ مِنْ اموالهم صدقة تطهرهم الآیۃ نازل ہوئی تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری سطح پر انتظامات کئے گئے۔ محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولِ زکوٰۃ کے لئے بیرونِ شہر جنگلوں اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرونِ شہر کسی محصل کا بھیجا ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"ولم یبلغنا انه بعث سعاة علی زکوٰة الاموال کما بعثهم علی صدقات المواشی والثمار فی ذلك اه"۔ (احکام القرآن ص۱۵۵ ج۲)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء و مساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیتِ رکن تھی نہ بحیثیتِ شرط اس لئے حضراتِ صحابۂ کرام نے حضرتِ عثمانؓ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا چنانچہ حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلانِ عثمان سے امام کا وصولیِ زکوٰۃ کا عرفی حق جو کچھ تھا ختم ہوگیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاطِ حق خلیفۂ راشد کا فیصلہ ہے۔ جس کی اتباع اُمت پر لازم ہے۔ امام ابوبکر جصاص رح لکھتے ہیں:

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زکاتکم فمن کان علیه دین فلیؤده ثم لیزک بقیة ماله فجعل لهم اداءها الی المساکین وسقط من اجلِ ذلك حق الامام فی اخذها لانه عقدٌ عَقَدَهُ امام من ائمة العدل فهو نافذ علی الامة لقوله علیه السلام ولیعقد علیهم اَدْنٰهُمْ۔ (احکام القرآن ج۲ ص۱۵۵)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہدِ نبوت سے لیکر خلافتِ عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ و نافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غرباء و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سیأتی۔

حق ساقط ہوگیا: صرف امام جصاص رح ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافتِ عثمانی کے بعد امام کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیم متعدد کتب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

لیس للسلطان ولایة اخذ زکوٰة اموالِ الباطنة فلم یصح اخذه کذا فی الواقعات والتجنیس والولوالجیة (البحر الرائق ص۲۲۴ ج۲)

ترجمہ: بادشاہ کو اموالِ باطنہ سے وصولِ زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔

مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے:

اِن السلطان لهٗ ولایة الجبر فی الاموال الظاهرة لا فی الاموال الباطنة۔ (اعلاء السنن ص۳۶ ج۹)

ترجمہ:۔ بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموالِ ظاہرہ میں ہے اموالِ باطنہ میں نہیں۔

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی: بلکہ حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام حالات میں اگر اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کریگا۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولھذا قلنا انہ لیس للامام ان یأخذ الزکاۃ من صاحب المال من غیر اذنہ جبراً ولو اخذ لا تسقط عنہ الزکاۃ۔

(بدائع ج۔۲ ص۵۳ وھکذا فی البحر ص۲۲۷ ج۲)

ترجمہ:۔ امام کو یہ حق نہیں کہ صاحبِ مال سے جبراً اسکی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کریگا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

آگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امامِ موصوف لکھتے ہیں:

بخلاف الزکاۃ فان الامام لا یملک الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط الزکاۃ عن صاحب المال۔ (بدائع ص۵۶ ج۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر زبردستی وصول کریگا تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خود اربابِ مال کی ذمہ داری ہے: شہر میں ہوتے ہوئے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا خود اربابِ مال کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولئ زکوٰۃ کا حق نہیں.... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولئ زکوٰۃ کے اختیارات امام کیطرف منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب یہ "اموالِ ظاہرہ" میں شامل ہو جائیں گے۔

علامہ محقق ابنِ ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ان ولایۃ الاداء بنفسہ انما کان فی الاموال الباطنۃ حال کونھا

ترجمہ: بذاتِ خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار "اموالِ باطنہ" میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

فی المصر وبعد خروجہ انتقلت الولایۃ الی الامام (فتح القدیر ص۸۲ ج۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں:

انما تثبت ولایۃ المطالبۃ للامام بعد الاخراج الی المفازۃ اھ

(بحوالہ شامی ج۲ ص۵۳)

ترجمہ:۔ (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموالِ ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اجماعِ صحابہؓ: اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اذا اراد الامام ان یأخذ بنفسہ من غیر تھمۃ الترک من اربابھا لیس لہ ذالک لما فیہ من مخالفۃ اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنھم۔ (بدائع ص۸ ج۲)

ترجمہ:۔ جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترکِ اداءِ زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں اجماعِ صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

ازالۂ شبہ: امام کاسانیؒ کے دعوئ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے کلام سے زائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معنیٰ اجماع ایں نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند بلکہ معنیٰ اجماع حکم خلیفہ است بچیز بعد مشاورۃ ذوی الرأی یا بغیر آں ونفاذ آں حکم تا آنکہ شائع شد و در عالم متمکن گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم بسنتی و

سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی الحدیث (ازالۃ الخفاء ص۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیارات اسے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے۔ کہ امام کا یہ وصولیٔ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٔ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابوبکر جصاص رازیؒ۔ امام ابوبکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابنِ ہمامؒ۔ امام الفقہاء قاضی خانؒ۔ علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ اساطین اُمت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرما دی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صُورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک

تہمتِ ترک: عام حالات میں امام کو "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصولی مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ وغیر ذالک۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صُورت میں امام اَدائے زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صُورت میں یہ حق عود کر آتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوطِ حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لیکر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا دُرست ہے۔ چُنانچہ امام ابوبکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مُطالبۂ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٔ زکوٰۃ کو اجماعِ صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے:

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوٰة من الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من اربابها ليس له ذالك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضی الله عنهم اهـ (بدائع ج۲ ص۳۵)

ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ اُنہوں نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مُطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترکِ اداءِ زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماعِ صحابہؓ کے خلاف ہے۔

قابلِ غور: لوگوں کے فریضۂ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبۂ زکوٰۃ کا جو حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط ہو گیا تھا۔ یا یہ دُوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض و شعائرِ اسلام کی توہین یا انہیں ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترکِ زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق امام دوسری نوعیت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبسِ دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الّا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں بلا عُذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اُسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ امام محمدؒ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فُلاں شہر کے لوگوں نے اذان کی سُنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صُورت میں ان لوگوں کے ساتھ قتال واجب ہے ـــ گویا کہ نماز۔ روزہ۔ اذان کی بحالی اور ان شعائرِ اسلام کو قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترکِ فریضۂ زکوٰۃ کی صورت میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارکِ زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کریگا۔ بلکہ بذریعہ قید و بند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود اَدا کرے۔ اسی صورت کے بارے میں علامہ ابنِ نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

و (اشار) الی انه لو امتنع من ادائها فالساعی لا یأخذ منه کرهاً ولو اخذ لا یقع عن الزکاة لکونها بلا اختیار ولکن یجبرہ بالحبس لیؤدی بنفسه لان الاکراہ لا یسلب الاختیار بل الطواعیة فیتحقق الاداء عن اختیار کذا فی المحیط (بحر ج ۲ ص ۲۲۸)

مطالبۂ امام : ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام لوگوں سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال پر بنامِ زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلا کر اولاً فہمائش کرے گا۔

ابنِ عبدالبر فرماتے ہیں :

والواجب ان یعظ الامام من منع الزکاة ویوبخه اھ۔

اگر فہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے اور جیل بھیج دے، تاوقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کر دے۔ کفایہ میں ہے :

وفی التفاریق ان وقف علی اھل بلدة لا یؤدون زکاة الاموال الباطنة طالبھم وکذا من عرف بذالک ضرب وطولب بالاداء

وفی الاشارات اذا امتنع عن اداء الزکاة یحبس حتی یؤدی (ص ۱۸۲)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے ممتنع کے مال پر بغرضِ زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست نہیں۔ بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا، تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

ٹیکس اور زکوٰۃ : اور یہ مقصودِ شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ لوگ باختیار خود انہیں بجا لائیں۔ مخلوق کو صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں۔ ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلّف کا پایا جانا ضروری ہے۔ وصولیٔ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء بنو اُمیہ نے نومسلموں سے

جزیہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :

اما بعد فان اللہ تعالیٰ قد بعث محمداً صلی اللہ علیه وسلم داعیا ولم یبعثه جابیاً فاذا اتاک کتابی ھذا فارفع الجزیة عمن اسلم من اھل الذمة۔ (اوجز ص ۲۶۷ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے جبر ہو۔ جبر محض اہلِ سُنّت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔

کسی مالِ مسلم کے متعلق کُلی یا جُزوی ضبطی قُرقی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو ہو سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداء اس سے کی جائے۔

بعید توجیہ : متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ "اموالِ باطنہ" میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ بعض احباب نے اس عبارۃ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس سقوطِ حق سے مُراد یہ ہے کہ اس اعلانِ عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانیوالی زکوٰۃ کی ادائیگی شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلانِ عثمانی سے مالکان کو اتنا حق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صُورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا ہو جایا کرے گی۔ اور بس۔ گویا کہ امام کا "حق وصولیٔ زکوٰۃ" اعلانِ عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

دعویٰ : توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہدِ رسالت سے لیکر خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی۔ فقیر کو براہِ راست خود دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ "مالِ زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بُنیادی مقصد ہی فقراء و مساکین کی حاجت برآری ہے اور شرعاً اسے غرباء ہی کا حق تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس مالِ زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے پڑوسی۔ بیوہ اور مسکین۔ بہن۔ یتیم بچے۔ لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

ناتمام استدلال : البلاغ نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاصؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے :

قولہ تعالیٰ : خذ من اموالہم صدقۃ ، یدل علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یأخذوا علی المیاہ فی مواضعھا (الی ان قال) وکذالک صدقۃ الثمار۔

اور لم یجزہ کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال دُرست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس جُزئیہ میں صرف اموالِ ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ "فلا سبیل الی اسقاطہ" کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حقِ وصولی کا ناقابلِ اسقاط ہونا یہ اموالِ ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابلِ اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے مُتصل اگلی عبارت میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرما رہے ہیں کہ اموالِ باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ (پُورا حوالہ آگے آ رہا ہے) —— اھ اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حقِ امام کو بہر حال بہ نصِ قرآن ناقابلِ اسقاط تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جُزوی طور پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلافِ قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ "ناقابلِ اسقاط حقِ وصولی صرف اموالِ ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموالِ باطنہ سے متعلق نہیں۔ پس البلاغ کا استدلال اِس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق و سباق اور دیگر قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابوبکر جصاص رح اِس عبارت سے عموم مُراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ صرف اموالِ ظاہرہ کے متعلق لم یجزہ فرما رہے ہیں جیسا کہ یوجہ العمال علی صدقات المواشی وکذالک صدقۃ الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے ہیں۔ اور اسکی تائید اِس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دُوسرے دو مقامات پر مسئلہ بالا میں "اموالِ ظاہرۃ" کی قید ذکر کی ہے۔ حقِ امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف لکھتے ہیں :

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانہ لا یجزی ان یعطی رب الماشیۃ صدقتھا الفقراء فان فعل اخذھا الامام ثانیاً

(احکام القرآن صـ۱۲۳ ج ۲)

دُوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادی صدقۃ مواشیہ الی الفقراء ان الامام لا یحتسب لہ بہا۔ (احکام القرآن صـ۸۳ ج ۲)

دیکھئے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصولِ صدقات کا حق امام کو ہے۔ لیکن اگلے جزئیہ میں "رب الماشیۃ" کی قید ذکر کر کے اِس کا اموالِ ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہلِ اُصول کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے کی رُو سے زیرِ بحث "جزئیہ" "اموالِ ظاہرہ" کے بارے میں تصور کیا جائے گا۔ کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے کا حکم امام جصاص رح کے نزدیک مویشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموالِ زکوٰۃ کے بارے میں نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیرِ بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموالِ باطنہ کی وصولیٔ زکوٰۃ کی تفصیل مُستقل طور پر بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمان فقال ھٰذا شھر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیتہ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام فی اخذھا۔

علاوہ ازیں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاصؒ نے ایک دُوسری طرح سے بھی فرق کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق "صدقات" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اموالِ باطنہ کی "زکوٰۃ" کے لئے لفظ "زکوٰۃ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی زیرِ بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اِس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اِس سے بھی ظاہر ہے کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموالِ ظاہرہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ زیرِ بحث عبارت میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اِس دعویٰ کی ایک بیّن

دلیل امام ابوبکر جصاصؒ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولیٔ امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموالِ ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں:

انه (تعالیٰ) قال فی الزکوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ ولم یشترط فیها اخذ الامام (الی ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقۃ بان یأخذها الامام وجب ان یکون اداء الزکوٰۃ موکولاً الی اربابها الا ما یمر بهم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ص ۱۵۶ ج ۳)

امام جصاصؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ فرضیتِ زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموالِ باطنہ کی ادائیگی کا مکمل اختیار مالکان کو بہ نصِ قرآنی حاصل تھا البتہ مالِ ظاہر کے صدقہ میں وصولیٔ امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظِ زکوٰۃ اور لفظِ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھے کہ اربابِ "البلاغ" اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق وسباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ **الحاصل** امام جصاص رازی کی زیرِ بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مالِ باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولیٔ امام شرط نہ تھی جیسا کہ "وآتوا الزکوٰۃ" کا صیغہ اس پر دال ہے اس کی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے:

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں: امام جصاصؒ کی عبارت سے

قطعِ نظر دیگر دلائلِ قرآنِ پاک، احادیثِ مبارکہ، اجماعِ صحابہؓ، اقوالِ ائمہ تفسیر، تصریحاتِ فقہاء ومحدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہِ راست فقیر کو دے دیتا تو اس کی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطورِ نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ——— قرآن کریم میں ہے:

(۱) **وآتوا الزکوٰۃ**: زکوٰۃ کے متعلق لفظِ "ایتاء" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

میں "ایتاء" کے معنی کسی کو مالک بنا دینے کے ہیں۔ امام ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں الایتاء هو التملیک اھ[۱] ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:- ان الواجب ایتاء الزکاۃ والایتاء هو التملیک اھ[۲]۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: الایتاء هو التملیک اھ۔

پس فرمانِ باری تعالیٰ "وآتوا الزکاۃ" میں اغنیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ "مالِ زکوٰۃ" ملک کر دو۔ یعنی کسی[۳] کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دو۔ اور ظاہر ہے کہ زکوٰۃ ساعی یا امام کے حوالے کرنے کی صورت میں توکیل ہوتی ہے، نہ کہ تملیک، اور براہِ راست تملیک زکوٰۃ کا مال فقراء ومساکین کو دینے ہی سے متحقق ہوتی ہے اور اغنیاء اسی کے مامور ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ براہِ راست، بلا واسطۂ امام، فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیتِ شریفہ کا اولین وحقیقی مفہوم ومطلب براہِ راست ادائیگی ہی ہے۔ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی براہِ راست ادائیگی کے صحیح ہونے اور امام کی وصولی کی شرط نہ ہونے کے لئے اسی آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جصاصؒ نے نقل کیا ہے

انه قال فی الزکاۃ (وآتوا الزکاۃ) ولم یشترط فیها اخذ الامام لها (الی ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایتاء دون اخذ الامام وامر فی الصدقۃ بان یأخذها الامام وجب ان یکون اداء الزکاۃ موکولاً الی اربابها الا ما یمر به التاجر علی العاشر اھ (ج ۳ ص ۱۵۶)

اس عبارت میں کم از کم "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کی تقسیم کا اصل اختیار خود صاحبِ مال

۱ے بدائع ج ۲ ص ۳۹ ۲ے بدائع ج ۲ ص ۴۵ ۳ے

۳ے کسی کو یعنی فقراء کو مالک بنادو۔ لقوله تعالیٰ: وتؤتوها الفقراء فهو خیر لکم ولقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ آیت وآتوا الزکوٰۃ میں مصرفِ زکوٰۃ مذکور نہ تھا کہ "مالِ زکوٰۃ" کا کسے مالک بنا دیا جائے۔ تو دوسری آیات واحادیث میں مصرفِ زکوٰۃ کی تعیین فرما دی گئی۔ تو اس طرح سے صحتِ زکوٰۃ کے ارکانِ اربعہ کا تعین ہو گیا۔ یعنی معطی، فعل ایتاء، مالِ زکوٰۃ اور مصرف۔ جن میں اشتراطِ امام کا کوئی تذکرہ نہیں۔ فقط منہ۔

کو ہونے اور امام کی وصولی شرط نہ ہونے پر آیت کی دلالت بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زمانۂ نزول آیت سے ہی مالکان کی بذاتِ خود ادائیگی نہ صرف یہ کہ صحیح تصور کی جاتی تھی۔ بلکہ فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق اصل اختیار ہی مالکان کو دیا گیا تھا۔ اور امام کی وصولی شرط کے درجہ میں نہ تھی۔

آیت ہذا کی اِس دلالت کے پیشِ نظر حضراتِ فقہاء نے زکوٰۃ کی جو تعریف فرمائی ہے اس سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ فقیر کو براہِ راست زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کی خوشنودی کے لئے مال کی ایک خاص مقدار کا فقیر کو مالک بنا دیا جائے۔ چنانچہ :

(الف) :۔ کنز الدقائق میں ہے : ھی تملیک المال من فقیر..... للہ تعالیٰ اھ

(ب) :۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے : فھی تملیک المال من الفقیر... للہ تعالیٰ کذا فی التبیین۔

(ج) :۔ مراقی میں ہے :۔ ھی تملیک مال مخصوص لشخصٍ معلوم ھوان یکون فقیراً اھ

(د) :۔ تنویر میں ہے : ھی تملیک جزء مال من مسلم فقیراً اھ۔

مالِ زکوٰۃ کا فقیر کو براہِ راست مالک بنانا۔ یہ زکوٰۃ کا اولین مصداق ہے۔ اور بواسطہ امام یا ساعی زکوٰۃ کی ادائیگی یہ اس کا ثانوی درجہ ہے۔ خود فقیر کو دینے کی اولیت اور اصلیت اور بواسطہ ساعی ادا کرنے کی ثانویت اور نیابت مندرجہ بالا عبارات فقہاء سے ظاہر ہے۔ اور اگر مزید صراحت مطلوب ہو تو امام ابوبکر کاسانی رح تحریر فرماتے ہیں :

(س) :۔ فرکن الزکاۃ ھو اخراج جزء من النصاب الی اللہ تعالیٰ وتسلیم ذالک الیہ بقطع المالک یدہ عنہ بتملیکہ من الفقیر و تسلیمہ الیہ او الی ید من ھو نائب عنہ وھو المصدق اھ (بدائع ج ۲ ص ۳۹)

(ص) :۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رح لکھتے ہیں :

زکوٰۃ و صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مالک بنا دینا ہے۔ (معارف القرآن)

آیت شریفہ اور زکوٰۃ کی ان تعریفات سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ براہِ راست فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دینے سے امتثالِ امرِ خداوندی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "ایتاء"

زکوٰۃ کا تحقق ہو گیا ہے۔

دُوسری آیت :

قال تعالیٰ۔ ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم من سیاٰتکم واللہ بما تعملون خبیر (البقرۃ ۲۷۱)

آیت ہذا میں تصریح ہے کہ فقراء و مساکین کو مخفی طور پر صدقہ دینا بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ براہِ راست فقیر کو صدقہ دینے سے ادا ہو جاتا تھا۔ اگر ایسا صدقہ زمانہ نزولِ وحی میں شرعاً معتبر نہ تھا۔ تو ایسے صدقے میں "خیر" اور "بھلائی" کیا ہو گی۔ جبکہ ایسا شخص تارکِ فرض ہونے کی وجہ سے اُلٹا گنہگار ہو رہا ہے۔ آیت میں لفظ "صدقات" کو نفل صدقہ کے ساتھ خاص کہنے کی کوئی وجہ نہیں یہ لفظ دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہے۔ تفسیری اقوال کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم صرف چند حوالوں پر اکتفاء کریں گے۔

(الف) :۔ آیت ہذا کی تفسیر میں "ترجمان القرآن" حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ شانہٗ نے نفل صدقہ میں "خفیہ" کو "علانیہ صدقے" پر ستر درجہ فضیلت دی ہے۔ اور فرض صدقہ میں علانیہ کو مخفی صدقہ پر پچیس درجہ فضیلت دی ہے اھ۔ معلوم ہوا کہ مخفی صدقہ فرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رض کے اسی قول کے بارے میں امام قرطبی رح فرماتے ہیں۔

ومثل ھذا لا یقال بالرأی وانما ھو توقیف اھ (تفسیر البحر المحیط ج ۲ ص ۳۲۳)

کہ ایسی بات محض رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ یہ بات حضرت ابن عباس رض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سُن کر فرما رہے ہیں۔

پس اس سے ظاہر ہوا کہ براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی تھی۔ اور اس کا ثبوت گویا کہ فرمانِ نبوی ص سے ہو رہا ہے۔

(ب) :۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ لفظ صدقات میں بظاہر عموم ہے۔ پس نفلی اور فرض سب صدقات کو شامل ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ الف لام عہد کے لئے ہے۔ اور اس سے مراد صرف "فرض" صدقہ ہی ہے۔ امام حسن بصری رح۔ قتادہ۔ یزید بن ابی حبیب کا یہی قول ہے۔

(حوالہ بالا)

(ج) :۔ اپنے اکابر کی تفاسیر تمام تفاسیر کا خُلاصہ اور مغز ہیں ۔

آیت ہٰذا کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں ۔

"بظاہر یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے ۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴۴)

(د) حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ "بیان القرآن" میں آیت ہٰذا کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس مقام میں اقوال مختلف ہیں ۔ مگر احقر کے ذوق میں حسبِ شہادت ظاہر قرآن و حدیث امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول جو "کبیر" میں منقول ہے ، راجح معلوم ہوتا ہے ۔ وہ یہ کہ یہ آیت فرض و نفل سب صدقات کو شامل ہے ۔ اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے ۔ (بیان القرآن) ——— بندہ عرض کرتا ہے ۔ کہ بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ مخفی صدقہ میں معطی کی صحتِ ایمان پر زیادہ دلالت پائی جاتی ہے اور صدقہ کو صدقہ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ یہ معطی کے دعویٰ ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے ۔ (مسک الختام)

پس حقیقت کے لحاظ سے صدقہ میں اصل اخفاء ہے ۔ گو عوارض کی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اظہار افضل ہو ۔ شرح وقایہ میں ہے ۔

بخلاف الزکاۃ فان الاصل فیہ الاداء خفیۃً قال اللہ تعالٰی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم ۔ (ص ۲۸۱ ج ۱)

(ھ) :۔ امام ابو عبید رحمہ اللہ ۔ ایک مسئلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں :

مال داروں پر فرض ہے کہ وہ فقیروں یا امام کو زکوٰۃ ادا کریں ۔ اس کے بعد اسکی دلیل کے طور پر یہی آیت ان تبدوا الصدقات پیش کرتے ہیں (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص ۳۸۶) جس سے ظاہر ہے کہ امام ابو عبید رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ آیت اس پر ناطق ہے کہ براہِ راست فقراء کو زکوٰۃ دینے سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا ۔

ان معروضات کے بعد اس حقیقت میں کوئی خفاء باقی نہیں رہتا کہ مخفی طور پر اور براہ راست فقراء کو ادا کی جانے والی زکوٰۃ زمانہ نزول قرآن میں بھی صحیح ہوتی تھی اور اس آیت میں اسی کی اجازت دی گئی ہے ۔

تیسری آیت : قال تعالٰی : واٰتی المال علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل (الآیۃ بقرہ ۱۷۷)

ترجمہ :۔ اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں حاجتمند رشتہ داروں کو اور محتاجوں کو ، اور مسافروں کو ۔"

آیت ہٰذا سے بھی ظاہر ہے کہ خود صاحبِ مال اپنا صدقہ "رشتہ دار ، یتیم ، اور فقیر کو دے تو اس کا یہ صدقہ معتبر ہے ۔ اور شرعاً اسکی ادائیگی صحیح ہے ۔ یہ آیت بھی ایک تفسیر کے مطابق زکوٰۃ کے بارے میں ہے ۔ آیت کے اس حصے میں گویا کہ مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے اور آگے زکوٰۃ کا صراحۃً ذکر کر کے اسکی تاکید کر دی گئی ۔ تفسیر بحر محیط میں ہے :

وقیل ھی الزکاۃ وبیّن بذالک مصارفھا ۔ اور آگے چل کر کہا ہے ۔ اقام الصلوٰۃ واٰتی الزکاۃ ۔ فان کان اُرید بالایتاء السابق الزکاۃ کان ذکر ھٰذا توکیداً ۔ (ج ۲ ص ۶۴)

اس سے انکار نہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں دُوسرے اقوال بھی ہیں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ "قرآن کریم" ، "حدیث شریف" صحابہ کرام ، ائمہ تفسیر ، حضرات محدثین اور فقہاء عظام ، رحمہم اللہ اجمعین ، چودہ صدیوں تک بہر حال اس مسئلہ سے بے خبر تھے ۔ کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ فقیر کو دینے سے ادا نہیں ہوتی تھی ۔ ورنہ وہ کسی آیت یا حدیث کا ایسا مطلب بیان کرنا جائز نہ رکھتے جس سے صورتِ مذکورہ میں "ادائیگی" زکوٰۃ معتبر قرار پاتی ہو ۔ کیونکہ آیات کا نزول تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہے ۔ اور بقول ان کے تفسیر مظہری میں بھی اس آیت کی تفسیر کے متعلق ایک احتمال اس کے عام ہونے کا ذکر کیا ہے ۔

چوتھی آیت : قال تعالٰی وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم الآیۃ (معارج)

امام ابو بکر کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ یہ "حق معلوم" زکوٰۃ ہے ۔ (بدائع)

اس آیت میں نیک لوگوں کی مدح فرمائی گئی کہ ان کے مالوں میں سائل اور غیر سائل کا حق ہے یعنی یہ لوگ "سائلین" وغیرہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

(۲) حدیث شریف : قرآن کریم کے علاوہ متعدد احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے کہ یہی ادائیگی صحیح ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیور پہنے ہوئے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ اسکی زکوٰۃ ادا کرتی ہو ؟ عرض کیا ، نہیں ۔ تو ارشاد فرمایا :

هو حسبک من النار ۔ (اخرجہ الحاکم وصححہ)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کے لئے حکومت کی وصولی بلکہ امام کو اِس ادائیگی کا علم بھی ضروری نہیں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہؓ سے اتوڈین ذــ کیوں تھا کیونکر دریافت فرماتے ؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی ساعی یا عامل کو "ادائیگی زکوٰۃ" کا سوال بعید از عقل ہے جبکہ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کے لئے نہ کوئی ساعی بھیجے گئے اور نہ ہی صحابۂ کرام کسی ساعی کو دیتے تھے ۔ بلکہ "صلوات الرسول" کے شوق میں بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کرتے تھے ۔

دُوسری حدیث : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر مَیں اپنا صدقہ اپنے خاوند کو دوں تو یہ جائز وکافی ہوجائے گا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ، بلکہ تجھے دوگنا ثواب ہوگا ، صدقے کا اور صلۂ رحمی کا ۔ (بخاری وغیرہ مختصراً)

صحابیہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا ، اور آپ نے جواب ارشاد فرمایا ۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سرکاری وصولی "صحتِ صدقہ" کے لئے عہدِ نبوی میں بھی شرط نہ تھی ، اور نہ اب ہے ۔ شوافع نے اِس حدیث کو زکوٰۃ پر محمول کیا ہے ۔ اور احناف نے اسے نفلی صدقہ پر رکھا ہے ۔ یہ الگ اختلاف رہا لیکن کسی حنفی نے شوافع کے استدلال کی تردید میں یہ نہیں کہا کہ اِس حدیث میں "زکوٰۃ" مراد نہیں لیجا سکتی ، کیونکہ صحتِ زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط تھی ، جو اِس حدیث میں نہیں پائی جارہی ۔

تیسری حدیث : انہی صحابیہؓ کا ایک دوسرا واقعہ مروی ہے ، کہ انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے پاس بیس مثقال سونا ہے ، کیا اسکی زکوٰۃ ادا کروں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا ـــــ ہاں ـــــ مزید سوال کیا کہ میری پرورش میں میرے یتیم بھتیجے ہیں ۔ ان کو یہ زکوٰۃ دے سکتی ہوں ۔ ارشاد فرمایا ـــ ہاں دے سکتی ہو ۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۱۳۵)

اِس حدیث میں فرضِ زکوٰۃ کی بھی تصریح ہے کہ یتیم بھتیجوں کو یہ زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ یہ صحابیہؓ ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں مسئلہ دریافت فرما رہی ہیں ۔ سرکاری

لائسنس حاصل نہیں کر رہیں ۔

چوتھی حدیث : حدیث معن بن یزید : ان اباہ اخرج صدقتہ فدفعها الیہ لیلاً وهو لا یعرفه فلما اصبح وقف علیه فقال ما ایاک اردت واختصما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال له لک ما نویت یا یزید الحدیث ۔ (بخاری وغیرہ واللفظ للجصاصؒ)

امام ابوبکر جصاص اِس حدیث سے زیرِ بحث صورت میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ولم یسئله اَنّه یتها من الزکاة او غیرها بل قال لک ما نویت فدل علی جوازها ان نواها زکوٰة اھ (احکام القرآن ج ۲ ص۱۳۱)

امام ابوبکر جصاصؒ کے اِس استدلال سے جہاں عہدِ رسالت میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کا صحیح معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ وہاں پر خود امام جصاصؒ کے مذہب کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ بھی ایسی ہی ادائیگی کے صحیح ہونے کے قائل ہیں ۔ اسی لئے تو مسئلہ ہذا کے لئے استدلال کر رہے ہیں اگر ان کے نزدیک "عہدِ رسالت" میں براہِ راست فقراء کو ادائیگی زکوٰۃ صحیح نہ ہوتی ، تو حدیث معنؓ سے استدلال کرنے کی بجائے اُلٹا اِس کا کوئی جواب ذکر کرتے ، کوئی توجیہ یا تاویل پیش کرتے ۔

حضرت یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام ، زکوٰۃ کو خفیہ طور پر تقسیم کرنے کا حکم فرماتے تھے ۔ کان یامر بقسم الزکوٰة فی السر ۔ (بحر محیط ص۳۲۳ ج ۲)

امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خُفیہ طور پر زکوٰۃ دینا احسن و افضل ہوتا تھا ۔ کان اخفاء الزکوٰة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل و احسن ۔ (بحر محیط ص۳۲۳ ج ۲)

یہ نہیں کہا جاسکتا : ان آیات و احادیث و روایات کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ سرکاری وصولی شروع ہونے سے پہلے دَور سے متعلق ہیں اور پھر منسوخ ہوگئی تھیں ، اور بعد میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "اموالِ باطنہ" کے بارے میں ان کو پھر بحال کر دیا ۔ ایسی مضحکہ خیز رائے ان نصوص کے متعلق چودہ سو سال میں کسی نے ظاہر نہیں کی ۔ بلکہ "اموالِ باطنہ" کے بارے میں ان کو مسلسل اور ہمیشہ معمول بہا سمجھا گیا ہے ۔

واضح فیصلہ : امام ابو عبیدؒ ایسی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کے بموجب زکوٰۃ حکّام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ لیکن یہ صورت نقدی کی زکوٰۃ کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض کو ادا کر دے گا۔ (ترجمہ: کتاب الاموال ج ۲ ص ۳۴۷)

ملک العلماء امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ نے بالکل بات صاف کر دی کہ دورِ اوّل میں بعض لوگ زکوٰۃ خود ادا کرتے تھے۔ اور بعض لوگ امام کو لا کر دیتے تھے۔ "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کرنے کے لئے نہ کوئی محصل بھیجا گیا اور نہ سرکاری ادائیگی کے لئے کسی شخص سے مطالبہ کیا جاتا تھا۔

وذکر امام الھدیٰ الشیخ ابو منصور الماتریدی السمرقندی لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث فی مطالبۃ المسلمین بزکاۃ الورق واموال التجارۃ ولکن الناس کانوا یعطون ذالک ومنھم من کان یحمل الی الائمۃ فیقبلون منہ ذالک ولا یسئلون احداً عن مبلغ مالہ ولا یطالبونہ بذالک (بدائع ج ۲ ص ۲۶۳۵)

امامِ ہدیٰ شیخ ابو منصور ماتریدی سمرقندی فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کسی کو بھیجا ہو بلکہ کچھ لوگ از خود براہِ راست فقراء کو دے دیتے تھے اور کچھ لوگ ائمہ کے پاس لے آتے تو وہ اسے قبول کر لیتے اور کسی نہ اس کی مجموعہ مالیت کے بارے میں پوچھتے نہ اس کی زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے

اب تک چند آیات چند احادیث اور ان کے ذیل میں ضمنی طور پر بعض صحابہ کرام رض کے آثار، تابعین کے اقوال، فقہاء و محدثین و مفسرین کے فرمودات ذکر کئے گئے۔ مندرجہ بالا دلائل سے "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ میں عہدِ رسالت کا طرزِ عمل واضح ہے کہ سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ یہی طرزِ عمل بعد میں (شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں اور اس کے بعد) بھی جاری رہا۔

صدیقی دور : حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کا معاملہ اسی طرح رہا جیسا کہ عہدِ رسالت میں تھا۔ ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہ تھی۔ حکومت کو نہ دینے والوں سے باز پرس نہ ہوتی تھی۔

امام ابو عبیدؒ تحریر فرماتے ہیں :

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار رض کی موجودگی میں مویشیوں کی زکوٰۃ روکنے پر مرتدین سے جنگ کی تھی لیکن سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دینے پر ایسا نہیں کیا۔ (ترجمہ کتاب الاموال جلد ۲ ص ۳۴۸)

حضرت فاروق اعظم رض : تفسیر مظہری میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس کسی صحیح مصرف میں لگا دو گے، تمہاری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فی ای صنف وضعتہ اجزاک۔

(تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۲۳۶)

اجماعِ صحابہ رض : یہ تنہا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی رائے نہیں، بلکہ کسی صحابی رض سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں۔ اور بہت سے صحابہ رض و تابعین کی رائے اس کے مطابق منقول ہے۔ بقول امام جصاصؒ اِس پر سلف کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف جائز نہیں۔

عن علی و ابن عباس رضی اللہ عنہما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صنفاً واحداً من الاصناف الثمانیۃ اجزاہٗ وروی مثل ذالک عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن ابراھیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہ فصار اجماعاً من السلف لا یسع احد خلافہ۔ اھ

(احکام القرآن ص ۱۳۹ ج ۲)

اِس سے ظاہر ہے کہ حضراتِ صحابہ و سلف کے اجماع کی روشنی میں فقیر یا مسکین کو براہِ راست دی جانے والی زکوٰۃ شرعاً ادا ہو جاتی ہے۔ عہدِ رسالت، اور خلافتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں یہی مسئلہ رہا ہے۔

حوالہ جات بالا سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ صحابہ رض، اور فقہاء، محدثین اور مفسرین سب کے نزدیک براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور زمانۂ نزولِ قرآن سے لے کر اب تک مسئلہ یہی رہا ہے۔

پس جن احباب نے ایک بے دلیل دعویٰ کے تحفظ کے لئے ایسی ادائیگی کو فی الجملہ غیر معتبر قرار دیا تھا۔ ان کا خیال صرف بے بنیاد ہی نہیں بلکہ دلائل صحیحہ کے قطعاً خلاف ہے۔ اور ان کا یہ لکھنا بھی درست نہیں (کہ عہد رسالت اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانے میں) دونوں قسم (ظاہرہ باطنہ) کے اموال میں اَدائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو دی جائے۔ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ تفصیلی دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مُبارک دَور میں "ادائے زکوٰۃ" کا صرف "یہی راستہ" نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اِرشاد فرمایا ہوا ایک دُوسرا راستہ یہ بھی تھا کہ مالک اپنی زکوٰۃ خود فقیر کو دیدے۔

یہ ساری بحث "اموالِ باطنہ" کی زکوٰۃ کے بارے میں تھی باقی "اموالِ ظاہرہ" کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو حاصل ہے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری طور پر بذریعہ محصلین وصولیٔ زکوٰۃ کا انتظام صرف "اموالِ ظاہرہ" میں فرمایا تھا۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے تو اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت مِل گئی جس میں انہوں نے مندرجہ بالا مضمون کی واضح تصریح فرمادی ہے الحمدللہ حضرت مفتی صاحبؒ کی موافقت بھی ہمیں حاصل ہوگئی خاص زکوٰۃ ہی کے موضوع پر لکھے گئے "قرآن میں نظامِ زکوٰۃ" نامی اپنے رسالے میں، اسی آیت (خذ من اموالھم صدقۃ) کی تفسیر کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا انتظام صرف اِن اموال میں کیا جو فقہاء کی اصطلاح میں اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں (ص۲۵)۔

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

باقی "اموالِ باطنہ" نقد، سونا، چاندی، زیورات وغیرہ...... ایسے اموال کی زکوٰۃ خود اصحاب اموال ہی کے حوالہ کی گئی کہ وہ بطورِ خود ادا کریں۔ خواہ بیت المال کو دیدیں یا براہِ راست فُقراء میں تقسیم کردیں۔ (الی ان قال)...... صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عام معمول یہی رہا کہ وہ اپنے ایسے اموال کی زکوٰۃ بھی بیت المال ہی میں خود جمع کردیتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ (ص۲۶ مختصراً) اس سے بڑھ کر وضاحت یا صراحت اور کیا ہوسکتی ہے۔

پُوری بحث کا خُلاصہ یہ ہوا کہ عہدِ رسالتآب صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالےٰ

عنہما کے زمانے میں بھی براہِ راست فقیر کو زکوٰۃ دینے سے اَداء ہوجاتی تھی۔ پس ایسی ادائیگی زکوٰۃ کو اِس مُبارک عہد میں غیر معتبر قرار دینا اور اسی بنیاد پر امام جصاصؒ رازی کے کلام کی توجیہ کرنا دلائل کی روشنی میں قابلِ قبول نہیں۔ بالکل بعید از انصاف ہے۔

پس

امام جصاص رازی نے اعلانِ عثمانی کے بارے میں جو یہ لکھا تھا:

نجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجلہ حق الامام فی اخذھا۔ (احکام القرآن)

یہ اپنے ظاہری وحقیقی معنی پر ہے۔ کہ (عام حالات) میں "اموالِ باطنہ" کی وصولیٔ زکوٰۃ کے متعلق حقِ امام ساقط ہوگیا ہے۔ امام کو یہ اختیار نہیں رہا کہ جب چاہے ان اموال کی وصولیٔ زکوٰۃ شروع کردے۔

دین وقرض میں ادائیگی زکوٰۃ کی بحث

بینک اکاؤنٹس قرض ہیں

جبری کٹوتی زکوٰۃ کے عدم جواز کی ایک وجہ ہم نے یہ ذکر کی تھی کہ بینک میں جمع شدہ لوگوں کے اموال شرعی احکام کے لحاظ سے "قرض ودین ہیں"۔ اور کھاتہ داران دائن اور بینک ان کا مقروض ومدیون ہے۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ تب واجب الاداء ہوتی ہے جبکہ ان کی وصولی ہو جائے۔ وصولی سے قبل وجوب ادا نہیں ہوتا۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے جیسا کہ آگے مفصل آئے گا۔ اس حکمِ شرعی کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس پر وصولی سے قبل، زکوٰۃ فوری واجب الاداء نہیں تو مالکان کی رضامندی کے بغیر ان اموال کی زکوٰۃ کیلئے جبری کٹوتی جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب اداء اور انفرادی مطالبۂ زکوٰۃ معدوم ہونے کی صورت میں مالکان کو ادائیگی زکوٰۃ سے انکاری قرار نہیں دیا جاسکتا اور بدون تحقق انکار و امتناع، حکومت کو جبری وصولیٔ زکوٰۃ کے اختیارات حاصل نہیں۔

ہماری اس مختصر گزارش کے جواب میں "البلاغ" میں طویل بحث کی گئی جس کا خلاصہ چند نکات میں ہم یہاں پر پیش کرتے ہیں۔

(۱) :۔ دین قوی، متوسط، اور دین ضعیف کی تقسیم ان کے مرجو الوصول ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے۔

(۲) :۔ قدرے پس وپیش سے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض ہیں۔

(۳) :۔ لیکن قرض ودین کا حکم اصلی یہ ہے کہ ان میں قبضے سے پہلے ہی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔

(۴) :۔ قبضہ تک وجوب اداء کے مؤخر ہونے کی سہولت امام ابوحنیفہ نے دی ہے (گویا کہ وہ اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔)

(۵) :۔ صرف متفرد ہی نہیں بلکہ ان کا یہ مذہب بے بنیاد و بے دلیل بھی ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رح نے جس اثر سے (اس مسئلے کے لئے) استدلال کیا ہے اس سے ان کا مذہب ثابت نہیں ہوتا (مختصراً ملتقطاً بالمعنی) (گویا کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔)

(۶) :۔ بینک اکاؤنٹس ایک جدید قسم کا قرض ہے لہذا اس پر قدیم حکم قرض لاگو نہیں ہوگا کیونکہ یہ حکم قدیم قسم کے قرضہ جات کے لئے ہے۔

(۷) :۔ حضرات فقہاء نے ہر دین قوی کو (خواہ اسکی وصولیابی کتنی ہی یقینی کیوں نہ ہو) "دین ظنون" قرار دیا ہے۔

(۸) :۔ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب متفق علیہ ہے۔

البلاغ کی اس بحث کے مندرجہ بالا نکات پر پُورا غور وخوض کیا گیا۔ اہل علم سے مذاکرات بھی ہوئے دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ۸ کو چھوڑ کر باقی سب نکات و دعاوی خلاف تحقیق اور بے بنیاد ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔

اجتہاد

واضح رہے کہ اس پُوری بحث میں البلاغ نے کسی مُستند ومتداول فقہی کتاب سے استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ زیرِ بحث مسئلہ پُوری تفصیل وتشریح کے ساتھ تقریباً تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

مسئلہ ہذا سے متعلقہ بارہ تیرہ صدیوں کی محقق علمی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بعض آثار سے استدلال کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس اجتہاد میں اتنے دُور نکل گئے ہیں کہ ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی استدلالی کمزوریاں بھی آشکارا ہوگئیں۔ صرف زیرِ بحث قرض کے مسئلے ہی میں نہیں بلکہ اموالِ ظاہرہ وباطنہ کی ساری بحث میں بھی "البلاغ" کا طرزِ استدلال تقریباً یہی ہے۔

حضرات فقہاء کرام اور قانون شرعی کے مسلمات کو یوں نظر انداز کرنا جو کم از کم ہم جیسے لکیر کے فقیر قسم کے لوگوں کے لئے سخت حیرانی اور تشویش کا موجب ہے۔ اور یہ تشویش تقریباً ایسی ہی ہے

جیسی کہ اپنے اکابر کو بعض جدید قسم کے اجتہادات پر ہوتی تھی اور یہ دیکھ کر مزید دکھ ہوتا ہے کہ یہ طرزِ عمل (جدید اجتہادات) اپنے حضرات علماء دیوبند کی طرف سے ظہور میں آ رہا ہے۔ جن کے آباؤ اجداد کا طرۂ امتیاز تصلب فی الدین سلف کی تحقیقات پر مکمل اعتماد اور جدید اجتہادات کی تردید ہے

ہمیں معلوم نہیں کہ اپنے اکابر نے حضرات ائمہ وفقہاء کی واضح متفقہ تصریحات کے مقابلہ میں کسی اجتہاد کے لئے جدید علتوں کا استخراج کیا ہو۔ اور مسلمات کی بعید از کار تاویلات کر کے انہیں معطل کرنے کی جرأت کی ہو۔ ان اکابر کا یہ موقف دینی استقامت کا نشان تھا کیونکہ اگر ماحول کے تاثر یا کسی دوسری وجہ سے طے شدہ مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے تو کون سا مسئلہ ایسا ہے کہ جس کے بارے میں زمانۂ حال کے مجتہدین کے علم وفضل کی جولانیاں ہمت ہار سکتی ہیں۔ ہر مسئلے میں ایسے "اجتہاد" کی گنجائش موجود ہے۔

تمہیدی تسامح

اب ہم ادارہ "البلاغ" بابت ماہ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ کے مندرجہ بالا نکات پر تفصیلی گزارشات پیش کرتے ہیں۔

ابتدائے مضمون میں بطورِ تمہید کے لکھتے ہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ دائن کے لئے کس حد تک مرجو الوصول ہے اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے۔ اسی بناء پر فقہاء کرام نے وجوبِ زکوٰۃ کے معاملے میں دینِ قوی اور دینِ متوسط اور دینِ ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے۔

گزارش ہے کہ دین کی تقسیم بالا میں اس کے مرجو الوصول ہونے اور دائن کے اس میں تصرف پر قادر ہونے کو بنیاد قرار دینا صحیح نہیں۔

حضراتِ فقہاء کرام نے دین کی تقسیم ہرگز اس بنیاد پر نہیں کی۔ یہ صریح تسامح ہے۔

بلکہ شرعاً دین کی مندرجہ بالا تقسیم اس امر پر مبنی ہے کہ دین قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے یا مال کی بجائے غیر مالِ تجارت کا بدل ہے۔ جیسے اثاثۃ البیت وغیرہ کی بیع یا غیر مال کا بدل ہے جیسے مہر اور بدل خلع وغیرہ یہ دیون علی الترتیب۔ دینِ قوی۔ دینِ متوسط۔ دینِ ضعیف کہلاتے ہیں۔

چنانچہ تمام فقہاء نے اسکی تصریح کی ہے۔ مبسوط میں ہے۔

ثم الدیون علی ثلث مراتب عند ابی حنیفۃؒ دین قوی۔ وھو ما یکون بدلاً عن مال کان اصلہٗ للتجارۃ لو بقی فی ملکہ ودین متوسط وھو ان یکون بدلاً عن مال لا زکوٰۃ فیہ لو بقی فی ملکہ کثیاب البذلۃ والمھنۃ ودین ضعیف وھو ما یکون بدلاً عما لیس بمال کالمھر وبدل الخلع والصلح عن .... دم العمد۔

(مبسوط سرخسی ص ۱۹۵ ج ۲) (ومثلہ فی البدائع ص ۱۰ ج ۲)

مندرجہ بالا فقہی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے کہ دین کی یہ تقسیم اسکی ذاتی حیثیت پر مبنی ہے مرجو الوصول ہونے کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ عملی اور عدالتی اعتبار سے بھی ان دیون میں مرجو الوصول ہونے نہ ہونے کی بنیاد پر فرق نہیں کیا جاتا۔ مدیون بھی کبھی ایسا نہیں کرتا کہ دینِ قوی کی تو فوری ادائیگی کر دیتا ہو اور دینِ متوسط اور ضعیف کی ادائیگی میں اس بنیاد پر تاخیر کرتا ہو کہ ان دونوں قسموں میں چونکہ وصولی کی امید کم ہی ہوتی ہے اس لئے تاخیر ادا ء یا عدم ادائیگی کا حق ہے۔ اور عدالت بھی یہ امتیاز نہیں کرتی کہ دینِ ضعیف کے مقدمات کی سماعت نہ کرے اور مدعی کو یہ کہدے کہ دینِ ضعیف میں وصولی کی امید کم ہی ہوتی ہے۔ لہذا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ الغرض عدالتی لحاظ سے دینِ قوی کے لئے مدعی کی امداد کے جو ضوابط ہیں دینِ متوسط اور ضعیف کے لئے بھی ویسے ہی قوانین ہیں۔

الحاصل علمی۔ عملی۔ آئینی، عدالتی کسی لحاظ سے بھی دین قوی، متوسط اور ضعیف کی تقسیم مرجو الوصول ہونے نہ ہونے پر مبنی نہیں۔ پس "البلاغ" کا مندرجہ بالا تمہیدی ضابطہ دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ بے اصل اور خیال محض ہے۔ لہذا اس ضابطہ پر مبنی آئندہ تفریعات بھی بے بنیاد ہیں۔

۲۔ "بینک اکاؤنٹس قرض ہیں امانت نہیں"۔

مجلس نے یہ تاثر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ بینک اکاؤنٹس قرض سے زیادہ امانت

کے مشابہ ہے۔ حالانکہ جیسے اس کے قرض ہونے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس کے امانت نہ ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے کہ امانت کی کچھ مخصوص شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نہ رہے تو پھر وہی مال امانت واجب فی الذمہ ہونے کی وجہ سے قرض ہو جاتا ہے امانت کی چار بنیادی شرائط یہ ہیں۔ نمبر۱:۔ مال بعینہٖ[۵] محفوظ رکھنا طے ہو نمبر۲:۔ مودع اس میں تصرف نہ کر سکے نمبر۳:۔ نماء ونقصان مالک کا ہو نمبر۴:۔ بصورت ضیاع مالک کا مال ہلاک ہو اور دین میں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ یعنی نہ مال کا — بعینہٖ محفوظ رکھنا طے ہوتا ہے۔ ورنہ تو پھر دین کا کیا فائدہ۔ اسی طرح مدیون کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح نماء ونقصان مالک کی بجائے مدیون کا ہوتا ہے۔ اور بصورتِ ضیاع وہ چیز مدیون کی ہلاک ہوگی۔ اب مذکورہ بالا شرائط کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اِس میں امانت کی کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی جبکہ دین کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔ الغرض ان تصریحات کی روشنی میں یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بنک اکاؤنٹس فقہی اعتبار سے صِرف اور صِرف قرض ہیں۔۔ باقی یہ فرمان کہ عام قرضوں میں مُحرّک مستقرض ہوتا ہے اور یہاں محرک مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشاء قرض دینے کی بجائے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔

گزارش ہے کہ اس سے بھی بینک اکاؤنٹس کی "حیثیت قرض" قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ یہاں تحریک صِرف ایک طرف سے ہوتی ہے۔ بلکہ دونوں محرک ہوتے ہیں۔ البتہ تحریک کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے نیز اگر بالفرض صرف کھاتہ دار ہی کو محرک مان لیں تو بھی اعتبار نفس حقیقت اور واقعہ کا ہوگا نہ کہ ابتدائی عوامل اور اسباب کا۔

الحاصل : اس پوری بحث سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح کھل کر سامنے آ

---

[۵] اگر مال بعینہٖ محفوظ رکھنا طے نہیں ہوا یا ہوا مگر امین نے محفوظ نہیں رکھا یا امین نے کل یا بعض مال اس طرح سے خرچ کیا کہ متمیز نہ تھا تو ان تمام صورتوں میں مال، مالِ امانت نہ رہے گا۔ اگرچہ اس امین کو خیانت کا گناہ ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ شرعی اصطلاح میں جو مال اس کے ذمہ ہے کیا اس کو امانت کہا جائے گا؟ یقیناً نہیں۔

جاتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس شرعی احکام کی رُو سے قرض ہیں امانت نہیں۔

اب ہم آئندہ صفحات میں دین کا حکم شرعی وجوبِ زکوٰۃ کے سلسلہ میں دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں پیشِ خدمت کرتے ہیں۔

دین کا حُکمِ شرعی

دین میں زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے؟

قرآن کریم، احادیث و آثار اور اُصول شرعیہ کی روشنی میں حضرات ائمہ مجتہدین کا مذہب یہ ہے کہ قرضہ جات کی زکوٰۃ کی ادائیگی وصولیابی کے بعد واجب ہے۔ قبضہ سے پہلے نہیں۔

مسلکِ احناف: امام ابوبکر کاسانی رحمہ اللہ "دینِ قوی" کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں: "ولا خلاف فی وجوب الزکوٰۃ فیہ الا انہ لا یخاطب باداء شئی من زکوٰۃ ما مضیٰ مالم یقبض اربعین درھما (بدائع ص ۱۰/ج۲)

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"قال رجل لہ علی رجل الف درھم قرض او عن متاع کان للتجارۃ فحال علیہ الحول ووجبت الزکوٰۃ علیہ لا یلزمہ الاداء قبل القبض عندنا" (مبسوط ص ۱۹۴/ج۲)

عندنا کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف سب اس پر متفق ہیں۔

مسلکِ مالکیہ: مؤطا امام مالک میں ہے: قال مالک: "الامر الذی لا اختلاف فیہ عندنا ان صاحبہ لا یزکیہ حتی یقبضہ" (اوجز ص ۱۴۴/ج۳)

مسلکِ حنابلہ: اوجز میں الروض المربع سے نقل کیا ہے: ومن کان لہ دین (من مغصوب او مسروق) من صداق وغیرہ کثمن المبیع علی ملئ او غیرہ ادّی زکوٰتہ اذا قبض لما مضیٰ"

"قال الموفق الدین علی ضربین احدھما دین علی معترف بہ باذل لہ فعلی

صاحبه زکوٰۃ الا انه لا یلزمه اخراجها حتی یقبضه فیؤدی لما مضی روی ذلک عن علی وبهٰذا قال الثوری وابو ثور واصحاب الرأی"۔

امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی عدمِ وجوب کا ہے۔ (بیہقی ص۱۵۰ ج۴)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ قبل القبض عدمِ وجوبِ ادا پر جمہور متفق ہیں۔ ائمہ ثلٰثہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ سب کا یہی مذہب ہے اور حضرات ائمہ کا یہ موقف احادیث و آثار اور اصولِ شرعیہ سے مُبرہن ہے۔

مسلکِ جمہور کے دلائل

وجوبِ زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے۔ قدرت ممکنہ پر نہیں۔ ھدایہ "صدقۃ الفطر" میں ہے۔

ولا یشترط فیه النمو - لانها تجب بالقدرۃ الممکنة لا المیسرۃ - بخلاف الزکوٰۃ فان وجوبها بالقدرۃ المیسرۃ -

اسی پر محشی نے علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے۔

ھدایہ میں دوسرے مقام پر ہے : وما شرط الحول الا للتیسیر- (ص۱۷۵ ج۱)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا مدار قدرت میسرہ پر ہے بہت سے احکامات اسی پر متفرع ہیں، مثلاً ہلاکتِ مال سے سقوطِ زکوٰۃ وغیرہ۔

بہر حال شریعت نے اس سلسلہ میں مزکّی کی سہولت در سہولت کو مدنظر رکھا ہے۔ مثلاً آمدنی پر زکوٰۃ نہیں، بچت پر ہے۔ پھر ہر بچت (مال) میں نہیں۔ بلکہ وہ بھی بقدرِ نصاب ہو پھر اس پر سال گزر جائے۔ اسی کی یہ فرع ہے کہ قبضے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں یعنی " انه لا یخاطب باداء شئی من زکوٰۃ ما مضی ما لم یقبض "

اصولی طور پر جزءِ نصاب واجب ہے۔ لقوله علیه الصلاۃ والسلام "ھاتوا من ربع عشر اموالکم"۔ اس حدیث کے پیش نظر حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں اصل واجب نصاب کا ایک جز ہے۔ چنانچہ غایہ مع الھدایہ میں ہے :

ولنا ان الواجب جزء من النصاب عملاً بکلمة "فی" فی قوله علیه السلام فی کل اربعین شاۃ شاۃ وتحقیقاً للتیسیر فان الزکوٰۃ وجبت بقدرۃ میسرۃ

علی ما عرف فی الاصول ومن التیسیر ان یکون الواجب من النصاب ص۱۵۳ ج۲

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: ولنا ان الواجب جزء من النصاب فاذا کان النصاب دیناً فیده مقصورۃ عما هو حق الفقراء فلا یلزمه الاداء ما لم تصل یده الیه بالقبض (مبسوط ص۱۹۵ ج۲)

یہ تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ "زکوٰۃِ واجب" کی حالت "اصلِ نصاب" کی حالت کے تابع ہوگی۔ نصاب نقد ہے تو جزء نقد اور نصاب دَین ہے تو یہ جزء بھی دین ہوگا العین فی العین والدین فی الدین۔ یہی بات بالکل حضرت عطاءؒ نے فرمائی ہے۔

عن ابن جریج قال قلت لعطاء: السلف یسلفه الرجل قال فلیس علی سید المال صدقة وهو حینئذ بمنزلة الدین فی الصدقة

(مصنف عبد الرزاق ص۹۸ ج۴)

جمہور کا مذہب آثار کی روشنی میں

۱:- عن نافع عن ابن عمرؓ قال لیس فی الدین زکوٰۃ۔ (عبد الرزاق ص۱۰۳ ج۴)

۲:- عن عائشةؓ قالت لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبضه (عبد الرزاق ص۱۰۳ ج۴)

۳:- عن ابن جریج قال قال عمرو بن دینار ما اری الصدقة الا فی العین - (عبد الرزاق ص۱۰۱ ج۴)

۴:- قال عکرمة لیس فی الدین زکوٰۃ وروی ذلک عن عائشةؓ وابن عمرؓ وروی عن سعید بن المسیب وعطاء بن ابی رباح وعطاء الخراسانی وابی الزناد یزکیه اذا قبضه لسنة واحدة (اوجز ص۱۷۳ ج۲)

۵:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں عمل مستقر ہوا کہ وصولیابی سے قبل دین سے زکوٰۃ نہ لی جائے لیکن وصول ہونے پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لی جائے چنانچہ حمید بن عبد الرحمٰن کی روایت میں کچھ تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں ہے۔

فلم یکونوا یقبضون من الدین الصدقة الا ما نض منه (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۱۵۰ ج۴)

اس روایت میں تفصیلی کلام ہے جسے بنظر اختصار حذف کیا جاتا ہے۔

۶:- عن عطاء قال لیس فی الدین زکوٰۃ حتی یقبض (عبد الرزاق ص۱۰۴ ج۴)

۷:۔ عن جابر بن ابی جعفر قال لیس فیه زکوٰة حتی یقبضه (ابن ابی شیبہ ص۱۶۳)

۸:۔ عن حماد قال المزکوٰة علی من المال فی یده ۔ (عبد الرزاق ص۱۰۴ ج۴)

الحاصل: حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ، ابوجعفرؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عطاء خراسانی، عمرو بن دینارؒ، عکرمہؒ، حمادؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن المسیبؒ احمد بن حنبلؒ، ابوالزنادؒ، حکمؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابویوسف، امام محمد امام زفر، سفیان ثوری، ابوثور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات دین میں وصولیابی سے قبل وجوبِ اداء کے قائل نہیں۔

کیا ابوحنیفہؒ کا استدلال غلط ہے؟

دلائل و آثار کی روشنی میں یہ بات پُورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ دین میں "عدم وجوبِ اداء" جمہور کا مسلک ہے لیکن بعض احباب نے جمہور کے اِس محقق مسلک کو صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے یُوں فرمایا ——————— کہ قرضوں پر زکوٰة کا نفسِ وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ نے مقروض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰة کی ادائیگی اِس پر اسوقت واجب ہوگی جب قرضے کی رقم اُسے واپس ملے گی۔" (البلاغ ص۶)

اِس اقتباس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اِس مسئلے میں متفرد ہیں اور یہ سہولت دینا ان کی ذاتی نوعیت کی رائے ہے۔ گویا کہ ان کا یہ خیال کسی دلیل صحیح پر مبنی نہیں اور نہ ہی دین میں وجوبِ زکوٰة کا پس منظر ان کے سامنے ہے۔

"البلاغ" میں فقط یہ تاثر دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ آگے چل کر اس کی تصریح بھی فرمادی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور فقہائے حنفیہ نے اپنے مذہب کی بُنیاد جس اثر پر رکھی ہے اس کا مطلب وہ نہیں جو فقہاء حنفیہ نے سمجھا ہے۔ چُنانچہ رقمطراز ہیں کہ "امام ابوحنیفہ نے اِس مسئلے میں اپنے مسلک کی بُنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔" (ص۸) پھر آگے چل کر بطورِ نتیجہ کے ہے کہ:

"فقہاء حنفیہ نے اِس باب میں اپنے مسلک کی بُنیاد حضرت علیؓ اور ابنِ عمرؓ کے اقوال پر رکھی ہے اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰة کا وجوب صِرف اِس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی مظنون ہو۔ جہاں وصولیابی کا وثوق ہو وہاں ان کے نزدیک بھی وجوب اداء قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔" (انتہیٰ ص۱۰)

حاصل یہ ہوا کہ:

۱۔ انہوں نے جس اثر سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:
"وجوبِ اداء بعد القبض ہر دین میں نہیں بلکہ دینِ ظنون میں ہے۔"

۲۔ مگر امام ابوحنیفہؒ نے اِس سے یہ سمجھا کہ وجوبِ اداء بعد القبض مطلق دیون میں ہے۔

۳۔ تو گویا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مذکورہ اثر سے ثابت نہیں۔ اور وہ اِس اثر کو سمجھ نہیں سکے۔" ؎ "شوخی بھی کلام میں لیکن نہ اِس قدر؟

مذاہب و دلائل کی تفصیل آپ کے سامنے ہے کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بے دلیل اور تفرد پر مبنی ہے؟ ہرگز نہیں۔

اثرِ علیؓ کی تحقیق

اولاً گو ہمیں یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی ہے کہ ایک پلڑے میں "البلاغ" کی رائے اور دوسرے پلڑے میں سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے استدلال کو رکھ کر ان میں موازنے کی کوشش کی جائے۔

ظاہر ہے کہ ابوحنیفہؒ کی جو استدلالی کمزوری پہلے پہل ۱۴۰۱ھ میں پکڑی گئی۔ بلاشبہ وہ ناقد ہی کی غلطی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام محمد کی نہیں۔ خصوصاً جبکہ جمہور ائمہ و علماء بھی امام ابوحنیفہ کے ساتھ اِس مسئلے پر متفق ہوں لیکن بہرحال زمانہ تحقیق و ریسرچ کا ہے لہذا البلاغ کی تنقید پر سرسری نظر ہو جائے تو مناسب ہے۔ ذیل میں ہم دلائل کی روشنی میں اِس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ کیا واقعی ابوحنیفہ امام محمد اور فقہائے حنفیہ کو اثرِ علیؓ کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام محمدؒ نے مؤطا میں اپنے اور مذہب جمہور کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کا یہ اثر پیش کیا ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال : اذا کان ذٰلك دین علی الناس فقبضه فزکاه لما مضیٰ : قال محمد وبه نأخذ وھو قول ابی حنیفة۔
(کتاب الآثار ص۱۰۸)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کرلے تو زمانہ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

یہ اثر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ یہ عام دیون کے بارے میں ہے۔ لیکن "البلاغ" نے اِس اثر کو حضرت علیؓ کے ایک دوسرے اثر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اثر یہ ہے۔ عن علی... فی الدین الظنون قال یزکیه بما مضیٰ اذا قبضه ان کان صادقاً۔ (بیہقی ص۱۵۰ ج۴)

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دائن سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دے۔

حالانکہ یہ اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اِسی لئے یہ دُوسرا اثر، امام ابوعبید اور ابنِ قدامہ اور دیگر حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کے حکم کی دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دینِ ظنون مالِ ضمار کا ایک فرد ہے۔ اِس لئے کہ دینِ ظنون ایک ایسا دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید بہت کم ہو گویا کہ نا اُمیدی ہے۔

اب قارئین خود غور فرمالیں کہ عام دیون والے اثر کی تشریح مال ضمار سے متعلقہ اثر کے ساتھ کرنا کہاں تک صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ "البلاغ" میں کیا گیا ہے اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ "فقہائے حنفیہ سے یہ تسامح ہوا ہے" فیا للعجب۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں اثر مُستقل طور پر وارد ہوئے ہیں۔ پہلا اثر عام دیون سے متعلق ہے۔ اور دوسرا اثر دین ظنون (مالِ ضمار) کے بارے میں ہے اور دونوں کے احکامات جُدا جُدا ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی ایسی پابندی ہمیں معلوم نہیں کہ اگر وہ عام دیون کا مسئلہ بیان فرمادیں۔ تو دینِ ظنون (مالِ ضمار) کا حکم بیان کرنے کی انہیں اجازت نہیں۔

الغرض: دونوں آثار اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ایک اثر سے دوسرے اثر کی تشریح

کرنا تساہل ہے۔

واضح رہے کہ حضرت علیؓ کے دوسرے اثر میں "دینِ ظنون" (مالِ ضمار) کا جو حکم ذکر کیا گیا ہے "کہ وصولیابی کے بعد گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ اِس میں واجب ہو" یہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ احناف کے نزدیک "مالِ ضمار" میں سِرے سے زکوٰۃ واجب ہی نہیں۔[1] اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو دینِ ظنون والا اثرِ علیؓ حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہے جبکہ اقل الذکر "اثرِ علیؓ" کے معمول بہ ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے۔ تو "البلاغ" کا اثرِ متروک، کو معمول بہ اثر کی تشریح میں پیش کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ جو دین ظنون کی خلاف واقعہ تشریح کرنے سے ناشی ہے۔ آئندہ اوراق میں دینِ ظنون کی بحث ملاحظہ کی جائے۔

"دینِ ظنون کی بحث"

نیز "البلاغ" میں ہے:

"لہٰذا انہوں (فقہاءِ حنفیہ) نے ہر "دین قوی" کو "دینِ ظنون" قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اِس پر نفسِ وجوب تو ہو جاتا ہے لیکن وجوب ادا قبضے کے بعد ہوگا۔ (ص۱۰۱)"

گزارش ہے کہ:

"البلاغ" کا مندرجہ بالا الزام بالکل خلافِ واقعہ ہے۔ حضراتِ فقہاء کرام تو کیا کسی ایک غیر فقیہہ عالم نے بھی ہر "دینِ قوی" کو "دینِ ظنون" قرار نہیں دیا۔ "البلاغ" کا یہ دعویٰ اِس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو اسکی عدم ادائیگی کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔ (البلاغ ص۱۰۱) اِس لئے وہ دین ظنون ہوتا ہے۔ حالانکہ دینِ ظنون کی یہ تعریف خود "البلاغ" ہی کی نقل کردہ تعریف کے خلاف بلکہ برعکس ہے "البلاغ" ص۹۸ پر امام ابوعبیدؒ سے دینِ ظنون کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ

---

[1] امام لیثؒ، قتادہؒ، اسحٰقؒ، ابوثورؒ، اہلِ عراقؒ سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کی ایک ایک روایت بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام اوزاعی اہلِ ضمار میں صرف یک سالہ زکوٰۃ کے قائل ہیں تو گویا مرویاتِ علیؓ ان سب کے نزدیک معمول بہ نہیں۔

میں نقل کی گئی ہے۔

"ھو الذی لا یدری صاحبہ أیقضیہ الذی علیہ الدین ام لا کانہ الذی لا یرجوہ"۔ بیہقی ص ۱۵۰ ج ۴)

دینِ ظنون کی تعریف بالا سے ظاہر ہے کہ دینِ ظنون وہ دین ہے کہ جس کی وصولی کی اُمید ختم ہوگئی ہو۔ تقریباً اسکی وصولی سے مایوسی ہو۔ ایسا دین مالِ ضمار کے ذیل میں آجاتا ہے۔ حضراتِ فقہاء نے مالِ ضمار کی بھی قریب قریب انہی الفاظ میں تعریف کی ہے۔

"الضمار بوزن حمار قال فی البحر وھو فی اللغۃ الغائب الذی لا یرجی" اھ (شامیۃ ص ۹ ج ۲ جدید)

جب دینِ ظنون مالِ ضمار میں داخل ہے تو کوئی ادنیٰ علم رکھنے والا بھی ہر دینِ قوی کو دینِ ظنون قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرے لفظوں میں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہر دینِ قوی مالِ ضمار ہے۔ دوسرے دین تو اس سے بھی نیچے ہوں گے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی غلط بُنیاد پر جو مسئلہ ہوگا وہ غلط تر ہوگا۔ اس پر بعض حضرات کو پس حضراتِ فقہاء کی طرف ایسی غیر معقول غلط بات کی نسبت کسی بھی طرح روا نہیں۔ یہ شُبہ ہوا کہ "دینِ ظنون" اور "مالِ ضمار" کو ایک قرار دینا بظاہر کسی طرح دُرست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "دین ظنون" میں زکوٰۃ کو واجب فرماتے ہیں اور ضمار میں عدمِ وجوب کے قائل ہیں ؛ تو "گزارش" ہے کہ "دینِ ظنون" "مالِ ضمار" میں شامل ہے یا نہیں اس کے فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں اموال کی تعریفات سامنے رکھتے ہوئے یہ دیکھا جائے کہ "مال ضمار" کی تعریف "دینِ ظنون" پر صادق ہے یا نہیں؟ ان دونوں اموال کی تعریفات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں جن کی روشنی میں یہ امر صاف ظاہر ہے کہ "مالِ ضمار" کی تعریف کے تحت "دینِ ظنون بھی داخل ہے یہ تعریفات مزید اضافوں کے ساتھ دوبارہ نقل کی جاتی ہیں۔ قال ابن عبد البر "وقیل الضماد الذی لا یدری صاحبہ أیخرج ام لا وھو الاصح (اوجز ص ۱۲۴ ج ۳)

اور تقریباً بالکل انہی الفاظ کے ساتھ "دینِ ظنون" کی تعریف ائمہ لغت وحدیث سے منقول ہے۔ چنانچہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں :

الظنّون ... ومن الدیون ما لا یدری أیقضیہ آخذہ ام لا (قاموس ۸۸۹)

ھکذا فی المنجد وفی مجمع البحار لا زکوٰۃ فی الدین الظنون ھو الذی لا یدری صاحبہ أیصل الیہ أم لا ص ۲۹۶ ج ۳)

مصباح اللغات ص ۵۲۶ میں ہے : دینِ ظنون وہ قرض ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ اس (دینِ ظنون) کی وصولیابی کی اُمید نہیں رہی بعینہٖ کہ امام ابو عبیدؒ نے اسکی تصریح فرمادی ہے۔ الظنون الذی لا یدری صاحبہ ایقضیہ الذی علیہ ام لا کانہ الذی لا یرجوہ انتھی۔ اسی نوعیت کی نااُمیدی "مالِ ضمار" میں بھی ہوتی ہے۔ انیس بیس کا فرق معتبر نہیں۔ احکام میں اعتبار غلبۂ ظن کا ہوتا ہے۔ اگر ان تعریفات میں ائمۂ فقہ وحدیث نے غلط بیانی نہیں کی (اور یقیناً نہیں کی) تو انکی روشنی میں بلاشبہ یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ "دینِ ظنون" "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہے۔ لہٰذا اب تک اس کا تسامح ہونا ہم نہیں سمجھ سکے ہاں! اگر دینِ ظنون کی تعریف میں ائمہ نے غلطی کی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن پھر بھی "البلاغ" کو ان حضرات کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ خود "البلاغ" ہی میں ان حضرات سے یہ تعریف نقل کی جاچکی ہے۔ اگر یہ تعریف غلط تھی تو "البلاغ" نے اسے کیوں نقل کیا۔ عجیب بات ہے کہ اثرِ علی رضی اللہ عنہ کی تشریح ہی میں "دین ظنون" کی اس تعریف کو نقل کر رہے ہیں۔ اگر حضرت علیؓ کے اثر میں یہ دین ظنون مراد نہیں تو اس اثر کی تشریح میں اس تعریفِ ظنون کے نقل کرنے کا کیا فائدہ؟ اور کیا جوڑ؟ امام بیہقیؒ وغیرہ حضرات نے بھی امام ابو عبیدؒ کی اس تعریفِ ظنون کو اثرِ علیؓ کی تشریح میں نقل کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات ائمہ فقہ وحدیث کے نزدیک اثرِ علیؓ میں دینِ ظنون سے مراد وہی دین ہے جس کی وصولیابی کی اُمید (تقریباً) منقطع ہوچکی ہو اور مالِ ضمار بھی وہی ہوتا ہے جس کی وصولیابی سے نااُمیدی ہو۔

الغرض حضرات ائمہؒ کی تصریحات سے "دین ظنون" کا "مالِ ضمار" کے تحت داخل ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ باقی رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دُوسرا اثر (لا زکوٰۃ فی المال الضمار) تو یہ کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ امام زیلعیؒ فرماتے ہیں:

۱ "غریب"۔ وفی البنایة ادا دانه لم یثبت مطلقاً" اھ۔ قال الحافظ ابن حجر فی الدرایه " لا زکوٰۃ فی مال الضمار لم اجدہٗ عن علی ص۱۵۴ ۔ برتقدیر ثبوت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دونوں اثر اس مسئلہ میں متعارض ہیں جن میں ترجیح یا تطبیق تلاش کرنا اہل علم کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس تعارض کا کوئی اثر "مال ضمار و دینِ ظنون" کے متعلق ائمۂ فقہ وحدیث کی نقل کردہ تعریفات پر نہیں پڑتا۔

علاوہ ازیں "مالِ ضمار" اور "دینِ ظنون" کی بحث ثانوی درجے میں ہے اصل بحث اس میں ہے کہ ہر "دینِ قوی" "دینِ ظنون" ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سے فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے ہر دین قوی کو "دینِ ظنون" قرار دیا ہے، نیز یہ کہ ہر دین خواہ وہ کتنے ہی قابلِ اعتماد شخص کے پاس ہو۔ الخ۔ وہ دینِ ظنون ہے۔ یہ کس کتاب میں لکھا ہے۔ اولاً ان امور کی وضاحت ضروری ہے۔

عجیب تسامح: دینِ ظنون کی تعریف میں خط کشیدہ آخری جملہ (فانه الذی لا یرجوہ) "البلاغ" میں نقل نہیں کیا گیا۔ حالانکہ حاشیہ البلاغ میں تعریفِ ظنون کے ذکر کردہ حوالہ سنن بیہقی میں یہ جملہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ "البلاغ" کے اس مضمون کے اصل مسودہ میں بھی یہ جملہ مذکور ہے۔ مگر اس کے باوجود البلاغ میں سے حذف کر دیا گیا۔

اس خط کشیدہ جملہ کو غیر ضروری قرار دینا بھی مشکل ہے، جبکہ یہ دین ظنون کی تعریف کا ایسا جزء ہے کہ اس کے حذف کرنے سے تعریف کے سمجھنے میں غلط فہمی ہو سکتی ہے

"اثر ابنِ عمرؓ وغیرہ کا جواب"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آثار کا بھی جائزہ لیا جائے جنہیں "البلاغ" نے (بزعمِ خویش) اپنا مستدل سمجھا ہے۔ اثرِ علیؓ کے متعلق مفصل کلام گزر چکا ہے کہ اس سے ان حضرات کا استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے مزید تین اثر پیش کئے ہیں۔ ان کا مضمون دو قسم پر ہے ..... ۱۔ دینِ ثقہ پر ہر سال زکوٰۃ ہے۔

۲۔ ایسے دین کی ہر سال زکوٰۃ ادا کیا کرو۔

جواب: یہ دونوں قسم کے الفاظ ائمۂ ثلثہ اور جمہور رحمہم اللہ کے مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی یہ آثار ان حضرات سے پوشیدہ تھے۔ ان آثار کی موجودگی میں سابقہ دلائل کی بناء پر علی وجہ البصیرت حضرات ائمۂ ثلثہ اور جمہور علماء نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ دین میں ادائیگی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے۔ پہلی قسم کا مضمون جمہورؒ کے مسلک کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی ہر سال دین میں وجوبِ زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ دوسری قسم کے الفاظ بھی جمہورؒ کے خلاف نہیں بلکہ یہاں امر احتیاط و استحباب پر محمول ہوگا تاکہ آثار کو جمع کیا جا سکے۔ خصوصاً جبکہ ایک ہی صحابی سے دو متعارض اثر منقول ہوں۔ مثلاً ابنِ عمرؓ سے منقول ہے۔ "لیس فی الدین زکوٰۃ (مصنف عبد الرزاق ص ۱۳/۴) دوسری جگہ منقول ہے۔ زکّوا ما کان فی ایدیکم الخ (بیہقی ص ۱۵۰/۴)

علاوہ ازیں ممکن ہے کہ عملی سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سال بسال ادائیگی زکوٰۃ کے لئے کہا گیا ہو۔ نہ اس خیال سے کہ سال بسال ادائیگی واجب ہے ظاہر ہے کہ ہر سال ادائیگی میں جو سہولت ہے۔ وہ عند القبض پانچ سات سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں نہیں۔ مفتیانِ کرام اب بھی مستفتی کو ابتداءً یہی حکم دیتے ہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت دوسرے اموال کے ساتھ "دین" کو بھی شمار کر لیا کرو۔ لیکن اس پر اگر مستفتی یہ کہے کہ "ملنے کی امید کم ہے" یا کچھ اور عذر کرے تو پھر عند القبض ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے۔

الغرض سال بسال ادائیگی کا مسئلہ بتلانا اس امر کی دلیل نہیں کہ مفتی دین کی وصولیابی سے قبل اس میں وجوبِ اداءِ زکوٰۃ کا قائل ہے۔ پس ایسے آثار سے "البلاغ" کا استدلال تام نہیں۔

حولانِ حول وجوبِ زکوٰۃ کی اجماعی شرط ہے۔ مگر امام زہریؒ سے منقول ہے کہ اگر سال مکمل ہونے سے پہلے کسی ضرورت میں مال خرچ کرنے کا ارادہ ہو تو پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کر دے۔ قال الزھری "کان المسلمون یستحبون ان یخرج الرجل زکاته قبل ان ینفقه"[1] انتہی۔ جب حولانِ حول سے قبل ادائے زکوٰۃ کو مستحسن سمجھا جاتا ہے تو بعد الحول "دین" میں بھی ادائیگی زکوٰۃ کو اگر مستحب سمجھتے ہوں تو

۱ مصنف عبد الرزاق ص ۷۶/۴ ۱۲

اِس میں کوئی شبہ نہیں۔

علاوہ ازیں حضرت سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق سب آثار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اقوال صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

لھذا، یہ مسلک یقیناً راجح ہے۔ اور یہی مسلک حضرات ائمۂ ثلثہؒ (والشافعی فی قول) اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے کہ قرض میں نفسِ وجوب تو بہر حال ہے لیکن وجوبِ ادار قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوگا۔

بینک اکاؤنٹس جدید قسم کا قرض نہیں

: گزشتہ اوراق میں قرضہ جات کی زکوٰۃ اور اس کے دلائل کے بارے میں مُفصّل بحث گزر چکی ہے۔ قرآن، حدیث، آثارِ صحابہؓ اور اصولِ شرعیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا کہ ائمۂ ثلثہؒ اور جمہور سلف کے نزدیک قرضہ جات میں زکوٰۃ کا نفسِ وجوب تو سال بسال ہوتا رہتا ہے۔ لیکن "وجوب ادا،" قرضہ کی وصولیابی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ "البلاغ" نے بنک اکاؤنٹس کو قرضہ جات کے اِس حکم سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے بڑی زور دار بحث کی ہے اور اِس سلسلہ میں یہ نکتہ اُٹھایا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" بالکل نئی قسم کا قرض ہے۔ جس کی نظیر دورِ فقہاء وغیرہ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے لہذا حضراتِ ائمہ وفقہاء جب ایسے قرضوں ہی سے نا آشنا ہیں۔ تو ان کا حکم کیونکر بیان کر سکتے تھے۔ فقہاء نے قرضہ جات کی زکوٰۃ کا جو حُکم بتلایا ہے۔ یہ پُرانے قسم کے قرضوں کا ہے جو ان کے دَور میں پائے جاتے تھے۔

بینک کے ان جدید قرضہ جات کا حکم یہ ہے کہ وصولیابی سے پہلے ہی ان میں وجوب ادا، ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے "البلاغ" نے کوئی مستند صریح حوالہ قانونِ اسلامی سے پیش نہیں کیا۔

گزارش ہے کہ بینک کا لعنتی نظام اور اسکی عمارات تو یقیناً جدید ہیں لیکن "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا قرضہ قرار دینا صحیح نہیں۔ عہدِ رسالت اور دَورِ فقہاء میں ایسے

لہ مصنف عبدالرزاق ص ۷۶/۴

قرضے موجود تھے۔

تفصیل آئندہ صفحات میں "خیرالقرون کے قرضے" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "بینک اکاؤنٹس" کو جدید قرض جس بُنیاد پر بنایا گیا ہے اس کا بھی جائزہ لیا جائے۔

بینک اکاؤنٹس کو ایک نئی قسم کا قرضہ ثابت کرنے کے لئے جو چند وجوہ فرق بیان کی گئی ہیں ان کا حاصل صرف دو امر ہیں۔

(۱)۔ یہ مضمون ہے (۲)۔ سہل الوصول ہے جیسے الماری اور تجوری میں رکھا ہوا مال۔ تو اِس سلسلہ میں گزارش ہے کہ بینک اکاؤنٹس ہی نہیں ہر قرض مضمون ہوتا ہے اور مستقرض بنک ہو یا اور کوئی شخص، وہ بہر صُورت شرعاً قانوناً اس کا ذمہ دار اور اسکی ادائیگی کا پابند ہوتا ہے۔ لہذا یہ مضمون ہونا بینک اکاؤنٹس کی کوئی امتیازی خصُوصیت نہیں۔ رہا اس کا سہل الوصول ہونا، تو اِس کے بیان میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ تصویر کا ایک ہی رُخ پیش کیا گیا ہے۔ مناسب ہے کہ دوسرے رُخ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اگر بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو کئی لحاظ سے یہ صعب الوصول بھی ہے مثلاً ۱۔ ایام تعطیل میں وصول نہیں ہو سکتا ۲۔ ایام کار میں بھی چھٹی کے اوقات میں اسکی وصولیابی ممکن ہی نہیں ۳۔ اوقات کار میں بھی صرف محدود وقت میں رقم نکلوا سکتے ہیں مثلاً بارہ بجے تک اگرچہ بینک چار بجے تک کھُلا ہے ۴۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اگر اتفاقاً چیک بُک پاس نہیں تو بھی رقم کا حصول بدوں شناخت و ضامن کے ناممکن ہے۔ اسکی وضاحت کے لئے یوں کہہ لیجئے کہ ایک شخص بینک سے اپنی رقم نکلوانے گیا۔ لیکن وہاں پر معلوم ہوا کہ چھُٹی کا وقت ہو جانے کی وجہ سے بینک بند ہو گیا۔ اس کو ناکام واپس آنا پڑا۔ دوسرے روز گیا تو بنک کو کھُلا پا کر مطمئن و مسرور ہوا لیکن داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ ادائیگی رقوم کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب رقم نہیں مل سکتی۔ یہ سن کر پریشان ہوا اور خالی ہاتھ واپس لوٹا۔ اس بے چارے کو رقم کی فوری اور شدید ضرورت تھی۔ رات بھر انتظار میں گزری۔ دن ہوا۔ بنک گئے تو بتایا گیا کہ آج فلاں صاحب کا یوم پیدائش ہے۔ یا وفات کی تعطیل ہے اور کل جمعہ کی چھُٹی ہے۔

اب ایسے شخص کی پریشانی کا عالم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ مبتلی بہ کو ہی ہو سکتا ہے۔ خدا خدا کر کے دن پورا ہوا اور رات گزری اگلے روز علی الصبح نماز پڑھتے ہی یہ گھر سے چلا کیونکہ بنک اس کے گھر سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بنک پہنچ کر یاد آیا کہ جلدی میں چیک بک گھر بھول آیا (شناختی کوئی بلا نہیں) اب وصولیابی سے محروم رہے گا مندرجہ بالا صورت میں۔ ذرا غور فرمائیں کہ مقرض بے تاب ہے اور مستقرض کے مطالبہ پر عام قرضوں میں یہ صعوبتیں عموماً نہیں ہوتیں جو بینک اکاؤنٹس میں ہیں ان صعوبات مولغات پر مزید یہ کہ سیونگ اکاؤنٹ میں سے ایک ہفتہ کے اندر پندرہ ہزار سے زائد نہیں لے سکتے اگر لینا ہو تو ایک ہفتہ قبل اطلاع دینا ضروری ہے۔ اور فکس ڈیپازٹ جس میں ایک معین مدت تک کے لئے رقم دی جاتی ہے مقررہ مدت مکمل ہونے سے پہلے اس میں سے یہ رقم وصول نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر بضرورت رقم وقت سے پہلے لینی پڑ گئی تو کل رقم میں دو فیصد سالانہ کے حساب سے بقیہ مدت کی کٹوتی ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لاکھ روپے کی رقم بارہ سال کے لئے جمع کرائی دو سال بعد اس کا مکان گر گیا یا کوئی اور فوری شدید ضرورت پیش آگئی اور اس کو اپنی رقم بنک سے لینی پڑی تو بارہ سال میں سے دو سال کو چھوڑ کر بقیہ دس سالوں کی کٹوتی دو فیصد سالانہ کے حساب سے کر لی جائے گی جس کی مقدار بیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ کل رقم کا ایک خمس (پانچواں حصہ) کاٹ کر باقی چار حصے اس کو واپس مل سکیں گے۔ تقریباً بیس ہزار روپے اصل رقم سے کٹ گئے مگر اس سب کچھ کے باوجود "البلاغ" کا دعویٰ ہے کہ بنکی قرضہ کی وصولی متیقن ہے اور یہ قرضے ایسے ہی ہیں جیسے اپنی الماری میں پڑے ہوں، حالانکہ دوسرے عام قرضوں میں کٹوتی کا کوئی ظالمانہ قانون موجود نہیں۔ ایسا ظلم صرف بینک کے لعنتی نظام ہی کی خصوصیت ہے۔

الغرض تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ اگر بنک اکاؤنٹس بعض وجوہ سے سہل الوصول ہے تو بعض دیگر وجوہ سے صعب الوصول بھی ہے لہٰذا یہ دعویٰ کہ مقرض اپنی رقم جب چاہے فوراً بلا تخلف واپس لے سکتا ہے "قطعاً" درست نہیں۔ باقی آزادانہ تصرف میں یہ الماری اور تجوری میں رکھے ہوئے پیسوں کی طرح بھی ہرگز نہیں اس لئے کہ الماری و تجوری میں رکھی ہوئی رقم کے حصول میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں، نہ وقت کی نہ مقدار کی۔

حتیٰ کہ اگر چابی گم ہو جائے تو الماری اور تجوری توڑنے کا بھی یہ مجاز ہے۔ بخلاف بنک اکاؤنٹس کے کہ اس میں چیک پر دستخط ثبت کرنے کے باوجود آدمی اس کا مجاز نہیں کہ سامنے میز پر رکھی ہوئی رقم خود اٹھا لے بلکہ ایسا کرنے والا قانوناً مجرم سمجھا جائے گا۔ باقی یہ تسلیم ہے کہ یہ سب کچھ انتظامی امور کے طور پر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس سے دائن کا آزادانہ تصرف باقی رہا یا نہ رہا نیز اپنے قرضے کی وصولی میں دشواری اور تاخیر بھی ہوئی اور ایک خطیر رقم بطورِ جرمانہ بھی کٹ گئی۔

اب آئیے اس امر کا جائزہ لیں کہ کیا بینک اکاؤنٹس واقعی نئی قسم کا ایک ایسا قرض ہے جسکی نظیر خیر القرون اور دورِ فقہاء میں نہیں پائی جاتی تھی۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں کہ ایسا قرض فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہ تھا صحیح یہ ہے کہ عہدِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم، خیر القرون، اور دورِ فقہاء میں قرض کی یہ قسم موجود رہی ہے۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

خیر القرون میں ایسے قرضے کی موجودگی پر قرآنی شہادت

قرآن کریم میں ہے۔ ومن اھل الکتاب من ان تأمنه بقنطار یؤده الیك الآیة (اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر مال کا انبار ان کے پاس رکھ دو تو وہ ادا کر دیں) تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس کسی نے بارہ سو [۱۲۰۰] اوقیہ امانت رکھے تھے۔ بارہ سو اوقیہ چاندی کی قیمت آجکل کے حساب سے پانچ لاکھ روپے کے قریب بنتی ہے۔ مالک کے مطالبے پر انہوں نے فوراً ادا کر دیئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں اللہ پاک نے ان کے اس جذبۂ امانت کی مدح فرمائی ہے اور ان کے اندر اس جذبہ کی موجودگی کی شہادت دی ہے۔

قرض و امانت کی تفریق اتنی مؤثر نہیں اصل مسئلہ جذبۂ ادائے حقوق و دیانت کا ہے کیونکہ اسی آیت کے اگلے جز میں ایک دینار واپس نہ کرنے والے کی مذمت بھی مذکور ہے حالانکہ یہ دینار بھی امانت تھا۔

۲۔ جب یہودی معاشرہ جس کا بخل و بنیا پن مشہور ہے اپنی تمام تر بداخلاقیوں

اور پستیوں کے باوجود ایسے قرض و امانت سے خالی نہ تھا۔ تو اِس مسلم مثالی معاشرہ میں ایسے قرضہ جات کے وجود کو ناپید و معدوم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ جو خُلاصۂ کائنات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے وجود میں آیا تھا۔ پس یقیناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسے قرضہ جات عہدِ نبوی میں موجود تھے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرضے کی واپسی سے مانع ناداری ہوتی ہے یا بُخل و بدمعاملگی اور حضرات صحابہؓ میں نہ بخل و عیّاری ہے اور نہ حرص و مکاری کہ دوسرے کے اداءِ حق سے مانع بنے۔ رہی ناداری۔ سو یہ زیرِ بحث نہیں کیونکہ زیرِ بحث ایسے قرضے ہیں جو ادائیگی میں قابلِ اعتماد اور مالدار لوگوں پر ہوں۔ مُفلس اور نادہند لوگوں پر قرضے زیرِ بحث نہیں۔

۳۔ صحابہ و تابعین کے سُنہری دَور میں کثرتِ صدقات کے جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں، جس شخص کی نظر بھی ان تاریخی حقائق پر ہوگی، وہ قطعاً یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ اس دَور کے لوگ مُفت میں تو لاکھوں لُٹا دیتے تھے لیکن قرضوں کی اَدائیگی میں العیاذ باللہ پُورے بخیل تھے کہ ان میں شاذ و نادر ہی ایسا شخص ہو جو اپنا قرض بروقت ادا کرتا ہو اور جس پر قرضخواہ کو یہ اعتماد ہو کہ جب چاہوں قرضہ وصول کرسکتا ہوں العیاذ باللہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص واقعی اِس عہد کے متعلق ایسے خیالات رکھتا ہے تو وہ نہ صرف حقائق کا مُنہ چڑاتا ہے بلکہ اِس مبارک عہد پر ایک بڑی تہمت لگا رہا ہے مُناسب تھا کہ یہاں پر اس دَور کی کچھ جھلکیاں پیش کی جاتیں لیکن بخوفِ طوالت ہم انہیں اختصار کی نذر کرتے ہیں۔

۴۔ صحابہ کرام میں سے ایک جماعت کا یہ طرزِ عمل تھا کہ لوگ ان کے پاس امانتیں رکھنے آتے تھے ——— اور وہ بغرضِ حفاظت ان لوگوں سے کہتے تھے امانت نہیں قرض کردو تاکہ بصُورت ہلاک تمہارا نقصان نہ ہو مثلاً (الف) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لوگ امانتیں رکھنے آتے، حضرت فرماتے امانت کی بجائے قرض کر دو جب ضرورت ہو لے لینا۔

مندرجہ بالا صُورت میں قرض کی وصولی متیقن ہونے کے علاوہ یہ بھی واضح ہے کہ قرض کا محرک مستقرض نہیں بلکہ لوگ اپنے اموال بغرض حفاظت خود لاکر دیتے تھے۔

ب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ یتیموں کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کے لئے انہیں اپنے ذمۃ قرض کرلیتے تھے فیستسلف اموالھم لیحرزھا من الھلاک۔ اسی صورت کے بارے میں "البلاغ" میں ہے یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس کی صورت سے بہت قریب ہے۔ (ص۱۵)

۵۔ قرونِ اولیٰ میں ایسے قرضوں کی موجودگی پر خلیفۂ راشد کی شہادت

امام ابو عبیدؒ نقل کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے ایسے قرض پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ جسے تم قرضدار سے جب چاہو مطالبہ کرکے لے سکو۔ (ترجمہ کتاب الاموال ۱۸۴)

(۶): وظائف بیت المال کو "البلاغ" نے دینِ متیقن خود تسلیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ جس دین کی وصولیابی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاؤنٹس میں ہوتی ہے۔

۷۔ ایسی وہ تمام روایات و آثار جن میں دین کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں۔

۱۔ دینِ متیقن ۲۔ دینِ مشکوک و مظنون

قرونِ اولیٰ میں دینِ متیقن کی موجودگی پر شاہد عدل ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرمان۔ وما کان فی دین ثقۃ فھو بمنزلۃ ما فی ایدیکم۔ سے واضح ہے کہ اُس دَور میں قرض کی ایسی قابلِ اعتماد صورتیں بھی تھیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح تھا کہ وہ اِس مال کی طرح ہے جو تمہارے قبضے میں ہے۔ "ابلاغ" میں بینک اکاؤنٹس کو بمنزلۃ ما فی ایدیکم کے قرار دیا گیا ہے اور اِس جملہ کا مصداق عہدِ صحابہ میں بھی موجود تھا۔ تو پھر یہ کہنا کہاں تک دُرست ہوگا کہ بینک اکاؤنٹس ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے، جو فقہاء کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا۔

---

[1] مندرجہ بالا تقسیم دین حضرت ابنِ عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آثار میں موجود ہے اور تعجب ہے کہ یہ آثار خود "ابلاغ" نے نقل کئے ہیں، لیکن اس کے باوجود قرونِ اولیٰ میں "دینِ متیقن" کے وجود سے انکار ہے، فیا للعجب۔ بلکہ ان آثار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ "قرونِ اولیٰ" میں یہی قسم اغلب اکثر تھی کیونکہ ان تمام آثار میں پہلے نمبر پر اسی "دینِ متیقن" ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

دَورِ فقہاء میں بھی موجود تھا :

خیر القرون کے بعد حضرات فقہاء کرام رح کے دَور میں بھی ایسا قرض موجود تھا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام رح عبارات کے علاوہ عنوانات تک میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابو عبید رح نے کتاب الأموال میں بیانِ مذہب کے لئے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ قرض دینے والے (مقرض) پر زکوٰۃ ادا کرنے کے سلسلے میں مختلف اقوال وہ قرضے جو قابلِ اعتماد لوگوں پر ہوں اور انکی وصولی کی اُمید ہو۔ (کتاب الأموال ص۱۸۳ ج ۲)

اِسی کتاب میں آگے چل کر ص۱۸۸ پر اپنے نزدیک ایک مشروط مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسکی شرط کا یُوں ذکر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ قرض آسودہ حالوں اور بھروسہ والوں پر ہو کیونکہ اندریں صورت اِس مال کی حیثیت ہاتھ یا گھر میں موجود مال کی سی ہو جاتی ہے۔

امام ابو عبید رح کی یہ عبارات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ حضرات فقہاء کرام کے دَور میں ایسے قرضہ جات موجود تھے جو با اعتماد لوگوں پر ہونے اور مرجوّ الوصول ہونے کی وجہ سے بمنزلہ اس مال کے ہوں جو گھر میں موجود ہوتا ہے اور قرضوں کی زکوٰۃ کے اَحکام لکھتے وقت ایسے قرضے فقہاء کرام کے پیشِ نظر تھے۔ پہلے گُزرچکا ہے۔ کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک دین کی زکوٰۃ میں وجوب اداء قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ البتہ امام شافعی رح اپنے دوسرے قول میں ائمہ ثلثہ اور جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے قبل القبض وجوب ادا کے قائل ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ دین جس میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے ایسا دین ہے جو "مقر" "حسنِ معاملہ" میں اچھی شہرت کے مالک، دولت مند شخص پر ہو۔ بنا بریں اِس دین کی وصولیابی اور اِس میں تصرّف پر دائن کو پُوری قدرت حاصل ہو کہ جب چاہے وصول کرسکے اور سہل الوصول ہونے کے اعتبار سے یہ دین مثل ودیعت کے ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اِس دین کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔ "الدین الحال علی ملیٔ وفی الخ (اوجز ص۱۷۳ ج۳) ابنِ قدامہ نے اِسی دین سے متعلق لکھا ہے دین علی معترف به باذل لہٗ" اور آگے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب اور انکی دلیل نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال .... الشافعی..... علیه اخراج الزکوٰۃ فی الحال وان لم یقبضه لانه قادر علی اخذہ والتصرّف فیه فلزمه اخراج

الزکوٰۃ فی الحال وان لم یقبضه لانه قادر علی اخذہ والتصرف فیه فلزمه اخراج زکوٰتہٖ کالودیعة .... (اوجز ص۱۷۳ ج۳)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین کے زمانہ اور دَورِ فقہاء میں ایسے دیون موجود تھے جو بقول "البلاغ" دین متیقن میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

الغرض؛ البلاغ میں بینک اکاؤنٹس کے جو خصوصی اَوصاف شُمار کئے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر ہی بینک اکاونٹس کے متعلق نئی قسم کا قرض ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ سب کے سب خیر القرون اور دورِ فقہاء کے دیون میں موجود نظر آتے ہیں۔ مثلاً وصولی پر ہر وقت قُدرت، تصرّف پر بھی اختیارات اور تصرّف پر کامل قدرت ہونے کی وجہ سے امانت کے ساتھ مشابہت، با اعتماد جگہ پر ہونے کی بنا پر وصولیابی کا یقین۔ اور تقدیراً ایسا ہونا جیسے اپنے قبضے میں ہے۔ "بمنزلة ما فی ایدیکم، او غیر ذلك" یہ تقریباً وہی الفاظ ہیں، جو "البلاغ" میں "بینک اکاؤنٹس" کی مدح سرائی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور بالکل انہی صفات کی بناء پر امام شافعی رحمہ اللہ اِس قسم میں قبل القبض " وجوب اَدا " کے قائل ہوئے ہیں۔ اور یہ اِس قسم کے قرض کی اِس عہد میں موجودگی پر بیّن دلیل ہے لیکن اِس کے موجود ہونے کے باوجود جمہور حضرات ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ خصوصاً ائمہ احناف اِس میں قبل القبض "وجوبِ ادا" کے قائل نہیں ہوئے ــــ اور خود امام شافعی رح کا دوسرا قول بھی حضراتِ جمہور رح کے موافق ہے۔

تفصیلِ بالا سے ثابت ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" قطعاً جدید قسم کا قرض نہیں۔ اور یقیناً "قرض" ہے۔ اور اِس نوعیت کے دیون قرونِ اولیٰ اور دورِ فقہاء میں پُوری شُہرت کے ساتھ موجود تھے۔

بلکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسکی بکثرت نظیریں موجود ہیں۔ اگرچہ غلبہ دوسری نوع کا ہے۔

نیز البلاغ میں "بنک اکاؤنٹس" کو جدید قسم کا قرض ثابت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ.... ١

عملی پیچیدگیاں :

اگر بنک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوبِ ادا کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اِس سے اِتنی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ پھر امام ابو عبید رحمہ اللہ کی ایک عبارت مالِ مستفاد کے بارے میں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "بینک اکاؤنٹس" کے بارے میں تو اِس قسم کا حساب کتاب تقریباً ناممکن ہے۔

گذارش :

عملی پیچیدگی کا عُذر بھی معقول نہیں اور مالِ مستفاد پر قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے۔ اِس لئے کہ مالِ مستفاد کی اَدائیگیٔ زکوٰۃ اَنْدْ سال ہو گی۔ وصولیٔ دین کے بعد فوری ادائیگی ہے۔ اس تاریخ کو سال تک محفوظ رکھنے کی قطعاً کوئی حاجت نہیں۔ مزید سہولت کے لئے اپنے طور پر ہفتہ، عشرہ، مہینہ وغیرہ کی مُدت مقرر کی جا سکتی ہے کہ ان ایام کی جتنی وصولی ہو گی اسکی ایک بار ہی زکوٰۃ نِکال دی جائے گی۔ فوری ادائیگی اموالِ نقد میں بھی ضروری نہیں ہوتی حساب کر لیا جاتا ہے پھر اَدائیگی حسبِ مصلحت ہوتی رہتی ہے اِس کے لئے مزید کسی کلرک یا مُنشی کے رکھنے کی ضرورت نہیں۔ بنک سے برآمد ہونے والا ایک ٹیڈی پیسہ بھی چیک بک میں محفوظ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اَدا کرنی ہو یا نہ۔ کافر ہو یا مسلمان۔

باقی رہی یہ بات کہ نسبتاً اِس میں تکلف ہے تو گزارش ہے کہ جب بھی کسی ضابطے کی پابندی کی جائے گی کچھ نہ کچھ تکلف تو ہو گا ہی۔ کیا یہ تکلف ساعی کے زکوٰۃ وصول کرنے کے تکلف سے بھی زیادہ ہے؟ جسے کھیتوں اور جنگلوں میں مارا مارا گھومنا پڑتا ہے۔

وجوبِ ادا۔ کا تعلق بنک سے برآمد کی جانیوالی رقم کے ساتھ ہے بنک میں داخل کی جانیوالی کے ساتھ نہیں خواہ دن میں سَو مرتبہ بھی داخل کرائے۔ چیک بک اور رجسٹرات میں نہ ہی یہ رقمیں خَلط ہوتی ہیں۔ لہٰذا رقم جمع کرنے کی بات کرنا موضوع سے غیر متعلق ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ "بینک اکاؤنٹس" صِرف اور صِرف عام قرض ہے اور مسلکِ جمہور کے مطابق اِس میں حساب و کتاب رکھنا کوئی ناممکن نہیں۔

"احکامِ قرض کے نفاذ سے گریز"

بینک اکاؤنٹس کو قرض تسلیم کرنے کے بعد اس پر احکامِ قرض کا نفاذ ضروری ہے یعنی قرض دینے والے کے ذمہ زکوٰۃ کی اَدائیگی کا وجوب وصولیابی کے بعد ہو۔

مگر افسوس کہ "البلاغ" نے بینک اکاؤنٹس کو (بزعمِ خویش) نئی قسم کا قرض ایجاد کرنے کی بنا پر "کتبِ فقہ" میں موجود تقریباً جملہ مُسلّم احکامات پر عمل سے گریز کیا ہے اور اپنے موقف کو فقہاءِ کرام کے بیان کردہ مسلّمہ ضابطوں کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے بذاتِ خود آثار و رِوایات سے اِستدلال شروع کر دیا۔

اسی ضمن میں جب دعویٰ کیا گیا ہے کہ حکومت کو مکمل اختیار ہے کہ بینک اکاؤنٹس سے (باوجودیکہ وہ مدیون ہے) زکوٰۃ کاٹ لیا کرے تو اس پر عرض کیا گیا کہ زکوٰۃ قرض ایک (دائن) پر ہے اور وصول دوسرے (مدیون) سے کی گئی تو اس کے جواب میں اِرشاد ہوا کہ "اگر دین متیقن ہو" جیسے بینک اکاؤنٹس کا ہے۔ تو حکماً دائن کا قبضہ قرار دے کر مدیون سے زکوٰۃ لیجا سکتی ہے۔ پھر اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے کہ تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اِس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے [١٢] تو حضرت صدیقِ اکبرؓ جو تنخواہ اُسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے۔

گذارش :

یہ اثر "کتبِ فقہ" میں لکھے گئے احکامِ قرض کے متعلق قطعاً نہیں اور نہ ہی فقہاء سے یہ اثر پوشیدہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل دینے والے کی مکمل رضامندی اور موجودگی میں ہوتا تھا ——— ہم پیچھے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ صدرِ اوّل میں "نظامِ زکوٰۃ طوع پر مبنی تھا۔ طوع سے ادائیگی محلِ نزاع نہیں زیرِ بحث امر یہ ہے کہ کیا اِس میں جبر و اکراہ دُرست ہے یا نہیں۔

"وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام طوع و رغبت پر مبنی تھا"

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین صدقِ دل سے اِسلام لائے۔ صحبتِ نبویؐ سے ایمان و یقین ان کے قلوب کی گہرائیوں میں اُتر چکا تھا۔ قال تعالیٰ اُولٰٓئک الذین کتب

فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه۔ الآیة

حضرات صحابہ وتابعین کے بارے میں ان کے اخلاص وصداقت پر قرآنی شہادتوں کے بعد ہمارا غیر متزلزل یقین ہے کہ یہ حضرات ارکانِ اسلام، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی جبر واکراہ سے نہیں بلکہ کامل طوع ورغبت اور بشاشتِ قلبی سے کرتے تھے۔ عہدِ صحابہؓ کا منظر جس کے سامنے ہو اُسے یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اِس مُبارک اور مثالی دَور میں جس طرح "نظامِ صلوٰۃ" جبر واکراہ پر مبنی نہ تھا اسی طرح یہ نظامِ زکوٰۃ بلکہ نظامِ جہاد بھی اکراہ وجبر پہ مبنی نہ تھا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی جان کی قربانی پُوری رضا وخوشی سے پیش کرتے تھے عیسائی سفیر کے یہ الفاظ یاد ہوں گے۔ "الموت عندھم احلیٰ من شرب الخمر"۔ ایک صحابی رگِ جاں پر برچھا کھا کر کہتے ہیں "فزت وربّ الکعبة"۔ جن حضرات کی تاریخ یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے "جان" کا "نذرانہ" بھی اِس خوشی سے پیش کرتے ہوں ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فریضۂ زکوٰۃ کی ادائیگی کسی حکومتی "جبر واکراہ" کے تحت کرتے ہوں گے قرونِ ثلٰثہ میں جبری کٹوتی کا شاید ایک واقعہ بھی پیش نہ کیا جاسکے۔ پس جبری کٹوتی وغیرہ کے لئے اثرِ صدیقی وغیرہ سے استدلال دُرست نہیں۔

علاوہ ازیں، ہمیں تعجب ہے کہ اثرِ مذکور کو اپنے دعویٰ کی دلیل کیسے بنایا گیا حالانکہ فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "ادائیگیِ زکوٰۃ کے وقت مالک کا موجود ہونا درجۂ شرط میں ضروری ہے، حتیٰ کہ اموالِ ظاہرہ میں اگر ساعی نے مالک کی عدم موجودگی میں مقدار زکوٰۃ وصول کرلی تو ادا نہ ہوگی۔ علاّمہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ومنھا ظھور المال وحضور المالک"۔ اور مذکورہ اثرِ صدیقی میں بھی یہی کچھ ہوا کہ زکوٰۃ حاضر مالک سے وصول کی گئی بخلاف بینک اکاؤنٹس کے کہ اس میں مالک کی موجودگی تو کجا شاید اس کو خبر بھی نہ ہوتی ہو۔ نیز یہ اصول کہ دَینِ متیقن میں تقدیراً دائن کا قبضہ قرار دے کر زکوٰۃ وُصول کی جاسکتی ہے۔ فقہ کے بے شُمار مُسلّمہ ضوابط کے خلاف ہے۔

(١) مسئلہ متون میں مصرح ہے، حاضر (دائن) کا قبضہ بھی — بدون تخلیہ کے مُعتبر نہیں چہ جائیکہ غائب کا۔

(٢) اِسی طرح متون میں ہے کہ "اگر دائن غائب ہو اور اس پر کچھ حقوق واجب ہوں تو اصحابِ حقوق مدیون سے علی الاطلاق اپنے حقوق براہِ راست وصول کرنے کے مجاز نہیں اور ان کے اِس استدلال کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ مدیون چونکہ نہایت شریف آدمی ہے دائن کے مطالبہ پر فوراً اس کا دین ادا کر دیتا ہے لہٰذا مالِ مدیون اب دائن کے قبضہ وملک میں آچکا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے حقوق وصول کرنے کا پُورا پُورا اختیار ہے۔

(٣) مستنبط اصول کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ جو حقوق بھی دائن پر واجب ہیں۔ مدیون بدُون اجازت ورضا، دائن کے سب میں اس کا مال خرچ کرے پھر تو یہ مدیون نہ رہا بلکہ وکیل بن گیا۔ علاوہ ازیں یہ فرمان کہ دینِ متیقن کے قبضے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے۔

دین متیقن کی قید سمجھ میں نہیں آتی۔ مدیون اگر دائن کی طرف سے بغیر اسکی اجازت کے مال خرچ کردے اور دین میں سے وضع کرے تو مدیون کا یہ تصرف اگر دینِ متیقن میں معتبر ہوسکتا ہے اور اسے دین میں سے وضع کرنے کی اجازت ہے تو دین غیر متیقن میں مدیون کو اس تصرف کی کیوں اجازت نہیں؟ وجہ فرق دلیلِ شرعی کے ساتھ مطلوب ہے۔

علاوہ ازیں اسکی وضاحت بھی ضروری ہے کہ دینِ متیقن کی تعریف کیا ہے؟ کیا صرف بینک اکاؤنٹس اور حکومتی وظائف ہی اس کے ضمن میں آتے ہیں یا کوئی دوسرا دین بھی اِس میں داخل ہوسکتا ہے؟ اگر یہ دینِ متیقن صرف انہی دُو میں منحصر ہے تو حضرت ابن عمرؓ پر یتامیٰ کا جو دین تھا، وہ دینِ متیقن میں کیسے داخل ہوگیا اگر ثقاہتِ ابن عمرؓ کی بنا، پر ان کے ذمّہ واجب الاداء دین کو دینِ متیقن قرار دیا جاسکتا ہے تو دیگر حضراتِ صحابہ خلفاء راشدین۔ ابنِ مسعودؓ، ابو عبیدہؓ امین ھذہ الامۃؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے حضرات کے ذمّہ جو دیون ہیں یہ دینِ متیقن کا مرتبہ کیوں حاصل نہیں کرسکے؟ اگر یہ سب دیون انتہائی قابلِ اعتماد حضرات کے ذمّہ ہونے کی وجہ سے دینِ متیقن کے ذیل میں شمار کئے جاسکتے ہیں تو بینک کی کیا خصوصیت رہی؟ براہِ کرم اسکی بھی وضاحت ہونی چاہیئے — دین مدیون کا مملوک اور حقیقتاً اس کے قبضے میں ہوتا ہے اس پر صرف دائن کا تقدیری قبضہ کرا دینے سے کیا مدیون کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خواہش

کے مطابق دائن کے ذمہ واجب ادائیگیوں میں خرچ کرسکے اور دین میں سے وضع کرتا رہے۔ مثلاً دائن نے کسی کو قرضہ دینا ہے یا دائن نے کسی سے سودا کیا ہوا ہے یا اس کے ذمہ کوئی اخراجات واجب ہیں تو کیا براہِ راست بغیر رضامندیٔ دائن کے اسے ان ادائیگیوں کا اختیار ہے؟ ہرگز نہیں؟

اس کی بھی تعریف ہونی چاہیئے کہ تقدیری وحکمی قبضہ کیا ہے؛

تقدیری قبضہ: اہلِ علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر وصولی سے قبل دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہے، اور نہ حکمی قبضہ ہے۔ حقیقی قبضہ کا انتفاء تو ظاہر ہے حکمی قبضہ بھی نہیں۔ کیونکہ مالک کا حکمی قبضہ اس مال میں تصور کیا جاتا ہے جس میں حقیقی قابض کو اپنی رائے سے آزادانہ تصرف کی اجازت نہ ہو جیسے ودلیعت۔ اور جس مال میں قابض کو آزادانہ تصرف کے اختیارات ہوں۔ اس مال پر حقیقی اور حکمی قبضہ اس قابض کا ہی تصور کیا جاتا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ بنک اکاؤنٹس میں بنک اپنی صواب دید کے مطابق تصرف کرتا ہے۔ کھاتہ دار کی جزوی اجازت کا محتاج نہیں۔ تو دین خواہ کسی بھی قسم کا ہو صرف مدیون ہی کے حقیقی اور حکمی قبضہ میں ہوتا ہے۔ اس پر دائن کا حکمی قبضہ قرار دینا، دلائل کی روشنی میں درست نہیں۔

حضراتِ فقہاء نے عبد ماذون کی کمائی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مولیٰ کی مملوک ہے "کسبه لمولاه" لیکن مولیٰ جب تک عبد ماذون سے وہ مال وصول نہ کرلے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں کیونکہ یہ مال غلام کے قبضہ میں ہے۔ اس مال پر مولیٰ کا حقیقی اور حکمی دونوں قسم کا قبضہ منتفی ہے حالانکہ عبد ماذون کی کمائی مولیٰ کے تصرف کے لحاظ سے دین کے بنسبت زیادہ اقرب ہے۔ مولیٰ جب چاہے بلا کسی دستاویزی تحریر یا شہادت کے براہِ راست اس کے مال پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اور دین میں یہ مزدوری ہے۔ چنانچہ البحر الرائق ج۲ ص۲۱۸ میں ہے۔

والاصح انه لا يلزمه الاداء قبل الاخذ لانه مال تجرد عن يد المولى لان يد العبد يد اصالة عن نفسه لا يد نيابة عن المولى بدليل انه يملك التصرف فيه اثباتا وازالة فلم تكن يد المولى ثابتة

عليه حقيقة ولا حكماً فلا يلزمه الاداء مالم يصل اليه كالديون ولا كذلك الوديعة انتهى......

حکم زکوٰۃ کے بارے میں مال ماذون کو دیون پر قیاس کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ دیون پر دائن کا نہ حقیقی قبضہ ہوتا ہے نہ حکمی۔ ورنہ دیون کو مقیس علیہ بنانا صحیح نہیں۔ دائن کے ذمنی اور تقدیری قبضہ سے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مال (دین) مدیون کی ملک سے نکل کر دائن کی ملک میں داخل ہوگیا ہے۔ چہ جائیکہ حضراتِ فقہاء نے دائن کے قبضہ تقدیری اور حکمی کی بھی نفی کردی ہے کہ دائن کا یہ قبضہ بھی نہیں ہوتا۔

پس ــــــ اصل سوال باقی رہا کہ مدیون اپنے مال میں سے دائن کی زکوٰۃ، اجازت کے بغیر ادا، نہیں کرسکتا۔ نیز البلاغ میں ہے:

"اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رح نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

وفيه دلالة على انهم كانوا ياخذون زكوٰة العطاء لكونه ديناً مستحقاً على بيت المال والا لم يكن لاخذ الزكوٰة منه معنىً".

گزارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارت "البلاغ" دو وجہ سے مخدوش ہے۔

اولاً: بایں وجہ کہ حضرت صدیق اکبر رض کا یہ طرزِ عمل اعلاء السنن (ج۱۲ ص۲۳۰) میں اس مقام پر مذکور نہیں۔ لہذا حضرت صدیق اکبر رض کا نام ذکر کرنا صریح تسامح ہے۔

ثانیاً: اس لئے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق بلا تردید یہ نقل کرنا "كانوا ياخذون زكوٰة العطاء" قابلِ اعتراض ہے کیونکہ وہ حضرات زکوٰۃ عطاء، وصول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے مال کی زکوٰۃ جو کہ گھر وغیرہ میں رکھا ہوتا تھا۔ اس مال کی زکوٰۃ عطاء میں سے وصول کرتے تھے۔ چنانچہ "البلاغ" میں بھی اسے تسلیم کیا گیا ہے لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکوٰۃ تنخواہوں سے وصول فرمالیتے تھے۔ جو تنخواہ دار کے گھر، دکان یا کسی دوسرے مقام پر اسکی

ملکیت میں ہوتے تھے "۔

پس اس تحقیق کا علم ہوتے ہوئے ایک خلافِ تحقیق عبارت سے استدلال کرنا
قابلِ تعجب ہے۔ خصوصاً جبکہ اقتباس بالا کے متصل پہلے اثرِ صدیق رض "البلاغ" ہی میں
مذکور ہے جس میں زکوٰۃِ عطار کی وصولی موجود نہیں ۔

" اثرِ ابنِ عمر رض سے استدلال دُرست نہیں "

بعض حضرات نے اپنے مذکورہ دعویٰ کی دلیل میں اثر ابن عمر رض سے استدلال کیا
ہے ۔ ان حضرات نے اِس اثر سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :
ابن عمر رض اپنے زیرِ کفالت یتامیٰ سے مال قرض لے لیتے تھے ۔ پھر باوجودیکہ مدیون
ہوتے تھے مگر ان کی طرف سے دین کی زکوٰۃ ادا کرتے تھے ۔ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس
سے بہت قریب ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقن کو تقدیراً " دائن کے قبضہ میں قرار دیکر
اِس سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے

گزارش یہ ہے کہ :
اوّلاً : تو مذکورہ بالا اثر کا زیرِ بحث مسئلہ " کہ بینک اکاؤنٹس میں زکوٰۃ ہے
یا نہیں " سے کوئی تعلق نہیں ، کیونکہ حضرت ابن عمر رض یتامیٰ کے شرعی ولی ہیں (جن یتامیٰ
کے مال میں بیع وشراء ، اجارہ ، وصولی محصولات ، نفقۂ اقارب وغیرہ کے جیسے اختیارات
حاصل ہیں ، ان کے ذمہ جیسے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ۔ اسی طرح زیرِ کفالت
یتامیٰ کے مال سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے حتیٰ کہ یتیم کی نیت کی بھی حاجت
نہیں بلکہ ولی کی نیت ہی کافی ہے ۔)
ثانیاً : (نابالغ پر زکوٰۃ کے نفسِ وجوب ہی میں اختلاف ہے ۔ ائمۂ ثلاثہ کے
نزدیک واجب ہے احناف کے نزدیک نہیں) قال فی الاوجز ص ١٦٧ ج ٣ : اختلف
اهل العلم فی هذا الباب فرأى غير واحد من اصحاب النبی صلی الله علیه
وسلم فی مال الیتیم زکواۃ منهم عمر وعلی وعائشۃ وابن عمر وبه یقول
مالك والشافعی واحمد واسحٰق وقالت طائفة من اهل العلم لیس فی مال الیتیم

زکواۃ وبه قال سفیان الثوری وعبدالله بن المبارک قال العینی وبه قال ابوحنیفة
واصحابهٗ .... الیٰ ان قال ..... وحکی عنه اجماع الصحابة ۔
پھر جن کے نزدیک واجب ہے وہ حضرات بھی نابالغ کو اِس کا مکلف نہیں بناتے
بلکہ اس کے ولی کو مکلف بناتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ زکوٰۃ نکالے چنانچہ مغنی میں
ہے : والصبی والمجنون یخرج عنهما ولیهما ۔
آگے چل کر لکھتے ہیں :
" فکان علی الولی اداؤه عنهما کنفقة اقاربه وتعتبر
الولی فی الاخراج "۔
پس ولی کے ذمہ اِن دونوں کی طرف سے ادائیگی واجب ہے ۔ نفقۂ اقارب کیطرح
اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے خود ولی ہی کی نیت کا اعتبار ہے ۔ یتیم کی نیت بھی ضروری
نہیں ۔ اِس سے ثابت ہوا کہ جن حضرات کے نزدیک نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے
ان کے نزدیک وجوب ادا ۔ علی الولی ہے خواہ وہ نابالغ کا مدیون ہو یا نہ ہو ۔ اگر
مدیون ہو بھی سہی تب بھی یہ وجوبِ ادا من حیث الولی ہوگا ۔ نہ کہ من حیث المدیون ۔
ورنہ تو لازم آئے گا کہ اگر ولی مدیون نہ ہو تو پھر ان حضرات کے نزدیک بھی وجوب ادا
علی الولی نہ ہو تو پھر گویا وجوب ادا ۔ کی علت مدیون ہونا قرار پایا نہ کہ ولایت ۔ وھذا
باطل " ———— اب مذکورہ گزارش کی روشنی میں " اثرِ ابنِ عمر رض " پر غور کیجئے ۔ تو
واضح ہو جائے گا کہ وہ اپنی پرورش میں یتامیٰ کی زکوٰۃ من حیث الولی نکالتے تھے جس کا
اخراج (ان کے مسلک کے مطابق) بہر حال ان پر واجب تھا ۔ باقی رہا یہ فرمان کہ یہ صورت
موجودہ بینک اکاؤنٹس سے بہت قریب ہے ۔ بشکرہے کہ موصوف کو بینک اکاؤنٹس کی نظیر
مل گئی ۔ ورنہ ابتداءً دورِ اوّل میں اسکی نظیر ملنے کا ہی انکار کر دیا تھا ۔
باقی رہا یہ فرمان کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضہ میں قرار دے کر اِس سے زکوٰۃ
ادا کی جاسکتی ہے ۔ یہ دُرست نہیں ۔ ویسے اس کے متعلق مفصّل کلام گزر چکا ہے ۔

نیّت کی بحث : " البلاغ " میں بینک سے کٹوتی زکوٰۃ کے لئے مالک کی نیت
کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے نفس وصولی اور کٹوتی کو مالک کی

نیت کے قائم مقام قرار دیدیا گیا تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ اِس سلسلہ میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو۔ جملہ عبادات کی صحت کے لئے نیت ضروری ہے۔ زکوٰۃ بھی ایک عبادت ہے اسکی صحتِ ادا، نیتِ مالک پر موقوف ہے۔ درمختار میں ہے۔

"وشرط صحة ادائها نية مقارنة له اى للاداء الخ۔"[1]

ھدایہ میں ہے۔

"ولا يجوز اداء الزكوٰة الا بنيةٍ مقارنة۔"

زکوٰۃ کے لئے اشتراطِ نیت کی دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كان الزكوٰة عبادة فكان من شرطها النية۔"[2]

عنایہ میں ہے:

"كان الزكوٰة عبادة فلا بدلها من نية الخ" (صفحہ مذکور)

علامہ کاسانی رح صاحب البدائع لکھتے ھیں:

"اما الذى يرجع الى المؤدى فنيّة الزكوٰة۔" آگے چل کر فرمایا: "لان الزكوٰة عبادة مقصودة فلا تتأدّى بدون النية كالصوم والصلوٰة الخ"[3]

صحتِ عبادات کے لئے نیت کا وجود ایک اجماعی شرط ہے۔ علامہ ابن رشد رح مالکی لکھتے ہیں: "اختلف علماء الامصار هل النية شرط فى صحة الوضوء ام لا بعد اتفاقهم على اشتراط النية فى العبادات لقوله تعالى وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ولقوله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات الخ (تعلیق صبیح)"[4]

علامہ ابنِ نجیم رح نے بھی صحتِ اَدائے زکوٰۃ بلکہ تمام عباداتِ مقصودہ میں نیت کو اجماعی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ کتاب الزکوٰۃ میں لکھتے ھیں:

"وهى (النية) شرط بالاجماع فى العبادات كلها المقاصد۔"[5]

فقہائے کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ (عام

---

[1] شامیہ ص ۱۱ ج ۲ [2] فتح القدیر ص ۱۲۵ ج ۲ [3] بدائع ص ۴۰ ج ۲ [4] ص ۱۱ ج ۱ [5] بحر ص ۲۱۷ ج ۲

حالات میں زکوٰۃ کی ادائیگی بدون نیتِ مالک شرعاً صحیح نہیں خواہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ ہو یا اموالِ باطنہ کی۔ کیونکہ یہ دونوں قسمیں مطلق زکوٰۃ کا فرد ہیں۔ اور عباداتِ مقصودہ میں سے ہیں۔

(الف):- اِسی فقدانِ نیت کی بنا پر ترکہ میں سے بدونِ وصیتِ میت زکوٰۃ وصول نہیں کی جاسکتی۔ بحر میں ہے:

"لومات من عليه الزكوٰة لا تؤخذ من تركته لفقد شرط صحتها وهو النية۔"[1]

(ب):- اگر خود فقیر ہاتھ بڑھا کر مال اُٹھالے تو زکوٰۃ اَدا نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:

"لو مدّ يده واخذه من غير اداء من عليه لا تسقط عنه الزكوٰة۔"

حضرات ائمہ وفقہائے کرام کی ان واضح تصریحات کی روشنی میں جب ہم بینک اکاونٹس سے کٹوتی زکوٰۃ پر غور کرتے ہیں تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ بدون رضامندی مالکان کے اسے شرعاً زکوٰۃ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ادائیگیٔ زکوٰۃ اور صحتِ عبادات کے لئے بنیادی اور اجماعی شرط نیتِ مالک اس میں مفقود ہے جس پر زکوٰۃ کا زکوٰۃ اور عبادت بنا موقوف تھا۔ پہلے ہم لکھ آئے ہیں زکوٰۃ سرکاری ٹیکس نہیں بلکہ رُکنِ اسلام اور اہم ترین عباداتِ مقصودہ میں سے ہے۔ ٹیکس میں صرف تحصیلِ مال مقصود ہوتی ہے اور عبادات میں ایسا نہیں۔ اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ اِس وقت زیرِ بحث عام حالات میں سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے بحالت انکار و امتناع مالک کا نہیں لیکن البلاغ میں اجماعی شرطِ نیت کو کالعدم قرار دینے کے لئے جتنی عبارات پیش کی گئی ہیں[2] وہ سب کی سب ممتنع کے بارے میں ھیں۔ چنانچہ ان عبارات کے الفاظ ان کے ممتنع سے متعلق ہونے پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"لو امتنع عن زكوٰة ماله واخذها الامام كرهاً" الخ (بحر و شامی)

"يأخذها الامام قهراً۔" (مغنی) "يد زكوٰة الممتنع۔" (نہایۃ المحتاج)

کہ اگر کوئی شخص حکومت کے مطالبہ کے باوجود ادائیگیٔ زکوٰۃ نہیں کرتا، تو آخری اور انتہائی اقدام کے طور پر اِس سے زبردستی زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ اور اِس صورت میں نیتِ سلطان کو کافی قرار دیا گیا ہے۔ "لیکن" جو مسئلہ ہمیں درپیش ہے اور جو صورت

---

[1] بحر ص ۲۲۷ ج ۲ [2] سوائے ایک عبارت کے ۱۲

ہمارے زیرِ بحث ہے وہ ایسی نہیں۔ اِس میں نہ حکومت کی طرف سے محصل بھیج کر اُدائیگیٔ زکوٰۃ کا کوئی بَجی واِنفرادی مُطالبہ پایا گیا اور نہ ہی عوام الناس نے اُدائیگیٔ زکوٰۃ سے انکار کیا تو اندریں حالات امتناع سے متعلقہ جُزیاتِ سے استدلال کرنا بے سُود ہے مفید مُدعا نہیں۔

جزئیۂ شامی پر بحث: قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت شُدہ شرط کو ساقط کرنے کے لئے "البلاغ" ۱۴۰۰ھ میں شامی کا ایک جزیہ پیش کیا گیا ہے۔ جو زیرِ بحث صُورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ متفق علیہ بھی نہیں۔ کیونکہ یہ جزئیہ ممتنع کے بارے میں ہے اور بحث عام حالات کے بارے میں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرے متعدد جُزئیات موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساعی امتناع مالک کی صُورت میں بھی جبراً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ اور اگر وصول کرلے تو زکوٰۃ اَدا نہ ہوگی۔ بحر میں ہے۔

"لو امتنع من ادائها فالساعی لا یوخذ منه کرهاً ولو اخذ لا یقع عن الزکوٰة لکونها بلا اختیار ولکن یجبره بالحبس لیؤدی بنفسه۔"

علامہ ابن نجیم رح نے بحوالہ مجمع مزید نقل کیا ہے۔

"ولا ناخذها من سائمة امتنع ربها من ادائها بغیر رضاه بل نامره لیؤدیها اختیاراً"۔ درمختار میں ہے۔ "ولو اخذها الساعی جبراً لم تقع زکوٰة لکونها بلا اختیار ولکن یجبره بالحبس لیؤدی بنفسه۔" الخ

نیز شامیہ کا یہ جزیہ خلاف اصول بھی ہے اسی لئے صاحبِ قنیہ نے اِس پر عدمِ نیت کا شُبہ ظاہر کیا ہے۔ اور حضرات فقہاء نے اس شبہ کو بَرقرار رکھا ہے۔ علامہ شامی رح نے اگرچہ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے لیکن انہیں خود اپنے جواب میں تردد اور تامّل ہے جیسا کہ جواب کے آخر میں لفظ "تامّل" کہنے سے ظاہر ہے۔ علامہ شامی رح کے الفاظ یہ ہیں: قلتُ قول الکرخی مقام اخذه الخ یصلح جواباً تامّل۔ نیز اس کو علامہ ابن نجیم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ فما ذکره القاضی الاسبیجابی ان من امتنع عن ادائها اخذها الامام کرها ووضعها فی اهلها وتجزیه لان للامام ولایة اخذها فقام اخذه مقام دفع المالك باختیاره ضعیف الاشباه والنظائر ج صـ۳۰ ۔

جس جواب میں خود علامہ شامی رح کو تامّل ہے۔ اسے بِلا تامّل کیسے قبول کیا جاسکتا ہے علاوہ ازیں یہ جزیہ زیرِ بحث صُورت پر منطبق بھی نہیں۔ جزئیہ سے حُضور مالک مفہوم ہوتا ہے کہ حاضر مالک سے زکوٰۃ لی گئی تو یہ حکم ہے اور کٹوتی بنک میں مالک غائب ہے اس کی عدم موجودگی میں ہی از خود اس کے کھاتے سے زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضراتِ فقہاء نے حضور مالک کو سرکاری وصول کے لئے شرط قرار دیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

الحاصل: صحت ادائے زکوٰۃ کے لئے نیت جو ایک اجماعی شرط تھی اس کو ساقط کرنے کے لئے ایسے خلافِ اصول، اختلافی جزیہ کا سہارا لیا گیا ہے۔ جو زیرِ بحث صُورت سے غیر متعلق ہونے کے علاوہ اِس پر منطبق بھی نہیں۔ فلیتامل۔ بظاہر ایسی کمزور بنیاد پر کسی اجمالی شرط کو ساقط کرنا مناسب نہیں۔

تطبیق واصل: ابتداءً جبری کٹوتی کسی مال سے بھی نہیں ہو سکتی۔ اور بصورتِ امتناع شرعی میں حبس وغیرہ کے ذریعے اُدائیگی پر مجبور کیا جائے۔ اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو جبری وصول سے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اموالِ باطنہ کی پھر بھی ادا نہ ہوگی۔ دونوں قسم کے جزئیات میں تطبیق کی یہ ایک صُورت ہے جو اُصول کے مطابق ہے۔ آخری درجہ میں جبری وصول ایک استثنائی صورت ہے۔

البلاغ کا دعویٰ: سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے البلاغ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ،

"جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی وصولی کا نیت کے قائم مقام ہونا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلّم ہے۔" الخ

البلاغ کا یہ دعویٰ بھی محلِ نظر ہے کیونکہ اس عموم کے ساتھ یہ قائم مقامی ائمہ اربعہ تو کجا کسی امام کے نزدیک بھی مسلّم نہیں۔ البلاغ میں اس عموی قائم مقامی پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اِسی سلسلہ میں جو چند عبارات نقل کی گئی ہیں وہ ممتنع کی زکوٰۃ کے بارے میں ہیں۔ جیسا کہ خود ان عبارات میں اسکی تصریح موجود ہے۔ پس اِن عبارات سے عام حالات کے لئے استدلال کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ انہی میں ہے

بعض عبارات صراحتاً اس امر پر دال ہیں کہ امتناع کی استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام
صورتوں میں مالک کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے۔

"ولا یجوز اخراج الزکاۃ الا ان یاخذها الامام قهراً الخ"

گویا کہ نیت کی قائم مقامی صرف جبری وصولی کی استثنائی و اضطراری حالت کے ساتھ خاص ہے اور عام حالات میں خود مالک کی نیت ضروری ہے اور یہ امر کسی اہل علم پر مخفی نہیں کہ مستثنیات سے قواعد مرتب کرنا درست نہیں۔

البلاغ کے اس دعویٰ کی تردید ان جزئیات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں مثلاً "ولا یجوز اداء الزکوٰۃ الا بنیۃ مقارنۃ الخ" نیز دیکھئے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی وصولی حکومت کا حق ہے۔ لیکن عام حالات کے اندر اس میں نیت مالک کے سقوط کا کوئی قائل نہیں بلکہ بحالتِ امتناع بھی قائمقامی نیت اکثر تصریحاتِ فقہاء کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو صـ۲۳ ۔

کیونکہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ بھی مطلق زکوٰۃ کا فرد ہے۔ اور عباداتِ مقصودہ میں سے ہے جن کی صحت کے لئے بالاجماع مکلف کی نیت شرط ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دیا ہو۔ اضطراری و استثنائی حالت زیر بحث نہیں۔

وصولیٔ زکوٰۃ کے موجودہ سرکاری نظام میں ایک بنیادی خرابی یہ بھی ہے کہ مالکان کی غیبوبت ہی میں کھاتے سے بنام زکوٰۃ رقم کاٹ لی جاتی ہے۔ حالانکہ حضرات ائمہ و فقہاء نے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی سرکاری وصولی کے لئے بغرضِ تحقیق نیت حضورِ مالک کو شرط قرار دیا ہے مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ اگر مالِ ظاہر کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا گیا تو شرعاً یہ زکوٰۃ متصور نہ ہوگی۔ جس سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ مالِ ظاہر میں بھی سرکاری وصولی علی الاطلاق نیتِ مالک کے قائم مقام نہیں مثلاً ساعی مالک کی عدم موجودگی میں ریوڑ سے بنام زکوٰۃ بکری پکڑ

واضح رہے کہ بحالت امتناع حکومت مالکان سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتی ہے (عند تحقق امتناع حکومت کو جبر کے اختیارات ہیں) یہ وصولی شرعاً نیابۃً ... وہین الخ" زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔ ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اس کے متعلق اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں بنتی اگرچہ دوسرا قول اسکے خلاف بھی موجود ہے۔

لائے یا خرمن سے غلہ اٹھا لائے ... تو یہ زکوٰۃ نہیں کچھ اور بنے گا۔

وصولیٔ زکوٰۃ سے متعلقہ تمام احادیث و آثار میں یہ امر قدرِ مشترک کے طور پر موجود ہے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ وغیرہ نے مالک کی موجودگی میں زکوٰۃ وصول کی ہے۔ کسی ایک حدیث یا اثر سے بھی ثابت نہیں کہ سرکاری محصل مالک کی عدم موجودگی میں بنام زکوٰۃ کسی کا مال اٹھا لایا ہو حضرات فقہاء کی اس کے متعلق واضح تصریحات موجود ہیں سرکاری وصولی کے لئے شرط کا ذکر کرتے ہوئے امام ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں:

"ومنها ظهور المال وحضور المالك. وكذا اذا ظهر المال ولم يحضر المالك ولا المأذون من جهة المالك كالمستبضع ونحوه لا يطالب بزكوته[1]"

"وفي الايضاح يشترط للاخذ حضور المالك والملك جميعاً فلو مر مالك بلا مال لا ياخذ ولو مر مال بلا مالك لم ياخذ ايضاً[2]"

یہی وجہ ہے کہ باوجود کمالِ نصاب، حولان حول اور مال ظاہر ہونے کے عاشر، مضارب مستبضع اور عبد ماذون سے زکوٰۃ نہیں لے گا کیونکہ مالک یا اس کا نائب ادائیگی زکوٰۃ میں موجود نہیں اور زکوٰۃ کا شرعاً زکوٰۃ بننا مالک کی نیت پر موقوف ہے۔ جو اندریں صورت مفقود ہے ہدایہ وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں یہ مسائل موجود ہیں۔

"ولا يؤخذ ايضاً من مال في بيته مطلقاً ولا من مال بضاعة ولا من مال مضاربة ولا من كسب مأذون مديون[3]"

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ البلاغ کا ذکر کردہ کلیہ: "جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے" الخ دلائل کی روشنی میں ثابت نہیں بلکہ خلافِ دلیل ہے۔

نیت کے سلسلے میں آخری بات "البلاغ" نے یہ لکھی ہے کہ:

اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دے تو جب تک مال فقیر (یا اس کے وکیل) کے

---

۱ صـ ۳۶/ج۲ ۲ ثانیہ صـ۵۸ ، ۳ تنویر مع شرحہ علی ہامش رد المحتار صـ۲۳/ج۲ مصری جدید

قبضے میں ہو اُس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کرکے اس کی اجازت دے سکتا ہے، اسکی تصریح فقہاء حنفیہ کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

رجل ادّی زکاۃ غیرہ عن مال ذلك الغیر المالك، فان کان المال قائماً فی ید الفقیر جاز والا فلا کذا فی السراجیہ۔

گزارش یہ ہے کہ جزئیہ بالا اُس صورت کے بارے میں ہے جبکہ فضولی نے اصل مالک کے مال سے زکوٰۃ ادا کی ہو۔ اور اگر فضولی نے دُوسرے کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کی ہے۔ تو صحتِ زکوٰۃ کے لئے پیشگی اجازت ضروری ہے۔ فقیر کو دینے کے بعد اصل مزکّیؔ کی نیّت معتبر نہیں ہے۔ البحرالرائق میں ہے۔

لو ادّی زکوٰۃ غیرہ لغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانہا وجدت نفاذاً علی المتصدق لانہا ملکہ ولم یصر نائباً عن غیرہ فنفذت علیہ

اور بینک سے کٹوتی زکوٰۃ دُوسری صُورت میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ مال بینک کا مملوک ہے۔ بینک کھاتہ دار کی زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کرکے اس کے نام ڈال دیتا ہے تقدیری قبضے کی مُفصل تردید پہلے گزُر چکی ہے۔

مالِ ضمار کی تحقیق

زکوٰۃ

آرڈیننس کے نفاذ کے بعد علمی حلقوں میں اس کے بعض حصّوں پر اشکالات پیدا ہوگئے تھے خصوصاً اموال ظاہرہ و باطنہ کی بحث، "قرض سے وضع زکوٰۃ کا مسئلہ" "صحت زکوٰۃ کے لئے نیت مالک کا ضروری ہونا" وغیرہ ——— اسی سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق کا بھی ہے اسی مسئلہ کے متعلق ملک کی ایک نامور علمی شخصیت کی طرف سے ایک تحریر موصول ہوئی جس کا اکثر حصہ بندہ کے نزدیک محلِ نظر تھا اور مسائل زکوٰۃ پر چونکہ یہ مسئلہ اثر انداز ہو سکتا تھا اس لئے "مالِ ضمار" اور "دین ظنون" کی تحقیق اِفادۂ عام کے لئے پیشِ خدمت ہے۔

قرضہ جات کی زکوٰۃ

قابلِ وصولی قرضہ جات کی ادائیگیٔ زکوٰۃ کا محتاط طریقہ یہ ہے کہ سالِ زکوٰۃ پُورا ہونے پر اپنے دوسرے اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ان قرضوں کو بھی شمار کرلیا جائے اور پھر اپنے ذمّہ واجب الادا قرضہ جات کو منہا کرکے باقیماندہ کل مالِ زکوٰۃ کی ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کردیجائے۔

۲۔ اور اگر کوئی شخص اپنے قابلِ وصول قرضہ جات کی زکوٰۃ، وصولی کے بعد ہی ادا کرے، تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ وجوب ادا، وصولی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

۳۔ اور اگر کسی قرضے یا مال کی بازیابی سے قریب قریب مایوسی ہے۔ تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ایسا مال وصول بھی ہو جائے تو بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ شریعت میں ایسے مال ضمار کہا جاتا ہے۔

مالِ ضمار کی پہلی تعریف

حضرات ائمہؒ نے مالِ ضمار کی متعدد تعریفات کی ہیں۔
المال الضمار هو الغائب الذی لا یرجی فاذا رجی فلیس بضمار۔
(لسان العرب ص۹۲ ج۴، ۹۳ نہایہ فی غریب الحدیث ص۲۷ ج۳)

ترجمہ: مالِ ضمار وہ مالِ غائب ہے جس کی امید نہ ہو پس جس مال کی امید ہو وہ مالِ ضمار نہیں۔ عرف و محاورات اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ تعریفِ ضمار کے مندرجہ بالا دونوں جملوں میں لفظ "امید" سے مراد "ذراسی امید" نہیں بلکہ امید کا معتدبہ درجہ مراد ہے پس ضمار وہ مالِ غائب ہے جس کی بازیابی کی معتدبہ امید باقی نہ رہی ہو —— اور اگر بالکل مایوسی ہوگئی ہو تو ایسا مال بطریق اولیٰ مالِ ضمار ہوگا۔

اسی طرح جس مال کی بازیابی کی معتدبہ یا مکمل امید ہے وہ مالِ ضمار نہیں —— پس ذراسی امید بازیابی سے کوئی مال "ضمار" ہونے سے خارج نہ ہوگا جبکہ مایوسی و ناامیدی کا پہلو غالب ہو —— اعتبار "ظنِ غالب" کا ہے اور اس کے مقابلے میں موہوم و مرجوح پہلو کو کالعدم تصور کیا جائے گا، ضمار بننے نہ بننے کا مدار اس پر نہیں۔

عرفِ عام اور احکامِ شرعیہ میں اس کے بہت سے نظائر ہیں ا۔ قرآن کریم میں ہے: اولٰئک یرجون رحمت اللہ (البقرہ) اس آیت شریفہ میں رحمتِ خداوندی کی ذراسی امید مراد نہیں بلکہ اس کا ایسا درجہ مراد ہے جو ہجرت و جہاد کے لئے محرک بنا۔

۲۔ باب التیمم میں ہے ویستحب لعادم الماء وهو یرجوه ان یؤخر الصلوٰة۔ ہدایہ ص۳۶ ج۱
اس جملہ میں پانی پانے کی ذراسی امید مراد نہیں بلکہ امید قوی مراد ہے۔
درمختار میں ہے وندب لراجیه رجاءً قویاً الخ قال الشامی المراد به غلبة الظن ومثله فی التیقن (ص۲۲۹ ج۱) ۳۔ اسی باب میں ہے فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه تیمم، پانی استعمال کرنے سے اگر زیادتی مرض کا خوف ہو تو تیمم کر لے —— اس میں بھی زیادتی مرض کا ذراسا اندیشہ و خوف مراد نہیں کہ ذراسا اندیشہ بھی ہو تو تیمم کر لے بلکہ اس کا غلبۂ ظن مراد ہے۔ درمختار ص
۴۔ صلوٰۃ مریض میں حضرات فقہاءؒ لکھتے ہیں اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے زیادتی مرض کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے یہ مریض ہے اور اگر یہ خوف نہیں تو مریض نہیں۔
ان دونوں جملوں میں ذراسا خوف مراد نہیں، بلکہ معتدبہ خوف مراد ہے جو غلبۂ ظن سے ثابت

ہو۔ زیادتی مرض کا معتدبہ خوف ہے تو مریض ہے ورنہ مریض نہیں گو ذراسا اندیشہ موجود بھی ہو۔
درمختار میں ہے او خاف زیادة المرض —— قال الشامی او غلب علی ظنه بتجربة سابقة الخ (شامیہ ص۵۰۹ ج۱) لان غلبة الظن بمنزلة الیقین فاذا تحری وغلب علی ظنه شیئ لزمه الاخذ به اه (ص۱۰۷ ج۱ شامی)

ایک دوسرے مقام پر علامہ شامی لکھتے ہیں لان غالب الرأی بمنزلة الیقین۔
حضرات فقہاءؒ نے بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر پوری قطعیت کے ساتھ یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے کہ ظنِ غالب کے مقابلے میں احتمال مرجوح و موہوم کا وجود و عدم برابر ہے۔ پس اگر وصولی میں ناامیدی و مایوسی کا پہلو غالب ہے تو یہ مالِ ضمار ہے اگرچہ ذراسی امید وصولی بھی اس کے ساتھ موجود ہو۔ عقود رسم المفتی میں ہے والمرجوح بمقابلة الراجح بمنزلة المعدوم ص۳

انکاری دین

یہی حقیقت خود مالِ ضمار کے بعض افراد پر نظر کرنے سے بھی سامنے آتی ہے۔ دین مجحود (دینِ انکاری) کو بالاتفاق مالِ ضمار میں شمار کیا گیا ہے، بہت سے مشائخ نے اس کے ضمار بننے کے لئے اس قید کا اضافہ کیا ہے۔ کہ دینِ مجحود پر شہادت موجود نہ ہو —— اور امام محمدؒ نے شہادت یعنی بینہ ہوتے ہوئے بھی اسے مالِ ضمار قرار دیا ہے مشائخؒ کی ایک جماعت نے اسی کو صحیح کہا ہے؛

ففی الدر والشامیة: وعن محمد لا زکاة فیه وهو الصحیح ذکره ابن ملك وغیره لان البینة قد لا تقبل صححه فی التحفة کما فی غایة البیان وصححه فی الخانیة ایضاً وعزاه الی السرخسی بحر وفی باب المصرف من النهر عن عقد الفرائد ینبغی ان یعول علیه قلت ونقل الباقانی تصحیح الوجوب عن الکافی وهو المعتمد والیه مال فخر الاسلام اه
قاضی خان کی تصحیح بہت زیادہ وزن رکھتی ہے عقود رسم المفتی میں ہے قد قال العلامة قاسم ان قاضی خان من احق من یعتمد علی تصحیحه (ص۳۳)
مبسوط (جو کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) میں مالِ ضمار بننے کے لئے بینہ کو شرط قرار نہیں دیا گیا قاضی خان فرماتے ہیں وفی الاصل لم یجعل الدین المجحود نصاباً ولم یفصل بین ما اذا کان له بینة عادلة او لا قال السرخسی والصحیح جواب الکتاب ای الاصل اذ لیس کل قاض یعدل ولا کل بینة تقبل والجثو بین یدی القاضی ذل وکل واحد لا یختار ذالك اه (کذا نقله الشامی ص۹ ج۲)

کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ میں بھی امام محمدؒ نے انکاری دین کو بلا کسی شرط کے مالِ ضمار قرار دیا ہے (ص۴۸ ج۱) بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ پہلے مقر تھا لیکن ادائیگی نہیں کرتا دائن کے دعوی کرنے پر قاضی کے پاس مدیون منکر ہو گیا اس پر دائن نے بینہ سے دین ثابت کر دیا تزکیہ شہود میں کافی وقت گزر گیا تو ایسا دین یوم انکار سے مالِ ضمار شمار ہوگا خانیہ میں ہے: وان کان مقرا فلما کان قدمہ الی القاضی جحد فقامت علیہ البینۃ ومضی زمن فی تعدیل الشہود ثم عدلوا اسقطت عنہ الزکوۃ من یوم جحد عند القاضی الی ان عدل الشہود (ص۱۳ ج۱)

حضرات فقہاء کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ انکاری دین ضمار میں شمار ہے اگرچہ اس پر بینہ موجود ہوں بلکہ شہادت ادا بھی کی جا چکی ہو اور ظاہر ہے کہ ایسے دین کے بارے میں "ذرا سی امید" سے کئی گنا زیادہ امید وصولی ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ مالِ ضمار ہونے سے خارج نہیں ہو سکا —— یہ ایک قولِ مصحح کے مطابق کلام تھا —— اور اگر انکاری دین پر بینہ موجود نہیں تو احتمال نکول کی بنا پر فی الجملہ امید وصولی ہے —— اسلامی معاشرے میں انکاری مدیون اور غاصب کے تائب ہو جانے کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مدیون کسی مجلس میں اقرار کر بیٹھے اور اقرار پر بینہ مہیا ہو جائے۔ یا مدیون کا کوئی مال دائن کے ہاتھ لگ جائے (جیسے کہ بات پرانی ہو جانے سے بعض اوقات ایسا ہو جاتا ہے) اور اس سے دائن اپنا مال وصول کر لے۔ اور قطعی بات ہے کہ ان احتمالات کی موجودگی میں "ذرا سی امید وصولی" کی نفی نہیں کی جا سکتی، حالانکہ ایسے دین کا مالِ ضمار میں شامل ہونا مذاہب اربعہ میں متفق علیہ ہے —— ہاں اصلِ انکار پر نظر کرتے ہوئے وصولی کی معتد بہ امید یا غالب امید نہیں کیونکہ یہ احتمالات مذکورہ یقین یا غلبۂ ظن کو پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں۔

خلافِ اجماع

اگر ذرا سی امید سے مال کا ضمار ہونا منتفی ہو جاتا ہے تو "دین مجحود" تفصیلِ بالا کی روشنی میں قطعاً مالِ ضمار نہیں بن سکتا حالانکہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک بالاتفاق یہ مالِ ضمار کا فرد ہے پس معلوم ہوا کہ "ذرا سی امید" کی موجودگی مال کو اس کے "ضمار ہونے سے خارج" نہیں کرتی۔

تصریح

بندہ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ بحوالہ محیط فتاوی عالمگیری میں مالِ ضمار کی بعینہٖ یہ تعریف مل گئی کہ مالِ ضمار بننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔

عالمگیری میں ہے: وذلک مثل الضمار وھو کل ما بقی فی ملکہ ولکن زال عن یدہ

زوالاً لا یرجی عودہ فی الغالب (ص۱۷۴ ج۱)

اھلِ علم پر مخفی نہیں کہ فتاوی عالمگیری سینکڑوں علماء کی اجتماعی کاوشوں کا ثمرہ ہے لہذا اس تعریف کو اجماعِ امت کے خلاف نہیں قرار دیا جا سکتا۔

پس ان دلائل کی روشنی میں محقق ہوا —— کہ مالِ ضمار کی اوّل الذکر عربی تعریف کا یہ ترجمہ کرنا محض تساہل ہے کہ:

تحریر علمی کے مطابق ضمار کی تعریف

"مالِ ضمار وہ ہے جس کی وصولی سے بالکل مایوسی ہو گئی ہو —— اور اگر اس کے وصول ہونے کی ظاہر الاسباب میں ذرا بھی امید ہو تو وہ ضمار نہیں (تحریر علمی) یا یہ کہنا کہ جس کی وصولی سے مایوسی ہو چکی ہو اور اس کے وصول ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہی ہو" (ص۱)

سب تسامح در تسامح ہے —— اور مالِ ضمار کی اپنی اس تعریف کو بلا کسی ادنیٰ شک کے ثابت کہنا اہلِ تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

الحاصل مالِ ضمار کی تعریف یہ ہے کہ جس کی عدم وصولیابی کا ظن غالب ہو —— اور دین ظنون بھی تقریباً یہی ہے کہ اسکی وصولیابی کا بھروسہ نہ ہو گویا دائن اسکی وصولیابی سے مایوس ہے۔ لما سیأتی مفصلاً

دوسری تعریف

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: وتفسیر مال الضمار ھو کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملک" (بدائع الصنائع ص۹ ج۲) ترجمہ: مالِ ضمار ہر وہ مال ہے باوجود قیامِ ملک کے اس سے انتفاع پر قدرت نہ ہو۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

معناہ مال یتعذر الوصول الیہ مع قیام الملک (مبسوط ص۱۷۱ ج۲)

علامہ ابن نجیمؒ مصری لکھتے ہیں:

وھو فی اللغۃ الغائب الذی لا یرجی فاذا رجی فلیس بضمار، واصلہ الاضمار وھو التغیب والاخفاء ..... وفی الشرع کل مال غیر مقدور الانتفاع بہ مع قیام اصل الملک (البحر الرائق ص۲۶-۲۷ ج۲)

اس کے علاوہ درمختار ص۹ ج۲ عنایہ ص۱۲۱ ج۲، کفایہ ص۱۲۲ ج۲ عمدۃ الرعایہ ص۲۷۰ ج۱ پر بھی مالِ ضمار کی یہی تعریف کی گئی ہے۔

مالِ ضمار کی اس تعریف میں بالکل نا اُمیدی ، مکمل مایوسی وغیرہ کا کوئی لفظ موجود نہیں بمتعدد حضرات نے اس تعریف کو بلفظِ قیل نقل کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں : المال الضمار بالکسر ہو مال غائب لا یرجی حصولہ فان رجی فلیس لضمار...... وقیل ہو ما یکون عینہ قائماً ولا یکون منتفعاً بہ ماخوذ من قولھم بعیر ضامر وھو الذی یکون فیہ اصل الحیوۃ ولا ینتفع بہ لشدۃ ھزالہ (کذا فی البنایہ ص ۲۴)

تیسری تعریف

حافظ المغرب علامہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ نے مالِ ضمار کی تعریف ذیل نقل کی ہے ۔

وفی اوجز المسالک فانہ کان ضماراً لہ لا یقدر علی اخذہ وقال ابن عبد البر وقیل الضمار الذی لا یدری صاحبہٗ ایخرج ام لا وھو اصح (ص ۱۶۴ ج ۳)[1]

مالِ ضمار وہ ہے کہ جس کے مالک کو معلوم نہ ہو کہ اس کی وصولی ہوسکے گی یا نہیں ۔ یہی زیادہ صحیح ہے ۔ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مالک اس کی وصولی سے تقریباً نا اُمید ہے جیسے کہ امام ابو عبیدؒ کی آئندہ تشریح سے ظاہر ہے ۔

واضح رہے کہ آئمہ لغت نے تقریباً انہی الفاظ سے دینِ ظنون کی بھی تعریف کی ہے امام ابو عبیدؒ کے الفاظ یہ ہیں الظنون الذی لا یدری صاحبہ ایقضیہ الذی علیہ الدین ام لا کانہ الذی لا یرجوہ : (غریب الحدیث ص ۲۶۳ ج ۳)

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ اور امام ابو عبیدؒ کی ان تعریفات سے ایک بات تو یہ سامنے آئی کہ مالِ ضمار اور دینِ ظنون دونوں اموال ایک ہی نوعیت کے ہیں ان میں تباین نہیں کیونکہ دونوں کی تعریف میں یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ ——— دُوسرے یہ کہ امام ابو عبید کی تعریف کے آخری جملے سے اس تیسری تعریف کے معنیٰ کی وضاحت ہوگئی کہ "ضمار" ایسا مال ہوتا ہے جس کے متعلق مالک

---

[1] ایخرج ام لا کی تعبیر سے بعض حضرات کو شبہ ہوا کہ اسکا مطلب ہے کہ اُمید و عدمِ اُمید ، دونوں مساوی ہیں یہ درست نہیں اور محاورات میں قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے آپ کسی سے پوچھیں کہ کیا زید حافظ ہے وہ جواباً کہے کہ معلوم نہیں کہ وہ حافظ ہے یا نہیں تو کیا اس کا مطلب سمجھا جاتا ہے کہ وہ آدھے قرآن کا حافظ ہے آدھے کا نہیں قطعاً نہیں بلکہ اس کا مطلب عدمِ علم ہوتا ہے ۔ اس سلسلہ میں ہم مفصل کلام آئندہ مجلس میں کریں گے ۔

نہیں جانتا کہ وصول ہوگا یا نہیں گویا کہ وہ اس کی وصولی سے مایوس ہے ۔

امام ابو عبید کی تشریح کی روشنی میں مالِ ضمار کی اس تعریف کا معنیٰ بھی تقریباً اول الذکر تعریفات کے مطابق ہوگیا ——— حاصل یہ ہوا کہ مکمل مایوسی ہو ۔ یا مایوسی کی حالت ہو ۔ دونوں صورتوں میں مالِ ضمار ہوگا ۔

بعض حضرات نے ابن عبد البر کی اس تعریف پر اعتراض کیا ہے جس کا خُلاصہ یہ ہے اگر اس تعریف کو درست قرار دیا جائے تو جمہور فقہاء ، وائمہ لغت بلکہ امت کے تمام علماء کے اقوال کو ترک کرنا پڑیگا ۔ (ص ۲ تحریر علمی) ——— گویا کہ یہ تعریف اجماع اُمت کے خلاف ہے ۔

مگر حضرت مولانا نے اتنے بڑے دعویٰ پر کسی عالم کے قول سے کوئی سند پیش نہیں کی جس نے اس تعریف کو خلافِ اجماع قرار دیا ہو ۔

یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ ، علامہ زرقانی حضرت شیخ الحدیث رحمہم اللہ اجمعین ، جو اپنے اپنے دور میں صفِ اول کے علماء راسخین میں سے ہیں انہیں علماء امت کی فہرست سے کیسے خارج سمجھ لیا گیا ۔

علامہ زرقانیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دونوں نے شرح مؤطا میں زیرِ بحث تعریف کو بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عبد البر کی بیان کردہ یہ تعریف درست ہے اور دیگر ائمہ لغت و حدیث کی بیان کردہ تعریفات ، کے مخالف نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ۔

دراصل جناب موصوف کو مالِ ضمار کی پہلی اور تیسری تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے ۔ ان کے نزدیک پہلی تعریف ، کے مطابق مالِ ضمار وہ ہے جسکی وصولیابی کی بالکل ذرا بھی امید نہ ہو اور تعریف ثالث کا معنیٰ ان کے نزدیک یہ ہے جس میں وصولی و عدمِ وصولی کے دونوں احتمال برابر ہوں یعنی کم از کم وصولی کی پچاس فیصد امید ہو ۔

اور ظاہر ہے کہ مالِ ضمار کے متعلق ان دونوں ترجموں میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اسی لئے تعریف ثالث کو خلافِ اجماع قرار دے رہے ہیں ——— حالانکہ نہ پہلی تعریف کا یہ مطلب بیان کرنا درست ہے نہ

یسری کا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

ایک اشکال

اس تعریف ثالث پر مولانا نے یہ اشکال کیا ہے۔ اگر ایک اجنبی معسر مجھ سے قرض مانگتا ہے جس کے بارے
میں مجھے اندازہ نہیں کہ وہ ادا کریگا یا نہیں ـــــــ) کیا اس پر حافظ ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف صادق نہیں؟
لیکن کیا اسے مال ضمار قرار دے کر اس پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ معسر
اور مماطل پر جو دین ہو اس پر وجوب زکوٰۃ حنفیہ کے نزدیک مسلم ہے۔
گزارش ہے کہ اس تعریف کا اس پر صادق ہونا نہ ہونا بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ سوچنا ہے کہ ایک
اجنبی معسر جس سے وصولیابی کا یقین و بھروسہ تو کجا اندازہ بھی نہیں۔ ایسے اجنبی کو کوئی شخص قرض دیتا بھی
ہے؟ خیرات کرکے حصول ثواب مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ قرض تو ہمیشہ اعتماد ہی کی جگہ پر دیا
جاتا ہے جہاں سے وصولی کی امید ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ امید غلط نکلے جہاں پر وصولی مشکوک یا ناامیدی
ہو وہاں کوئی قرض نہیں دیتا۔ لہٰذا ابن عبد البرؒ کی یہ تعریف اس پر صادق نہیں۔ اسلئے یہ مال ضمار میں داخل
نہیں الحاصل: معنیٰ کے لحاظ سے تعریف ثالث تعریف اوّل کے موافق ہے۔ ان میں کوئی واضح مخالفت
موجود نہیں۔ پس اسے خلاف اجماع امت قرار دینا درست نہیں۔
باقی اگر لفظ "رجاء" کی نفی پر مدار ہے تو یہ لفظ تعریف ثانی میں بھی موجود نہیں جس کا حضرات جمہورؒ کی
تعریفات کے موافق ہونا محترم مولانا کے نزدیک مسلم ہے۔ نیز غیر مقدور الانتفاع ہونا غیر مرجو الوصول ہونے
کو مستلزم بھی نہیں۔

اصح | تعریف اول و ثانی میں سے علماءؒ نے کسی کو اصح نہیں کہا۔ اور تعریف ثالث کے متعلق حافظ
ابن عبد البرؒ نے اصح ہونے کی تصریح کی ہے ـــــــ تعجب ہے کہ موصوف اسی تعریف کو
محض اپنے خیال سے اجماع امت کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

چوتھی تعریف | امام فراءؒ نے ضمار کی یہ تعریف فرمائی ہے۔
الضمار من الدین.... ما کان بلا اجل معلوم (لسان العرب ص۴۹۳)

ترجمہ: ضمار وہ دین ہے جسکی اجل معلوم نہ ہو۔
ضمار کی اس تعریف سے بھی ہمارے بیان کردہ معنیٰ کی تائید ہوتی ہے کیونکہ کسی دین میں اجل کا

معلوم نہ ہونا اسکی وصولی سے "بالکل مایوسی" کے مترادف نہیں۔

مالِ ضمار کی پانچویں تعریف

علامہ ابن منظورؒ نے ضمار کی ایک یہ تعریف بھی نقل کی ہے۔
"الضمار ما لا یرجیٰ من الدین والوعد وکل ما لا تکون علی ثقۃ (لسان العرب ص۴۹۳)
ترجمہ: ضمار وہ دین یا وعدہ ہے جو غیر مرجو الوصول ہو اور ہر وہ چیز جسکی وصولیابی کا تجھے بھروسہ نہ ہو۔
اس تعریف سے معلوم ہوا جیسے غیر مرجو الوصول دین "ضمار" ہے اسی طرح وہ بھی ضمار ہے جسکی وصولی کا بھروسہ
نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وصولی کا بھروسہ نہ ہونا "مکمل مایوسی" یا امید کے بالکلیہ انقطاع پر دلالت نہیں
کرتا۔ جیسا کہ "دین ظنون" کی تشریح میں خود مولانا صاحب نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ:
"امید ہے لیکن بھروسہ نہیں" (تحریر علمی ص۸)

الحاصل: "ضمار" بننے کے لئے بازیابی سے "بالکل مایوسی" یا "ذرا سی امید" کا نہ ہونا ضروری نہیں

متفق و متحد ہیں | تحقیق بالا کے مطابق مال ضمار کی مذکورہ بالا تعریفات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ یہ
سب تعریفات معنوی لحاظ سے متفق اور متحد ہو جاتی ہیں جبکہ "تحریر علمی" میں بیان کردہ
تعریف ضمار ان تعریفات کے خلاف ہے۔

واضح فیصلہ | دین کی دو صورتوں کا حکم تو متفق علیہ ہے۔
۱۔ وصولیٔ دین کی اگر سو فیصد امید ہے تو یہ بلاشبہ دین ثقہ ہے اسپر وصولی کے
بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب الاداء ہے۔
۲۔ بازیابی سے اگر سو فیصد ناامیدی ہے تو یقیناً مال ضمار ہے۔ وصولی کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ
واجب الاداء نہیں اب ان کے علاوہ باقی دو صورتوں کا حکم قابل غور ہے۔ جبکہ اکثر مروج بھی یہی
صورتیں ہیں۔
۳۔ اگر امید وصولی غالب ہے مثلاً نوے پچانوے فیصد امید ہے اور صرف ۱۰، ۵ فیصد ناامیدی ہے
۴۔ ناامیدی غالب ہے صرف ۱۰، ۵ فیصد امید ہے۔

قابلِ تحقیق امر یہ ہے کہ یہ مالِ ضمار میں شامل ہیں یا دینِ ثقہ میں ان دو صورتوں کے بارے میں چار احتمال ہیں۔

۱۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر کی کسی قسم میں داخل نہ ہوں، یعنی یہ نہ دینِ ثقہ ہوں نہ مالِ ضمار یہ احتمال باطل ہے اس لئے کہ اس سے ان کے متعلق حکم زکوٰۃ سے جہالت اور اہمال شریعت لازم آتا ہے، نیز ارتفاع نقیضین بھی ہے یعنی وجوب زکوٰۃ کی نہ نفی ہے نہ اثبات۔

۲۔ یہ دونوں صورتیں اول الذکر ہر قسم میں شامل ہوں، یہ بھی باطل ہے کیونکہ اجتماع نقیضین ہے کہ سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب بھی ہے اور واجب نہیں بھی۔

۳۔ مغلوب پہلو کو مدارِ حکم بناتے ہوئے یہ کہا جائے کہ تیسری صورت "مالِ ضمار میں" اور چوتھی صورت "دینِ ثقہ" میں داخل ہے اسلئے تیسری صورت میں زکوٰۃ ماضی واجب نہیں اور چوتھی صورت میں واجب ہے، یہ بھی بدیہی البطلان ہے کیونکہ پچانوے فیصد امید وصولی کے باوجود اگر زکوٰۃ واجب نہیں تو صرف پانچ فیصد امید وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کیونکر واجب ہو سکتی ہے۔

۴۔ اکثر واغلب پہلو کا اعتبار کرتے ہوئے تیسری صورت کو دینِ ثقہ اور چوتھی صورت کو "مالِ ضمار" میں شمار کیا جائے۔ دلائل عقلیہ، نقلیہ، شرعیہ، عرفیہ کی روشنی میں یہی احتمال حق ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وصولی دین کی ذرا سی امید کا ہونا مالِ ضمار بننے کے منافی نہیں اور مالِ ضمار وہ ہے جس کی بازیابی سے مایوسی ہو یا عدم بازیابی کا ظن غالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسک الختام | مسودہ کتابت کے لئے حوالے کیا جا چکا تھا کہ مالِ ضمار کی تعریف کے متعلق مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کا، بندہ کی موافقت میں ایک واضح فیصلہ وفتویٰ دستیاب ہو گیا فللہ الحمد والمنۃ الف الف مرۃ۔ اس موافقت سے بے حد مسرت ہوئی ——— جن قرضہ جات میں امید و ناامیدی ملی جلی ہوتی ہے۔ ایسے قرضوں پر وجوب زکوٰۃ اور سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں

الجواب

"اس میں اقوال مختلف ہیں اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے جس کی تفصیل ردمختار ج ۲

ص ۲، وص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے .... بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی امید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ومتمسکی فیہ ما فی رد المحتار بعد نقل عبارۃ النہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقد قدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ ومال الرحمتی الی ھذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاتہ ولا یقدر الدائن علی تخلیصہ منہ فھو بمنزلۃ العدم ج ۲ ص ۹۹ واللہ اعلم (یکم محرم ۱۳۲۶ھ تتمہ اولی ص ۵۳)

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۱، ۳۲)

اس فتویٰ سے ظاہر ہے کہ جس قرضے کی وصولی کی ضعیف امید بھی ہو وہ بھی مالِ ضمار میں شامل ہے ——— فقط واللہ اعلم بالصواب

وصولیٔ زکوٰۃ کے موجودہ نظام میں درج ذیل مفاسد ہیں:

۱۔ موجودہ نظام میں بینک اکاؤنٹس کو اموال ظاہرہ قرار دیکر حکومت کو جبری وصولی کا اختیار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ اموالِ باطنہ ہیں۔

۲۔ نیتِ مالک جو زکوٰۃ اور جملہ عبادات کے لئے ایک اجماعی شرط ہے۔ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔

۳۔ موجودہ نظام میں مالک کی غیبوبت ہی میں اسکی زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاء نے سرکاری وصولیٔ زکوٰۃ کے لئے حضور مالک کو شرط قرار دیا ہے (بدائع، بحر)

۴۔ بینک کے اموال حکومت کے ذمہ کھاتہ داروں کا قرض ہیں اور دیون میں وجوب ادا بعد القبض ہوتا ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور دیگر بڑے علماء اسی کے قائل ہیں، جب کھاتہ داروں کی طرف سے وصولی نہ پائی گئی۔ تو وجوب ادا ہی نہ ہوا لہٰذا امتناع متحقق نہ ہوا۔ اس لئے جبری کٹوتی کی حکومت مجاز نہیں ہے۔

۵۔ مصارف زکوٰۃ میں سخت بے احتیاطی ہو رہی ہے۔ کاتبوں میں ایک ایک فرد کو ہزاروں روپے دیئے جاتے ہیں۔

۶۔ موجودہ نظام زکوٰۃ میں ایک بُنیادی خرابی یہ ہے کہ اہلِ تشیع اور غالباً احمدیوں کے کھاتوں کو وصولی زکوٰۃ سے الگ رکھا گیا ہے۔ اسطرح تشیع وارتداد کا دروازہ کھل گیا ہے۔ بعض مسلمان کھاتہ داران شیعیت کا فارم پُر کرکے اپنے کھاتے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرا لیتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر یہ خاندان شیعیت اختیار نہ کرلے۔ یہ مسئلہ بھی قابلِ غور ہے، کہ اسطرح شیعیت کا فارم پُر کرنے سے وہ شخص کہاں تک مسلمان رہتا ہے۔

۷۔ شیعہ طلباء کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دی جاتی ہے اور وہ طلبہ تحریکِ فقہ جعفریہ کے دست و بازو بنتے ہیں۔ اور اہلِ اسلام کے خلاف اپنی منفی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسطرح سے زکوٰۃ فنڈ سے جو صرف اہلِ سنت والجماعت کا اسلامی فنڈ ہے اہلِ سنت اور اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا ہے

۸۔ اس کے علاوہ بھی بعض دیگر مفاسد ہیں حضرات علماء نے انکی نشاندہی فرمائی ہے۔

موجودہ نظامِ زکوٰۃ باقی رکھا جائے مگر درجِ ذیل اصلاحات کے بعد

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں:

۱۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے، اور کیا اصلاحات روبۂ عمل لائی جائیں؟ یہ مسئلہ قابلِ غور ہے اور اس سے پہلے اس امر کا فیصلہ ہونا چاہیئے کہ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ کا موجودہ نظام باقی بھی رہنا چاہیئے یا نہیں؟

۲۔ موجودہ نظام کی صورت میں کھاتہ داران کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ جب وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو باقی رکھا جائے گا تو اس میں شرعی نقطۂ نگاہ سے چند پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جن کا حل ہمیں قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں مطلوب ہے۔ بینک اکاؤنٹس جب اموالِ باطنہ قرار پائے تو حکومت کو اس سے وصولیٔ زکوٰۃ کا حق کیونکر حاصل ہوگا۔

۴۔ سرکاری سطح پر وصولیٔ زکوٰۃ میں ایک پیچیدگی یہ ہے کہ وجوب ادا، وصولیٔ قرضہ کے بعد ہوتا ہے یہی اکثر ائمہ کا مسلک ہے لیکن فرض کیجئے کھاتہ دار بینک سے اپنی رقم وصول

ہی نہیں کرتا تاکہ امتناع کا تحقق نہ ہو اور جبری وصولی نہ کی جا سکے تو اس شخص سے وصولیٔ زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

۱۔ موجودہ وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے ہماری رائے یہ ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اہم رُکن اسلام ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان کا قائم کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس کے مفاسد کی اصلاح کرتے ہوئے اسکو باقی رکھا جائے۔

۲۔ کھاتہ داران کو چاہیئے کہ حکومت کو وصولیٔ زکوٰۃ کیلئے اپنا وکیل بنا دیں یا پھر اپنے اموال کی زکوٰۃ خود ادا کیا کریں۔ کیونکہ ادائیگی فرض کا معاملہ ہے۔ ایسی صورت اختیار کرنی چاہیئے جس سے یقیناً برأتِ ذمہ حاصل ہو جائے۔

۳۔ اسکی صورت یہ ہے کہ توکیل کا فارم کھاتہ دار کے لئے ضروری قرار دیدیا جائے اور تمام بینک اس کے پابند ہوں۔ اسطرح پر حکومت کو وکالۃً وصولیٔ زکوٰۃ کا حق حاصل ہو جائے گا۔ بینک میں کھاتہ کھولنے یا اسے باقی رکھنے کے لئے ادائیگیٔ زکوٰۃ کی توکیل لازمی ہو، کھاتہ دار، منیجر بینک یا صدر کو اس کا وکیل بنالے۔ ادائے زکوٰۃ میں وکیل اپنا وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔

توکیل پر چند شبہات

پہلا شبہ: اس توکیل میں جبر ہے حالانکہ شرعاً توکیل میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

جواب ۱: یہ جبر نہیں اس لئے کہ کھاتہ دار حساب رکھنے یا نہ رکھنے میں مختار ہے اپنے اختیار سے کھاتہ کھول رہا ہے۔

جواب ۲: اگر بالفرض اسے جبر تسلیم بھی کریں تو ادائے زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی الجملہ جبر کی گنجائش ہے جیسے ایک شخص زکوٰۃ نہ دے تو حکومت اسے قید کر سکتی ہے اور تعزیر بھی لگا سکتی ہے۔

وفی الفارقی إن وقف على أهل بلدة لا يؤدون زكوٰة اموال الباطنة طالبهم بها وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء وفى الاشارات إذا امتنع عن اداء الزكوٰة يحبس حتى يؤدى (كفاية كتاب الزكوٰة ص۱۸۲)

اور ظاہر ہے کہ یہ توکیل اکراہ بالحبس سے بہت اہونُ ہے۔

دوسرا شبہ: موکل شرعاً جب چاہے توکیل ختم کرسکتا ہے، اس کے بعد حکومت کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہ رہے گا۔

جواب: توکیل ختم کرے گا تو کھاتہ بھی ختم ہوجائے گا۔ اس کے لئے تحریری اطلاع دینا ضروری ہوگا۔ وکذا لو کان غائباً فکتب الیہ کتاب العزل فبلغہ الکتب وعلم بما فیہ انعزل۔ (ہندیہ ص ۲۸۵ ج-۳)

تیسرا شبہ: کھاتہ دار وکیل کو معزول کردیتا ہے، لیکن رقم وصول نہیں کرتا، تو اس صورت میں عزل کی وجہ سے بینک کو وصولیٔ زکوٰۃ کا حق نہ ہوگا، نہ اس شخص سے قبل از وصول ادائیگی زکوٰۃ کا مطالبہ ہوسکے گا۔

جوابِ شبہ ①: کتاب الوکالۃ سے لزوم وکالت کی صورت تلاش کی جائے گی مثلاً ہندیہ میں ہے۔

کلما عزلتک فانت وکیلی الخ (ص ۲۸۷ ج-۳)

ان الفاظ سے توکیل کرائی جائے۔ تو فی الجملہ مفید لزوم ہوگا۔

جواب ②: اس کے خلاف تعزیری کارروائی کی جائے گی۔ مثلاً جبر بالحبس وغیرہ۔

۴۔ توکیل نامہ میں جب تصریح کردی جائے گی کہ ہر سال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے تو پھر جبر کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی یا اور کوئی حل تلاش کرلیا جائے۔

الغرض اشکال بالجبر کٹوتی پر ہے توکیل کے بعد یہ اشکال باقی نہیں رہتا۔

فقط والسلام، بندہ عبدالستار عفی عنہٗ

تم بحمد اللہ الجزء الثالث من خیر الفتاویٰ ویتلوہ الجزء الرابع و اولہ کتاب الصوم ان شاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ اولاً و آخراً

وقد فرغت من تبییضہ وترتیبہ یوم الجمعۃ ۲ رمضان سنہ ۱۴۱۳ھ

واسأل اللہ التوفیق لإتمام بقیۃ اجزاءہ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد الفقیر ابو تراب **محمد انور** عفا اللہ عنہ

مقیم جامعہ خیر المدارس ملتان (پاکستان) —